اگر تم علم نہیں رکھتے، تو اہل علم سے دریافت کرو (القرآن)

6

فتاویٰ بحر العلوم

تصنیف لطیف

بقیۃ السلف حجۃ الخلف بحر العلوم

حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم القدسیہ



فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اگر تم علم نہیں رکھتے، تو اہل علم سے دریافت کرو

فتاویٰ بحر العلوم

6

تصنیف لطیف

بقیۃ السلف حجۃ الخلف بحر العلوم

حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم



شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

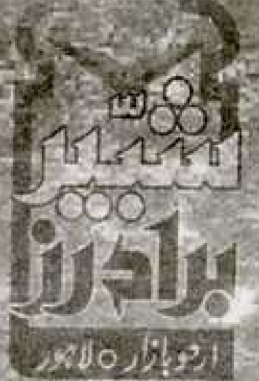
فون: 042-37246006

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

فتاویٰ بحر العلوم

ترتیب وتقدیم: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج بریلی شریف
تصحیح وتخریج وتحقیق: مولانا عبد السلام رضوی، استاذ جامعہ نوریہ رضویہ باقر گنج بریلی شریف
مولانا محمد حنیف خاں رضوی، مولانا محمد حسیب رضا خاں

باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	اپریل 2010ء / ربیع الثانی 1431ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	مولانا شمس الدین برکاتی مولانا زاہد شاہدی اور ساتھی
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزرز لاہور 0345-4653373
قیمت	روپے



ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

کتاب الوصایا

فہرست آیات کریمہ
فتاویٰ بحرالعلوم مکمل چھ جلدیں

﴿الفاتحة: ۱﴾

[البقرة:۲]

﴿ال عمران:۳﴾

﴿النساء: ٤﴾

﴿المائدة:٥﴾

الانعام:۶

الاعراف:۷

الانفال:۸

التوبۃ:۹

﴿يونس:١٠﴾

﴿هود:١١﴾

﴿يوسف:١٢﴾

﴿الرعد:١٣﴾

﴿ابراهيم:١٤﴾

﴿الحجر:١٥﴾

﴿النحل:١٦﴾

﴿الاسراء:١٧﴾

﴿الکہف:١٨﴾

﴿مریم:١٩﴾

طه:٢٠

الانبياء:٢١

الحج:٢٢

المؤمنون:٢٣

النور:٢٤

﴿الفرقان:۲۵﴾

﴿الشعراء:۲۶﴾

﴿النمل:۲۷﴾

﴿القصص:۲۸﴾

﴿لقمان:۳۱﴾

﴿حم السجدة:۳۲﴾

﴿الاحزاب:۳۳﴾

﴿الفاطر:۳۵﴾

الصافات:٣٧

ص:٣٨

الزمر:٣٩

الشوری:٤٢

الدخان:٤٤

الفتح:٤٨

الحجرات:٤٩

ق:٥٠

النجم:٥٣

الرحمن:٥٥

الواقعة:٥٦

الحديد:٥٧

المجا دلة:٥٨

الممتحنة:٦٠

المنافقون:٦٣

الطلاق:٦٥

التحريم:٦٦

القلم:٦٨

نوح:٧١

الجن:٧٢

القيامة:٧٥

الانسان:٧٦

التكوير:٨١

﴿الاعلیٰ:٨٧﴾

﴿الضحی:٩٣﴾

﴿العلق:٩٦﴾

﴿القدر:٩٧﴾

﴿البینة:٩٨﴾

﴿الماعون:١٠٧﴾

﴿الکوثر:١٠٨﴾

﴿الکافرون:١٠٩﴾

فہرست احادیث نبویہ

فتاویٰ بحر العلوم مکمل چھ جلدیں

الف



(ب)

(كان)

(ل)

آثار الصحابة

فہرست مسائل

جلد ششم

ہبہ کا بیان

کتاب الکلام والعقائد

رویت باری کا بیان

عقائد اہل سنت کا بیان

ختم نبوت کا بیان

علم غیب کا بیان

حاضر وناظر کا بیان

اختیارات رسول کا بیان

معجزات کا بیان

فضائل انبیا کا بیان

توسل کا بیان

ندائے یارسول اللہ کا بیان

سنت و بدعت کا بیان

تقلید کا بیان

تخلیق عالم کا بیان

مناقب کا بیان

فضائل کا بیان

کتاب الشتی

قرآن وتفسیر کا بیان

آداب تلاوت کا بیان

حدیث کا بیان

دعوت وتبلیغ کا بیان

سجادگی کا بیان

حسب ونسب کا بیان

موالی کا بیان

تاریخ کا بیان

مآخذ و مراجع

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
القرآن الکریم		
(الف)		
الاشباہ والنظائر	الشیخ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰
اشعۃ اللمعات	الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
احیاء العلوم	الامام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	الحافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲
الاتقان	الحافظ جلال الدین بن عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

نام کتاب	مصنف کتاب	سن وفات ہجری
اتحاف السادۃ المتقین	العلامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
انوار الحدیث	العلامہ المفتی جلال الدین احمد الامجدی	
انوار ساطعہ	العلامہ عبدالسمیع الرامفوری	۱۳۱۸
اطیب البیان	العلامہ السید محمد نعیم الدین المرادآبادی	۱۳۶۷
ابناء المصطفیٰ	الامام احمد رضا المحدث البریلوی	۱۳۴۰
المعتمد المستند	الامام احمد رضا المحدث البریلوی	۱۳۴۰
التمہید لابن عبدالبر	الحافظ یوسف بن عبداللہ القرطبی	۴۶۳
الذبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ	الامام احمد رضا المحدث البریلوی	۱۳۴۰
(ب)		
بدائع الصنائع	العلامہ علاء الدین ابی بکر مسعود الکاسانی	۵۸۷
البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	العلامہ علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰
البنایۃ شرح الھدایۃ	الامام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
بہجۃ الاسرار	الشیخ یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵
بہار شریعت	العلامہ المفتی امجد علی الاعظمی	۱۳۶۷
(ت)		
تاج العروس	العلامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
تاریخ ابن عساکر	العلامہ علی بن الحسن الدمشقی ابن عساکر	۵۷۱
التعریفات لسید شریف	العلامہ سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶

تفسیر ابن جریر	العلامہ محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
تفسیر البیضاوی	العلامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
تفسیر الجلالین	العلامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱
تفسیر الجمل	العلامہ سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
تفسیر القرطبی	العلامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
التفسیر الکبیر	الامام فخر الدین الرازی	۲۶
تفسیر البغوی	العلامہ ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
تفسیر النیشابوری	العلامہ نظام الدین الحسن بن محمد النیشابوری	۷۲۸
تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
تنویر الابصار	العلامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
تاریخ الطبری	العلامہ محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
الترغیب والترہیب	الحافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری	۶۵۶
تفسیرات احمدیہ	العلامہ احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
التفسیر المظہری	العلامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
تحفہ اثناعشریہ	العلامہ الشاہ عبدالعزیز الدہلوی	۱۲۳۹
تفسیر الخازن	العلامہ علاء الدین علی بن محمد البغدادی	۷۲۵
تفسیر الصاوی	العلامہ الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	۱۲۴۱
تفسیر ابوالسعود	العلامہ ابوالسعود	۹۸۲
تفسیر روح المعانی	العلامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی	۱۲۷۰
تفسیر روح البیان	العلامہ الامام الشیخ اسماعیل الحقی الحنفی	۱۱۲۷

تفسیر البیضاوی	العلامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
تفسیر الجلالین	العلامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱
تفسیر الجمل	العلامہ سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
تفسیر القرطبی	العلامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
التفسیر الکبیر	الامام فخر الدین الرازی	۲۶
تفسیر البغوی	العلامہ ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
تفسیر النیشابوری	العلامہ نظام الدین الحسن بن محمد النیشابوری	۷۲۸
تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
تنویر الابصار	العلامہ شمس الدین محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
تاریخ الطبری	العلامہ محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
الترغیب والترہیب	الحافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری	۶۵۶
تفسیرات احمدیہ	العلامہ احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
التفسیر المظہری	العلامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
تحفہ اثناعشریہ	العلامہ الشاہ عبدالعزیز الدہلوی	۱۲۳۹
تفسیر الخازن	العلامہ علاء الدین علی بن محمد البغدادی	۷۲۵
تفسیر الصاوی	العلامہ الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی	۱۲۴۱
تفسیر ابوالسعود	العلامہ ابوالسعود	۹۸۲
تفسیر روح المعانی	العلامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی	۱۲۷۰
تفسیر روح البیان	العلامہ الامام الشیخ اسماعیل الحقی الحنفی	۱۱۲۷
تفسیر احکام القرآن	العلامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المالکی	۵۴۳

تفسیر خزائن العرفان	العلامہ السید محمد نعیم الدین المرادآبادی	۱۳۶۷
تنقیح فتاویٰ الحامدیہ	العلامہ محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲
تجلی الیقین	الامام احمد رضا المحدث البریلوی	۱۳۴۰
	(ج)	
جامع الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی	۲۷۹
جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶
الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
الجامع الصحیح للمسلم	امام مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
الجوہرۃ النیرۃ	العلامہ ابوبکر بن علی بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
جواہر البحار	العلامہ السید عبدالغنی النابلسی	
	(ح)	
الحدیقۃ الندیۃ	العلامہ عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
حلیۃ الاولیا	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
حجۃ اللہ البالغہ	العلامہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
الحاوی للفتاوی	الحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
حسامی	العلامہ حسام الدین محمد بن محمد الاخسیکثی ۶۴۴	
	(خ)	
الخصائص الکبری	الحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
	(د)	

الدرایۃ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی	۸۵۲
الدر المختار	العلامہ علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
الدر المنثور	الحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
	(ر)	
ردالمحتار	العلامہ محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
رمز الحقائق	الامام بدرالدین محمود بن احمد العینی	۸۵۵
	(ز)	
زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	الحافظ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
	(س)	
السنن لابن ماجۃ	الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳
السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
السنن للبیہقی	العلامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
السنن لدارقطنی	العلامہ علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
السنن للدارمی	العلامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
سیرت ابن ہشام	العلامہ ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
سراجی فی المیراث	العلامہ سراج الدین السجاوندی	ساتویں صدی ہجری
سراج العوارف	الشیخ ابوالحسن احمد النوری	
	(ش)	
شرح الاشباہ والنظائر	العلامہ ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری ۱۰۹۹	

شرح الجامع الصغیر	الامام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
شرح السنۃ	العلامہ حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
شرح المسلم للنووی	العلامہ شیخ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶
شرح معانی الآثار	العلامہ ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
شرح مواہب الدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
شرح الوقایۃ	العلامہ صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
شرح المنیۃ الصغیر	العلامہ الشیخ بن محمد بن ابراہیم الحلبی	۹۵۶
الشفا فی تعریف المصطفیٰ	العلامہ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قاضی	۵۴۴
شرح العقائد النسفی	العلامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۲
شرح الفقہ الاکبر	العلامہ علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
شرح شفا	العلامہ ابوالفضل القاضی عیاض	۵۴۴

(ص)

صحیح بن خزیمۃ	الامام محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۵۴
الصواعق المحرقہ	العلامہ شہاب الدین احمد بن حجر	۹۷۳

(ط)

الطحطاوی علی الدر	العلامہ سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
الطحطاوی علی المراقی	العلامہ سید احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
الطریقۃ المحمدیۃ	العلامہ محمد بن بیرعلی المعروف ببرکلی	۹۸۱
طیبی شرح المشکاۃ	العلامہ شرف الدین الحسین بن محمد	۷۴۳

(ع)

عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
العنایۃ	العلامہ اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
عنایۃ القاضی	العلامہ شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
عقود الدریۃ	العلامہ محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
عمل الیوم واللیلہ	العلامہ ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
عوارف المعارف	العلامہ شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
عقد الجید	العلامہ شاہ ولی اللہ بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
عون المعبود	ابوعبدالرحمٰن العظیم آبادی	۱۳۲۹

(غ)

غمز عیون البصائر	العلامہ احمد بن محمد الحموی المکی	۱۰۹۸
غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
غنیۃ المستملی	العلامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
غنیۃ الطالبین	الامام الربانی الشیخ عبدالقادر الجیلانی	۵۶۱

(ف)

فتح الباری شرح البخاری	العلامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
فتاویٰ بزازیہ	العلامہ محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
فتاویٰ خیریہ	العلامہ خیرالدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
فتاویٰ قاضی خان	العلامہ حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
فتاویٰ ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	

فتاویٰ ظہیریہ	العلامہ ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد	۶۱۹
فتاویٰ ولوالجیۃ	العلامہ عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
فواتح الرحموت	العلامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
فصول العمادی	العلامہ محمد بن محمود اسروشنی	۶۳۶
فتاویٰ تاتارخانیہ	العلامہ بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
فتح العزیز	العلامہ عبد العزیز بن ولی اللہ التمر تاشی	۱۰۰۴
الفتاویٰ الرضویہ	الامام احمد رضا المحدث البریلوی	۱۳۴۰
الفتاویٰ الحدیثیہ	العلامہ ابو بکر عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
الفتاوی الامجدیہ	العلامہ المفتی امجد علی الاعظمی	۱۳۶۷
فرہنگ آصفیہ	المولوی عبد الحق الدہلوی	

(ک)

کتاب الآثار	الامام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
کتاب الآثار	الامام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
کنز العمال	العلامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
کنز الدقائق	العلامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
الکشاف	العلامہ جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
الکفایۃ	العلامہ جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	۸۰۰
کتاب الخراج	الامام ابو یوسف یعقوب الکوفی	۱۸۷

(ل)

لمعات التنقیح	العلامہ شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
لسان العرب	العلامہ جمال الدین محمد ابن منظور المصری	۷۱۱
الآلی المصنوعۃ	العلامہ ابو بکر عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

(م)

مبسوط السرخسی	العلامہ شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
مجری الانہر	العلامہ نور الدین علی الباقانی	۹۹۵
مجمع بحار الانوار	العلامہ محمد طاہر الفتنی	۹۸۱
مجمع الانہر	الشیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان	۱۰۷۸
مراقی الفلاح	العلامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلانی	۱۰۶۹
مرقاۃ	العلامہ علی بن سلطان ملا علی القاری	۱۰۱۴
المستدرک للحاکم	العلامہ ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
مسلم الثبوت	العلامہ محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
مسند ابی یعلیٰ	العلامہ احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
مسند الامام احمد بن حنبل	الامام احمد بن حنبل	۲۴۱
مسند الفردوس	الامام شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
مصنف ابن ابی شیبۃ	العلامہ ابو بکر عبد اللہ محمد احمد النسفی	۲۳۵
معرفۃ الصحابۃ	العلامہ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
المعجم الاوسط	العلامہ سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
المعجم الکبیر	العلامہ سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
معراج الدرایۃ	العلامہ قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹

مشکوۃ المصابیح	العلامہ شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
مختصر القدوری	العلامہ ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
المفردات	العلامہ حسین بن محمد بن مفضل الاصفہانی	۵۰۲
مجمع الزوائد	العلامہ نورالدین علی ابن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
منحۃ الخالق	العلامہ محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
موطا امام مالک	العلامہ امام مالک ابن انس المدنی	۱۷۹
میزان الشریعۃ الکبریٰ	العلامہ عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
میزان الاعتدال	العلامہ احمد بن موسیٰ ابن مردویۃ	۷۴۸
مصنف عبدالرزاق	الامام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
موطا الامام محمد	الامام ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹
موضوعات ابن جوزی	العلامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
مقاصد حسنہ	العلامہ شمس الدین محمد عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
المواہب اللدنیہ	العلامہ احمد بن محمد القسطلانی	۸۳۳
مکاشفۃ القلوب	الامام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
مشکل الآثار	الامام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
مسند ابی حنیفہ	العلامہ الخوارزمی	
مختصر المعانی	العلامہ سعدالدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۲
المعتقد	العلامہ فضل رسول البدایونی	
مبسوط	العلامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل الحنفی	۴۹۰

وصیت کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی جائداد اپنی زوجہ کے نام وصیت رجسٹری کیا جب کہ زید لاولد ہے زید کے ماں باپ انتقال کر چکے ہیں، زید کے تین بھائی ہیں باحیات، خالد، عمر، فخر، جواب طلب امر ہے کہ زید کی زوجہ نے اپنی جائداد خالد کے ایک لڑکے کو ہبہ کر دیا خدمت کے صلہ میں، اب جائداد پر خالد کے لڑکے کا قبضہ ہے، شرع کی روشنی میں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایمان دیانت عطا فرمائے۔ اگر سائل درحقیقت ایک مسئلہ کی دو شکلیں اور ہر ایک کا جواب علیحدہ علیحدہ چاہتا ہے کہ اس میں سے جو میرے موافق پڑے گا اس پر عمل کروں گا، تو وہ سوچ لے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتا، اور مفتی کے لکھنے سے وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اب دونوں مسئلوں کا جواب سنئے: اگر زید نے اپنی یہ جائداد ہندہ کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت باطل اور اس جائداد میں حسب تقسیم شرع دیگر ورثاء مثلاً بھائی کا بھی حصہ ہوگا، ہاں ورثاء اس وصیت کو تسلیم کریں تو وصیت صحیح ہو جائے گی اور عورت کے مہر کے بدلے میں رجسٹری کیا تو اس جائداد کی مالک زید کی زوجہ ہوگئی۔ اگر اس نے وہ جائداد خالد کے لڑکے کو ہبہ کر کے زندگی میں اس کو قبضہ دلا دیا تو خالد کا لڑکا اس کا مالک ہوگیا اور اس میں کسی دوسرے کا کچھ حصہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالسنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی ضلع مئو، ۱۴؍رذوالحجہ ۱۹۸۹ء

(۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زبیدہ خاتون دونوں آنکھوں سے مجبور ہے لیکن اس کی خواہش اکثر یہ رہتی تھی کہ کسی طرح زیارت حرمین شریفین نصیب ہوتی۔ موروثی جائداد سے اس کو تر کہ میں دو ہزار روپے کم وبیش ملے تھے اور اس کی سوتیلی بہن کو گیارہ سو روپے ملے تھے، دونوں الگ تھلگ رہتی تھیں اور آپس میں اختلاف اس طرح رہتا تھا کہ ایک دوسرے سے جدائی رہتی تھی اور زبیدہ کا شوہر جو عرصہ سے دوسری جگہ زندہ ہے اور اپنی بیوی سے کوئی تعلق زن وشوہر کا نہیں رکھتا ہے، زبیدہ کے مرنے کے بعد جو رقم بچی ہے وہ بعد تجہیز وتکفین کے سب مال اس کی سوتیلی بہن لینا چاہتی ہے حالانکہ زبیدہ کی نماز بھی بہت زیادہ عرصہ تک نہیں ہوئی تھی۔ اور حرمین شریفین کے زیارت کی تمنا بھی رکھتی تھی ایسی حالت میں مال کا صحیح مصرف کیا ہوسکتا ہے اور وارثوں میں

سوتیلی بہن اور شوہر کو کتنا ملنا چاہیے۔ جبکہ اس کی اکثر نمازیں اور بھی بہت قضا ہوئے ہیں۔ زبیدہ نے لاعلمی کی وجہ سے نمازوں اور روزوں کے فدیہ کی وصیت نہیں کی تو اس مال سے فدیہ دینا چاہئے یا نہیں؟ اگر دینا چاہئے تو فدیہ کے روپیہ کو مسجد کی تعمیر میں لگایا جائے یا نہیں۔ زبیدہ کی سوتیلی بہن (بالکل) مال اپنے صرف میں لائے اور تھوڑا فاتحہ وغیرہ میں خرچ کرے گی۔ کسی کے کہنے سے مانتی نہیں۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔

راقم عبدالحمید صدیقی متولی جامع مسجد ہزاری باغ بہار

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ زبیدہ نے لاعلمی کی وجہ سے کوئی وصیت نہ کی تو اس کے ترکہ سے ورثہ کی مرضی کے بغیر نہ فدیہ دیا جاسکتا ہے نہ کسی اور مصرف میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ (عالمگیری ٦/٥٥٥) ی میں ہے:" والترکۃ تتعلق بھا حقوق اربعۃ: جھاز المیت و دفنہ، والدین، والوصیۃ، والمیراث " اور صورت مسئولہ میں جبکہ عورت پر نہ قرض ہے اور نہ اس نے وصیت کی تو تجہیز و تکفین کے بعد جو باقی رہے گا اس میں وراثت جاری ہوگی، نصف شوہر پائے گا کہ قرآن عظیم میں ہے: ﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ﴾ (النساء: ١١) اور بقیہ اس کی سوتیلی بہن کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ — الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(٣) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسمی زید نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی ہندہ سے روبرو دو گواہان مندرجہ ذیل یہ وصیت کیا کہ یہ مکان جس میں میں رہتا ہوں اس کا نصف حصہ مسجد پر دیتا ہوں اور نصف حصہ لڑکی مسماۃ زینب کو دیتا ہوں، زینب کے انتقال کے بعد ہندہ نے مسماۃ زینب کا حصہ فروخت کرڈالا اور مسجد کے حصہ میں رہنے لگی، اب اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے اور مسجد کے حصہ سے انکار کرتی ہے کہ یہ مسجد کا نہیں ہے کیونکہ متوفی زید سے میں نے کہا کہ میں کہاں رہوں گی تو متوفی زید نے وصیت کو واپس لے لیا تھا۔ لیکن کسی گواہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ بقیہ نصف حصہ جس کو متوفی نے مسجد پر دیا تھا وہ مسجد کا ہوا کہ نہیں اور اگر فروخت کرے تو مصلیان مسجد کو روکنے کا حق ہے یا نہیں۔ جواب کتب معتبرہ سے مرحمت فرمایا جائے

بینوا توجروا — گواہان۔ عبدالصمد۔ برکت اللہ۔ نظام الدین۔ نور محمد

الجواب

زید نے اپنے مرنے کے بعد جو ترکہ چھوڑا ہے۔ اگر مذکورہ بالا مکان ومال ترکہ کا تہائی ہو تو

حسب وصیت آدھا زینب کا ہوگا اور آدھا مسجد کا اور اس کی بیع ناجائز ہوگی۔ ورنہ مکان کے اتنے ہی حصے میں وصیت جاری ہوگی جتنا زید کے کل ترکہ کا تہائی ہو اور اسی میں آدھا آدھا مسجد اور زینب کا ہوگا بہرنوع مسجد کا جو حصہ مکان میں ہو اسکی بیع ناجائز ہے اور ہندہ کا یہ دعویٰ کہ زید نے وصیت سے رجوع کرلیا تھا بلا گواہوں کے مقبول نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: "البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر" (مشکوۃ المصابیح۔ باب الاقضیۃ والشھادات: ٢/٧٤) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(٤) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

انتقال کیا زید نے اور چھوڑا اپنی بیوی اور والدین کو۔ پھر انتقال کیا زید کے والد نے اور چھوڑا اپنے بھائی اور بیوی اور والدہ کو۔ زید کے انتقال کے بعد زید کی بیوی مریم اپنا جہیز اور مہر لینا چاہتی ہے۔ زید کے چچا اور اس کی والدہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شرعاً مریم کا کچھ نہیں ہوتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جہیز کا سامان مریم پانے کی حقدار ہے یا نہیں؟ نکاح سے پہلے جو زیور مریم کو دیا گیا تھا وہ کس کا حق ہے۔ بینوا توجروا۔

امیر احمد انصاری خیر آبادی۔ ٩/٥-٦٢

الجواب

مریم زید کے مال سے مہر پانے کی حقدار ہے ﴿ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ [النساء: ٤] عالمگیری میں ہے:" والمھر یتأکد باحد معان ثلثۃ: بالدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین " جہیز کا سامان بھی عورت کو ملے گا۔

عالمگیری میں ہے: " جھز بنتہ و زوجھا، ثم زعم ان الذی دفعہ الیھا مالہ وکان علی وجہ العاریۃ عندھا، وقالت ھو ملکی: جھز تنی بہ او قال الزوج ذلک بعد موتھا، فالقول قولھما دون الاب" [الباب السابع فی المھر ١/٤١٥] جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جہیز کے بارے میں عورت کی زندگی میں شوہر کو دعویٰ کرنے کا حق نہیں عورت ہی دعویٰ کرسکتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ملک ہے لہٰذا عورت ہی کو ملنا چاہئے۔ ہاں وہ چیزیں جو خاص طور سے شوہر کو دی گئیں جیسے ہمارے دیار میں شادی کے موقع پر آنگن میں کچھ روپیہ گھڑی وغیرہ نوشہ کو دیا جاتا ہے۔ وہ شوہر کا ہے۔ واپس عورت کو نہ ملے گا۔ نکاح سے پہلے کا زیور اگر بطور عاریت صرف پہننے کے لئے دیا گیا تھا تو شوہر کے ورثہ کو ملے اور اگر

بطور تملیک دیا گیا تھا تو نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ١٦؍ذی الحجہ ١٣٨١ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید نے اپنی نقد ملکیت ایک ہزار روپے کی دیو پورہ مسجد میں وقت تعمیر دینے کا وصیت نامہ لکھا۔

(۲) میرے کھاتہ میں پندرہ ہزار روپے میری اہلیہ کے بھی جمع ہیں۔ اس میں سے بھی پندرہ سو روپے دیو پورہ کی مسجد میں لگائے جائیں۔ اس تحریر کے وقت عورت مرچکی تھی۔ وصیت کے بعد زید کا بھی انتقال ہوگیا۔ تحریر وصیت نامہ کی تاریخ ١٩٢٨ء کی ہے مسجد کی تعمیر جدید ١٩٢٣ء میں ہوئی۔ ورثاء کی آپسی ناچاقی کی وجہ سے کل پچیس سو روپے کی رقم مسجد میں نہیں دی گئی۔ اب دے رہے ہیں تو کس مد میں خرچ کیا جائے۔

(۳) مسجد مذکورہ خود کفیل ہے تو یہ رقم مسجد کے لئے جائداد کی خریداری میں صرف کی جاسکتی ہے

(۴) یا مسجد کی مرمت رنگ وروغن پر خرچ کئے جاسکتے ہیں۔

(۵) دوسری مسجد میں ضرورت ہے تو اس کے بازو میں زمین خریدی جاسکتی ہے۔ جس کی آمدنی سے یہ دوسری مسجد خود کفیل ہوجائے۔ فقط حاجی عبد الغفار اشرفی قادری ٣؍جمادی الاولیٰ ٨٠

الجواب

صورت مسئولہ میں ورثاء کی رضامندی سے وہ روپیہ جب مدینہ مسجد کو دیدیا گیا۔ تو وہ روپیہ کسی دوسری مسجد میں صرف نہیں کیا جاسکتا۔ کتب فقہ میں ہے: "شرط الواقف کنص الشرع" ہاں فی الحال مدینہ مسجد کو اس کی ضرورت نہ ہو۔ اور دوسری کو اس کی ضرورت ہو تو وہ رقم بطور قرض دوسری مسجد میں صرف کی جائے۔ اور جب مسجد میں پیسے آجائیں تو مدینہ مسجد کو وہ رقم واپس کردی جائے۔ عالمگیری میں ہے: "مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلاتہ ثم نابت للاسلام نائبة فللقاضی ان یصرف فی ذالك لكن علی وجه القرض فیكون دینا فی مال الفیء (باب فی المسجد: ٢/٥٠٤)" پھر یہ رقم صرف مدینہ مسجد کی تعمیر میں صرف کی جاسکتی ہے۔ رنگ روغن وآرائش میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ یکم ربیع الثانی ١٣٨١ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(٦) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے ہوش وحواس کی درستگی میں کہا کہ میری موت کے بعد میری جائداد سے میری بیوی ہندہ تاحیات نفع حاصل کرتی رہے اور اس کی موت کے بعد کل جائداد میری تعمیر کردہ مسجد میں صرف کی جائے۔ چنانچہ زید کی موت کے بعد ہندہ اس کی جائداد سے نفع حاصل کرتی رہی کچھ دنوں کے بعد ہندہ نے بھی مسلمانوں سے کہا کہ میری موت کے بعد کل جائداد مسجد میں لے لی جائے گی مگر مسلمانوں نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا پھر ہندہ نے ضعف وناتوانی کی اپنی حالت دیکھی اور دیکھ بھال کرنے والا کسی کو نہ پاکر اپنی کل جائداد پرورش کے معاوضے میں کچھ مسلمانوں کے مشورے سے بکر کے نام لکھ دیا اور چند سال بکر کے زیر پرورش رہکر فوت کرگئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کی جائداد شرعاً مسجد کی ملکیت قرار دی جائے گی یا بکر کی؟

المستفتی علی حسن انصاری مقام وپوسٹ اوجھاگنج ضلع بستی ١٣؍رمضان المبارک ١٣٨٧

الجواب

زید نے اپنی جائداد کے لئے مسجد کے نام وصیت کی اور وصیت ثلث میں نافذ ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "والثلث کثیر" یعنی تہائی بہت ہے۔ تو زید کی جائداد سے تہائی مسجد کا اس میں ہندہ کے تصرف سے کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ بقیہ جائداد کے لئے ہندہ نے بھی وصیت کی لیکن وصیت نافذ ہونے سے قبل ہی اس جائداد کو اس نے دوسرے کے ہاتھ بیچ کر اپنی وصیت باطل کردی اس لئے اب مسجد کا صرف تہائی حصہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ١٩؍ذی القعدہ ١٣٨٧ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(٧) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص تھا جو اپنا مکان ایک مسجد پر وقف کرنا چاہتا تھا مگر وقف کرنے میں کچھ قانونی دشواری تھی لہٰذا اس مکان کو مسجد کے لئے مبلغ چار سو روپیہ لیکر رجسٹرار صاحب کے سامنے انہوں نے ایک وصیت زبانی چار آدمیوں کے سامنے کی جو وصیت حسب ذیل ہے جو اپنی بیوی کے لئے کہا تھا۔ دیکھئے مکان تو ہم نے بیع نامہ کردیا ہے لیکن جب تک ہماری مسماۃ اس مکان میں رہنا چاہیں تو رہنے دیجئے گا اور اس سے مستفید ہونا چاہیں تو آپ لوگ مستفید ہونے دیجئے گا تاکہ میرے مرنے کے بعد ان کو کوئی تکلیف نہ ہو لہٰذا ان کے مرنے کے بعد بیوہ اس مکان میں رہا کرتی تھی۔ اور اس میں کرایہ دار بھی رکھتی تھی۔ کرایہ خود لیکر خرچ کرتی

تھی۔ کبھی مسجد کو روپیہ بھیج دیتی تھی کئی سال کے بعد مساۃ نے متولی اور کچھ ممبران کو بلا کو کہا کہ مکان بڑا ہے اس میں دو حصہ بنوا دیا جائے تو مسجد کا فائدہ ہوگا اور ایک حصہ میرے لئے بہت ہے اور کرایہ بھی زیادہ ملے گا لہٰذا متولی مسجد نے اس کو دو حصہ بنوا دیا ایک حصہ میں مساۃ خود رہتی تھی اور دوسرے حصہ میں ایک کرایہ دار مبلغ سولہ روپیہ ماہوار پر رکھا گیا کچھ روز تک مسجد کو وہ کرایہ ملتا رہا۔

پھر مساۃ نے متولی صاحب کو بلا کر کہا کہ اب میں تکلیف میں ہوں لہٰذا کرایہ مجھ کو ملتا تو اچھا ہوتا لہٰذا متولی صاحب اور سب ممبران نے طے کیا کہ مساۃ کو مبلغ دس روپیہ ماہوار کرایہ کی آمدنی سے دیا جائے اس پر مساۃ بھی راضی ہوگئی اور انکو برابر ہر ماہ مبلغ دس روپیہ ماہوار کرایہ کی آمدنی سے دیا جاتا رہا۔ اب قریب چھ سات ماہ ہوا کہ مساۃ نے ایک شخص سے اپنا نکاح پڑھالیا بعد نکاح مکان خالی کر کے مسجد کے ذمہ کر دیا اب اس حصہ کو بھی مسجد نے کرایہ مبلغ سولہ روپیہ ماہوار پر دے دیا اور مساۃ کو کوئی واسطہ مکان اور کرایہ سے نہیں رہا اب تین ماہ ہوا کہ مساۃ کی طلاق ہوگئی۔ لہٰذا مساۃ نے پھر خواہش ظاہر کی کہ ہم کو پھر مکان رہنے کے لئے ملنا چاہئے ایک درخواست مساۃ نے متولی صاحب کو دیا اس پر تحریر کیا'' کہ میں مجبور ہوں رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا مسجد کے مکان میں پھر رہنے کی جگہ دی جائے''

لہٰذا انہوں نے ایک میٹنگ کی ممبروں کو جمع کیا درخواست میٹنگ میں رکھی جس پر ممبران نے غور کیا کثرت سے رائے ہوئی کہ مساۃ کو مکان رہنے کے لئے دیا جائے مگر متولی صاحب کی رائے ہوئی کہ مکان مسجد کا ہے اور متوفی نے وصیت اپنی بیوی کے لئے بتایا تھا اور جب انہوں نے دوسرا نکاح کرلیا لہٰذا ہم لوگوں کو اپنی مرضی سے کوئی حق نہیں کہ مکان مسجد کا دے دیا جائے۔ لہٰذا علمائے دین اس مسئلہ پر کیا فتویٰ دیتے ہیں کہ مساۃ کو مکان مسجد خالی کرا دیا جائے اور مستفید ہونے کا حکم دیدیا جائے۔

المستفتی متولی مسجد چوک بازار اعظم گڑھ

الجواب

عورت اگر اس مکان میں قیام پذیر رہی واقعی وصیت کے موافق اس کا حق اسی مکان کے متعلق تھا لیکن اس نے خود مکان سے الگ ہو کر حق کھو دیا کیونکہ وصیت یہی تھی کہ جب تک وہ رہنا چاہیں جب وہ اس مکان سے نکل گئیں تو یہ وصیت ختم ہوگئی دوبارہ حق نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عبدالجبار مرحوم کا جب وقت آخر ہوا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوئے یہاں تک کہ بحالت مرض ہوش حواس بھی بجا نہ رہتے تھے۔ اور سہارا دیکر اٹھتے بیٹھائے جاتے تھے۔ مرنے سے صرف نو دن پہلے انہوں نے اپنا دو قطعہ مکان اپنے لڑکوں کے نام لکھ دیا۔ اور ایک مکان کے بارے میں نہیں لکھا۔ مرحوم کے ان دو لڑکوں کے علاوہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور بھی تھے۔ لیکن ان کے نام کچھ بھی نہیں لکھا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ جس لڑکے اور لڑکی کے نام نہیں لکھا ان کا حصہ ان مکانات میں ہوگا یا نہیں جو دو لڑکوں کے نام لکھ گئے ہیں۔ اور جو مکان کسی کو نہیں لکھا اور ان تینوں بھائیوں میں ایک بہن کا حصہ ہوتا ہے۔ اب حق دو بھائیوں کے نام والد نے کچھ نہ لکھا تو اس مکان میں اب بہن کا کتنا حصہ ہوگا۔

المستفتی حاجی ایوب محلہ ادھے پور بنارس ۷؍محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

الجواب

مرض الموت میں عبدالجبار نے جو تصرف کئے سب وصیت کا حکم رکھتے ہیں اور حدیث شریف میں ہے:" لا وصية للوارث (مسند امام احمد بن حنبل :٦٩/٦)" اس لئے شرعاً عبدالجبار مرحوم کا اپنے دو لڑکوں کو مکان لکھنا کالعدم قرار دیا جائے اور ان کی جائداد میں اگر صرف یہی ورثاء ہیں سات حصوں پر تقسیم ہو کر ایک حصہ لڑکی اور دو دو حصہ لڑکوں کو ملے گا۔ ہاں آپس میں اگر کسی پر یہ لوگ صلح کرلیں تو اور بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۹-۱۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہندہ نے مرض الموت میں وصیت کیا تھا کہ میرے انتقال کے بعد میرا سامان جہیز وغیرہ جو کچھ میری سسرال میں ہے اس کو وہیں چھوڑ دیا جائے یعنی سسرال کے لوگوں سے طلب نہ کیا جائے۔ وصیت کے چند روز بعد ماں باپ اور شوہر کو چھوڑ کر انتقال کر گئی لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کی وصیت کس طرح جاری ہوگی اور اس کے ترکہ اور مہر کا کیا حکم ہے؟

(۲) حسب دستور شادی کے وقت ہندہ کے والدین اور شوہر نے ہندہ کو کچھ زیورات دئے تھے پھر کچھ ہی دنوں بعد ہندہ کے والد نے اپنے زیورات ہندہ سے واپس مانگ لیئے اور ان زیورات کی زکوٰۃ وغیرہ ہندہ کے والد ہی ادا کر رہے ہیں ان زیورات کا کیا حکم ہے؟

(۳) ہندہ کے شوہر نے اپنے زیورات کو شادی کے کچھ ہی دنوں بعد ہندہ سے لیکر فروخت کرڈالا ان زیورات کا کیا حکم ہے؟

(۴) ہندہ میکے ہی میں تھی کہ بیمار ہوگئی اور میکے ہی میں انتقال کرگئی علاج ومعالج کا کل خرچہ ہندہ کے والد ہی نے برداشت کیا یہ اخراجات کس کے اوپر نافذ ہوں گے ہندہ کے والد ہی پر یا ہندہ کے شوہر پر؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں تاکہ ہندہ کا ترکہ مع زیورات ومہر حکم شریعت کے مطابق تقسیم کردیا جائے۔　المستفتی، نورالہدیٰ مخدوم پورہ بھیرہ پوسٹ ولید پور ضلع مئو ۱۳/صفر ۱۱ھ

الجواب

(۱) ہندہ کے کل ترکہ کا جہیز تہائی حصہ ہوتو پورے جہیز میں ورنہ ترکہ کے تہائی حصہ بھر جہیز میں ہندہ کی وصیت جاری ہوگی۔ اوراس وصیت والے حصہ میں شوہر کو کچھ نہیں ملے گا۔ حکم شرع ہے "لا وصیة لـو ارث،، ہندہ کے بقیہ ترکہ اور مہر کو چھ جگہ تقسیم کرکے ایک حصہ ماں کو دیا جائے گا دو حصہ باپ کو اور تین حصہ شوہر کو دیا جائیگا۔

(۲) شادی کے وقت طرفین سے جو زیور عورت کو دیئے جاتے ہیں ان میں شوہر کے زیور کے بارے میں عرف یہی ہے کہ وہ شوہر کی ملک ہوتا ہے۔ عورت کو صرف پہننے کے لئے عاریۃً دیتا ہے۔ میکہ کا زیور بطور ہبہ لڑکی کو دیا جاتا ہے جس کی وہ مالک ہوتی ہے ہاں باپ ماں وغیرہ جو دیتے ہیں اگر دیتے وقت یہ تشریح کردیں ہم نے مالک نہیں بنایا صرف پہننے کے لئے دیا تو لڑکی مالک نہیں ہوگی۔

(۳) صورت مسئولہ میں شوہر والا زیور ترکہ نہیں قرار دیا جاسکتا البتہ والد والے زیور میں دونوں صورتیں ممکن ہیں مالک بنایا ہو تو عورت کا ترکہ قرار دیا جائے گا ورنہ والد کی ملک ہوگا۔

(۴) علاج کا خرچ جس نے برداشت کیا اس کے ذمہ گیا شوہر پر اس کی ادائے گی ضروری نہیں واللہ تعالیٰ اعلم　عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۳۰/ربیع الاول ۱۱۱۱ھ

(۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے گاؤں میں ایک مسجد ہے اور ہندہ بھی اسی گاؤں میں رہتی ہے۔ ہندہ نے اپنے انتقال سے پہلے یہ کہا کہ میرا زیور مسجد میں دیدینا۔ پھر ہندہ کا انتقال ہوگیا جب تک گاؤں کے لوگوں میں مسجد کے بارے میں اختلاف ہوگیا تو کچھ لوگوں نے گاؤں میں ایک نئی مسجد بنائی اور وہ زیور جس کو ہندہ نے مسجد میں دینے کو کہا تھا اسی نئی مسجد کی تعمیر میں صرف کردیا حالانکہ یہ لوگوں میں رواج ہے کہ جس مسجد سے تعلق رکھتے ہیں اسی میں اکثر روپیہ پیسہ دیتے ہیں۔

تو آیا یہ زیور نئی مسجد پر لگ سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔　المستفتی، عبدالستار بھیلو پاکڑیا بچلا پورہ سرواں مئو یوپی۔

الجواب

صورت مسئولہ میں ہندہ کی وہ بات کہ زیور مسجد میں دیدینا وصیت ہے۔ اور زیور ہندہ کے ترکہ کا تہائی حصہ تک ہوتب تو وصیت نافذ ہوگی اور تہائی سے زائد ہو تو زائد میں دیگر ورثاء کی رضامندی ضروری ہے۔ اور چندہ کی رقم چندہ دینے والے کی مرضی کے موافق ہی خرچ کرنا چاہئے نئی مسجد میں صرف نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔　عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۴/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

(۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

گلاب خان مرحوم کے کل چار لڑکے ہیں ان کی کل زمین گیارہ بیگہ ہے۔

میت　گلاب خان

لڑکے　محمد داد خان　رحیم داد خان　دبیر داد خان　صاحب رضا خان

محمد داد خاں کی ایک لڑکی　نور جہاں

صاحب رضا خان کے تین لڑکے　محمد عمر خان　نادر خان　حنیف خاں

محمد داد خان وصیت کئے کہ نور جہاں کی شادی محمد عمر خان سے کردینا اور میری زمین وجائداد میری لڑکی نور جہاں اور محمد عمر خان کو دیدینا۔ تو محمد داد خان کے انتقال کے بعد دونوں کی شادی کردی گئی، شادی کے دو سال بعد محمد عمر خان کے والد صاحب رضا خان کا انتقال ہوگیا۔ شادی کے چھ سال بعد نور جہاں کے شکم سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام عاصمہ ہے، جب عاصمہ چھ سال کی ہوئی تو اس کی ماں نور جہاں کا انتقال ہوگیا۔

محمد داد خان کی وصیت کے مطابق پونے تین بیگہ زمین محمد داد خان کے حصہ کی محمد عمر خان کو دیدی گئی۔ زمین بارہ سال محمد عمر خاں کے قبضہ میں رہی، اس کے بعد رحیم داد خان اور دبیر داد خان پونے تین بیگہ زمین جو اس کے خسر محمد داد خان کی وصیت والی تھی لے لئے اور ایک بیگہ عاصمہ کو دیئے باقی پونے دو بیگہ تین جگہ تقسیم کردیئے، یعنی رحیم داد خان، دبیر داد خان لئے اور ایک حصہ اپنے بھائی صاحب رضا خان مرحوم کے لئے نکال دیئے۔

گلاب خان کی کل زمین گیارہ بیگہ تھی، ایک تقسیم تو ان کے چاروں لڑکے محمد داد خان، رحیم داد خان، دبیر داد خان، صاحب رضا خان پہلے ہی کردیئے تھے، جو کہ پونے تین تین بیگہ پڑی تھی۔ اب اصل

نزاع صاحب رضا خان کے تینوں لڑکے محمد عمر خان، نادر خان، حنیف خان کے درمیان ہے۔ پہلی تقسیم جو وصیت والی زمین ہوئی وہ تقسیم کیسی ہے اوراب عاصمہ والی زمین محمد عمر خان کے بھائی لینا چاہتے ہیں اس کا مسئلہ کیا ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی: ایم ڈی عمر خان ساکن جیتاری پوسٹ مصطفےٰ آباد ضلع سیوان

الجواب

صورت مسئولہ میں جبکہ محمد داد خان کی وصیت پر ان کے حقیقی بھائیوں رحیم داد خان، دبیر داد خان اور صاحب رضا خان نے عملدرآمد کردیا اوران کی پوری زمین محمد عمر خان کے قبضہ میں دیدی تو محمد داد خان کی وصیت نافذ ہوگئی۔ حدیث شریف میں ہے: لا یجوز الوصیة لوارث الا ان یشاء الورثة (سنن الدار قطنی: ۴/۱۵۲) وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہاں دیگر ورثہ جائز کردیں تو وصیت جائز ونافذ ہے۔

پس صورت مسئولہ میں حسب وصیت محمد داد خان جب ان کا پورا حصہ محمد عمر کے قبضہ میں دیدیا گیا تو دونوں میاں بیوی اس پونے تین بیگہ زمین کے نصف نصف کے مالک ہوگئے۔ فتاوی رضویہ جلد گیارہ ص ۲۷۱/۲۷۲ میں ہے:

"اگر رؤف النساء کے یہی تینوں وارث تھے، دو دختر اور ایک بھائی اور رؤف النسا نے دونوں دختروں کے نام وصیت کی تو کل جائداد اس بنا پر کہ برادر نے اس وصیت کو جائز اور نافذ کیا ان دونوں دختروں کی ملک ہوگی۔"

اسی طرح یہاں بھی جب محمد داد خان کے تینوں بھائیوں نے ان کی وصیت نافذ کردی تو نور جہاں دختر اور محمد عمر برادر زادہ پونے تین بیگہ کے برابر مالک ہوگئے۔ یہاں تک جو ہوا صحیح ہوا۔ لیکن اس کے بعد رحیم خان اور دبیر خان نے جو اس زمین کو واپس لے لیا غلط کیا۔ اسی کتاب کے ص ۲۷۲ پر ہے:

"وارث بعد وصیت جائز کردے تو پھر اسے رجوع کرنے اور اپنا حق مانگنے کا اختیار نہیں"

پس صورت مسئولہ میں پونے تین بیگہ کا نصف جو محمد عمر کو از روئے وصیت ملا تھا انہیں واپس ملنا چاہئے اور بقیہ نصف جو مرحومہ نور جہاں کا ترکہ ہے وہ ان کے ورثہ میں مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

پونے تین بیگہ کا نصف جو نور جہاں کا ترکہ ہے اس کے آٹھ حصہ کئے جائیں جس میں چار عاصمہ کے اور دو محمد عمر کے اور ایک رحیم داد خان اور ایک دبیر خان کو، نور جہاں کے ترکہ میں صاحب رضا خان کے دیگر لڑکوں کا کوئی حصہ نہیں۔ عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۸/شعبان ۱۴۱۸ھ

(۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو مرتے وقت وصیت کی کہ میں نے اپنی کل جائداد تم کو دیدیا۔ زید کے

انتقال کے بعد زید کے بھائی عمرو خالد نے دین مہر کو معاف کراتے وقت ہندہ سے کہا کہ میں نے تم کو کل جائداد ان کی تمہارے سپرد کیا اور عمر بھر تمہاری سرپرستی کرونگا۔ اس شرط پر ہندہ نے دین مہر معاف کردیا۔ بعد کو گھر سے ہندہ کو نکال دیا۔ اب ہندہ اپنا دین مہر اور حق زوجیت اور عدت کا کھانا چاہتی ہے۔ اس کے بارے میں کتب احادیث وقرآن سے جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد مجید موضع بادشاہ نگر پوسٹ جمال نگر بہار

الجواب

اگر ہندہ نے مہر معاف کرتے وقت یہ کہا کہ میں مہر اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ تم لوگ زندگی بھر میرے خرچ کے ذمہ دار ہوگے یا یوں کہا کہ اگر تم ذمہ دار ہوگے تو میں نے معاف کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت نے شرط کا ذکر خود کیا ہو تب تو جب شوہر کے گھر والوں نے نکالدیا تو شرط نہیں پائی گئی اور مہر معاف نہ ہوگا۔ اور اگر شرط کے طور پر معاملہ نہ ہوا ہو بلکہ شوہر کے گھر والوں نے وعدہ کیا ہو کہ ہم زندگی بھر تمہارے کفیل رہیں گے اور عورت نے بلا شرط کے مہر معاف کردیا ہو تو مہر بہرحال معاف ہوگیا، شوہر کے گھر والوں نے نکال دیا تب بھی۔ چونکہ وہ لوگ وعدہ خلافی کررہے ہیں اس لئے ان پر گناہ ہوگا، ہاں زید کے ترکہ سے اپنا حق ہندہ نے چونکہ معاف نہیں کیا ہے اس لئے وہ ہر حال پائے گی، جس عورت کا شوہر مرگیا ہو وہ عدت کے اندر نفقہ کھانا وغیرہ کی حقدار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۵/شوال ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ   الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ

(۱۶-۱۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) زید نے اپنی تمام جائداد متروکہ اپنے لڑکوں کو اور ایک فوت شدہ لڑکے کی بیوہ ہندہ کو وصیت کردی اور کہہ دیا کہ میری وفات کے بعد ہی پانچوں میرے جائز وارث ہیں، یہی لوگ میری وفات کے بعد میری تمام جائداد متروکہ کے مالک قابض ہوکر نسلاً بعد نسلٍ مستحق ہوں گے۔

(۲) مندرجہ بالا وصیت نامہ کی شرائط پر زید کے وارثوں کو اتفاق نہیں ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ بیوہ ہندہ کا پوری جائداد متروکہ میں کون سا حصہ ہے؟

(۳) اگر عدالت مجاز میں زید کے وارثوں کی طرف سے بیوہ ہندہ کی طرف سے صلح نامہ ہوجائے کہ ہندہ زید کی جائداد پر اپنی حیات تک ہی قابض رہے گی تو از روئے شریعت یہ صلح نامہ جائز ہے یا ناجائز؟ براہ کرم جواب جلد عنایت فرمائیں۔

ایک استفتاء کافی عرصہ ہوا طویل مضمون کے ساتھ جوابی لفافہ رکھ کر بھیجا گیا تھا جس کا اب تک جواب نہیں ملا۔ مودبانہ گذارش یہ ہے کہ اس کا جواب جلد عنایت فرمائیں۔ فقط

الجواب

(۱) زید کے وارثوں کو وصیت نامہ سے اتفاق ہو یا نہ ہو۔ زید کی بیوہ بہو مال کے پانچویں حصہ کی وارث ہوجائے گی۔

(۲) اگر طرفین باہمی رضامندی سے کسی بات پر صلح کرلیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ دونوں میں کوئی نابالغ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے بیماری کی حالت میں اپنی لڑکی سے مخاطب ہوکر اپنے نواسے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ بچی بابو کی یعنی نواسہ کی دیکھ بھال اچھی طرح کرنا یہ مکان بھی اپنے مکان کی طرف اشارہ ہے بابو کا یعنی نواسہ کا ہے اور بقیہ تمام جائداد یعنی کھیت باغ وغیرہ میں جس کا حق جتنا ہوگا لے لیگا۔

محمد شعیب مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب

اگر زید نے مرض الموت میں کہا تو وصیت ہے۔ یعنی تہائی مال میں نافذ ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مکان کی مالیت کل جائداد کا تیسرا حصہ ہو تو نواسہ کو ملے گا ورنہ اتنا ہی ملے گا جتنا اس کا ترکہ تیسرا حصہ ہوا۔ وہ بھی قرض وغیرہ حیات کی ادائیگی کے بعد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۱ رذوالحجہ ۸۵ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۹۔۲۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید کا ایک لڑکا عمر کے پیدا ہونے کے چند سال بعد عمر کی والدہ انتقال کرگئیں اور عمر کے والد زید نے ایک بغیر طلاق شدہ عورت کو رکھ لیا جس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اور زید کی پہلی بیوی کے لڑکے عمر کی شادی ہونے کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا بعدہ عمر کا انتقال ہوگیا۔ اب عمر کی بیوی نے کوئی شادی نہیں کی اور اسی ایک لڑکے کو لیکر بیٹھی رہی۔ اور ادھر زید سے جو چار ناجائز لڑکیاں پیدا ہوئیں تھی ان کی بھی شادی ہوگئی اور یہ سب بچہ والیاں ہوگئیں، اور زید نے اپنی ناجائز لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کے لڑکے کو صرف اپنی تمام جائدا دلکھ دیا اور زید اپنے لڑکے کے لڑکے کو کچھ نہیں دیا۔ از روئے شرع مطہرہ مطلع

فرمائیں کہ زید کی جائداد کا مستحق کون ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۲) ہندہ کے شکم سے چھ ماہ کی مدت میں بچہ پیدا ہوا بچہ جائز تسلیم کیا جائے گا۔ جب کہ عوام اس کو ناجائز کہتے ہیں اور ہندہ اور ہندہ کے گھر والے اس کو جائز سمجھتے ہیں جواب بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: کریم الدین موضع پیدولی خورد پوسٹ ویل گنج ضلع گورکھپور

الجواب

(۱) زید نے اگر اپنی صحت کے عالم میں اپنی تمام جائداد اس لڑکے کے نام کردی اور اپنا قبضہ ہٹا کر اس کو قبضہ دلا دیا ہو تو اس نے ظلم کیا کہ اپنی حقیقی اولاد کو محروم کرکے غیروں کو مالک بنادیا لیکن جب اس نے ایسا کردیا تو وہی اس کا مالک ہوگیا کہ زید کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل تھا وہ جس کو چاہے دے۔ چنانچہ اگر مرض الموت میں وصیت کی ہو یا ہبہ کے بعد اپنا قبضہ اس سے نہ ہٹایا تو اب اس میں سب وارثوں کا حصہ شرعی تقسیم کے موافق ہوگا۔

(۲) ضرور بچہ جائز تسلیم کیا جائے گا۔ ہدایہ میں ہے: "اکثر مدة الحمل سنتان و اقله ستة اشهر (باب ثبوت النسب: ۱/۴۱۳)" بچہ ماں کے شکم میں کم از کم چھ مہینہ رہ سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

میں صفات اللہ خان ولد صفی اللہ خان ساکن ادری اندرا اچہ نصر اللہ پور پرگنہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ۔ کا ہوں چونکہ ہماری عمر ساٹھ سال ہوچکی ہے ہماری کوئی اولاد لڑکا لڑکی نہیں ہے۔ صرف ہماری عورت ہے جس کا نام لطیفہ بانو عرف حسینہ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد ہماری تمام جائداد کی وارث ہے اکثر دیکھا گیا کہ مرنے کے بعد اس کی جائداد پر طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور مرنے والے کی جائداد برباد ہوجاتی ہے اور اس کی وجہ سے روح کو کافی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی جائداد کا انتظام اپنی زندگی میں کردیں۔ تاکہ مرنے کے بعد ہماری جائداد پر کسی قسم کا جھگڑا نہ ہونے پائے۔ لہٰذا احقر بخوشی ورضامندی بہوش وحواس سمجھ بوجھ کر یہ وصیت بحق وارث لطیفہ بانو عرف حسینہ زوجۂ صفات اللہ خان، ہم نے لکھدیا۔ تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

(۱) یہ کہ جب تک میں زندہ رہونگا اپنی تمام جائدادوں اور ارضیات بھوم دہری اور سردھری مکان وغیرہ کا مالک اور قابض رہوں گا۔

(۲) یہ کہ بعد مرنے احقر کی تمام جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا بھوم دہری اور سردھری مالک اور قابض ہماری عورت لطیفہ بانو عرف حسینہ ہوگی۔

(۳) یہ کہ احقر کی عورت کے مرنے کے بعد ہماری منقولہ وغیر منقولہ جائداد کا نصف کا حصہ کا مالک مدرسہ امجدیہ اور جامع مسجد اہل سنت وجماعت موضع اودری رہے گا بقیہ نصف حصہ کا مالک دونوں آدمیوں کا خدمت کرنے والا یا خدمت کرنے والی رہے گی۔

(۴) یہ ہے احقر کی لکھی ہوئی پہلی اور آخری وصیت ہے۔

(۵) یہ ہے کہ اس وصیت نامے کے مقابلہ میں اگر کوئی آدمی ناجائز طریقہ ہی ہماری جائداد پر کھڑا ہوئے تو وہ جھوٹا اور باطل سمجھا جائے گا (یہ رجسٹری کا مضمون ہے) صفات اللہ خان کے مرنے بعد ان کی بیوی نے وہ جائداد ایک اسٹامپ پر اپنی حقیقی بہن کے بڑے لڑکے کو دیدیا حسینہ بیوی کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے (بھائی کے لڑکے نے) عدالت میں مقدمہ دائر کردیا پھر بعد میں بہن بھائی کے لڑکوں نے آپس میں صلح کرلی اور بھائی کا لڑکا عدالت میں اپنے حق سے مستعفی ہوگیا۔

حسینہ بی بی کی کوئی اولاد نہیں ہے صرف بھائی بہن کی اولاد ہیں حقیقی بھائی کے دو لڑکے ایک لڑکی بڑا لڑکا اور لڑکی حسینہ کی زندگی ہی میں انتقال کرگئے اب صرف ایک بھتیجہ اور بڑے بھتیجے کی اولاد زندہ ہیں حقیقی بہن کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ایک لڑکی حمیدہ خاتون جو لاولد تھی اس کا انتقال حسینہ کے انتقال کے بعد ہوا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صفات اللہ خان مرحوم کی جائداد کن کن لوگوں میں تقسیم ہوگی مسجد مدرسہ کا کتنا حصہ ہوا حسینہ کے حقیقی بہن بھائی کی اولاد کو کتنا حصہ ملے گا خدمت کرنے والوں کو کتنا حصہ ملے گا حسینہ بی بی نے بہن کے لڑکے کو جو اسٹامپ پر لکھدیا اس کا کیا ہوگا بہر حال ہر ایک حصے کی وضاحت کردی جائے تاکہ ہر ایک کو اس کا حصہ مل جائے۔

نوٹ:- نیز جس مدرسہ کے لئے صفات اللہ خان مرحوم نے وصیت کی تھی اب اس مدرسے کا وجود نہیں ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

وصیت نامہ کی تحریر سے یہ ظاہر ہے کہ متوفی صفات اللہ خان کا ان کی عورت کے سوا کوئی وارث نہ تھا ایسی صورت میں وہ اپنی پوری جائداد کی وصیت اپنی تنہا وارث لطیفہ بانو عرف حسینہ کو کرسکتے ہیں اور یہ وصیت صحیح ہوگی۔ خانیہ میں ہے۔ (بحوالہ فتاوی رضویہ جلد یازدہم ص ۲۲۰)

ولو اوصی لزوجه اوهی له ولم یکن ثمه وارث آخر تصحح الوصیة۔

مرد نے اپنی عورت کے لئے وصیت کی یا عورت نے مرد کے لئے وصیت کی اور کوئی دوسرا وارث نہیں ہے تو وصیت صحیح ہوگی۔

اور شامی میں ہے: "اذا عدم من تقدم ذکره یبدأ لمن اوصی له بجمیع المال لتکمل له وصیة لان منعه لما زاد علی الثلث کان لاجل الورثة فلما لم یوجد منهم احد فله عندنا ماعین له کملا" ۔ (حوالہ مذکورہ بالا ص ۲۴۴)

ترجمہ: اس سے پہلے جن لوگوں کا ذکر ہوا اگر وہ نہ ہوں تو اسی کو سارا مال دیدیا جائے گا جس کے لئے کل مال کی وصیت کی ہے کیونکہ ثلث سے زائد وصیت کی ممانعت دوسرے ورثہ کی ہی وجہ سے تھی۔ اور جب کوئی وارث ہی نہیں تو جس کو پورے مال کی وصیت کی تھی اس کو کل دیدیا جائے گا۔

اور جب وصیت نامہ کی دفعہ ۲ کی رو سے صفات اللہ کی موت کے بعد مسماۃ لطیفہ بانو عرف حسینہ ان کی تمام جائداد کی مالک قابض ہوئی تو وصیت نامہ میں لکھی ہوئی دفعہ نہیں معطل ہوگی۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاوی رضویہ میں حصہ یازدہم ص ۲۱۴ر میں فرماتے ہیں: شاہ محمد خاں اگر بیع ودین کرے تو روپیہ میری روح پر بخش دے، یہ ایصال ثواب کی وصیت نہیں ہوسکتی۔ بعد اس کے کہ مکانات ملک موصی لہ کرچکا۔ پرائی ملک میں اسے وصیت کا کیا اختیار ہے۔ وصیت ایجاب ہے۔ اور ملک غیر میں اس کے لئے کوئی بات واجب نہیں ہوسکتی مالک کو اختیار ہے مانے نہ مانے فقہانے ایسی ہدایات کو مشورہ قرار دیا ہے۔ تو جب مسماۃ لطیفہ بانو عرف حسینہ نے شوہر کے مشورہ سے روگردانی کرکے ساری جائداد جس کی وہ از روئے دفعہ ۲ مالک ہوگئی تھی اپنے بھانجے کو دیدیا تو اب وہ شرعا بھی اسی کا ہوگا اب اس جائداد میں مسجد یا مدرسہ یا خدمت گزار اور حسینہ کے دیگر بھتیجوں اور بھانجوں کا کوئی حق نہ ہوگا فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مؤ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ

خیانت کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک انجمن اسلامیہ کمیٹی رابرٹس گنج ضلع مرزاپور ۱۹۴۶ء سے قائم ہے جس کا کام مسجد، مکتب، قبرستان نیز عیدین کی نماز وغیرہ کا انتظام اور دیکھ بھال وغیرہ ہے۔

(۱) اس کمیٹی کا صدر مدنی میاں ہے جو کہ شرابی ہے اور ایک چوری کے مقدمہ میں دو سال کی سزا بھی پاچکا ہے۔ پولس کی نگرانی بھی رہتی ہے۔ اس کو ایک گورنمنٹ ملازم کی سازش میں صدر بنالیا تھا۔ کیا

ایسا شخص صدارت کے لائق ہے، اوراس کا شرعی حکم اور فیصلہ کیا ہے؟

(۲) اسی انجمن کے خزانچی حبیب ہاشمی تھے آج عرصہ پانچ سال سے وہ اس عہدہ سے جمعہ کی نماز میں عام مسلمانوں کے سامنے مستعفی ہو گئے تھے۔ چونکہ وہاں کے مسلمان ان لوگوں سے تنگ اور عاجز آ گئے تھے۔ کہ آج بیس سال سے نہ تو کمیٹی نے حساب وکتاب دکھایا اور نہ فرصت کے وقت مسلمانوں کو طلب کر کے مطلع کیا۔ جب مسلمانوں نے بہت آواز بلند کی اور احتجاج کیا تو حبیب نے صدر موصوف اور بعض ارکان کمیٹی اور سرکاری ملازم فیاض احمد کی برائیوں اور اسلامی خزانہ کے بے ایمانیوں کو چھپانے کے لئے پھر سے اعلان کر دیا کہ میرا استعفاء منظور نہیں ہوا تھا میں سابق دستور اپنے عہدوں پر چلا آرہا ہوں اور حبیب ہاشمی نے تمام کاغذات پر ایک دن ہی میں دستخط کر دیا تا کہ عدالت اور پولس والوں سے تمام لوگ محفوظ رہ جائیں۔ ایسے شخص پر اسلام کا کیا فیصلہ ہے؟

(۳) عیدین کی نماز کے بعد انجمن اسلامیہ کے چند بااثر اور ذمہ دار ارکان حضرات چندہ فراہم کرنے لگے ہیں جس سے عام مسلمان خطبہ سننے سے محروم رہ جاتے ہیں اور منع کرنے پر وہ مسجد ہی میں سخت سوال وجواب کرتے ہیں اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ بینوا وتوجروا

المستفتی ڈاکٹر فیاض احمد قریشی۔ قریشی کلینک رابرٹس گنج ضلع مرزاپور

الجواب

اگر سائل سچا ہے تو سوال میں جن صدر انجمن اور خزانچی کا ذکر کیا گیا ہے یہ سب اس لائق ہیں کہ انہیں ان کے عہدوں سے الگ کر دیا جائے۔ درمختار ۶/۲۵۲ میں ہے:" وینزع وجوبا لو الواقف۔ فغیرہ بالا ولی غیر مامون او عاجزا اوظهر به فسق وان شرط عدم نزعه " اور مذکور بالا لوگوں پر سوال میں فسق خیانت سبھی کا الزام ہے۔ اگر مسلمان ان کو الگ کرنے پر قادر نہ ہوں تو ایسے ادارہ میں چندہ ہی نہ دیں کہ قرآن عظیم میں ہے: ﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدة:۲) خطبہ کے وقت چپ رہ کر خطبہ سننا واجب ہے۔ اور کلام مکروہ۔ عالمگیری ۱/۱۸۵ میں ہے:" اذا خرج الامام فلا صلوة ولا کلام " جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں منع کرنے پر جھگڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ کرتے ہیں انہیں اپنے اس فعل سے توبہ کرنی چاہئے، اور آئندہ اس سے بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۷/ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

لقطہ کا بیان

(۱-۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک بکری کہیں سے آکر زید کے دروازے پر رکی چونکہ ان کے دروازے پر ایک خصی رہتا تھا اور وہ ابھری ہوئی تھی زید نے ہر چند کوشش کیا کہ وہ چلی جائے لیکن وہ جاتی نہیں تھی۔ اسی طرح چند دن گذر گئے اعلان کے باوجود کوئی لینے نہیں آیا۔ تب زید نے اسے اپنے یہاں رکھ لیا اور چارہ وغیرہ دینے لگا۔ یہاں تک کہ وہ بچہ جنی تو وہ مونث رہا۔ پھر دوبارہ بچہ جنی تو خصی تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اگر اس خصی کو قربانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ بکری نے جو بچہ جنا زید اسے اپنے کسی رشتہ دار کو بطور تحفہ دیدیا اور یہ بکری خصی جنی تو آیا رشتہ دار اسے قربانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کہ نہیں؟

(۳) مسئلہ یہ ہے کہ ایک بکری ہے جو کبھی خصی کے پاس نہیں گئی ہے اور وہ دودھ دیتی ہے تو اس دودھ کا کیا حکم ہے پی سکتے ہیں کہ نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ڈاکٹر اقبال احمد صاحب عمر گنج بلیا

الجواب

زید نے اس بکری کے کھلانے پلانے پر جو خرچ کیا اس کا کوئی معاوضہ نہیں پائے گا۔ بہار شریعت حصہ دہم ص ۱۰ میں ہے:" لقطہ پانے والے کو کوئی اجرت نہ ملے گی اور جانور ہو تو کھلانے پلانے میں جو خرچ ہوا اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں ملے گا۔"

اور جو بچہ پیدا ہوا زید اس کا بھی مالک نہ ہوگا۔ مذکور بالا کتاب کے صفحہ ۱۳ پر ہے:" ایک کی کبوتری اور دوسرا کا کبوتر جوڑا لگ گیا اور انڈے بچے ہوئے تو کبوتری والے کے ہیں۔"

اگر اس بکری اور بچوں کو اتنے دن کے بعد کہ غالب گمان ہو گیا ہو کہ مالک اب تلاش نہ کرتا ہو اگر زید فقیر محتاج ہو تو اس کو اپنے صرفہ میں لا سکتا ہے رشتہ دار فقیر ہو تو اس کو بھی دے سکتا ہے مالدار ہوں، تو اپنے یا کسی رشتہ دار کے یہاں دینے اور مصرف میں لانا ناجائز ہے، اسے محتاج اور فقیروں کو ہی دینا چاہے۔ اسی کتاب میں ہے:

"اٹھانے والا فقیر ہے تو مدت مذکورہ تک اعلان کے بعد خود اپنے مصرف میں بھی لا سکتا اور اپنے رشتہ والے فقیر ہوں تو ان کو بھی دے سکتا ہے۔" (ص ۹)

صدقہ کرنے کے بعد مالک آگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو صدقہ کو جائز کر دے مالک کو ثواب

ملے گا اور جائز نہ کرے تو اسکا تاوان لے سکتا ہے چاہے لقطہ پانے والے سے چاہے فقیر سے۔ الغرض گری پڑی چیز پانے والا فقیر نہ ہو تو وہ نہ تو کسی صاحب نصاب کو دے سکتا ہے نہ خود لے سکتا ہے اور صدقہ کی صورت میں بھی اگر اصلی مالک آگیا اور صدقہ سے راضی نہ ہوا تو بکری اور بچوں کا ڈنڈ بھرنا پڑیگا۔

(۳) وہ دودھ کھا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹رذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

(۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے چار گواہوں کے سامنے بطور امانت کچھ نقد رقم امین کے یہاں رکھا ہے۔ اور اب ضرورت پڑنے پر جب زید اپنی رکھی ہوئی امانت مانگتا ہے تو امین کہتا ہے کہ اسی رقم کے جتنے حقدار ہوں سب کو بلا کر لاؤ حسب حصہ میں سب کو یہ رقم تقسیم کرونگا۔ جب کہ امین کا اس رقم میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ از روئے شرع مذکور جملہ کے ساتھ امین کا انکار کرنا درست ہے یا نہیں؟

عبدالحفیظ والد حاجی محمد سلیم مبارکپور

الجواب

صورت مسؤلہ میں امین پر واجب ہے کہ وہ رقم زید کو واپس کردے۔ قرآن عظیم میں ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾ (النساء: ۵۸) اور جب زید نے ہی وہ رقم امین کے یہاں رکھی ہے۔ تو وہی اس کا اہل ہے اور اسی کو واپس کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۳رشعبان ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک مسجد کے سلسلہ میں صدر عظیم الدین نے خزانچی ریاض الدین سے مبلغ دو سو پچاس روپیہ سیمنٹ خریدنے کو نور محمد کو دلوایا۔ موصوف نے ٹھیکیدار مہیش سے بات طے کی اور اس نے وعدہ کیا کہ ہم سیمنٹ مسجد کے لئے دیں گے۔ اس کے وعدہ کرنے پر نور محمد نے کل روپیہ قیمت سیمنٹ دو سو پچاس روپیہ مہیش کو دیدیا لیکن مہیش نے وعدہ پر سیمنٹ نہیں دیا نہ روپیہ واپس کیا۔ سوال یہ ہے کہ شرعی طور پر اس روپیہ کا دین دار کون ہے؟ آیا خزانچی یا صدر یا نور محمد سے روپیہ وصول کیا جائے۔ خلاصہ جواب عنایت فرمائیں۔

بینوا توجروا

نوٹ۔ صدر جناب عظیم الدین صاحب نے پہلے ایک سو دلوایا تھا۔ اور ایک سو پچاس خزانچی

ریاض الدین صاحب نے دیا تھا۔   ۲۲رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ

الجواب

سوال میں درج کئے ہوئے تینوں حضرات کی طرف سے اگر اس سلسلہ میں کسی بددیانتی یا سازش کا ثبوت نہیں ہے، تو ان میں سے کسی سے روپیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ کہ ان لوگوں نے اپنے اختیار سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کی۔ روپیہ مہیش ٹھیکدار سے وصول کرنا چاہئے کہ مسجد کو یہ نقصان اسی نے پہنچایا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم   عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ڈرائیور ہے اس کی گاڑی پر آدھی بوری سے کچھ زائد چاول معمولی اور غالباً کسی ہندو کا چھوٹ گیا زید نے اس چاول کو دو ماہ اپنے پاس رکھا کہ شاید جس کا چھوٹا ہے وہ آوے اور لیجائے۔

لیکن دو ماہ کے بعد اب تک کوئی وارث نہ آیا اس چاول کو زید استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ چاول مذکورہ کو کنٹرول ریٹ سے خرید لے اور قیمت غریبوں یا ضرورت مندوں یا مسکین کو دیدے اور چاول خود تصرف میں لاوے جائز ہے کہ نہیں۔ جائز طریقہ بمطابق مسئلہ چاول کو کیا کرنا چاہئے۔   سرفراز

الجواب

وہ چاول لقطہ ہے۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اولا لوگوں میں اسے شہرت دی جائے کہ جو اس کا مالک ہو آ کر لیجائے کوئی نہ آئے تو محتاج خود بھی کھا سکتا ہے لیکن مالک تلاش کرتا ہوا آئے تو اس کا دام دینا ہوگا اور مالدار صدقہ کردے۔ لیکن مالک آجانے کی صورت میں صدقہ کے بعد بھی قیمت مالک کو دینا ہوگی اگر مالک صدقہ پر راضی نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲رصفر ۸۵ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

غصب کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عرض خدمت یہ ہے کہ ایک میری زمین ہے اور میں زمینداری کے زمانہ سے اس پر قابض ہوں اور رجسٹری سرکاری پر بھی میرا نام درج ہے۔ اس پر ناجائز طریقے سے قبضہ کر کے مدرسہ تعمیر کرانا مسجد تعمیر

کرانا اور نماز پڑھنا یا نماز جمعہ یا نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی، سید علی اسفاد، محمد آباد گہنہ ضلع اعظم گڑھ

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی مغصوبہ زمین میں مسجد و مدرسہ بنانا ناجائز ہے اور مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا منع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم　　عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۲۱ رجب ۱۴۰۹ھ

(۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے یہاں ایک مسجد جو کہ زیادہ دنوں سے ویران پڑی تھی کسی کا اس پر قبضہ نہیں تھا کیونکہ وہ تو مسجد تھی اور خدا کا گھر۔ لیکن اس جگہ رشید شاہ گھر بنا رہے ہیں ان کے لئے بہت لوگ منع کر رہے ہیں لیکن وہ نہیں مانتے ہیں گھر بنا رہے ہیں اور اس گاؤں میں پہلے کی مسجد وہیں تھی لیکن اب دوسری مسجد بن گئی ہے اور ایک حافظ مبین الدین بھی ہیں وہ بھی ساجھی ہیں لیکن ان کا بھی ارادہ ہے کہ مسجد نہ بنے ایک ہی مسجد سے کام چل جائے گا لیکن اگر سب لوگ نماز پڑھنے لگیں تو صحیح معنیٰ میں ایک مسجد سے کام نہ چلے گا۔

المستفتی عبد الستار موضع روپن پور ڈاکخانہ رمپور ضلع اعظم گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں رشید شاہ شدید ترین گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ان کو ایسی عبرت ناک سزا ملتی کہ دنیا دیکھتی۔ درمختار ۱/۴۲۹ میں ہے: " ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الامام ابدا الى قيام الساعة و به يفتى " شامی ۶/۴۲۹ میں ہے: " و كذا لو خرب وليس له ما يعمره به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد اخر " مسجد تو قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اس کا اعزاز و احترام مسجد کی طرح ہی کیا جائے گا، اگرچہ آس پاس کی بستی اجاڑ ہوگئی ہو خود مسجد ویران ہوکر منہدم ہوگئی اور کوئی اس کو تعمیر کرنے والا نہیں اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، اس لئے اس مسجد کی ضرورت نہ رہی ہو۔ بہرحال جو ایک دفعہ مسجد ہوگئی قیامت تک مسجد ہی رہے گی۔ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے رشید شاہ کو اس حرکت ناشائستہ سے روکیں اور وہ باز نہ آئے تو ان سے سلام وکلام شادی بیاہ کھان پان سارے ہی معاشرتی تعلقات ختم کردیں۔ تا آنکہ وہ اس حرکت قبیحہ سے توبہ کریں اور مکان بنانے سے باز آئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۴ ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ　　الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے مسجد کے متولی سے مسجد کا کچھ سامان خریدا مثلا درخت اور غلہ وغیرہ لیکن جب متولی اور قوم نے اس سے بقایا پیسہ کا مطالبہ کیا تو اس نے وعدہ کرکے ٹال دیا پھر دوبارہ سہ بارہ مطالبہ بقایا رقم کا کیا گیا تو اس نے بقایا رقم دینے سے صاف صاف انکار کردیا اور یہ کہا کہ میں نہ تو بقایا رقم دوں گا نہ مسجد میں نماز پڑھوں گا۔ اس پر عوام نے زید سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ پیسے بھلے نہ دو لیکن نماز پڑھنے سے انکار نہ کرو۔ اس کے باوجود وہ انکار کرتا رہا۔ زید نے جو پیسہ مسجد میں دیا تھا واپس لے لیا۔ بقایا رقم بھی نہ دیا اور نماز پڑھنے سے عوام میں بار بار انکار کرتا رہا۔　　المستفتی محمد اسلام موضع جام ڈیہہ پوسٹ گھوسی اعظم گڑھ

الجواب

زید نے مسجد کی رقم دبا کر سخت جرم کیا۔ اس پر لازم ہے کہ مسجد کا روپیہ فوراً ادا کرے اور صدق دل سے توبہ کرے اور اسی طرح کوئی عذر شرعی صحیح نہ ہو تو مسجد میں نماز پڑھنے سے انکار کرکے بھی سخت مجرم ہوا۔ اگر زید اپنی ناشائستہ حرکتوں سے باز نہ آیا اور اہل رائے دیندار مسلمان بائیکاٹ ہی مناسب سمجھیں تو زید کا بائیکاٹ کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم　عبد المنان اعظمی اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ　　الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسماۃ میمونہ کو اس کی نانی نے کچھ زیور دیا، جو مشترک تھا۔ پھر وہ زیور اس کا خالہ زاد بھائی کہیں لے کر چلا گیا۔ اسی دوران میمونہ کا انتقال ہوگیا۔ پھر اس کا خالہ زاد بھائی حاضر ہوا میمونہ کا شوہر اور اس کی نانی دونوں اس زیور کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس کا خالہ زاد بھائی کس طرح اس کو واپس کرے۔

علی احمد جاروب کش مبارکپور

الجواب

تنقیح کے بعد معلوم ہوا کہ نانی نے وہ زیور میمونہ کو دیا تھا۔ اور یہ کہ میمونہ نے اپنے مرنے کے بعد شوہر، ایک بہن اور ایک نانی کو چھوڑا ہے اس لئے خالہ زاد بھائی پر لازم ہے کہ وہ زیور تینوں کو دے۔ اور تینوں اس کے برابر چودہ حصہ کرکے ۲ حصہ نانی کو اور چھ چھ شوہر اور بہن لے لیں۔ یا خالہ زاد بھائی اس حساب سے ان تینوں کو تقسیم کردے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ　　الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید سنی مسلمان ہے صوم وصلوۃ کا پابند ہے اور اکثر امامت بھی کرتا ہے اس کے پڑوسی کچھ سنی مسلمان ہیں سارے پڑوسیوں کے ساتھ نازیبا حرکت کرتا ہے اور پڑوسی مسلمان اس کی نازیبا حرکات سے ازحد پریشان ہیں فی الحال ایک غریب پڑوسی کے ساتھ ایسا کیا کہ پڑوسی کے دروازہ کی طرف پاخانہ بنوایا ہے اور آبدست پاخانہ دھلنے کا جو پانی گرتا ہے وہ پڑوسی کے دروازہ پر ہی سے بہتا ہے۔ زید کا کھیت پڑوسی کے دروازہ پر ہے پانی لے جانے والی نالی اپنے کھیت میں پڑوسی کے دروازہ پر ہی بنا رکھی ہے پڑوسی محض غریب ہے اس کے پاس دوسری زمین بھی نہیں ہے کہ اپنے مکان کو چھوڑ کر مکان دوسری جگہ منتقل کرلے، دروازہ پر بیٹھنا پڑوسی کے لئے دوبھر ہو گیا ہے۔ پڑوسی محض مجبور ہے، علمائے دین کا راستہ دیکھتا ہے۔ اکثر علمائے کرام آتے ہیں لیکن نہ وہ کچھ زید کو کہتے ہیں نہ یہ کسی سے شکایت کرتا ہے زید کے بارے میں علمائے دین فتویٰ صادر فرمائیں۔

آیا زید کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کا فعل اس کے سنی ہونے میں کوئی رخنہ تو نہیں ہے۔ اللہ ورسول کے نزدیک زید کا یہ فعل کیسا ہے۔ بینوا وتوجروا

المستفتی مولوی نور الدین موضع سیوالا پوسٹ استورھا ضلع بستی

الجواب

سوال میں اس امر کی تشریح نہیں ہے کہ زید نے گندے پانی کی نالی اپنی زمین پر بنائی ہے یا غریب پڑوسی کی زمین میں۔ اگر پڑوسی کی زمین میں بنائی ہے تو ضرور یہ غصب ہے اور اس کے پیچھے وہ تحریمی ہوگی لیکن اگر وہ زمین زید کی ہے تو شرعاً اس پر الزام نہیں کہ ہر آدمی اپنے حسب منشاء اپنی زمین میں تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس کے پیچھے نماز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ زید کو اخلاقاً چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی دل دہی کرے۔ واللہ تعالی اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۵ر محرم ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک زمین کا جھگڑا زید اور عمرو کے درمیان چل رہا ہے ۱۹۵۶ء میں زمین کے تصفیہ کے لئے ایک پنچایت ہوئی جس میں زید نے کہا: رب کعبہ کی قسم میں صدق نیت سے اللہ ورسول کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں کہ وہ زمین عمرو کی ہے اور تا قیامت اسی کی رہے گی میں اس کا طلبگار نہیں ہوں گا۔ عمرو نے تعمیر

کی درخواست ٹاؤن ایریا میں دی جس کو منظور کرلیا گیا وسعت نہ ہونے کی بناء پر تعمیر نہ ہوسکی ۱۹۶۷ء میں پھر عمر نے اس زمین پر درخواست ٹاؤن ایریا میں دی جس کو منظور کرلیا گیا جس پر زید نے کلکٹر صاحب کے اجلاس میں ایک اپیل کی کہ زمین پر تعمیر کی اجازت نہ دی جائے کیونکہ اس پر میرا حق ہے پھر پنچایت زید نے جمع کیا مگر عمر کو پنچایت کی اطلاع نہیں دی اور اس روز عمر مکان پر موجود نہ تھا اس لئے پنچایت میں شریک نہ ہوسکے، اس وجہ سے عمر کو برادری سے ظلماً خارج کردیا گیا۔ عمر کے لڑکے پنچایت میں موجود تھے انہوں نے کہا کہ ہمارے والدین مکان پر موجود نہیں ہیں کہیں باہر چلے گئے ہیں رات بھر کا موقع دیا جائے تاکہ ہم ان کو بلالیں لوگوں نے نہ مانا۔ پھر شعبان میں پنچایت ہوئی جس میں پاس ہوا کہ عمرو کا روزی روزگار بند کردیا جائے مگر اس پر مکمل طور پر عمل نہ ہوسکا۔ پھر یکم صفر ۱۳۸۸ھ کو پنچایت ہوئی اور مکمل طور پر بائیکاٹ کیا گیا۔ واضح ہو کہ عمر ایک خاص پیشہ کرنے والا ہے اسکا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی کا رزق بند کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے ایسے افراد پر کیا حکم لاحق ہوگا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی نور الحق پرانی بستی مبارکپور اعظم گڑھ ۶ر صفر ۱۳۸۸ھ

الجواب

اگر سائل اپنے سوال میں سچا ہے تو عمر کے ساتھ زید اور پنچایت والوں نے جو سلوک کیا سخت ناروا اور ناجائز ہے۔ ان سب پر لازم ہے کہ اس ظلم وستم سے باز آئیں عمر سے معافی مانگیں اور اس کا مقاطعہ ختم کریں۔ حدیث شریف میں ہے: "من كانت له مظلمة لاحد من عرضه او شيء فليتحلله له منه اليوم قبل ان لا يكو ن دينار ولا درهم "[صحيح البخاری۔باب المظالم۔۱/۳۳۱] واللہ تعالی اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۰ر صفر ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بکر نے آج سے تقریباً ۱۷ر سال پہلے اپنی زوجہ کے نام سے زمین خریدی تھی کچھ زمین خالی تھی محلے والے ۱۰ر سال سے محرم کا اکھاڑا نکالا کرتے تھے۔ اس سال تعزیہ بنایا ہندہ نے منع کیا کہ میری زمین پر تعزیہ مت رکھئے روکنے پر ہنگامہ ہوا اور محلے والے ایک ہوکر ہندہ کی زمین کو مقدمہ بازی کرکے قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ قبضہ از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

سائل عبد القیوم

الجواب

اگر واقعۃً وہ زمین ہندہ کی ہے تو محلے والوں کا وہاں اکھاڑا قائم کرنا، تعزیہ بنانا اس زمین کو ہندہ کی ملک سے نہیں نکالے گا اور اگر محلے والے زبردستی یا غلط پیروی کے ذریعے اس پر قبضہ کر لے گئے تو سخت گنہ گار ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے: "من قطع حق امریٔ مسلم بیمینه فقدا ا وجب الله له النا ر وحرم علیه الحنة" جس نے کسی مسلمان کا حق جھوٹی قسم وغیرہ سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جہنم واجب فرمائی اور جنت اس کے لئے حرام قرار دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شخص محمد ایوب شاہ نے مسماۃ زبیدہ خاتون کو کھڑا کر کے ایک فرضی مقدمہ مسجد کی موقوفہ جائیداد کو اپنی ذاتی ملکیت ثابت کرنے کی غرض سے عدالت میں دائر کیا جس کی پیروی میں شخص مذکور مع اپنے چند ساتھیوں کے پیش پیش رہا مگر کچھ باحمیت مسلمانوں نے اس کے اس بے ایمانی کے خلاف مقدمہ میں انتہائی جانفشانی کے ساتھ پیروی کی اس کے نتیجہ میں الحمدللہ مقدمہ کا فیصلہ مسجد کے حق میں ہوا اور جائیداد اللہ تعالیٰ نے بچالی لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ خانۂ خدا کی ملکیت میں ایسی غاصبانہ حرکت کے باوجود کیا محمد ایوب شاہ کی امامت میں نماز جائز ہے؟ اور جائداد مسجد ہڑپ کرنے کی شرم ناک بے ایمانی کے ارتکاب پر محمد ایوب شاہ اور اس کے مذکور حمایتوں اور گواہان کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا

سائل حافظ سعید احمد صدیقی کرنیل گنج ضلع گونڈہ

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی محمد ایوب اور اس کے حمایتی فاسق معلن ہیں اور جب تک توبہ صادقہ نہ کر لیں ان کی امامت مکروہ تحریمی اور ان کا امام بنانا گناہ۔ شامی میں ہے: "مشي في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم" (باب الامۃ: ۲/۲۰۰) ایسے لوگوں کی تعظیم وتکریم یا مسلمانوں میں کوئی اہم عہدہ دینے سے شریعت میں منع فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۴ رجمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

۱۹۳۳ء میں محمد یونس نے محمد حنیف کو ایک گھڑی بغرض مرمت وصفائی دیا۔ محمد حنیف یہ کہکر لیا کہ میرا ایک دوست بہت اچھا کاری گر ہے مفت بنا دیگا۔ تقریباً پندرہ بیس روز کے بعد محمد حنیف نے رات کو کہا کہ گھڑی بنکر آگئی ہے تو محمد یونس نے فوراً گھڑی لینے کی خواہش کی۔ محمد حنیف نے رات کے وقت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ صبح کو دے دوں گا۔ مگر صبح ہوتے ہی یہ خبر مشہور کر دی کہ رات میرے گھر میں چوری ہوگئی اور گھڑی بھی چلی گئی اس کے بعد محمد یونس کے گھر والوں نے محمد حنیف کو پکڑا کہ گھڑی دے دو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ میں گھڑی کی قیمت ادا کر دوں گا، آج تک نہ انہوں نے گھڑی دیا اور نہ گھڑی کی قیمت۔ اب قیمت اس زمانہ کے حساب سے لیں یا اس زمانہ کے حساب سے، جبکہ چیزوں کی قیمت میں کافی فرق ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

اس زمانہ کی قیمت وصول کی جائے گی جس زمانہ میں گھڑی غصب کی تھی۔ ہدایہ ۳/۳۷۲ میں ہے: "وما لا مثل له فعليه قميته يوم غصبه" واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسائلہ مین کہ

مسجد وقبرستان کی زمین ہے جسے کچھ مسلم بھائیوں نے مل کر مسجد والی زمین کو اپنے مصرف میں لے لیا ہے اور قبرستان والی زمین میں دروازہ کھولا ہے اور یہ کہ قبرستان والی زمین چک بندی میں ملی ہے اس میں کوئی قبر نہیں ہے جبراً لوگ اسے اپنے مصرف میں لانا چاہتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس پر شریعت کا کیا حکم ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی، محمد عین الحق مقام ماجھایار پوسٹ سکندر پور ضلع بلیا (یوپی)

الجواب

کسی کی زمین غصب کرنا ظلم اور گناہ کبیرہ مسجد اور قبرستان کی زمین غصب کرنا تو اور بڑا گناہ ہے فتاویٰ رضویہ میں اس کو سخت گناہ کبیرہ اور ظلم شدید لکھا ہے حدیث شریف میں ہے جو بالشت بھر زمین ناحق دبائیگا قیامت کے دن اتنا حصہ زمین کے ساتوں طبق کا اس کے گلے میں ڈالا جائے گا ہر مسلمان خصوصاً متولیان مسجد ومقبرہ کو اس پر حق مواخذہ حاصل ہے اور فرض ہے کہ ہر جائز چارہ جوئی سے اس سے زمین

نکال کر مسجد (ومقبرہ) میں شامل کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۴ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ

(۱۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نامی ایک شخص بستی کی مسجد کی زمین میں جو موجودہ عمارت مسجد کے سامنے؟ پڑے شکل میں واقع ہے۔ اس میں اپنی دوکان اور برامدہ بنالیا۔ سروے اور سابقہ واقعات بتاتے ہیں کہ مسجد کی وہ زمین مسجد ہی میں شامل ہے۔ اب ایسی صورت میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟ کیا زید کی یہ حرکت صحیح ہے یا غلط شرعی طور پر اور آیا اب اس متعلقہ زمین کو اپنی ملکیت میں لانا چاہے تو لاسکتا ہے یا نہیں؟ بستی کے لوگوں میں اس کی اس حرکت سے بہت اختلاف ہے شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں۔

رمضان علی، عبدالرحیم، منصور احمد اشرفی وغیرہ

الجواب

غصب بہر حال جرم وگناہ ہے۔ کسی کی چیز غصب کی جائے بالخصوص مسجد کی زمین۔ زبردستی قبضہ تو شدید ترین گناہ وغضب الٰہی کا باعث ہے، اگر اس زمین سے مسجد کو کوئی نفع ہے مسجد کو اس کی ضرورت ہے تو زید پر واجب ہے کہ مسجد کی وہ زمین واپس کردے۔ زید کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں اور مسجد کے لوگ بھی ہر جائز اور ممکن ذریعہ سے اس زمین کی واپسی کے لئے جدوجہد کریں۔

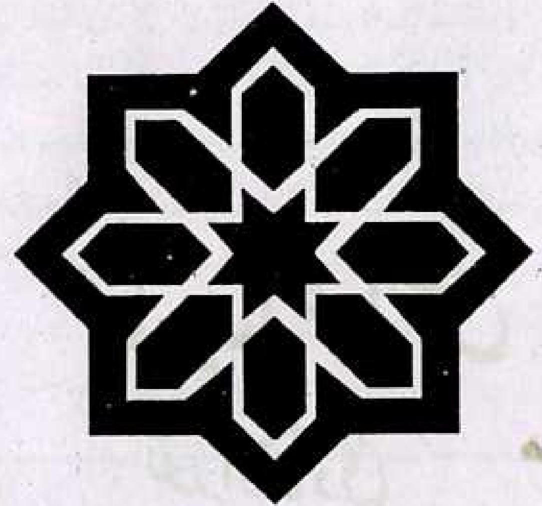
ہر طرح سے مجبور ولاچار ہو جائیں کسی طرح وہ زمین واپس نہیں ہو سکتی تو زید سے اس کی قیمت وصول کر سکتے ہیں۔ لیکن واضح ہو کہ زید کے جرم میں کمی نہ ہوگی۔ وہ بدستور ظالم وخطا کار رہوگا۔ اور اگر وہ زمین مسجد کے لئے نفع بخش نہ ہو بلکہ مسجد کے باہر ہو تو مسجد کے متعلقین میں سے اس کی واجبی قیمت وصول کر کے اسی دام سے کوئی اچھی ایسی جائداد خرید لیں جو مسجد کے لئے نفع پہنچانے والی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

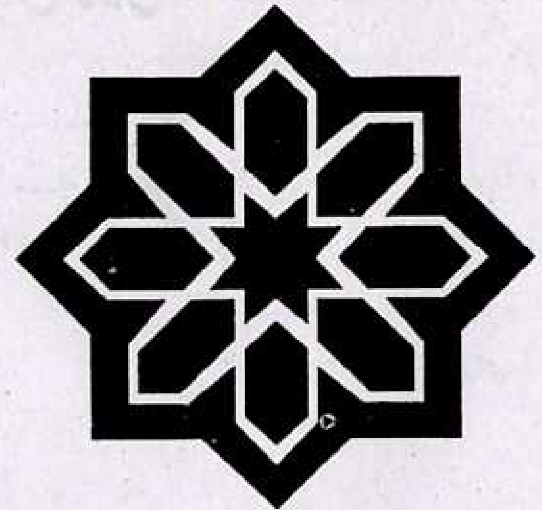
عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۷ رصفر ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

کتاب الفرائض





وراثت کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل صورت میں کہ

جناب حکیم عبدالسلام مرحوم نے ایک ہبہ نامہ اپنے لڑکوں نجم الاسلام وقمر الاسلام رضاء الاسلام کے نام تحریر فرمایا ہے کہ میں نے اپنا قبضہ ودخل مالکانہ مکان مذکور سے ہٹا کر ان لوگوں کا دخل کرادیا اس تاریخ سے مکان مذکور پر ہمارا کوئی حق مالکانہ یا مکان مذکور سے کوئی واسطہ وسروکار باقی نہ رہا اور وہ ہبہ نامہ جو ساتھ منسلک ہے حکیم عبدالسلام مرحوم نے مکان مذکور ہی میں بیٹھ کر لکھا ہے۔ اور حکیم عبدالسلام مرحوم تاحیات اس مکان مذکور میں مذکورہ بال بچوں کے ساتھ بودوباش بھی رکھتے تھے۔ کیا ایسی صورت میں یہ ہبہ نامہ ازروئے شرع درست ہے۔ تفصیلاً قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

نوٹ:۔ حکیم عبدالسلام کی پہلی بیوی سے بھی ایک لڑکا ہے جس کا ہبہ نامہ میں کوئی تذکرہ نہیں ہے کیا اس کا مکان مذکورہ میں کوئی حق ہوتا ہے کہ نہیں۔ بینواتوجروا

المستفتی، ریاض الاسلام الاعظمی، محلہ رضانگر ضلع اعظم گڑھ

الجواب

حسب تحریر ہبہ نامہ اگر حکیم عبدالسلام صاحب نے اپنی صحت کی حالت میں اپنے مکان سے اپنا قبضہ ہٹا کر مکمل قبضہ کرادیا ہوتو مکان ضرور ان لڑکوں کا ہو گیا جن کو انہوں نے ہبہ کیا ہے دوسرے لڑکے جسے نہیں دیا اسے کوئی حق نہیں۔

بہار شریعت میں ہے: حکم قضا ہے کہ مورث اپنے مال کا مالک ہے۔ حالت صحت میں وہ اپنا سارا سامان ایک ہی لڑکے کو دیدے۔ اور دوسروں کو کچھ نہ دے۔ یہ کرسکتا ہے۔ دوسرے لڑکے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر حکیم صاحب نے ایک لڑکے کو محروم کرنے کی غرض سے ایسا کیا تو گنہگار ہونگے۔ مکمل قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی ہی دیر کے لئے خود اس مکان سے الگ ہو گئے ہوں اور اپنا سارا سامان نکال لیا ہو اور ان لڑکوں سے کہا ہو تم اس پر قبضہ کرلو چاہے پھر ساری زندگی اسی مکان میں ان کی اجازت سے یا بلا اجازت ہی رہے ہوں۔ اسی میں ہے: ”ہبہ تام ہونے کے لئے قبضہ کی بھی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے ہبہ تام نہیں ہوتا۔ “وتصح بالایجاب والقبول والقبض“

اور اگر ایسی صورت نہ ہوتو قبضہ مکمل نہ ہوگا۔ اور بڑے لڑکے کو بھی حق پہنچے گا۔

عالمگیری میں ہے: لایجوز للرجل ان یھب لا مرأ تہ ولا ان تھب لزوجھا او لا جنبی

دارا وهما فيها ساكنان و كذلك ولد الكبير ۔[كتاب الهبة : ٤/ ٥١٤] واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید کے چار لڑکے ہیں اس نے اپنے گھر کو چار حصوں میں تقسیم کرکے اپنے چاروں لڑکوں کے سپرد کردیا۔اس میں سے ایک کمرہ یہ کہہ کر اپنے پاس رکھا کہ ہمارے زوجین کے لئے ہے چند سال بعد زید کا انتقال ہوگیا زید کی بیوی ہندہ ابھی بقید حیات ہے اور اب یہ چاہتی ہے کہ اپنے حصہ کے مکان کو والدین کی کفالت دیکھ ریکھ کی وجہ سے اپنے منجھلے لڑکے خالد کو دے دے وضاحت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ ایسا کرے گی تو جائز ہے یا نہیں اور اس کے اس فعل پر کوئی شرعی مواخذہ تو نہ ہوگا۔از روئے شرع جواب مرحمت فرمایا جائے۔بینوا توجروا المستفتی، سیف الدین ساکن، بڑا گاؤں گھوسی ضلع اعظم گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں جب زید اس ایک کمرہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرگیا تو وہ اب زید کا ترکہ قرار پائے گا جس میں اس کی بیوی کا آٹھواں حصہ ہوگا اور بقیہ میں تمام شرکاء حصص شرعی کے حساب سے حصہ دار ہوں گے ہندہ اپنے آٹھویں حصہ کو بقیہ شرکاء سے علیحدہ کرکے جسے چاہے اپنی زندگی میں دے سکتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۵؍جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ

(۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا انتقال ہوا اس نے ایک بیوی تین بھائی اور ایک لڑکی چھوڑی۔عدت گزرنے کے بعد بیوی نے دوسری شادی کرلی تو زید کی جائداد سے ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی وضاحت سے بیان کردیا جائے۔

المستفتی، محمد احمد کریم الدین پور گھوسی اعظم گڑھ

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث زید کا کل ترکہ ۸ حصوں پر تقسیم ہوکر ایک حصہ بیوی کو ۴ حصہ لڑکی کو اور ایک ایک حصہ تینوں بھائیوں کا ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ،

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حافظ محمد یحییٰ ولد حفیظ اللہ نے انتقال کیا یحییٰ اپنی زوجہ اولیٰ کو چھ لڑکوں محمد زکریا، محمد الیاس۔محمد اخلاق، محمد رضاء الحق، محمد فتح اللہ محمد معصوم، اور چار لڑکیاں، رضیہ خاتون، حسینہ خاتون، زرینہ خاتون، معراج النساء، کو چھوڑا حافظ محمد یحییٰ کا ترکہ ان وارثین میں کس طرح تقسیم ہوگا۔رسولا یہ کہتی ہے کہ میرے شوہر

حافظ محمد یحییٰ نے ایک پلہ مکان مجھے دین مہر میں دیا ہے یہ مکان مرحوم کے ترکے میں شامل ہوگا یا نہیں

المستفتی، محمد فتح اللہ محلہ کریم الدین باغ گھوسی

الجواب

رسولا اگر گواہوں کے ذریعہ یہ ثابت کردے کہ شوہر نے یہ مکان اس کو مہر کے عوض دیا ہے۔تو وہ مکان ترکہ سے الگ کردیا جائے گا بقیہ میں میراث جاری ہوگی۔اور اگر وہ اپنا دعوی گواہوں سے ثابت نہ کرسکی تو وارثوں کو قسم کھانی پڑے گی اور وہ قسم کھا کر کہدیں گے کہ مورث نے یہ مکان رسولا کو نہیں دیا تو یہ مکان ترکہ ہی میں شمار کیا جائے گا۔اور پوری جائداد میں سے مہر کا حصہ الگ کرکے ترکہ تقسیم ہوگا بہر صورت تقسیم کی صورت یہ ہے کہ پورے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ عورت کا بقیہ سات حصہ میں اس طرح تقسیم کی جائے گی کہ لڑکوں کو ڈبل حصہ ملے اور لڑکیوں کو سنگل ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے:البينة على المدعي واليمين على من انكر ۔(ترمذی:۱۳۴۱)

اور قرآن عظیم میں ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾(النساء:۱۱) ۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہندہ مری اس نے شوہر ایک ماں اور ایک سگی بہن اور پانچ بھائیوں اور تین چچا کو چھوڑا ہندہ کا کل ترکہ کن کن لوگوں میں تقسیم ہوگا مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی، صوفی محمد افضل۔کریم الدین پور کھنڈر گھوسی اعظم گڑھ، ۸؍صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

الجواب

صورت مسئولہ میں بعد تقدیم ما تقدم علی الارث شوہر کو کل ترکہ کا نصف اور ماں کو چھٹا حصہ اور بقیہ ترکہ گیارہ حصہ پر تقسیم کرکے سگی بہن کو ایک اور بھائیوں کو دو دو حصہ دیا جائے چچا محروم ہونگے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، خادم دار الافتا دار العلوم شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۸؍ذو قعدہ ۱۴۰۷ھ

(۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک شخص کے تین لڑکے دو لڑکیاں تھیں۔ان کی حیات میں ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا۔باقی تین لڑکے ایک لڑکی بچی۔وہ اپنی حیات میں اپنی جائداد کا بٹوارہ کرنے لگے تو تینوں لڑکے اور دونوں لڑکیاں باحیات تھیں۔جب بٹوارہ کرنے لگے تو لڑکیوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کا حصہ نکال دوں تو دونوں لڑکیوں

نے کہا کہ ہم دونوں بہنیں اپنا اپنا حصہ ہم اپنے بڑے بھائی کو دے رہی ہیں۔اس طور سے بٹوارہ پر سب کو اتفاق ہوا۔اور سب اپنی اپنی ملکیت پر رہنے لگے۔کچھ دنوں کے بعد بڑی لڑکی کا انتقال باپ کی حیات میں ہوگیا۔اس کے بعد باپ کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد بڑی لڑکی کے لڑکے نے عدالت میں اپنی ماں کے حصہ کے لئے مقدمہ دائر کردیا۔تو چھوٹی لڑکی نے عدالت میں جواب دہی داخل کیا کہ ہم دونوں بہنوں نے اپنا حق وحصہ اپنے بڑے بھائی کو دے دیا ہے۔اس لئے ہم لوگوں کا اب حق وحصہ نہیں۔

قریب تیس سال کے بعد چھوٹی لڑکی نے عدالت میں دعوی کیا کہ اب حق وحصہ چاہئے۔اس کے دعوی کے بہت پہلے تینوں لڑکوں نے اپنا اپنا مکان فروخت کردیا اور باقاعدہ رجسٹری کردی۔اور رجسٹری پر چھوٹی لڑکی کے لڑکے کی گواہی بھی ہے۔جس مکان کا بٹوارہ لڑکوں میں ہوا اب اس مکان کا کچھ بھی حصہ بچا نہیں ہے سب لوگوں نے فروخت کردیا ہے۔تینوں بھائی اور بہن کا بھی انتقال ہوگیا ہے۔

جواب طلب یہ ہے کہ چھوٹی لڑکی کے لڑکوں کا حق وحصہ مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔بڑے بھائی کے حق میں ان کا حق وحصہ ہوتا ہے یا نہیں؟ برائے کرم فتوی صادر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

شکیل احمد کریم الدین پور مؤ

الجواب

فتاوی رضویہ جلد ہشتم ص ۶۱ پر ہے: حیات میں ورثہ اس کی جائداد کے وارث نہیں ہوجاتے۔ ہر شخص اپنی صحت میں اپنے مال کا مختار ہے۔اگر کسی اجنبی کو دیدے تو کون ہاتھ روک سکتا ہے۔درمختار میں ہے: لو وهب فی صحته كل المال للولد جاز (كتاب الهبة: ۴۳۴/۸)

پس صورت مسؤلہ میں اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو باپ کی جائداد میں لڑکوں اور لڑکیوں کا کوئی حق نہیں تھا۔وراثت کا حق تو باپ کی موت کے بعد متعلق ہوتا ہے۔تو باپ نے لڑکوں کو جو کچھ دیا بطور وراثت نہیں دیا بلکہ بطور ہبہ دیا۔اور ہبہ کی صحت کے لئے موہوب کو تقسیم کرکے موہوب لہ کا اس پر قبضہ دلانا ضروری ہے اور حسب بیان سائل باپ نے اپنے تینوں بیٹوں کو جائداد تقسیم کرکے قبضہ دلادیا۔تو ہبہ مکمل ہوگیا۔اب لڑکوں اور ان کے وارثوں کو اس جائداد میں مطالبہ کا کوئی حق نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مؤ

(۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

میرے والد محترم جناب ماسٹر حاجی عبد الباری صاحب نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ پہلی بیوی جن کا انتقال ہوگیا مرحومہ سے ایک بیٹا ریاض احمد پیدائشی نابینا ہے اور دوسری بیوی یعنی موجودہ سے دو لڑکے ہیں جو صحیح وسالم ہیں۔میرے والد محترم ماسٹر حاجی عبد الباری صاحب سرکاری ملازم

ریٹائرڈ اپنی خریدی ہوئی جائیدا اور فنڈ کو فقط اپنی موجودہ بیوی اور ان سے جو دو لڑکے ہیں انہیں کے نام رجسٹری کررہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جو جائداد میں نے باپ دادا سے وراثت میں لیا ہے اور جو میں نے خریدا ہے سب کا مالک میں ہوں، میں جو چاہوں کروں، جس کو چاہوں دوں، مجھے (ریاض احمد نابینا) کو پیدائش کے بعد ہی سے نابینا کی وجہ سے نیچی نگاہ سے دیکھتے رہے حتی کہ میری پرورش ننہال اور دیگر جگہوں پر ہوئی۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے والد محترم ماسٹر حاجی عبد الباری صاحب کی موروثی اور خریدی ہوئی جائداد میں شرعا میرا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ریاض احمد نابینا بیسواڑا گھوسی

الجواب

اگر کوئی شخص اپنی ساری جائداد (خواہ اپنی کمائی کی ہو یا وراثت میں ملی ہو) ایک ہی بیٹے کو دیدے یا چند لڑکوں کو دے اور دوسرے لڑکی یا لڑکوں کو نہ دے تو اس کا یہ فعل صحیح اور نافذ ہے۔اگرچہ ایسا شخص گنہگار ہوگا۔درمختار میں ہے: ان وهب كل المال للولد جاز واثم۔(كتاب الهبة: ۴۳۴/۸)

فتاوی رضویہ جلد ہشتم ص ۹۷ رمیں ہے: (جس کو) ہبہ کیا وہ مالک ہوجائیں گے مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہگار ہوگا، حدیث شریف میں ہے: من فر بميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة۔(الترغيب: ۳۲۹/۴) جو شخص اپنے کسی وارث کو ناحق محروم کرے اللہ تعالیٰ اسکو جنت سے محروم کریگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مؤ ۲۴ ر ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ

(۱۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

احمد علی کی شادی شریعت کے مطابق بتاریخ ۱۴ر اپریل ۹۹ء کو اس کی زوجہ تبسم کے ساتھ مبلغ پانچ سو روپیہ دو اشرفی میں مجمع عام میں ہوئی، بعد عقد اس کی زوجہ کا انتقال مورخہ ۳۰ر جنوری ۲۰۰۳ء میں بیماری کی وجہ سے ہوگیا۔احمد علی کی زوجہ کے مرنے کے بعد اس کے میکہ والوں نے دین مہر اور جو رقم چھینکا میں دئے تھے طلب کررہے ہیں، احمد علی کی زوجہ سے ایک لڑکا قریب دو سال کا ہے، احمد علی نہایت غریب وکمزور آدمی ہے۔مندرجہ بالا رقم کی وصول احمد علی کے سسرال والے بار بار مانگ رہے ہیں اور دباؤ بھی ڈال رہے ہیں۔

اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جلد روانہ کریں، عین نوازش ہوگی۔

مقامی علما دین مہر اور چھینکے کی رقم احمد علی کی زوجہ تبسم کے والد کو دینے کے لئے کہہ رہے ہیں، کیا یہ شریعت اور قرآن وحدیث سے جائز ہے۔

المستفتی: احمد علی بیگ محلہ دومن پورہ قصبہ سکندر پور ضلع بلیا

الجواب

شادی کے موقع پرلڑکی رخصت کرتے ہوئے جو سامان یا رقم جہیز کے نام سے لڑکی کے ساتھ دیا جاتا ہے اس کے بارے میں عرف یہی ہے کہ لڑکی کو دیا جاتا ہے اور وہی اس کی مالک ہوتی ہے۔ اس لڑکی کے والدین یا شوہر اگر اس کی ملکیت کا دعوی کریں تو غلط تصور ہوگا اور پورے جہیز کی مالک لڑکی ہوگی۔

شامی میں ہے: کل احد يعلم ان الجهاز للمرأة اذا طلقها تاخذ كله و اذا ماتت يورث عنها۔ (کتاب النکاح: ٤/٢٣٢)

ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہے۔ اسی لئے جب شوہر طلاق دیتا ہے تو عورت اپنا کل سامان واپس لے لیتی ہے۔ اور جب عورت مرجاتی ہے تو اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ عورت کی رخصتی کے موقع پر دونوں طرف سے ڈال بری کی رسم کے طور پر جوڑے وغیرہ سامان کا ایک دوسرے کے وہاں بھیجنا معروف ہے۔ وہ بھی ادھار اور عاریۃ کے طور پر نہیں، بلکہ ہبہ اور تملیک کے طور پر۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

شوہر کا جوڑا جو ادھر سے آتا ہے بعد قبضہ قطعاً ملک شوہر ہوجاتا ہے۔ اور دلہن کا گہنا اور جوڑہ جو بری میں جاتا ہے، اگر نصاً یا عرفاً اس میں بھی تملیک ہوتی ہو جیسا کہ شکر میوہ وغیرہ میں مطلقاً تملیک ہوتی ہے تو وہ بھی قبضہ منکوحہ کے بعد ملک منکوحہ ہوگا، ہمارے یہاں شرعاً یا عرفاً ظاہر یہی ہے۔

ایسی صورت میں اگر شئی موہوب موہوب لہ کے پاس ختم ہوگئی مثلاً کپڑا تھا پہن کر پھاڑ ڈالا، روپیہ تھا صرف کرڈالا وغیرہ تو واہب کو موہوب لہ سے تاوان لے نے کا کوئی حق نہیں اور اگر باقی تو اس کو واپس لینا گناہ ہے۔ عقود الدریہ میں ہے: من دفع شيئا على وجه الهبة واستهلكه القابض ليس له استرداده، اور حدیث شریف میں ہے: العائد في هبته كالكلب يعود في قيئه۔ چھینکا کے موقع پر طرفین سے مال و اسباب کا لین دین ڈال بری کی رسم کی طرح سے ہے اس لئے اسکا حکم بھی وہی ہے کہ جس کو دیا گیا اس نے خرچ کردیا تو واپسی کی کوئی صورت نہیں، اور باقی ہو اور واپس لے لیا تو گناہ گار ہوئے۔

رہ گئی مہر تو وہ شوہر پر ضرور واجب ہے، اس کی ادیگی شوہر پر واجب اور ضروری ہے۔ غریبی اور محتاجی کا عذر قابل قبول نہیں یہ ساری تفصیل فتاوی رضویہ جلد پنجم باب المہر اور باب الجہاز میں مرقوم ہے۔

آپ کے وہاں کے مولانا حضرات کو اس مسئلہ پر مذکورہ بالا تشریح کی روشنی میں نظر ثانی کرنی چاہئے۔

مگر صورت مسئولہ میں تبسم زوجہ احمد علی کے انتقال کے مسئلہ کی شرعی نوعیت بدل گئی کہ اب مہر کی رقم جہیز کا سامان اور اس کے علاوہ بھی کوئی مال متاع جس کی مالک شرعاً مرحومہ تبسم رہی ہو وہ سب میراث

اور ترکہ قرار دیا جائیگا۔ جیسا کہ ہم اوپر درمختار کے حوالہ سے لکھ آئے کہ 'و اذا ماتت یورث'۔ اور تمام وارثوں کو حسب تقسیم شرع حصہ ملے گا۔

سوال میں وارثوں کی کوئی تفصیل نہیں مگر جتنے لوگوں کا ذکر ہے اگر وہی وارث ہوں تو تقسیم کی صورت یہ ہے کہ مرحومہ تبسم کے تمام متروکہ مال کو ۱۲ رحصہ کرکے تبسم کے والد کو ۲ حصہ اور اسکے شوہر احمد علی کو تین حصہ اور بقیہ ۷ حصہ تبسم کے دوسالہ بچے کو اور اگر تبسم کی والدہ بھی زندہ ہو ۲ حصہ اس کا بھی اور اب بچے کا حصہ ۷ کے بجائے پانچ ہوجائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۸ رمحرم ۱۴۲۵ھ

(۱۱-۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید اپنے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں اور اہلیہ کی موجودگی میں انتقال کرگیا، زید نے اپنی حیات ہی میں گھریلو رنجش کی بنا پر اپنے بڑے لڑکے کو الگ کردیا لیکن کرائے کے جس مکان میں لڑکا رہتا تھا اس کا کرایہ ایک سال تک زید نے ہی ادا کیا تھا، زید نے ایک فریق کی شرکت میں تانی کا ایک چرخا بنوایا، زید نے چرخے کا اپنا حصہ بڑے لڑکے کو کھانے کمانے کے لئے دیدیا، اور دو یا تین سال کے بعد زید نے بڑے لڑکے کو ڈیڑھ بسہ زمین کا ۳/۱ حصہ دیا، اس زمین پر زید کی نگرانی میں بڑے لڑکے نے اپنے خرچ سے مکان تعمیر کیا اور اس میں روزگار کیا جس سے دو پاورلوم اور ایک کانڈ کی مشین خریدی، زید کے بڑے لڑکے کے علاوہ چار لڑکے اور تین لڑکی ہیں اس میں ان کا حق بنتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی حیات میں ایک لڑکے کو سرکاری نوکری میں لگایا، اس وقت زید کے سبھی لڑکے زید کے ساتھ تھے کوئی الگ نہیں تھا، کچھ دنوں کے بعد بڑا لڑکا گھریلو رنجش کے سبب الگ ہوگیا تو بکر کی تنخواہ میں یا جو تنخواہ کا حصہ کٹ کر بینک میں جمع ہورہا ہے، اس میں بڑے لڑکے کا حصہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر بنتا ہے تو بڑے لڑکے کا کب سے کب تک؟ اور بقیہ بھائیوں کا جو ان کے ساتھ ہیں کتنا کتنا بنتا ہے؟

(۳) زید اپنے ترکہ میں ایک کرایہ کی دکان جو حسب معمول چلتی ہے اور چار پاورلوم ایک اٹا مشین اور کانڈی مشین اور اس کے علاوہ کھیت مکان چھوڑا ہے جس کا تعلق جائداد سے ہے۔

امر طلب یہ ہے کہ زید کا بڑا لڑکا جو تقریباً سولہ یا سترہ سال سے الگ رہتا ہے اس جائداد میں بڑے لڑکے کا کم وبیش جو بھی ہو از روئے شرع بعد تقسیم ترکہ وضاحت فرمائیں۔

نوٹ: زید کے انتقال کے بعد چاروں لڑکوں نے ملکر جو زید کے گھر میں ایک ہی میں رہتے ہیں یہ دو لڑکے اور ایک لڑکی کی شادی کی اس شادی میں زید کا بڑا لڑکا حسب استطاعت شریک تھا لیکن چاروں

بھائیوں کا کہنا ہے کہ بڑے بھائی نے ہم لوگوں کے حساب سے روپیہ نہیں دیا، از روئے شرع بتائیں کہ بڑے لڑکے کا اور بھائیوں کے برابر خرچ کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: ضیاء القمر خیر آباد ضلع مئو

الجواب

آپ کے استفتا میں چند بنیادی امور ہیں ان کا حل معلوم ہو جائے تو جملہ امور مسئولہ کا شرعی حکم معلوم ہو جائے گا۔

(اول) ماں باپ، بیٹا بیٹی، شوہر بیوی، ایک خاندان کے لوگ ساتھ ملکر کام کر رہے ہیں، اس جد وجہد سے جو پیداوار ہوئی اس کا مالک کون ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کاروبار ایک ہو اور سب بچے بچیاں، بیوی، باپ کی عیالداری اور اس کی پرورش میں ہوں تو سارا مال باپ کا ہوگا۔ اور بچے، بیوی اس کے معین و مددگار رہوں گے۔

عالمگیری میں ہے: الاب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة و لم یکن لهما شیء کان الکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معینا له الا تری انه لو غرس شجرة تکون للاب و کذا الحکم للزوجین اذا لم یکن لهما شی ثم اجتمع بمعملهااموال کثیر فهی للزوج و تکون المراة معینة له الا اذا کان لها کسب علی حدة فهو لها۔

(شامی، فصل فی الشرکة الفاسدة: ۳۹۲/۶)

اس عبارت میں لڑکی کا ذکر نہیں مگر حکم ان کا بھی یہی ہے کہ گھر کے مشترکہ کاروبار میں لڑکی کی کوشش سے جو آمدنی ہو اس کا مالک بھی باپ ہی ہوگا، اسی طرح اس حکم کے استثنا میں بھی اولاد کا ذکر نہیں بیوی کا ذکر ہے کہ اس کی علیحدہ کوئی جد وجہد جو اس کاروبار سے الگ ہو تو وہ اس کی ملک ہوگی مگر حکم اولاد کا بھی یہی ہے۔ ان کی تجارت یا مزدوری مشترکہ کام سے الگ ہو تو اس کی آمدنی باپ کی ملک سے خارج اور کام کرنے والے کی ذاتی پونجی ہوگی۔

پس اس عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئی:

(۱) مشترکہ کاروبار کی تمام پونجی کا مالک باپ ہوگا اولاد اور بیوی اس کے مددگار مانے جائیں۔

(۲) ان میں سے جس کا کاروبار اس مشترکہ کاروبار سے الگ ہوگا مالک وہی ہوگا باپ کو اس کی ملکیت میں دخل نہ ہوگا۔ فتاوی خیریہ میں ہے: هی للابن حیث کان له کسب مستقل بنفسه

(دوم) دوسرا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ باپ کو اپنی مذکورہ بالا ملکیت میں ہر قسم کے جائز تصرف کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس کو زندگی میں ہر قسم کے جائز مصارف میں مال خرچ کرنے کا حق حاصل ہے۔ اپنی پوری جائداد بھی کسی کو دیدے وہ مالک ہو جائے گا، فتاوی رضویہ میں درمختار کے حوالہ سے ہے: و لو وهب فی صحته کل المال لولده جاز. (کتاب الهبة: ۴۳۵/۸)

اگر کسی نے اپنی صحت کی حالت میں اپنا سارا مال اپنے ایک ہی لڑکے کو دیدیا تو جائز ہے لیکن وہ گناہ گار رہوا۔ گنہ گار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اپنے دوسرے بچوں کو محروم کر گیا۔ جبکہ حکم یہ ہے کہ اپنی زندگی میں تحفہ کے طور پر جتنا ایک بچے کو دے اتنا ہی سب بچوں بچیوں کو دے۔ اس کا خلاف کیا تو ظلم ہوا، ایک ایسے ہی معاملہ میں حضور نے فرمایا: "انی لا اشهد علی الزور" ظلم پر گواہ نہیں بنوں گا۔

(سوم) تیسرا نیا سوال یہ ہے کہ جس لڑکے کو باپ نے اپنی زندگی میں بہت کچھ دیدیا، باپ کے مرنے کے بعد میراث میں سے اس کو کچھ ملے گا یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لڑکا بھی اپنے باپ کے مرنے کے بعد ان کی متروکہ جائداد سے اپنا پورا شرعی حصہ پائے گا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: حق میراث حکم شرع ہے، اللہ تبارک وتعالی نے اس کو مقرر فرمایا ہے، کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔ اشباہ وغیرہ میں ہے: الارث جبری لا یسقط بالاسقاط.

مثلاً بیٹا اپنے باپ کا اس لئے وارث ہوتا ہے کہ یہ باپ کا بیٹا ہے، تو جس طرح یہ اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹا سکتا، اسی طرح اپنے حق میراث کو ساقط نہیں کر سکتا۔

اب آپ اپنا جواب اسی تفصیل سے نکال لیں جب تک پانچوں بھائی، تینوں بہن اور بیوی زید کے ساتھ رہے، اس وقت تک ساری کمائی کا مالک باپ (زید) رہا۔ جب بڑے لڑکے کو علیحدہ کر دیا اور اسکو اپنی ملکیت کا کچھ حصہ دیدیا تو اب اس دیئے ہوئے مال کا بڑا لڑکا مالک ہو گیا۔ اور آئندہ اس نے جو کمایا اسکا بھی وہی مالک ہوا۔ باپ بھائیوں وغیرہ کا اس میں کوئی قانونی حق نہیں۔ البتہ اس وقت باپ (زید) پر یہ لازم تھا کہ اپنی جائداد سے اتنا اتنا ہی حصہ بقیہ بچوں اور بچیوں کو اپنی زندگی میں دیدیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا تو زید گنہگار رہا اور اس نے اپنی دوسری اولادوں کے ساتھ ظلم کیا۔

لیکن اگر اب اس کی تلافی اسی طرح کی جائے کہ میراث کی رقم سے ان سب کو اتنا اتنا دیدیا جائے۔ یہ ناممکن ہے کیونکہ یہ حق تو زید کی اپنی زندگی میں اپنے مال سے دینے کا تھا، انتقال کے بعد تو اس کی چھوڑی ہوئی سب جائداد کے ساتھ سب وارثوں کا حق متعلق ہو گیا۔

اسی طرح جس لڑکے کو زید نے ملازمت پر لگایا اس کی تنخواہ یا کٹوتی کی آمدنی بھی باپ کی ملکیت میں شامل نہیں۔ وہ اس لڑکے کی ذاتی آمدنی ہے، البتہ اس میں سے جتنی رقم لڑکا زید کو دیگا زید اس کا مالک

ہوگا۔ بقیہ کا خود وہ لڑکا ہی مالک ہے، اس کی اس رقم میں بھی دوسرے بھائیوں یا بہنوں کا کوئی حق بحالت موجودہ نہیں، البتہ باپ کے تمام متروکہ سے اس کو بھی اور بھائیوں کی طرح حصہ ملے گا۔

رہ گئے بقیہ بچے بچیاں اور بیوی تو چونکہ ان کا نہ الگ سے کوئی کاروبار تھا نہ اپنی زندگی میں زید نے ان کو کچھ جائداد دیکر الگ سے مالک بنایا، بلکہ یہ لوگ زندگی بھر والد کے ساتھ انہیں کے کاروبار میں جد وجہد کرتے رہے۔ اس لئے یہ والد کے صرف معین ومددگار رہے اور جائداد کل زید کی ہی بنی، ان کی موت کے بعد ان کا پورا متروکہ ان کے تمام وارثان کو حصہ رسدی تقسیم کیا جائے گا۔

تقسیم کی صورت یہ ہے کہ زید کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو اس کو ادا کیا جائے، اگر وصیت کی ہے تو اس کے تہائی مال تک وصیت پوری کی جائے۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء: ۱۱) اور بقیہ ورثا میں تقسیم کیا جائے۔ وارثوں کی جو تفصیل آپ نے تحریر کی اس حساب سے متروکہ کے ۱۰۴ حصے کئے جائیں، جس میں سے عورت کو ۱۳ سہام دئے جائیں، پانچوں لڑکوں کو ۱۴، ۱۴ سہام اور تینوں لڑکیوں کو سات (۷) سات سہام، یہ تو شرعی حکم اور فتوی ہوا۔

نوٹ: لیکن صورت مسئولہ میں زید کی لاعلمی یا کوتاہی کی وجہ سے ایک نامناسب صورت حال پیدا ہوگئی کہ جن بچوں نے زید کی پوری زندگی اعانت ومدد کی ان کو زید کی میراث سے صرف ایک حصہ ملا اور جو ان سے دامن جھاڑ کر الگ ہوگئے یا باپ کی مدد چھوڑ کر اپنا کاروبار کرنے لگے ان کو دوبار حصہ ملا، جس سے ان کی حق تلفی ہوئی، اس کے ازالہ کی ایک تدبیر یہ بھی ہوسکتی کہ یہ دونوں بھائی اپنے حصوں میں سے بقیہ بھائیوں کو اتنا حصہ دیدیں کہ، جس سے ان کی اشک شوی بھی ہوجائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان بچوں پر ہونے والے ظلم کی سزا بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

رہ گیا شادی بیاہ کے اخراجات کا معاملہ تو اولاً ان چھوٹے بھائیوں نے اپنے ذاتی پیسہ سے کیا، یہ ان کا تبرع واحسان ہے یہ اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اس کو واپس لیا جائے۔ اور اگر مشترکہ سرمایہ سے کیا تو اس میں تو خود ان کا حصہ بھی تو تھا اور عرفاً مشترکہ خاندان میں ہر شخص کو اپنی ضرورت کے موافق خرچ کرنے کی اجازت رہتی ہے، کمی بیشی کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۱۴-۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید مرحوم کی پہلی مرحومہ بیوی سے ایک لڑکا بکر ہے اور دوسری موجودہ بیوی سے عمر وغیرہ تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ زید کے انتقال کے بعد تمام ورثاء پانچ سال تک ایک ساتھ رہے مگر ہر چیز نقد و زیور حساب وکتاب عمر وغیرہ فریق دوم کی تحویل میں رہا۔ پانچ سال کے بعد بکر کو عمر وغیرہ نے علیحدہ کر دینا

چاہا۔ بکر نے کہا کہ چند لوگوں کو بلا کر میرا شرعی حصہ دیدو تو میں علیحدہ ہوتا ہوں۔ چنانچہ دونوں فریق نے جنوری ۵۷ء کو ایک جماعت بلائی جسمیں ۲۰/۲۲ معزز اشخاص شریک ہوئے کہ حساب وکتاب کی جانچ کی اور جماعت کی طرف سے چند آدمیوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جنوری ۱۹۵۷ء میں اپنی رپوٹ جماعت میں پیش کردی اس سے قبل ۵۶ء میں ہی فریق دوم کے مطالبہ پر کمیٹی نے بکر کو دو مہینہ کیلئے عارضی طور پر علیحدہ کر دیا تھا جبکہ فریق اول نے خدشہ کیا تھا کہ میری علیحدگی سے فریق اول کا مقصد حاصل ہو جائے گا جائداد کی آمدنی سے خورد ونوش کیلئے خرچہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ رپوٹ کے بعد جائداد غیر منقولہ کا فیصلہ بکر کے حق میں ہوگیا۔ باقی فیصلہ کیلئے جماعت ملتوی ہوگئی۔ اور فریق دوم معاملات التواء میں ڈالتا رہا چند معزز افراد نے ایک پیشگی اقرار نامہ لکھوانے کی تجویز رکھی جس پر فریق راضی بھی ہوگئے تھے۔ اب جماعت کے بعض لوگ اقرار نامہ کی تائید نہیں کرتے۔ اس صورت میں مندرجہ سوالات کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

(۱) تحریری اقرار نامہ شرعا درست ہے یا نہیں؟

(۲) بعض لوگوں کے عدم موافقت کی صورت میں کیا حکم ہے؟

(۳) کوئی فریق تحریری اقرار نامہ سے انکار کرے تو کمیٹی کیا کرے؟

(۴) جماعت اس مقدمہ سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے۔ بکر کا یہ مطالبہ درست ہوگا کہ نہیں کہ مجھے پہلے کی طرح فریق دوم کے ساتھ شریک کر دیا جائے؟

(۵) جائداد غیر منقولہ کے فیصلہ کی تعمیل کی کیا صورت ہے؟

(۶) کوئی فریق انکار کرے تو جماعت دوسرے فریق کا ساتھ دے سکتی یا نہیں؟

اے۔ احمد، مدنپورہ بمبئی۔ ۸ ۲۰/ جنوری ۵۹ء

الجواب

بکر فریق اول کا اس کے مرحوم باپ کی پوری جائداد میں شرعا جو حصہ ہوتا ہے وہ اسے ضرور ملنا چاہئے۔ اور اس صورت میں جماعت کی کوئی تخصیص نہیں، جماعت اور ہر اس شخص کو اس کی مدد کرنی چاہئے بلکہ مدد ضروری ہے جس کی مدد سے وہ اپنا شرعی حق جائداد منقولہ اور غیر منقولہ سے حاصل کر سکے بلکہ خود فریق دوم پر بھی لازم ہے کہ بکر کا پورا حق دیکر وہاں آخرت اور عذاب قبر سے چھٹکارا حاصل کریں۔

یہ معاملہ کا اصل حکم ہے۔ البتہ حکم فیصلہ نافذ ہونے کے سب پنچوں کا اتفاق ضروری ہے اختلاف کی صورت میں فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے: "ولو حكما رجلين من اجتماعهما حتى لو حكم احدهما دون الاخر فان ذلك لا يجوز۔ (کتاب ادب القاضی۔ ۴۳۵/۳) اگر کسی کو

اختلاف ہوتو فیصلہ نافذ نہ ہوگا پس صورت مسئولہ میں (۱) فریقین سے اقرار نامہ حاصل کرنا اگرچہ درست تھا لیکن (۲) جب جماعت میں بعض حضرات کا اختلاف تھا۔ ایسی صورت میں صرف بعض حضرات کے کہنے سے فریقین کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح تحکیم کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ فیصلہ کے وقت تک فریقین حکم کو مانتے ہوں۔ ولکل من الحکمین ان یرجع ما لم یحکم علیھما فاذا حکم لزمھما۔ فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین کو تحکیم سے رجوع کا حق حاصل ہے اور فیصلہ کے بعد یہ حق ختم ہو جاتا ہے اور فیصلہ لازم ہو جاتا ہے۔

(۳) اب فریقین میں سے کوئی اگر تحریری اقرار نامہ سے انکار کرے تو گویا اب حق ماننے سے انکار کر رہا ہے۔

(۴) فریق اول کو ضرور اس مطالبہ کا حق حاصل ہے کیونکہ اسی شرط پر عارضی طور سے وہ الگ ہوا تھا کہ جماعت پورے معاملہ کا فیصلہ کریگی۔ اور جب مکمل فیصلہ کی صورت نہیں تو یہ عارضی حالات بھی قائم نہ رہنے چاہئے۔

(۵) جائداد غیر منقولہ میں جماعت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ نافذ ہے اور اس کے نفاذ کیلئے ہر جائز طریقہ پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے: "اذا اصطلح الرجلان علی حکم یحکم بینھما فقضیٰ لاحدھما علی صاحبہ فی بعض الدعاوی الذی حکم فی ذلک ثم رجع الذی قضی علیہ عن تحکیم لھذا الحکم فیما بقی بینھما من الدعاوی فان القضاء الاول نافذ و مایقضی بعد ذلک لا ینفذ۔ (کتاب ادب القاضی: ۳/۴۳۷) دو آدمیوں نے ایک آدمی کو حکم بنایا اور اس نے ایک فریق کے موافق کچھ دعوی کا فیصلہ کر دیا اور دوسرے فریق نے اس کو فیصل بنانے سے رجوع کر لیا تو جتنا فیصلہ رجوع کرنے سے پہلے کیا نافذ ہے اور جو رجوع کے بعد ہے غیر نافذ ہے۔

(۶) ضرور ساتھ دینا چاہئے۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَاءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ﴾[النساء: ۱۳۵] واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد المنان اعظمی

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ — الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ

(۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنے لڑکے کو اس کی حرکات بد سے عاجز آکر مسجد میں مقتدیوں کے سامنے یہ کہا آپ لوگ گواہ رہیں کہ اپنے لڑکے کو ہم عاق کرتے ہیں۔ اب ہم سے اور ہماری جائداد سے کوئی واسطہ وسروکار نہیں۔ لہذا بکر از روئے شریعت زید کے مرنے کے بعد زید کی جائداد میں حق دار ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

منشی نظام الدین محلہ نورن گنج پوسٹ سہسرام ضلع شاہ آباد

الجواب

اگر زید نے اپنی زندگی میں اپنی جائداد کسی اور کو دیکر اس پر اس کا قبضہ نہ کرایا ہو صرف زبان سے یہ کہنا یا تحریر لکھ دینا کہ ہم لڑکے کو عاق کرتے ہیں۔ اس کا جائداد سے کوئی تعلق نہ رہے گا کچھ کارگر نہ ہوگا اور زید کا لڑکا اس کے مرنے کے بعد اس کے ترکہ میں حصہ ضرور پائے گا۔ حدیث شریف میں ہے:" من ترک مالا فلورثتہ (البخاری کتاب فی الاستقراض ۲/۹۱)" قرآن عظیم میں ہے: ﴿یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ﴾ النساء: ۱۱) موطا امام محمد میں ہے:"ان ابابکر کان نحلھا جذاذا عشرین وسقا من مالہ بالعالیۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال واللہ یابنتی ما من الناس احب الی غناء بعدی منک ولا اعز علی فقرا منک وانی قد نحلت من مالی جذاذ عشرین وسقا فلو کنت جذذتیہ کان لک فانما ھو الیوم مال وارث قال محمد وبھذا کلہ ناخذ فمن نحل نحلۃ ولدا او غیرہ فلم یقبضھا الذی نحلھا حتی مات الناحل او المنحول فھو مردود علی الناحل او علی ورثتہ" جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد مال سے وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے، مورث کا یہ کہنا کہ فلاں کو کوئی سروکار نہیں کوئی اثر نہیں رکھتا۔ ہاں سرے سے مال ہی نہ چھوڑے کہ ترکہ کا سوال پیدا ہو تو اور بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد المنان اعظمی اشرفیہ مبارکپور

۱۲؍ ربیع الثانی ۸۱ھ — الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ

(۲۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی وفات کے بعد اپنے دو لڑکے بکر اور خالد اور دو قطعہ مکان چھوڑا۔ نیز کچھ نقد روپے و دیگر سامان چھوڑا جس میں ایک قطعہ مکان اپنی حیات میں اپنے دونوں لڑکوں کو تقریبا نصف نصف تقسیم کر دیا۔ اور ایک قطعہ مکان ودیگر سامان جس کو زید نے کسی معتبر گواہ کے سامنے کسی لڑکے کو دینے کے لئے کہا ہے۔ اور نہ کوئی تحریر موجود ہے۔ باوجود اس کے بکر اس مکان سے بغیر خالد کی رضا کے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ آخر وقت تک زید کی خدمت بکر نے کی ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ بکر کو زید کی خدمت کرنے کی وجہ سے وہ مکان وسامان نقد روپیہ مل جائے گا کہ نہیں؟ اور کیا خالد اس کا حقدار ہے یا نہیں؟ اور اس مکان سے بکر جواب تک فائدہ اٹھا رہا ہے وہ از روئے شرع کیسا ہے۔ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی محمد ممتاز محلہ نوادہ مبارکپور

الجواب

اگر صورت حال یہی ہے کہ دوسرے مکان کو زید نے تقسیم نہیں کیا تھا تو خالد کے حصہ سے بغیر خالد

کی رضا کے بکر کو فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ در مختار میں ہے: "وکل من شرکاء الملك اجنبی فی الامتناع عن التصرف مضر فی مال صاحبہ (کتاب الشرکۃ:٦/٣٦٤)" بکر نے اپنے والد کی جو خدمت کی ہے یہ اس کی سعادت مندی ہے۔ اس کا معاوضہ اس کو ترکہ سے نہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۴ محرم ۸۳ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا باپ بوہری تھا اب اس کا لڑکا سنی ہو گیا تو اس کے لڑکے اور لڑکیاں جو تبدیلی مذہب کے بعد پیدا ہوئے۔ زید کے باپ کے شرعی وارث ہو سکتے ہیں۔

مستفتی عبد المجید ساکن پورہ سیوان

الجواب

زید کا باپ جب مرتد تھا تو اس کی کمائی فے ہو جائیگی اور اس میں وراثت جاری نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے: "وما كان ما اكتسبه في حال ردته فيئا (هداية۔ باب احكام المرتدين ٢/٦٠١)" واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۴ر صفر ۸۰ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کے چند بیٹے ہیں زید نے سب کو برابر برابر ہبہ کر دیا اور اپنا حصہ بھی بیٹوں کے برابر لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید جس لڑکے کے ساتھ رہتا ہے اس کو اپنی جائداد جو بانٹنے کے بعد بچی ہے دے سکتا ہے کہ نہیں؟ عبد الرؤف ساکن مہاونی دوبولی

الجواب

زید اپنی زندگی میں اپنی جائداد کا مالک ہے اس میں جو تصرف چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے سب لڑکوں کو برابر دیا اچھا کیا کہ حدیث شریف میں کم وبیش دینے کو ظلم فرمایا گیا ہے۔ خود اپنے حصہ میں جو جائداد رکھ چھوڑی ہے بغیر کسی کو دئے مر گیا تو اس میں وارثوں کا حصہ شریعت کے حکم کے موافق لگے گا۔ جو لڑکا زید کی خدمت کرتا ہے اس کو اگر اس کی اطاعت شعاری کی وجہ سے اپنا حصہ دیدے تو مواخذہ شرعی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۵ر رجب ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حاجی عباد اللہ کی موجودگی میں ولی محمد ونور محمد کام کرتے تھے اور اپنی کمائی سے سامان وغیرہ خریدا تھا جو کہ والد صاحب کی موجودگی میں کچھ سامان ضائع ہو گیا اور کچھ سامان موجود ہے اور روپیہ بھی موجود تھا مگر والد صاحب کے مرنے کے بعد روپیہ بھی ختم ہو گیا اور آج بٹوارا ہوتا ہے لہٰذا جو سامان یا روپیہ ختم ہو گیا ہے اس میں بہنوں کا بھی کچھ حصہ ہے کہ نہیں۔ فدوی نور محمد، ولی محمد ولد حاجی عباد اللہ مرحوم پورہ رانی مبارکپور

الجواب

ضرور بہنوں کا حصہ ہے اور اس مال کے صرف کرنے والوں پر اس کا تاوان ہوگا تنویر الابصار ۱۰/۴۵۹ میں ہے:"یبدأ من ترکۃ المیت بتجہیزہ ثم دیونہ التی لہا مطالب من جہۃ العباد ثم وصیتہ ثم یقسم الباقی بین الورثۃ" میت نے جو کچھ مال چھوڑا سب سے پہلے اس میں سے تجہیز و تکفین کی جائے گی پھر قرض ادا کیا جائے گا پھر باقی تمام مال وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور ترکہ کی تعریف شامی کتاب الفرائض ۱۰/۴۵۹) میں ہے:"الترکۃ فی الاصطلاح ما ترکہ المیت من الاموال صافیا عن تعلق حق الغیر بعین من الاموال" میت جو مال چھوڑے اور اس میں کسی غیر کا حق متعلق نہ ہو وہ ترکہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد میت نے جو جائداد منقولہ یا غیر منقولہ چھوڑی سب سے ہی تمام وارثوں کا حق تعلق ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۳ر رجب المرجب ۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی بیوی ہندہ اس کی رضامندی سے علالت کی حالت میں اپنے والد موصوف کے گھر گئی اور وہاں علاج بھی کما حقہ حسب استطاعت زید اور زید کے والد کرتے رہے۔ چند گھنٹہ قبل وفات آپس میں کچھ کشیدگی ہو گئی اور اسی روز ہندہ انتقال کر گئی زید نے ابھی تک اس کا مہر ادا نہیں کیا نہ تو کوئی اس کا تذکرہ ہوا۔ اس کے پاس ایک لڑکی تھی جس کی پرورش زید کے گھر ہوئی تھی دو مہینہ سات روز کے بعد وہ بھی انتقال کر گئی۔ علاوہ اس کے اب جو سامان اور زیور چٹی کے سلسلہ میں زید کی لڑکی کو ملا ہے اس کے بارے میں اور جو جہیز زید کے خسر نے زید کی بیوی ہندہ کو دیا تھا وہ چھ سات برس ہوا کہ جس کا کسی قسم کا تذکرہ پہلے وفات سے نہیں ہوتا تھا محض بخششی کی بنا پر۔ ہندہ کے والد دس یا بارہ روز سے کہتے ہیں کہ میں نے ہندہ کو مختار نہیں بنایا تھا اور جہیز کے بارے میں کہ وہ ہندہ کا ہے۔ کون مستحق ہے۔ بقلم سراج الدین خیر آباد

الجواب

ہندہ کا مہر زید کے ذمہ ہے لیکن چونکہ عورت کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے اس کا چوتھائی حصہ خود زید کو ملے گا اور نصف کی مالک لڑکی ہوگی بقیہ چوتھائی ہندہ کے والد کا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ﴾[النساء:١٢] اسی میں ہے: ﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ [النساء:١١] اسی کی لڑکی کو چھٹی کے سلسلے میں جو سامان اور زیور ملا ہے یا تو اس کا مالک باپ ہے یا لڑکی بہر حال وہ سامان لڑکی کے مرنے کے بعد اس کے حقیقی باپ کا ہوگا۔ جہیز میں اگر ایسی چیزیں تھیں جنہیں رواجاً جہیز میں دیا جاتا ہے اور دیتے وقت والد نے عاریۃً دینے کی تصریح نہیں کی بلکہ بعد میں کہا کہ میں نے مختار نہیں بنایا تھا تو اس میں شوہر کی بات قسم کے بعد معتبر ہوگی اور سامان جہیز میں ہندہ کے مرنے کے بعد وراثت جاری ہوگی جس کی تفصیل مہر کے بیان میں گزری۔ کہ کس کا کتنا حصہ ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:" جهز بنته و زوجها، ثم زعم أن الذى دفعه اليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكي او جهزتني به او قال الزوج ذلك بعد موتها، ان كان العرف ظاهراً بمثله فى الجهاز كما فى ديارنا، فالقول قول الزوج

(كتاب النكاح۔الباب السابع فى المهر ١/٤١٥)" واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کی شادی ہوئی اور ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کی زوجہ مذکورہ مرگئی۔ پھر زید نے دوسری شادی کی اس شادی سے چار لڑکے ہوئے۔ زید کا مال متاع لڑکوں میں برابر برابر بانٹا جائے گا یا پہلی شادی سے جو لڑکا ہے اس کو نصف اور دوسری شادی سے جو لڑکے ہیں ان کو نصف میں تقسیم کیا جائے گا۔

المستفتی محمد رضوان ہڑبل گنج محلہ نوشہرہ ضلع گورکھپور

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کے تمام لڑکوں کا حصہ برابر ہوگا۔ پہلی شادی دوسری شادی کے لڑکوں میں کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ اپنے باپ کے سب حقیقی لڑکے ہیں۔ ایک حدیث میں اس قسم کی تفریق کو حضور ﷺ نے جور وظلم قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہم لوگ چھ بھائی ایک ماں سے ہیں۔ والدہ کا انتقال ہونے کے بعد ہم لوگوں کے اختلاف کے باعث والد صاحب نے اپنی جائداد کے تین حصے کیئے دو حصے جائداد ہم لوگوں کو دیدیا جواب تک بدستور ہم لوگوں کے قبضے میں ہے اور ایک حصہ جائداد اپنے مصرف میں رکھ کر اپنی دوسری شادی اپنے ہی خاندان کی ایک بیوہ سے کیا اور اس کے پہلے شوہر سے ایک لڑکا تھا اور اس بیوہ کا مکان میرے ہی مکان سے ملا ہوا تھا اسی کے مکان میں والد صاحب رہنے لگے۔ اور بیس سال سے زائد عرصہ تک زندہ رہکر قضا کر گئے۔ اس شادی سے بال بچے نہیں ہوئے۔ والد صاحب اپنی وفات سے دو روز قبل ہم لوگوں کو وصیت کر گئے کہ میری بیوی کو نان ونفقہ نہ دیا جائے بلکہ شرع محمدی کی رو سے جتنا حق وحصہ اس کا ہوتا ہو کھیت دیدیا جائے اور اسے پابند نہ کیا جائے۔ جس سے چاہے کاروبار کھیتی کرائے اپنا گزر بسر کرے۔ اس کے بعد مرنے کے تم لوگ اس جائداد کو لے لینا اور سب بھائی آپس میں تقسیم کر لینا۔ دین مہر کی معافی ہو چکی ہے۔

(۱) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ والد صاحب مرحوم محمد اسلام اللہ صاحب کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی۔ پوری جائداد میں بیوہ مذکورہ کا حصہ ہوگا یا محض ایک تہائی مقبوضہ آراضیات میں؟ شرعاً بیوہ مذکورہ کا حق وحصہ کتنا ہوگا؟

(۲) مقبوضہ آراضیات ہم لوگوں میں اگائی ہوئی فصل ہم لوگوں کی ہے اور تہائی زمین جو والد صاحب کے قبضہ میں ہے اس میں انہیں کی اگائی ہوئی فصل ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے یہ فصل جو ابھی کھیتوں میں ہے کس طرح تقسیم ہوگی۔؟

المستفتی محمد افہام اللہ موضع پہاڑپور ڈاکخانہ روضہ درگاہ تحصیل بانگاؤں ضلع گورکھپور، ۵؍مارچ ۱۹۶۸ء

الجواب

چونکہ جائداد کے دو حصوں پر آپ کے والد صاحب نے آپ لوگوں کو دیکر قبضہ دلا دیا تھا اس لئے اب ان کی وفات کے بعد صرف ایک حصہ جائداد جو ان کے قبضہ میں تھی ترکہ قرار پائے گی اور اسی میں وراثت جاری ہوگی۔ اور جائداد مذکورہ سے صرف دو آنہ (آٹھواں) حصہ آپ کے والد کی دوسری بیوی کو ملے گا بقیہ کے آپ لوگ وارث ہوں گے۔ والد کی مقبوضہ آراضی اس کی کھیتی اور اس کے علاوہ کوئی جائداد آپ کے والد نے چھوڑی ہو تو اس میں یہی جاری رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۷؍ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۸-۲۹) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید کے والد کا انتقال ہو گیا اور زید اپنی والدہ کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے اور اس کے ذاتی خرچ سے بری الذمہ ہے۔ کیا ایسی صورت میں زید اپنے باپ کا وارث قرار دیا جاسکتا ہے؟

(۲) زید کی والدہ اپنے لڑکے کی نافرمانی کی وجہ سے اسے اپنی جائداد سے محروم کر دینا چاہتی ہے کیا ایسا کرنے کے بعد وہ حق بجانب ہوگی۔ بینوا وتوجروا المستفتی عبدالحکیم سکندر پور بلیا

الجواب

(۱) ضرور باپ کا ترکہ پائے گا۔ قرآن عظیم میں وراثت کے لئے رشید وغیر رشید ہونے کی کوئی شرط نہیں

(۲) اگر ماں کو یہ خطرہ ہے کہ میرے بعد یہ روپیہ گناہ میں خرچ کرے گا تو اس مال کو نیک کام میں خرچ کردے اس میں کوئی جرم نہیں بلکہ اس کے لئے یہی بہتر ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:" لو کان ولده فاسقاً واراد ان یصرف ماله فی الخیر ویحرمه عن المیراث هذا خیر من ترکه له " واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۷/صفر ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۰) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا جنوری ۱۹۶۸ء کو انتقال ہوا۔ اس کے چار لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ زید کی املاک پر اس کے تین لڑکے بکر عمرو چیرو کا قبضہ بحیثیت کاروباری کے ہے، زید کے چوتھے لڑکے خالد کو تیجہ کے روز عمرو نے کہا کہ آج سے تم ہمارے بھاگیدار یعنی کاروبار میں برابر کے شریک ہو، ہم لوگ یومیہ سات روپیہ لیتے ہیں تم کو بھی سات روپیہ دیں گے اور تین ماہ کے بعد جو آپس میں منافع تقسیم کریں گے اس میں بھی تمہیں برابر چوتھائی حصہ کے حساب سے ملے گا۔ بکر وعمر چیرو سے خالد نے کہا تو اس کے قانونی کاغذات کب بناؤ گے اس کے جواب میں انہوں نے کہا تم کو ہم لوگوں پر بھروسہ کرنا پڑے گا اور یہ نہیں ہوسکتا یعنی قانونی کاغذ نہیں بن سکتا پھر انہوں نے کہا کہ والد صاحب کا جو کچھ نقد وغیرہ ہے ہم لوگوں کو بخشش ہے۔ رہ گیا یہ کارخانہ تو اس میں چار حصہ دار ہیں۔ تین بھائی ہم چوتھے والد صاحب۔ ہمارے پاس اس سلسلہ میں ڈاکومنٹ وغیرہ ہیں اور والد صاحب ایسا کر گئے ہیں کہ ہم کو کوئی مٹا نہیں سکتا ہے۔ نہ ہمارا کاروبار ایک منٹ کے لئے رکوا سکتا ہے اور والد صاحب کی نصیحت ہے کہ جو بھی تمہارے سامنے مقدمہ کرے اس کے پیسہ سے اسی کے سامنے مقدمہ لڑنا یعنی اتنا روپیہ اس کا کٹ جائے گا۔ زید کے لڑکوں میں بکر کہتا ہے کہ مجھ

سے والد صاحب نے کہا تھا کہ میری کل املاک میں چوتھائی خالد کو دینا، اگر نہ دو گے تو حشر کے میدان میں پکڑوں گا۔ اور کہتا ہے کہ یہ سب والد صاحب کا ہے ہمارا تو نام ہے۔

آیا اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے خالد کو سات روپے یوم اب بھی مل رہا ہے۔ بینوا توجروا راقم احمد عمر ڈوسا بقلم خود، ۱۱/محرم الحرام ۱۳۸۸ھ

الجواب

عام طور سے لڑکوں کو کاروبار میں شریک کرنے کا مقصد کچھ تجارتی اور قانونی فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے مالک بنانا مقصود نہیں ہوتا، اس لئے زید کے تین لڑکوں کا یہ کہنا کہ کارخانہ کے تین حصے کئے تو ہم بھی بھاگی ہوں گے بحیثیت مالک لیکن چوتھے میں وارث کی حیثیت سے حصہ لیں گے، غلط ہے۔ پورا کارخانہ زید کی میراث ہوگا اور تمام وارثوں کا حسب شرع حصہ ہوگا، اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ اپنے تین لڑکوں کو اپنی فرم میں زید نے حصہ دار بنایا تھا تو صورت ہبہ کی ہوئی اور اسکے لئے موہوب کو الگ کرکے قبضہ دلانا ضروری تھا لیکن جب باپ بھی اس میں ایک حصہ کا شریک رہا تو اپنی ملک سے الگ کرکے قبضہ دلانے والی شکل نہ پائی گئی اس لئے ہبہ تام نہ ہوا، اور پورا کارخانہ زید ہی کا رہا اور اس کے مرنے کے بعد تمام وارثوں کو حصہ اسلامی ملنا چاہیے۔

عالمگیری کتاب الھبۃ ۴/۵۱۴) میں ہے:" وفی المنتقی عن ابی یوسف لا یجوز للرجل ان یھب لامرأته ولا ان تھب لزوجھا ولاجنبی ولا دلراو ھما فیھا ساکنان وکذالك الولد الکبیر کذا فی الذخیرة" اسی طرح غیر منقولہ جائداد کے بارے میں ان تینوں کا دعویٰ ہے کہ والد نے ہم کو دیا تھا اس کے لئے ان کو شرعی گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ کہ باپ نے صحت کی حالت میں یعنی مرض الموت سے قبل یہ ساری چیزیں ان تینوں کو دیکر قبضہ دلایا تھا اگر ایسا نہ ہو تو خالد کو اس میں بھی حصہ ملے گا۔ اختیارات روک دینے سے وراثت پہ اثر نہیں پڑتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۱) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کے پاس چند لڑکے ہیں جس میں بڑے لڑکے کی شادی ہو چکی ہے بقیہ لڑکے زید کے زیر پرورش ہیں شادی شدہ لڑکے کی جانب سے حق کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ اور زید حق دینے سے انکار کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی میرے زیر پرورش چند لڑکے ہیں جن کی ابتدائی زندگی کی ذمہ داری میرے سر پر ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شادی شدہ لڑکے کا مطالبہ صورت مسئولہ میں از روئے شرع درست ہے کہ نہیں۔؟ بینوا توجروا

المستفتی محمد اسلم قصبہ بڑہل گنج گورکھپور

الجواب

باپ کے ترکہ اور میراث کا حقدار وارث باپ کے مرنے کے بعد ہوتا ہے۔ باپ اپنی زندگی میں کل جائداد کا مالک ہے۔ بالغ لڑکے کو اس میں کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حاجی واحد علی کے دو لڑکے ہیں جن میں ایک نابالغ تھا اور پڑھ رہا تھا اور بڑا لڑکا جو باپ کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا باپ کی مرضی سے ایک زمین خریدنے کی رائے ہوگئی۔ اتفاقاً بڑے لڑکے نے زمین اپنے نام لکھوائی اور پھر باپ یعنی واحد علی اور بڑے لڑکے نے مل کر مکان بنوایا اور چھوٹا لڑکا نابالغ ہونے کے بعد وہ بھی باپ اور بڑے بھائی کے ساتھ ہر کام کاج کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ باپ یعنی واحد علی کے مرنے کے بعد اس زمین جس کو بڑے لڑکے نے باپ کے ساتھ رہ کر باپ کی رائے سے خریدی تھی اور باپ کے روپے کے ساتھ مکان بنوایا تھا تو چھوٹے بھائی کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ محمد شفیع اللہ

(۲) میں رفیع اللہ اپنے والد کا بڑا لڑکا ہوں میرے والد نے مجھے پڑھایا اور لکھایا اور ۱۹۴۲ء میں ملازم ہوگیا اس وقت میرے والد صاحب ایک ہیڈ ماسٹر تھے اور ان کی تنخواہ چالیس پینتالیس روپیہ تھی۔ ایک مسکونہ مکان تھا تقریباً دو کٹھا کھیت تھا اور ہم دو بھائی اور دو بہن تھے۔ بڑی بہن کی شادی ہو چکی تھی۔ میری بیوی اور ایک سال کا ایک بچہ تھا جن کے کفیل والد صاحب تھے۔ میرے بھائی کی عمر تقریباً ۹ رسال تھی۔ ۱۹۴۶ء میں والد صاحب رٹائر ہوگئے۔ اور ایک دوسری ملازمت مبلغ ۳۰ ر روپیہ ماہواری کر لی۔ میری تنخواہ ۱۹۴۲ء میں مبلغ ۷۵ ر روپیہ تھی۔ جس سے جنوری ۱۹۴۴ء میں مستعفی ہوگیا۔ اور ایک دوسری ملازمت مبلغ ۴۶ ر روپیہ ماہواری کی کر لی، جو جلد ہی بڑھ کر ۱۹۴۸ء میں ۵۰ ر روپیہ اور ۱۹۵۶ء میں ۲۵۰ ر روپیہ اس وقت پانچ سو بارہ روپے ہے۔ اسی طرح میں اپنی ملازمت میں ترقی کرتا رہا اور اپنی ضروریات سے بچا کر گھر کے اخراجات کے لئے نقد روپے راشن تیل مسالہ کپڑا حد کفیل تک دیتا رہا۔ اس لئے کہ بچے بھی گھر ہی پر رہتے تھے۔ ۱۹۵۱ء تک میرا بھائی گھر ہی پر زیر تعلیم تھا اس عرصہ میں میرے والد صاحب نے چار بیگہ زمین خریدی جس میں دو بیگہ زمین والد صاحب نے اپنے پیسہ سے خریدی بقیہ دو بیگہ میں ایک ہزار

لگا جس میں پانچ سو روپیہ میں نے قرض سے دیا تھا ۱۹۵۱ء کے بعد میرا چھوٹا بھائی اپنی غلطی کی بنا پر ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوگیا۔ اور اس کے دفاع میں میرا تقریباً ایک ہزار روپیہ لگا ۱۹۵۲ء میں والد صاحب نے آٹھ ایکڑ زمین مزید ایک دوسرے ضلع میں خریدی تھی۔ اور سامان راحت وغیرہ میں قسط وار دو ہزار روپے دیا تھا میں جہاں ملازم تھا ایک قطعہ مکان ۱۹۵۱ء میں اپنے نام اپنی تنخواہ سے بنوایا جس پر تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سے کچھ زائد صرف کیا ۱۹۵۵ء سے میرے بھائی نے بھی کمانا شروع کر دیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو مکان میں جائے ملازمت بنوا رہا تھا جب مالی تنگی کی بنا پر اس کا آخری برآمدہ نہیں بن پا رہا تھا تو تین شہتیریں والد صاحب نے خرید کر مجھے دیا تھا والد صاحب کی ایک عدد پرانی سائکل جسے میں نے ۱۹۴۸ء اپنی جائے ملازمت میں لا کر استعمال کرتا تھا اسے ۱۹۵۵ء میں والد صاحب نے بھائی کو دینے کے لئے کہا اور بھائی کے روزگار میں اضافہ کے لئے بھی کہہ کر مانگا کہ ہو تو شہتیر کا دام ہی دیدو۔ شہتیر کا دام زیادہ سے زیادہ ستر یا بہتر روپیہ ہوگا۔ میں نے قرض لیکر ایک دوسری عمدہ انگلش سائکل خرید کر گھر پہونچا دیا مبلغ ایک سو روپیہ نقد والد صاحب کو دیا تھا تا کہ ان کی مانگ ختم ہو جائے اس نئی سائکل کو بھائی صاحب اپنے روزگار پر لے گئے۔ اور اس وقت تک ان کے استعمال میں ہے۔ ۱۹۵۶ء کے سیلاب میں گھر کا مسکونہ مکان کافی مخدوش ہوگیا تھا جس کی مرمت اور دو کمروں کی پختہ کرنے میں تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ لگا۔ جس میں نو سو روپے قرض لیکر دیا تھا۔ ۱۹۶۴ء میں والد صاحب کے انتقال کے دو ماہ قبل دو بیگہ زمین خریدی جس پر تقریباً چھ ہزار روپے لگے جس میں چار ہزار پانچ سو بیس روپے میں نے دیا اس وقت میرا چھوٹا بھائی مجھ سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے اس کا خیال ہے کہ اس نے ان زمینوں میں بھی جو والد صاحب کی زندگی میں اور ان کی نگرانی میں خریدی گئیں اور ان زمینوں میں بھی جس سے میں نے دوسرے ضلع میں خریدا اور اس مکان میں حصہ ملنا چاہئے کیا اس کا مطالبہ صحیح ہے۔ اور شرعاً مجھے تمام جائدادوں میں اسے حصہ دینا چاہئے میں نے پورا واقعہ سنایا اور اس لئے لکھا ہے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ والد صاحب کی آمدنی کیا تھی اور ان کے اخراجات کیا تھے اور اس جائداد میں جو رقم لگی کتنی تھی۔ اور اس نئی جائداد کے لئے یہ روشنی مل سکے کہ اس کے موروثی جائداد ہونے میں یا والد صاحب کا ترکہ قرار پانے میں واقعہ کا کتنا دخل ہے۔ ہم اس مسئلہ میں اللہ ورسول کا فیصلہ چاہتے ہیں امید ہے کہ آپ کا جواب دنیا وآخرت کے لئے فلاح کا ذریعہ بنے گا۔

سائل محمد رفیع اللہ پیڈیل گنج گورکھپور

الجواب

سائل کے بیان سے یہ امر واضح ہے کہ والد صاحب کی حیات میں اور اس کے بعد اب تک

دونوں بھائی ساتھ ہی رہے اور جب جب جو بھی اہل ہوا گھر کی آمدنی میں والد کا ہاتھ بٹاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی سے والد کو فائدہ ہوا اور کسی سے نقصان ہوا ہو پس اس صورت میں جو کچھ بھی کسی بھائی نے کمایا ہو یا اپنی علیحدہ محنت کی کمائی سے گھر خرچ یا جائداد کی خریداری میں باپ کی مدد کی ہو سب باپ کی آمدنی میں شمار ہوگی۔ درمختار ۶/۳۹۲ شامی کتاب الشرکۃ میں ہے:" الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لھما مال فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا لہ الا تری انہ لو غرس شجرۃ تکون للاب "

ہاں اگر اپنی علیحدہ آمدنی سے خاص اپنے لئے کوئی جائداد بنائے جیسا کہ رفیع اللہ نے بیان میں ایک مکان کے لئے لکھا کہ ملازمت کی آمدنی سے دوسری جگہ بنایا اور والد صاحب کی تین شہتیروں کا نام تک ادا کردیا تو ایسی صورت میں وہ جائداد اسی بنانے والے کی ہوگی۔ اسی میں ہے:" الا اذا کان لھا کسب علیحدۃ فھو لھا اخلاقا" تو بھی ایک قسم کی چالاکی ہے کہ جب سب لوگ مشترک رہ رہے ہیں تو آمدنی کا جز حصہ اپنے لئے مخصوص کیا لیکن شرعی قانون میں کوئی مواخذہ اور تاوان نہ ہوگا اور چیز بنانے والے کی ملک ہوگی والد کے انتقال کے بعد باپ کی جو چھوڑی ہوئی جائداد سے آمدنی ہوئی دونوں بھائیوں نے مزید جو آمدنیاں کیں وہ سب ایک مشترک خاندان کی ہی آمدنی رہی، بڑا بھائی بجائے باپ کے سربراہ رہا اور چھوٹا بھائی بھی ساتھ رہ کر جیسا کچھ اس سے ہوسکا کام کاج میں مصروف رہا تو اب جو کچھ جائیداد اور روپے میں اضافہ ہوا اور کہیں بھی ہوا سب مشترک ہوگا ہاں اگر اس میں کسی بھائی نے کوئی جائیداد خاص اپنی نیت سے خریدا ہو تو دوسرے بھائی کے حصے کا معاوضہ ادا کرے۔ جائداد اسی کی ہوگی۔

شامی میں ہے:" یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوھم ان احدھم یموت فتقوم اولادہ علی ترکتہ بلا قسمۃ ویعملون فیھا من حرث وزراعۃ وبیع وشراء واستدانۃ ونحو ذلک وتارۃ یکون کبیرھم ھو الذی یتولی مھماتھم ویعملون عندہ بامرہ وکل ذلک علی وجہ الاطلاق والتفویض فاذا کان سعیھم واحدا ولم یتمیز ما حصلہ کل واحد منھم بعملہ یکون ما جمعوہ مشترکا بینھم بالسویۃ وان اختلفوا فی العمل والرأی کثرۃ وصوابا وما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصۃ شرکائہ من ثمنہ "

خلاصہ یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر رفیع اللہ کا بیان اس مخصوص مکان کے بارے میں صحیح ہے کہ والد کی حیات میں اپنی تنخواہ کی کمائی سے اپنے لئے ہی بنوایا تھا تو وہ مکان انہیں کو ملے گا چھوٹے بھائی کا اس میں شرعا کوئی حصہ نہیں بقیہ جائداد والد صاحب کی زندگی میں یا اس کے بعد بڑھائی گئی سب دونوں

بھائیوں میں ہوگی۔ اگر رفیع اللہ نے خاص کوئی زمین اپنے نام سے خریدی ہو تو اس کے نصف قیمت کا معاوضہ بھائی کو ادا کرے زمیں اسی کو مل جائے گی۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۷/رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

محمد عمر کے چار لڑکے ہیں اور "عمر کو اپنی سسرال کی جائداد کا نواں حصہ ملا تھا" ان کی وفات کے بعد وراثت ان کی بڑے لڑکے کے نام سے چلی آئی اس کے ساتھ تین چھوٹے بھائی کماتے کھاتے ہیں بعد میں کچھ نا اتفاقی سے مقدمہ بازی کا دور چلا جس میں تینوں چھوٹے بھائیوں نے کلام پاک عدالت میں رکھا کہ اگر ہم تینوں بھائیوں کا حق نہ ہو تو اسے اٹھا لو بڑے بھائی نے شوق سے اٹھا لیا خلاصہ یہ ہے کہ انکار کیا کہ تمہارا حق بالکل نہیں ہے ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حکم شرع بیان کریں۔ اور کلام پاک اٹھانے پر کفارہ ہے یا نہیں؟

راقم مولوی رئیس الحق خان مکتب بمبئی

الجواب

خط کشیدہ عبارت سے مراد غالبا دختری حق ہے۔ تو اس میں ماں کی موت کے بعد چاروں بھائی برابر کے حصہ دار ہیں۔ سرکاری کاغذات میں بڑے بھائی کا نام لکھ جانے سے اس کی جائداد نہ ہوگی۔ اس نے قرآن شریف اٹھا کر سخت گناہ کیا ہے۔ اسے چاہئے کہ اس سے توبہ کرے اور اس جائداد سے اپنے تین چھوٹے بھائیوں کو حصہ دے۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۲/ذوالقعدہ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک لڑکی کی شادی ہوئی وہ اپنے شوہر کے یہاں رہنے لگی کچھ روز کے بعد وہ لڑکی بیمار ہوئی۔ دوا وغیرہ شوہر نے نہیں کیا بالآخر مجبور ہوکر لڑکی نے میکہ آنے کی اجازت مانگی۔ اس پر شوہر نے کہا جاؤ اب کبھی مت آنا لڑکی نے کہا میں بیمار ہوں اگر مرجاؤں تو اس نے کہا مر جانے پر مٹی بھی دینے نہیں آؤں گا۔ چنانچہ لڑکی میکہ آئی اور قریب چھ سات ماہ بیمار رہی شوہر کبھی اس کو دیکھنے نہیں آیا۔ اور کم وبیش سال بھر گذر جانے کے بعد شوہر نے ایک دو آدمی بھیجا کہ جو شرعی حکم ہو زیورات میں اس کے متعلق صفائی ہوجائے۔ تو شوہر کے زیورات اس وقت سب موجود ہیں۔ اور میکہ کے زیورات چار عدد تھے۔ جس میں تین عدد اس کے نام

سے خرچ ہوگئے اس میں لڑکی کے نام قربانی ہوئی اور کچھ روپیہ مسجد مدرسہ کے نام دیا گیا۔ اس کے نام پر کچھ روپیہ موجود ہے۔ سائل حسین ولد حاجی عبدالصمد محلہ پرانی بستی بقلم خود

الجواب

اس دیار میں شوہر زیورات پہننے کے لئے دیتا ہے۔ اس لئے وہ شوہر کو ملنا چاہئے۔ مہر کی رقم اور میکہ کی زیورات میں شوہر کا آدھا حصہ بھی ہے۔ اگر عورت کے کوئی اولاد نہ ہو تو بقیہ والدین کی ملک ہے۔ ہاں اگر عورت کوئی وصیت کرگئی ہو تو اس کے ترکہ کا تہائی حصہ وصیت میں خرچ کیا جائے گا اور بقیہ میں اوپر ذکر کئے ہوئے طریقہ سے تقسیم ہوگی اگر عورت قربانی اور مسجد اور مدرسہ کے لئے وصیت کرگئی تو اس کے ترکہ کا تہائی حصہ وصیت میں خرچ کیا جائے گا۔ اور بقیہ میں اوپر ذکر کئے ہوئے طریقہ سے تقسیم ہوگی اگر عورت قربانی اور مسجد، مدرسہ کے لئے وصیت کرگئی ہو تو یہ رقم پورے ترکہ کے تہائی حصہ کے اندر ہونا چاہئے بقیہ جو خرچ زائد ہوگا خرچ کرنے والے کو اس کا تاوان دینا ہوگا اگر وصیت نہ کرگئی ہو اور ماں باپ نے اس کی طرف سے خرچ کیا ہو تو آدھے ترکہ کے اندر ہونا چاہئے جو ان کی ملک ہے۔ بقیہ آدھا شوہر کا ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۲؍ ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا انتقال ہوگیا۔ زید کے یہ ورثاء ہیں کس کو کتنا ملے گا۔

لڑکی۔ بھتیجا۔ بھتیجی۔ بھانجا۔ بھانجی۔ یکم راپریل ۱۹۹۷ء

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث زید کا کل ترکہ نصف اس کی لڑکی کو ملے گا۔ اور بقیہ سے نصف اس کی بھتیجی کو ملے گا۔ اور نصف اس کے بھتیجے کو ملے گا۔ بقیہ محروم ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۹؍ صفر ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ

(۱) دادا کی موجودگی میں والد کا انتقال ہوجائے تو پوتا دادا کی وراثت سے محروم ہوتا ہے۔ اس مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ایک غیر مسلم وکیل نے کہا کہ اسلام نے یتیموں کی حق تلفی کی ہے۔

(۲) کیا وجہ ہے عربی ممالک میں ہندوستان سے دو تین روز پہلے عیدین کی نماز ہوجاتی ہے جب

کہ جغرافیائی اعتبار سے بمشکل دو تین گھنٹہ کا فرق ہے۔

(۳) صاحب خزائن العرفان نے زیر آیت ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ﴾ [آل عمران:۳۵] تحریر فرمایا ہے کہ فاقوذا کی دختر ایشاع جو حضرت یحییٰ کی والدہ ہیں اور ان کی بہن حنہ جو فاقوذا کی دوسری دختر اور حضرت مریم کی والدہ ہیں اس رشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ماموں بھانجے ہیں مگر ایک ہی صفحہ بعد زیر آیت ﴿أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى﴾ [آل عمران:۳۹] تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی تھے۔ تحقیق حق کیا ہے دو اول الذکر سوالوں کے جوابات مسکت اور مدلل عطا فرمائیں اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیگا۔ فقط

والسلام المستفتی، نورالحسن نوری پنت نگر نینی تال (یوپی)

الجواب

(۱) بہت سارے مسائل میں حق وناحق کا معیار حالات وزمانہ اور مختلف اقوام کے عوائد ورسوم کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے جس کی بہت سامنے کی مثال یہ ہے کہ مغربی اقوام کی جدید تہذیب میں فحاشی اور بے حیائی کی کوئی اہمیت نہیں نہ اس کو انسانیت بلکہ شرافت کے خلاف سمجھا جاتا ہے جس کی وجہ سے غیر شادی شدہ ماؤں کی کثرت ہے اور مادۂ تولید ضائع کرنے اور حمل گرانے والیوں کا حد وشمار نہیں۔ حد یہ ہے کہ ہم جنسی کو بھی قانون کا سہارا حاصل تھا اب ایڈس کے قدرتی عذاب کی وجہ سے اس امر پر کچھ بندش عائد کی گئی ہے اور اپنی انھیں بے حیائیوں پر انھیں فخر ہے اور اس کے فقدان کو وہ بد تہذیبی اور جہالت سے تعبیر کرتے ہیں دیکھئے اس مسئلہ میں حق وناحق کے معیار کے بارے میں مشرقی اور مغربی تہذیب کا کتنا زبردست اختلاف ہوا؟ اللہ کا شکر ہے کہ اہل اسلام اس معاملہ میں بھی اپنے معیار کو ہی حق وصحیح سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ایک مسئلہ کثرت ازدواج اور یک زوجی کا بھی ہے اہل مغرب ایک ساتھ چند عورتوں سے نکاح کرنے اور زوجیت میں رکھنے کے سخت خلاف ہیں اگرچہ ناجائز طور پر کئی کئی داشتائیں رکھنے میں ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں جس کے لئے گرل فرینڈ کی اصطلاح وضع کر رکھی ہے آپ مغربی دنیا کے بہت بڑے بڑے لوگوں کی ہسٹری پڑھ جائیں تو ہماری اس بات کی تصدیق آپ کو ملے گی جب کہ مشرق میں سابقہ وقتوں میں بڑے بڑے مہاپرس نیک دل راجہ مہاراجہ بلکہ اولیاؤ پیغمبر تک ایک ساتھ کئی کئی عورتوں کو نکاح میں رکھتے تھے اور اس میں کوئی خرابی نہیں تصور کرتے تھے۔ البتہ اب مغرب کے اثر سے اس مسئلہ میں مشرق کی بعض اقوام کا انداز فکر بھی بدل گیا ہے اور وہ کثرت ازدواج کے خلاف ہوگئی ہیں۔

وراثت کے جس مسئلہ کا آپ نے ذکر کیا وہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے، عرب ہو یا بھارت ہر جگہ قانون

تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی پوری جائداد کا وارث اس کا بڑا لڑکا ہوتا تھا، چھوٹے لڑکے اور لڑکیوں کو کچھ نہیں ملتا تھا، بھارت میں تو اس کی زندہ مثال رام جی کی ہے کہ راجہ دسرتھ کی راج گدی کے جائز وارث رام جی کو ہی سمجھا جاتا ہے نہ تو خود رام جی نے اوتار ہوتے ہوئے اس کو حق وانصاف کے خلاف اور قانون کے مخالف سمجھا اور نہ ان کے چھوٹے بھائیوں کو کوئی اعتراض ہوا کہ باپ کی حکومت میں ہمارا بھی حق ہوتا ہے نہ آج تک کسی کو یہ بات بے انصافی کی نظر آتی ہے ہماری گورنمنٹ نے گو اب قانون بنادیا ہے کہ باپ کی جائداد میں سب لڑکوں لڑکیوں کا برابر برابر حصہ ہوگا لیکن عمل درآمد اسی پر ہے کہ لڑکیاں باپ کی جائداد سے محروم رکھی جاتی ہیں اور عرب میں تو عرب کی متعدد تاریخوں بلکہ حدیث کی کتابوں میں اس بات کی تصریح ملے گی کہ باپ کی کل جائداد بڑا لڑکا پاتا تھا پس جب ہم چوں قسم کے مسائل میں حق وناحق کے معیار میں ہی اتفاق رائے نہیں تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنی پسند کو دوسروں پر زبردستی تھوپے۔

جب حضور ﷺ تشریف لائے تو عرب بلکہ تمام پیروان اسلام میں وراثت کا جو قانون جاری ہوا اس قانون میں قرآن عظیم نے منطقی اور عقلی بنیادوں پر وارثوں کے گروپ بنائے۔

پہلا گروپ وہ ہے جو میت سے بلا واسطہ منسلک ہے اس میں مرد کی طرف سے ماں باپ لڑکا لڑکی بیوی آتے ہیں بیوی کا شوہر سے گو کوئی نسبی تعلق نہیں مگر نکاح کے ذریعہ انمیں اب مضبوط علاقہ قائم ہوگیا جو نسبی تعلق سے کسی طرح کم نہیں ہے اور عورتوں کی طرف سے بھی ماں باپ لڑکا لڑکی۔ دیکھ لیجئے ان رشتوں میں میت اور وارثوں کے درمیان کوئی اور شخصیت نہیں آتی جو دونوں میں واسطہ بنتی ہو ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے میت کے کسی اور رشتہ داروں کو کچھ نہیں ملیگا سارا مال انہیں میں تقسیم کردیا جائیگا۔

دوسرا گروپ وہ ہے کہ میت اور اسکے درمیان کسی شخص کا واسطہ جیسے بھائی بہن کہ ان دونوں میں باپ کے واسطہ سے رشتہ ہے پوتا پوتی اور دادا دادی کہ ان کا رشتہ باپ اور بیٹے کے واسطے سے ہوتا ہے اسکا حکم یہ ہے کہ پہلے گروپ کی عدم موجودگی میں مال ان میں تقسیم کردیا جاویگا۔

تیسرا اور سب سے مؤخر گروپ ذوی الارحام کا ہے کہ جسکا رشتہ میت سے کسی عورت کے واسطہ سے قائم یا ایک سے زائد واسطوں سے میت کا اس سے تعلق ہو۔

پس اسلام میں جب وراثت کی بنیاد رشتہ کے قرب وبعد پر ہے تو قانوناً اور عقلاً یہ فیصلہ کیسے صحیح ہوگا کہ پہلے گروپ کی موجودگی میں دوسرے گروپ کے کسی حقدار کو حصہ دیدیا جائے اگر ایسا کرنا عقلاً یا قانوناً درست ہو تو پوتے کی کیا خصوصیت ہے باپ کی موجودگی میں دادا کو کیوں نہ حصہ دیا جائے جب کہ اس

کا رشتہ پوتے سے ٹھیک اسی طرح کا ہے جیسے پوتے کا دادا سے۔ ممکن ہے کہ کوئی کہے ہاں ہم جس طرح لڑکے کی موجودگی میں پوتے کے حق دلانے کے حق میں ہیں اسی طرح باپ کی موجودگی میں دادا کو بھی حق دلانے کے حق میں ہیں تو ہم گذارش کریں گے کہ آپ وراثت کی اس قانونی بنیاد کو ہی ڈھادینا چاہتے ہیں جسے اسلام نے تسلیم کرکے قانون وراثت نافذ فرمایا بلکہ پھر دادا کی ہی کیا خصوصیت ہے اس طرح تو مردہ کے دور اور قریب کے ہر ہر رشتہ دار کو ہی حصہ دینا پڑیگا اور رشتہ داری کا یہ دائرہ کہاں تک وسیع ہوگا غور کریں تو اس طرح قانون وراثت ایک کھلواڑ ہوجائیگا۔ بندہ پرور! گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پوتے یتیم اور بے سہارا ہوتے ہیں اسلئے قانون اسلام کو ان کے ساتھ رحم ومروت شفقت اور مہربانی کا سلوک کرنا چاہئے تھا اور حصہ دلا دینا چاہئے تھا ہماری گذارش ہے اولاً یہ ضروری نہیں کہ ہر یتیم بچہ بے سہارا اور محتاج ہو کتنے لڑکے مشترکہ خاندان اور باپ سے علحدہ ہوکر اپنی مستقل کمائی کرتے ہیں اور اتنا اثاثہ جمع کرلیتے ہیں کہ ان کے یتیم بچوں کے حصے میں مال کی وافر مقدار آتی ہے اور یہ بات اسلامی معاشرہ میں کثرت سے پائی جاتی ہے کیونکہ اسلام نے ہر فرد کی نجی ملکیت تسلیم کی ہے چنانچہ قرآن عظیم میں بہت سی آیتیں اسی مضمون کی ہیں کہ یتیموں کے اموال میں خیانت کرنا بڑا جرم اور اس کی حفاظت اور صیانت بلکہ اس میں نمو اور اضافہ یتیموں کے اولیاء پر لازم اور ضروری ہے۔

(۱) بری نیت سے یتیموں کے مال کے قریب مت جاؤ اور ان کے بالغ ہونے تک نیک نیتی سے ان کے مال کی حفاظت کرو۔ (سورۂ انعام)

(۲) بالغ ہوجائیں تو یتیموں کا مال انہیں واپس کردو ان کا اچھا مال اپنے برے مال سے نہ بدلو (سورۂ نساء)

(۳) جو لوگ یتیموں کا مال زور وزبردستی سے کھالیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈالتے ہیں (سورۂ نساء)

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن کے وقت بہت سے یتیموں کی ایسی پوزیشن تھی کہ وہ دادا کے مال کے محتاج نہیں تھے بلکہ دادا کو خود ہی ان کے مال وجائداد کا محافظ بنایا گیا تھا۔

ثانیاً: یہ سوال قانونی ہونے کے بجائے خالص اخلاقی ہے اس لئے اسکا حل بھی اخلاقی بنیادوں پر ہونا چاہیے پھر آپ دیکھیں گے کہ اسلام نے یتیموں کے بارے میں کیا احکام صادر فرمائے ہیں پہلے ہم قرآن کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں پھر کچھ حدیثیں ذکر کرینگے۔

(۱) عام انسانوں کو یتیموں کے لئے احکام:

(الف) تم ہرگز یتیموں کا اکرام نہیں کرتے اور لوگوں کو مسکینوں کو کھلانے پر آمادہ نہیں کرتے (الفجر)

(ب) تم نے دین جھٹلانے والوں کو نہیں دیکھا جو یتیموں کی خبر گیری نہیں کرتا (الماعون)

(ج) یتیموں پر قہر نہ ڈھاؤ اور سائلوں کو جھڑکو مت (الضحیٰ)

اس آیت میں یتامیٰ اور سائلوں کے سلوک کا حکم اور بدسلوکی کو سختی سے روکا گیا ہے۔

(د) عبادت تو اللہ تعالیٰ ہی کی کرو اور والدین قرابت داروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرو (البقرہ)

اس آیت میں یتیموں مسکینوں اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ شمار کیا۔

(ہ) وہ لوگ خوب ہیں جو مال کی محبت کے باوجود اسے مسکینوں یتیموں قیدیوں پر خرچ کرتے ہیں (البقرہ)

(و) کچھ خرچ کرو تو والدین قرابت داروں اور یتیموں پر (البقرہ)

(۲) قرابت داروں کو یتیموں کے لئے احکام

(الف) تم مصیبت کے دنوں میں قرابت دار یتیموں کے کھلانے پر ٹوٹ کیوں نہیں پڑتے ہو (البلد)

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ایک یتیم کے دس رشتہ دار ہوں تو خبر گیری کے لئے سب کو اسکے گھر جانا چاہئے۔

(ب) لوگ آپ سے یتیم رشتہ داروں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان کی خیر خواہی میں ہی بھلائی ہے (البقرہ)

(ج) اور جب تقسیم میراث کے وقت محروم قرابت دار یتیم اور مسکین آئیں تو اس میں سے انھیں بھی کچھ دے دیا کرو (النساء)

یہ حکم خاص تقسیم میراث کے موقع پر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تقسیم میراث کے وقت ایسے یتیموں کے تطیب خاطر کے لئے متروکہ جائداد سے انھیں کچھ دینے کا حکم اب بھی ہے لیکن لوگوں نے اس آیت پر عمل درآمد میں سستی برتی ہے (بخاری شریف)

(د) تمھیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ یتیموں کی خبر گیری انصاف اور دیانت کے ساتھ کرو (النساء)

(ہ) خاص دادا پر واجب ہے کہ باپ کی زندگی ہی میں اگر وہ مجبور ہو تو پوتوں کے قیام و طعام اور لباس کا دادا کفیل ہو (ردالمحتار المعروف بہ شامی) تو جب والد موجود ہو اور یتیم ضرورت مند ہوں تو دادا پر یتیم پوتوں کی خبر گیری اور نگہداشت بلکہ اپنے بعد کے لئے بھی انتظام کر جانا کیوں نہ ضروری ہوگا اس لئے وہ اگر اپنی زندگی میں اپنے پوتوں کو جائداد کا کچھ حصہ ہبہ کرے تو یہ شرعاً نافذ ہوتا اور دیگر ورثاء کو اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا اور مرض الموت میں بھی تہائی مال کی وصیت کرنے کا اسکو حق حاصل ہے ورثاء کو حق اعتراض نہیں تو دادا جس کے وہ پوتے ہیں ان کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو لڑکوں کو وراثت سے ملنے

والا ہے ایسی صورت میں اگر دادا پوتوں کے لئے کچھ نہیں کر جاتا ہے تو یہ کوتاہی اسلامی قانون کی نہیں دادا کی ہے یہ ٹھیک ایسا ہی ہے کہ دادا اپنی زندگی میں کل جائداد اپنے لڑکوں کے لئے چھوڑنے کے بجائے غیروں کو دیدے لڑکوں کے لئے بھی کچھ نہ چھوڑے تو باپ کے مرنے کے بعد لڑکے بھی اس جائداد سے محروم ہو جائینگے تو کیا اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے باپ کو اپنی زندگی اپنی جائداد میں تصرف کا اختیار دیکر لڑکوں کے ساتھ ناانصافی اور حق تلفی کی؟ نہیں یہ کہا جائیگا کہ جو کیا باپ نے کیا پس اس طرح اسلام نے تو دادا کو پوتوں کے لئے سب کچھ کرنے کا اختیار بلکہ حکم دیا تو اسلامی قانون کا کیا قصور ہے۔

(۳) اسٹیٹ اور حکومت کو یتامیٰ کے لئے احکام

(الف) مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ و رسول، قرابت دار، اور یتیم اور مسکینوں کے لئے ہے۔ (النساء)

(ب) مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، قرابت دار، اور یتیم اور مسکینوں کے لئے ہے۔ (الحشر)

اسلامی عہد حکومت میں ان احکام پر کس طرح عمل ہوتا تھا ایک دل گداز حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عمر کے غلام حضرت اسلم بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ آپ کے سامنے ایک نوجوان عورت آئی اور کہنے لگی یا امیر المؤمنین میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اس نے یہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے، خدا گواہ ہے کہ اس نے ان کے لئے نہ ایسے جانور چھوڑے جنھیں ذبح کر کے انھیں گوشت کھلاؤں، نہ دودھ والے جانور چھوڑے کہ دودھ سے ان کی پرورش کروں نہ کھیت اور باغ چھوڑے جو ان کا ذریعہ معاش ہو، نہ میں انھیں اکیلا چھوڑ کو محنت و مزدوری کیلئے کہیں جاسکتی ہوں، ڈر ہے کہ انھیں بھیڑیا اُٹھا لے جائیگا میں خفاف بن ایماء انصاری کی بیٹی ہوں، میرے باپ حدیبیہ کے واقعہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو مرحبا کہی اور جس کام کو جارہے تھے فی الوقت اس کو موقوف کیا اور عورت کو ساتھ لیکر گھر لوٹے ایک مضبوط اونٹ منگایا اسکے دونوں پہلو پر غلہ سے بھرے دو بورے لادے، ان کے اوپر بیچ میں مزید سامان اور کپڑوں سے بھرا ایک بورا رکھا، اور اونٹ کی مہار اس عورت کے ہاتھ میں تھمادی اور فرمایا سب لے جاؤ انشاء اللہ صرف ہونے سے پہلے دوبارہ تمہارے پاس اخراجات کے لئے سامان پہونچ جایا کریگا اب تمہیں یہاں آنے کی تکلیف گوارا کرنی نہیں پڑے گی، میں نے عرض کی امیر المؤمنین! آپ نے ایک معمولی عورت کی طلب پر اسے بہت دیدیا، آپ فرمانے لگے تیری ماں تجھے روئے میرے سامنے کی بات ہے کہ اس کے باپ اور بھائی جہاد میں شریک ہوئے قلعوں پہ قلعے فتح کئے اور جام شہادت نوش کیا، بعد میں ہم نے مال غنیمت تقسیم کیا، اب ہم تو کھائیں اور یہ ان کی بیٹی اور اس کے یتیم بچے بھوکے مریں یہ مجھے کب گوارہ ہوگا۔ (بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۵۹۹)

اب کچھ حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) جو شخص یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شریک کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت ضرور واجب کردیگا (شرح السنۃ)

(۲) میں اور وہ عورت جس کے رخسار میلے ہوں دونوں اس طرح جنت میں ہوں گے جس طرح بیچ اور کلمہ والی انگلیاں پاس پاس ہیں۔ اس سے مراد وہ عورت ہے جو منصب اور جمال والی تھی اور بیوہ ہوگئی اور اسنے یتیموں کی خدمت کی (ابوداؤد شریف)

(۳) مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اچھا وہ گھر ہے جس میں کسی یتیم کی کفالت کی جاتی ہو اور سب سے برا وہ گھر ہے جس میں یتیم ہو اور اسکے ساتھ برائی کی جاتی ہو (ابوداؤد شریف)

المختصر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے انھیں فرامین کے نتیجہ میں عہد اسلام میں یتیموں کی بڑی اہمیت تھی، صرف یتیم ہی کیا ہر آدمی کے روٹی کپڑے اور مکان کی ذمہ داری اسٹیٹ پر تھی اور اس کی وجہ سے کسی کے ضائع ہونے کا امکان نہ تھا، چنانچہ خلافت راشدہ میں بچہ جیسے ہی دودھ چھوڑتا حکومت کی طرف سے اسکی تنخواہ مقرر ہو جاتی جو برابر اس کو ملتی رہتی تھی، اسی لئے مسلم معاشرہ میں اس مسئلہ کا کوئی پرابلم نہیں تھا اور آج بھی معترض خیر غیر مسلم ہے آپ تو بحمدہ تعالیٰ مسلم ہی ہیں نور الحسن نوری ہیں آپ بتائیے کہ شاید کہیں ہزار دو ہزار میں کوئی ایسی مثال ہے کہ یتیم سہارا نہ ملنے کی وجہ سے ضائع ہوا۔ دادا اولاً خود اپنی زندگی میں انتظام کر جاتا ہے وہ نہ ہو تو اعزاء و اقرباء ان کی نگہداشت کرتے ہیں عام مسلمان اس کا خیال رکھتے ہیں۔

پس ایسی صورت میں محض اختلاف کی بنیاد پر خلاف عقل و نقل لڑکوں کے ساتھ پوتوں کو وارث بنانے کی کیا ضرورت ہے ہر مسئلہ کو اپنے حدود کے اندر ہی ہو جانا چاہیئے۔

اصل یہ ہے کہ کسی قانون کو بھی اس کے اپنے معاشرے کے ڈھانچہ میں دیکھنا چاہیئے نہ کہ آج کے معاشرہ و ماحول کے اندر جو سراسر وحشت و بربریت کا ماحول ہے جہاں عملاً جنگل کا قانون رائج ہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی شخص ہوائی جہاز کا پرزہ موٹر کار میں فٹ کرے اور جب وہ فٹ نہ ہو تو کہنے لگے یہ پرزہ ہی خراب ہے۔

اب صرف کہنے کو یہ بات رہ گئی ہے کہ اگر اسکا باپ زندہ ہوتا تو وہ اپنا حصہ لیتا ہی، وہی حصہ کیوں نہ اس کے یتیم بچوں کو دیا جائے، مگر آپ خیال فرمائیں خود لڑکوں کا بھی باپ کی موجودگی میں اسکے مال میں کوئی حصہ نہیں ہوتا نہ کسی قسم کا انکا حق اس مال سے متعلق ہوتا ہے، وراثت کا حق تو قطعاً مورث کی موت کے بعد وجود میں آتا ہے، تو مرنے والا لڑکا باپ کی موت سے پہلے پہلے ہی کیسے اس مال میں حق دار ہوتا ہے، یہاں تو الٹے باپ ہی لڑکے کا وارث قرار دیا جائیگا۔

الغرض مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ہمارا یہ کہنا ہے کہ اسلام کا لڑکوں کی موجودگی میں پوتوں کو وارث نہ بنانا قطعاً حق تلفی نہیں ہے، حق ہو تو تلف کرنے کا سوال ہو سکتا ہے، جب حق ہی نہیں تو تلف کرنا کیسا ہے؟

(۲) یہ مسئلہ علم توقیت سے متعلق ہے، اتنا تو سب جانتے ہیں کہ چاند انتیس یا تیس تاریخ کی شام کو پچھم میں مغربی افق پر نظر آتا ہے، سورج اس کے آگے ہوتا ہے اور افق کے نیچے چلا جاتا ہے اور چاند اس کے پیچھے افق کے اوپر ہوتا ہے، پھر روزانہ تھوڑا تھوڑا پورب کی طرف کھسکتا جاتا ہے یہاں تک کہ ستائیس تاریخ کی صبح دن نکلنے سے قبل پوربی افق پر نظر آکر دو دن کے لئے نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، فی الحقیقت چاند کہیں غائب نہیں ہوتا بلکہ سورج کے بالکل قریب ہو جاتا ہے اور سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا۔ دو دن تک وہی کیفیت رہتی ہے کہ وہ سورج کے آگے پیچھے لگا رہتا ہے۔ انہی دو دنوں میں وہ سورج کی تیز روشنی کی حد سے باہر آجاتا ہے اور شام کو غروب آفتاب کے وقت مغربی افق پر نظر آتا ہے، پرانے ہیئت دانوں نے آسمان کے پورے دور (سرکل) کو ۳۶۰ درجوں میں تقسیم کیا ہے، چاند اس پورے چکر کو ایک مہینے میں طے کر لیتا ہے جو کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ یوم کا، اسی سے چاند کی یومیہ رفتار کی کوئی متعینہ مقدار اور قطعی نہیں، پھر بھی سورج کے آس پاس ۸ درجے سے ۱۲ درجے تک چاند کے نظر نہ آنے کی مقدار ہے، یعنی چاند سورج سے ۸ درجہ سے کم دوری پر ہو تو نظر نہیں آئیگا، ۸ سے بارہ درجے کی دوری ہو تو رویت مشکوک رہے گی اور ۱۲ درجے سے زائد دوری پر ہو تو قطعاً نظر آئیگا۔ اگر آپ کو علم ہیئت سے کچھ تعلق ہو تو یہ باتیں بیکار، آپ کو خود ہی معلوم ہوں گی مگر میں نے احتیاطاً ذکر کر دیں۔ اب آپ اپنے سوال کا جواب سنئے:

آپ نے یہ بات خود بیان کی ہے کہ ہندوستان کے افق سے عرب کے افق میں اتنی دوری ہے کہ سورج کو اسے طے کرنے میں ساڑھے تین گھنٹے لگ جاتے ہیں، اب ہم یہ صورت فرض کرتے ہیں کہ ۲۹ کو جب ہندوستانی افق پر تھا تو سورج اور چاند میں آٹھ سے بارہ درجے تک کا فاصلہ تھا، اسلئے سورج کی روشنی کی وجہ سے چاند یہاں نظر نہ آیا، مگر عرب میں سورج ابھی افق سے اتنی اوپر ہے کہ افق تک پہونچنے میں اس کو ساڑھے تین گھنٹے لگیں گے، تو جتنی دیر میں سورج یہ فاصلہ طے کر کے افق پر پہونچے گا، چاند کچھ اور پیچھے کھسک کر سورج سے کچھ اور دور ہوگا، پہلی صورت میں آٹھ درجے سے زائد اور دوسری صورت میں ۱۲ درجہ یا اس سے زائد، تو اسی انتیس تاریخ کو چاند ہندوستان میں نظر نہ آنے کا اور عرب میں نظر آنے کا امکان ہے، اس لئے از روئے ہیئت ایسا تو ممکن ہے کہ ۲۹ تاریخ کو ہندوستان میں چاند نظر نہ آئے اور مکہ میں نظر آجائے جس سے تاریخ میں ایک یوم کا فرق پڑ سکتا ہے۔ دو دن کا فرق بھی پڑنے کی یہ صورت ہے کہ ابر وغیرہ کسی ارضی یا سماوی عارض سے ہندوستان میں مسلسل دو مہینہ ۲۹ کا چاند نظر نہ آئے، مگر یہ واقعی

فرق نہیں ہوا رویت کی غلطی ہوئی۔

ویسے سعودی حکومت کے لئے کسی ایسی تاویل کی ضرورت نہیں، نجدی نہایت بے ایمان قوم ہے،؟ ایک سال تو اس نے سات تاریخ کو ہی حج کرا دیا تھا، اس زمانہ میں دلی سے ایک اردو ماہنامہ مشہور نکل رہا تھا جو لوگ اس سال حج کے لئے گئے تھے میں نے واپسی پر انہیں خط لکھا تو جواب آیا کہ ہاں امسال عام ہندوستانی حاجی کہتے ہیں کہ دو دن پہلے حج ہوا مگر اس کا وبال سعودی حکومت پر ہوگا، میں نے یہ بھی سنا کہ وہ لوگ مصری تقویم پر عمل درآمد کرتے ہیں جیسے یہاں کے بوہرے جو ہر سال ایک دو یوم قبل ہی عید کر لیتے ہیں۔

(۳) آپ کے سوال کے بعد میں نے ترجمہ رضویہ کنز الایمان منگا کر دیکھا جو کراچی میں چھپا ہے اور یہ اسی نسخے کا فوٹو ہے، جس کو خود صدر الافاضل مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصنف خزائن العرفان نے اپنے مطبع نعیمی مراد آباد میں چھپوایا تھا، اس میں زیر آیت: ﴿أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ﴾ [آل عمران: ۳۹] لکھا ہے کہ یہ دونوں ماموں بھانجے تھے۔ معلوم ہوا کہ جو نسخہ آپ نے دیکھا اس میں کاتبوں کی غلطی یا ناشروں کے تصرف سے غلط شائع ہو گیا ہے۔ ویسے یہ دونوں حضرات حقیقی ماموں بھانجے نہیں تھے (علیہما السلام) بلکہ دو بہنوں کی اولاد تھے، اس طرح کہ حضرت حنہ اور حضرت ایشاع دونوں آپس میں حقیقی بہنیں تھیں، تو حضرت حنہ جو حضرت مریم کی ماں تھیں ان کے نواسے حضرت عیسیٰ اور حضرت ایشاع کے بیٹے حضرت یحییٰ، لہذا حضرت مریم اور حضرت یحییٰ خالہ زاد بھائی بہن ہوئے، اس لیے بعض حدیثوں میں بھی ان دونوں کے لئے ”ابنی الخالۃ“ (تفسیر الجلالین ۹۲۲) آیا ہے، یعنی یہ دو ایسی عورتوں کی اولاد ہیں جن کے درمیان بہنوں کا رشتہ تھا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کی خالہ اور ان کی والدہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۳۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مندرجہ ذیل وارثان میں حصہ کس تناسب سے بٹے گا۔ سنی حنفی مرحوم اپنے پیچھے ایک لڑکا ۸ لڑکیاں اور ۲ بیوائیں چھوڑ گئے ہیں۔

سوال نمبر ۱۔ یعنی ایک لڑکا ۸ لڑکیاں۔ ۲ بیوائیں۔ ایک لڑکے کا ایک لڑکی سے حصہ کتنا زیادہ ہے۔

سوال نمبر ۲۔ ایک سو روپیہ میں مندرجہ بالا وارثان میں حصہ کس تناسب سے بٹیگا۔

جناب میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں جواب لکھ کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی، محمد طاہر ایڈوکیٹ کانپور

الجواب

صورت مسئولہ میں عورت کا آٹھواں حصہ ہے تو ساڑھے بارہ روپے میں نصف نصف دونوں عورتوں کو ملے گا۔ ساڑھے ستاسی روپے میں لڑکوں اور لڑکیوں کا حصہ لگے گا۔ وہ اس طرح کہ لڑکے کا لڑکی کے ڈبل یعنی لڑکیوں کو آٹھ روپے ۷۵ پیسے کے حساب سے اور لڑکے کو ۱۷ روپے ۵۰ پیسے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

(۴۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

احمد اللہ مرحوم نے ایک مکان اپنی بیوی دولت کو مہر دین میں دے دیا دولت بیوی نے انتقال کیا چھوڑا ایک لڑکی میم النساء کو اور وہ مکان خستہ حالت میں تھا گر جانے کے بعد میم النساء کے شوہر عبد الحق نے بنوایا اس پر ان کا قبضہ تقریباً پینتالیس سال سے ہے، اب میم النساء کا بھی انتقال ہو گیا اس نے چھوڑے دو لڑکے اور دو لڑکیاں اور شوہر عبد الحق کو لہذا از روئے شرع ہر ایک کا حصہ کتنا ہوگا۔ جناب عبد الحق صاحب نے اس مکان کو فروخت کر دیا۔ دس ہزار روپے میں لہذا تقسیم روپیوں کی صرف زمین کی قیمت کے لحاظ سے ہوگی یا زمین مع مکان

المستفتی، عبد الحق ادری اعظم گڑھ، ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

الجواب

شوہر نے مکان بنواتے وقت اگر اس بات کے گواہ نہ بنا لئے ہوں کہ مکان میں جو صرف کر رہا ہوں بطور قرض دے رہا ہوں۔ جو کچھ صرف کیا بطور تبرع اور احسان صرف کیا۔ تو اب اس کو واپس نہیں لے سکتا پورا مکان مع زمین بیوی کا ترکہ قرار دیا جائے گا بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کو وہ مکان بیچنا نہیں چاہئے تھا۔ کہ اب اس میں بیوی کے دوسرے وارثوں کی شرکت تھی۔ اگر وہ ورثاء بالغ ہوں اور اس بیع پر راضی ہوں تو پوری قیمت میں سے چوتھائی شوہر کو اور بقیہ مال کا چھ حصہ کر کے ایک ایک حصہ لڑکیوں کو۔ اور دو دو حصہ لڑکوں کو دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

(۴۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی وراثت میں بکر اور نجم النساء وشمس النساء کو چھوڑا ہے لیکن بکر کو زید نے اپنی موجودگی میں اپنی بہن رحمی کو ایک سال کی عمر میں گود میں دے دیا تھا۔ جب سے آج تک وہیں پرورش پاتا رہا۔ اور وہیں پر شادی وغیرہ ہوئی۔ اور وہیں پر بال بچے بھی ہوئے آج ۴۷ سال بعد زید کے مکان میں بکر حصہ مانگتا ہے۔ لہذا شرع کے مطابق یہ بتائیں کہ ان کا حصہ گھر میں ہوتا ہے کہ نہیں اگر ہوتا ہے تو کتنا۔ اس کا جواب جلد سے جلد عنایت فرمائیں۔

المستفتی، قمر الزماں ازہری

الجواب

اسلام میں وراثت کا حق سب سے مضبوط ہوتا ہے۔لڑکے کا باپ کے ساتھ رہنا یا اس سے علیحدہ رہنا کچھ بھی اثر نہیں کرتا اس صورت مسئولہ میں بکر اپنے باپ زید کی میراث کا ضرور حقدار ہے۔اور سوال میں ذکر کئے ہوئے وارثوں کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو تو بکر کو آدھا ملے گا اور بقیہ آدھے میں اس کی دونوں لڑکیوں نجم النساء اور شمس النساء کو برابر حصہ ملے گا۔

قرآن عظیم میں ہے:﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾(النساء:۱۱)

واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۱رشوال ۱۴۰۵ھ

(۴۴-۴۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) میرے دو چھوٹے لڑکے جن کی عمریں لگ بھگ ۲۷رسال، ۲۴رسال کی ہیں۔ شیطانی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں، دین سے غافل ہیں، غیر شادی شدہ ہیں کسی طرح سمجھانے بجھانے کا ان پر اثر نہیں ہوتا۔ عیش وعشرت کے لئے روپیہ کے علاوہ اور کوئی سوال نہیں ہوتا ہے۔ ہم لوگ کافی مقروض ہو چکے ہیں۔ جب ان لوگوں کا دماغ گرم ہوتا ہے تو فحش کلامی پر اتر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ والدین کو بھی نہیں چھوڑا جاتا ہے، گھر میں کسی کی قدر وقیمت نہیں ہے۔گھر میں دو سیانی بچیاں ہیں ان کے لئے کوئی فکر میرے دونوں بچوں کو نہیں ہے۔ دونوں بھائی کبھی کبھی حد سے بھی گذر جاتے ہیں، چھوٹا لڑکا نچلی سطح پر ہے، منشیات کا بھی استعمال کرتا ہے، حالت کبھی کبھی بد سے بدتر ہو جاتی ہے، اس سے زیادہ کیا لکھوں عاق کرنے کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے اس پر روشنی ڈالیں۔

(۲) اکثر ایسا ہوتا ہے یا دیکھا جاتا ہے کہ بدقسمتی سے بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے لوگ ایسے حالت پیدا کر دیتے ہیں کہ دلوں میں دراڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ حالت جب خراب سے خراب ہو جاتی ہے تو ایک فریق باوضو قرآن مقدس کو ہاتھ میں لے کر اپنی بے گناہی کی خدا کی قسم کھاتا ہے۔شریعت کے مطابق اس قسم پر کہاں تک یقین کیا جائے؟ روشنی ڈالیں۔

(۳) دو میاں بیوی جن کی عمریں لگ بھگ ۵۵ر سے ۶۵رسال کے درمیان ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد بوسہ لینے کے بعد ان لوگوں کا وضو قائم رہا یا نہیں؟ اس پر روشنی ڈالیں۔

(۴) ذاتی سوال، کہ کوئی ایسی مختصر دعا تحریر کر دیں جس کا ورد ہم لوگ روزانہ کریں جس کے ذریعہ خداوند عالم ہم لوگوں کی دنیاوی پریشانیوں سے نجات وچھٹکارا دیدے۔

عبد الشکور کراف محمد حسین صاحب اسٹو گیسٹ ہمدرد دربار روڈ نیا بازار سیوان

الجواب

(۱) جو شخص ماں باپ کا حکم بے عذر شرعی نہ مانے، یا معاذ اللہ والدین کو آزار پہونچائے وہی عاق ہے۔(فتاوی رضویہ۹: ۲۱۷)

اس نافرمان کے لئے دنیا وآخرت دونوں جگہ کے لئے سخت وعیدیں احادیث کریمہ میں مذکور ہوئیں ہیں۔لیکن کوئی اگر یہ چاہے کہ گورنمنٹ میں کوئی ایسی تحریر دیدے یا زبانی ہی اعلان کر دے کہ میں نے اپنے فلاں فلاں لڑکوں کو عاق کیا اور انہیں اپنے ترکہ سے محروم کیا، تو وہ عند اللہ بھی محروم الارث ہو جائے۔ شریعت میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں آپ لاکھ اعلان کریں کورٹ میں درخواست دیں، انتقال کے وقت جو جائداد آپ چھوڑ جائیں گے، شرعی قانون کے موافق فرمانبردار اور نافرمان دونوں ہی قسم کی اولاد کا حصہ ہوگا۔

ہاں جو اولاد فاسق وفاجر معاصی میں گرفتار آپ کے نافرمان اور آپ لوگوں کو ایذا پہونچانے والے ہیں۔جس کے بارے میں اندیشہ ہے ہو کہ میرے بعد میری جائداد گناہوں میں صرف کر کے مجھے بھی بالواسطہ اعانت علی المعصیۃ کا مجرم بنائیں گے تو ان سے بچاؤ کا ایک الگ طریقہ ہے کہ سائل اپنی زندگی میں ہی اپنی پوری جائداد یا جتنی وہ مناسب سمجھے اپنی فرمانبردار اولادوں (جیسا کہ سوال میں آپ نے دو ضرورت مند بچیوں کا ذکر کیا) کو دیدیں اور ہر ایک کو اس کے حصہ پر قبضہ دلا دیں بلکہ ان کے نام رجسٹری بھی کر دیں تا کہ وہ جائداد آپ کی ملک سے نکل کر ان کی ملک میں چلی جائے۔اور یہ فاسق وفاجر اولاد منہ تاکتی رہ جائے ایسا کرنے میں آپ پر شرعا کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔فی الوجیز للامام کردری ان اراد ان یصرف ماله الی الخیر وابنه فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکه لانه اعانة علی المعصية ۔وجیز کردری میں ہے کہ جو شخص اپنا مال متاع کسی کار خیر میں صرف کرنا چاہے تو میراث چھوڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اسے کار خیر میں صرف کر دے کیونکہ ایسی صورت میں میراث چھوڑنا لڑکے کی گناہ میں مدد ہوگی۔

(۲) صورت مسؤلہ میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔حدیث شریف میں ہے:انه علیه السلام كان يقبل بعض ازواجه ثم يصلي و لا يتوضأ۔ (مشکوۃ کتاب الطهارة:۱/ ۷۸) حضور ﷺ اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تو وضو نہیں فرماتے۔لیکن اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے تو پرہیز ہی بہتر ہے کہ دونوں اماموں کے مذہب پر طہارت باقی رہے۔در مختار جلد اول میں ہے: و لا ينقضه مس ذكر لكن يغسل يده ندبا و امرأة لكن يندب للخروج من الخلاف (كتاب الطهارة:۱/ ۲۴۹) ۔اپنے آلۂ تناسل کو بے حجاب ہاتھ لگانے سے اور عورت کو

چھونے سے وضو نہیں جاتا لیکن اختلاف سے بچنے کے لئے چھولیا تو وضو مستحب ہے۔

(۴) اپنے نام کے اعداد نکالیں اور اسی کی موافق یعنی اتنی مرتبہ یہ آیت چوبیس گھنٹہ میں ایک بار کسی بھی نماز کے بعد پڑھ لیا کریں۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ نعم المولی ونعم النصیر۔ اور بلا کسی قید کے یہ شعر دہراتے رہیں:

یا اکرم الخلق مالی من ألوذ به   سواك عند حلول الحادث العمم

[فصل عاشر-۱/۴۰۵] واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۷/رجمادی الاولی ۱۴۱۸ھ

(۴۶) **مسئلہ**: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

۱۳/اکتوبر ۶۳ء بروز اتوار شب میں تقریباً دس بجے محلے کے سربرآوردہ لوگوں کی ایک جماعت امینیہ بلڈنگ میں منعقد ہوئی، مسئلہ زیرغور یہ تھا کہ مرحومہ مساۃ کی وصیت پر جو اختلاف ہوا ہے اس پرغور کیا جائے۔

مرحومہ کا انتقال تقریباً ایک ماہ قبل ہوا تھا۔ مرحومہ مساۃ کے شوہر کا تقریباً ۱۳ ارسال قبل انتقال ہو چکا تھا۔ مرحومہ بیوہ تھی مگر کسی طرح سے اپنا گذر اوقات کرتی رہی اور اس تیرہ سال کی مدت میں اس کا کوئی رشتہ دار کفیل نہیں ہوا۔ مرحومہ نے مرنے سے قبل جو کچھ اس کے پاس زیورات وغیرہ تھے اور ایک کمرہ تھا جس کا بل اس کے شوہر کے نام پر تھا محلے اور حال کے سربراہوں کے نام سپرد کردیا، اور وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد تجہیز و تکفین سے جو بچے اس کو مسجد میں دے دیا جائے کیونکہ اب کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔

مرحومہ کے انتقال کے چند ہی دن کے بعد دعوی دار وطن سے آئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ مرحومہ اپنے شوہر کی تیسری بیوی تھی، پہلی بیوی سے ایک لڑکی جو کہ شادی شدہ ہے۔ یہ دونوں حق کے طلب گار ہیں۔ یہ مسئلہ پیچیدہ ہوا تو محلہ والوں نے ایک جماعت بنائی۔ بحث کے بعد لوگ اس نتیجے پر پہونچے کہ معاملہ شرع کا ہے، لہذا اس کو شرعی طریقہ سے ہی حل ہونا چاہئے اور پورے واقعہ کو مختصر کہہ کر مولوی صاحب سے فتوی لینا چاہتے ہیں۔ چند باتیں جو جماعت نے محسوس کی وہ یہ ہیں:

(۱) ان دونوں کے تعلقات مرحومہ سے کبھی بھی خوش گوار نہ تھے۔

(۲) یہ نہ معلوم ہوسکا کہ مرحومہ کے شوہر نے مہر کی رقم ادا کی تھی یا نہیں۔

(۳) تیرہ سال کے بعد بھی کرایہ کا کمرہ بیوی کا ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اس میں قانون کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

(۴) ان دونوں لڑکیوں کا شرعی طریقے سے کتنا حصہ ہے، اور کس حساب سے نکلتا ہے؟ تا کہ

باقی رقم جو بچے وہ مسجد میں دیدیا جائے۔

(۵) مرحومہ کی ذاتی ملکیت جو جہیز وغیرہ کے قسم کی تھی وہ مرحومہ کا حصہ ہے کہ نہیں؟

حاجی محمد ظہور عطر فروش دوکان بڑی مسجد مدنپورہ ممبئی

الجواب

کمرہ چونکہ کرایہ کا تھا۔ اس لئے اس میں میراث کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اب مالک مکان کا معاملہ جس سے درست ہو شرعاً بھی وہ اس کا کرایہ دار ہوگا۔ اس لئے وہ نہ تو شوہر کا ترکہ ہے نہ بیوی کا۔ ہدایہ باب فسخ الاجارۃ: ۳/۳۱۵) میں ہے:

"واذا مات احد المتعاقدين و قد عقدالجارة لنفسه انفسخت الاجارة"۔

بقیہ زیورات وغیرہ جو عورت چھوڑ گئی اگر واقعی طور پر یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ شوہر کا ہے تب اس میں سے دو آنہ عورت کا ہوگا اور اسی میں اس کی وصیت جاری ہوگی۔ اور اگر یہ ثابت نہ ہوسکا تو کل مال عورت کا ہوگا۔ اور اس کی وصیت کے مطابق مسجد میں دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے شوہر کی لڑکیاں جو دوسری عورت سے ہیں اس کی وارث نہیں بن سکتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۱/رجمادی الاول ۸۳ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۴۷) **مسئلہ**: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

میرے حقیقی بھائی منیر الدین مرحوم کا تقریباً چھ سو روپیہ قرضہ میرے ذمہ ہے جس میں میں نے طے کرلیا تھا کہ مسجد میں لگادونگا جس سے مرحوم کو ثواب پہونچتا رہے۔ مرحوم کا پانچ سو روپیہ پاکستان میں بھی ایک رشتہ دار کے پاس موجود ہے۔ مرحوم صرف دو حقیقی بھائی مسمی منظور الدین احمد اور زین الدین احمد، وارث چھوڑ کر مرے، غالباً منظور الدین صاحب اپنے حصہ کا روپیہ لینا چاہتے ہیں۔

ایسی صورت میں ان سے مرحوم کی جائداد کا حساب لیکر دینے کو تیار ہوں، مگر کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو کیونکہ میں اس جائداد سے بھی نصف پانے کا مستحق ہوں جو تقریباً دس سال سے منظور الدین صاحب کے قبضہ میں تنہا رہی۔ خدا جانے کیوں میرا ضمیر مجھ کو اسی بات پر آمادہ کررہا ہے۔ اپنے پاس کا روپیہ کسی کار خیر ہی میں مرحوم کی طرف سے لگادوں۔ بہر حال اس بارے میں اپنی رائے سے جلد آگاہ فرماکر ممنون کیجئے تا کہ اسی کے مطابق عمل درآمد کیا جائے۔

کمترین: زین الدین

الجواب

متوفی منیر الدین نے اپنے مرنے کے بعد جو کچھ سرمایہ از قسم جائداد منقولہ وغیرہ چھوڑا، وہ سب ترکہ خواہ کسی کے پاس ہو، اور حسب بیان سائل جب وارثوں میں صرف دو بھائی ہی چھوڑے تو دونوں حصہ مساوی کل ترکہ کے وارث ہیں اس لئے وہ روپیہ سائل کے پاس ہے، اس کے نصف کا مطالبہ سائل کا بھائی کرے تو دینا ہوگا اور اس کے پاس متوفی کا جو سرمایہ ہو اس سے نصف کا مطالبہ سائل کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ — الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۴۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہندہ اپنے باپ کے بخشے ہوئے مکان کی مالکہ ہے۔ ہندہ کے بطن سے ایک لڑکا تھا۔ جس کو انتقال کئے بارہ سال کا عرصہ ہوا اس کے نطفہ سے ایک لڑکی ہے اور لڑکے کی بیوی ماں۔ کیا ہندہ اپنے پوتا اور پوتی کی موجودگی میں اپنی جائداد و مکان اپنے بھانجے کے لڑکے کو ہبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ شخص ہبہ کردہ مکان لے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لے سکتا ہے تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں؟ یا ہبہ لینے والے نے یہ دعوی کیا ہے کہ ہندہ کی پرورش چار سال سے کر رہا ہوں لیکن حالات کے جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ صرف دو برس سے دیکھ ریکھ کر رہے ہیں جس سے ان کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہے، کیا جھوٹا شخص اس لائق ہے کہ امامت کر سکے؟۔ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب

المستفتی: محمد شبیر سوداگر ضلع گونڈہ

الجواب

ہندہ کے پوتا اور پوتی اگر حقدار ہونگے تو ہندہ کی موت کے بعد کہ وراثت کا تعلق مورث کی موت کے بعد ہی قائم ہوتا ہے۔ ہندہ اپنی زندگی میں اپنا مکان جس کو چاہے دے سکتی ہے۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے جھوٹا نماز پڑھائے بکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۸؍جمادی الآخرہ ۱۳۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ — الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۴۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے والد کا ایک مکان ہے زید کی چار لڑکیاں اور تین لڑکے ہیں۔ زید نے انتقال سے کچھ یوم قبل ایک وصیت نامہ تحریر کیا اور مکان چونکہ دس چشمے ہے اس کی تقسیم زید نے اس طرح کی کہ تین لڑکوں

میں سب سے بڑے لڑکے کو دو چشمے، منجھلے کو صرف ایک چشمہ اور چھوٹے لڑکے کو دو چشمے ایک لڑکی اکیلی کو دو چشمے، باقی کو ایک ایک، یہ وصیت نامہ میں تحریر تھا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید نے جو دس چشمے مکان کی تقسیم کی ہے، وہ شرعا درست ہے یا غلط؟ اور جب تقسیم غلط ہے تو وصیت نامہ قابل عمل ہے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ جائداد شرعی طور پر چار بہنوں اور تین بھائیوں میں کس طرح تقسیم ہونا چاہئے اس کا مفصل بذریعہ قرآن مجید و دیگر کتب فقہ جواب تحریر فرمائیں۔

محمد فخر عالم خاں حافظ مولانا نور عالم صاحب پیش امام جامع مسجد ضلع اندور ایم پی

الجواب

زید نے اس مکان کی جس طرح تقسیم کی اگر دیا ہی تقسیم کر کے اور ہر ایک کو اس کے حصہ پر قبضہ دلایا، جب وہ تقسیم نافذ ہوگی اور اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اگر تقسیم میں اس نے انصاف ملحوظ نہ رکھا اور بلا سبب صحیح کسی کو زائد کسی کو کم یا محروم کیا ہوگا تو ظالم ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے: "انی لا اشهد علی الزور"

اور اگر صرف وصیت ہی ہے، اس کا نفاذ نہیں ہوا ہے تو زید کے انتقال کے بعد یہ وصیت کالعدم ہوجائے گی۔ حدیث شریف میں ہے "لا وصية لوارث (مشکوۃ کتاب الفرائض: ۱/ ۵۵۶)" اور اس مکان میں حسب ہدایت شرعی قواعد میراث جاری ہوں گے۔ اگر زید کے صرف یہ ورثاء ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے تو اس کا کل ترکہ دس حصوں پر تقسیم ہو کر لڑکیوں کو ایک ایک حصہ اور لڑکوں کو دو دو حصے ملیں گے۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۸؍جمادی الاولی ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور — الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۵۰-۵۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) حاجی یاد علی مرحوم فرم حاجی یاد علی اینڈ سنس کے مالک کی حیثیت سے اپنی زندگی میں ابتدا کاروبار تجارت کرتے رہے ان کے لڑکے جو بڑے ہوگئے کاروبار میں شریک ہوتے گئے۔ پھر لڑکے تجارت مستقلا کرتے رہے حاجی یاد علی مرحوم اپنی نجی کام کا نقش بندی کا بھی کرتے رہے کچھ دنوں سے اس کا معاوضہ اور کسی کو نہیں دیتے تھے۔

(۲) لڑکوں میں بھی بڑے لڑکے الگ ہو گئے تھے بقیہ لڑکے فرم میں کام کرتے رہے اور اس کے نفع نقصان میں قابض و دخیل رہے، سوال یہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کا ترکہ کیا قرار دیا جائے گا؟

آج تک کی تجارت پوری کی پوری ترکہ میں شمار کی جائے گی یا اس وقت تک ترکہ قرار دیا جائے گا جب تک کہ حاجی صاحب مرحوم اس میں کام کرتے رہے۔ اور جب سے کام چھوڑ دیا وہ ترکہ سے خارج ہوگا۔ بر تقدیر اس کی تقسیم اس فرم میں جو قرض ہے اس کے ادائیگی بعد ہوگی یا پہلے ادا، کیا تقسیم کی غرض سے اس فرم کا مزید کاروبار روک دیا جائے گا۔ فقط والسلام عمل الدین پورہ صوفی اعظم گڈھ

الجواب

صورت مسؤلہ میں ملکیت کے فیصلہ کے لئے اس مسئلہ پر روشنی پڑنی ضروری ہے کہ موجودہ سماج میں جب کہ ایک ساتھ بال بچے رہتے ہیں لڑکوں کی کیا پوزیشن ہے کیا وہ باپ کے مددگار ہیں۔ عرف یہی ہے کہ عموماً گھر کا ایک مشترکہ کاروبار ہوتا ہے جس میں سب مل کر کاروبار کرتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ، کوئی نہیں بھی کرتا ہے۔ باپ جب تک ضرورت محسوس کرتا ہے خود ہی متصرف ہے اور جب اہلیت دیکھتا ہے بچوں کو کام سونپ دیتا ہے، اور خود ایک طرح سے چھٹی کی زندگی گذارنے لگتا ہے۔

لیکن اس پورے دور میں بچے اپنے کسب کے نہ تو مالک قرار دیئے جاتے ہیں نہ باپ کے ساتھ شریک اور حصہ دار مانے جاتے ہیں بلکہ سرمایہ کا کاروبار کل باپ کا ہی قرار دیا جاتا ہے اور بچے اس کے معاون اور مددگار قرار دیئے جاتے ہیں۔ ہاں بعض فعال گھرانے میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض افراد گھر کے مشغلہ کے ساتھ ساتھ اپنا کچھ ہاتھ پاؤں بھی چلاتے ہیں اور یہ آمدنی نہ باپ کو دیتے نہ باپ ان سے تعرض کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انہیں کی ملکیت ہے۔

شریعت نے بھی یہ صورت تسلیم کی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

”الاب وابنه يكتسبان فى صنعة واحدة لم يكن لهماشئ فالكسب كله للاب ان كان الابن فى عياله لكونه معينا له الا ترى لو غرس شجرا تكون للاب و كذا الحكم فى الزوجين اذا لم يكن لهما شئ، ثم اجتمع بعملهما اموال كثيرة فهى للزوج وتكون المرأةمعينة له الا اذا كان لها كسب على حدة فهو لها كذا فى الغنية“

(شامی، فصل فى الشركة الفا سدة:٦/٣٩٢)

پس صورت مسؤلہ میں حاجی یادعلی مرحوم کی ملک کو اب ان کا ترکہ قرار دیا جائے گا۔ حاجی یادعلی اینڈ سنس کے پورے تجارتی سرمایہ کے مالک شروع سے اخیر تک حاجی یادعلی ہونگے۔ بڑے لڑکے کی علیحدگی سے پہلے جو کاروبار تھا اور اس کے بعد بھی بقیہ لڑکوں نے ملکر جو کچھ حاصل کیا سب کا سب حاجی یادعلی مرحوم کی ملک اور اب ان کا ترکہ قرار دیا جائے گا۔ اور اس میں سارے ہی وارثوں کو حسب تقسیم بشرع حصہ ملے گا۔ یہ

کہ انہوں نے کاروبار کرنا چھوڑ دیا تھا ان کی ملکیت کے منافی نہیں کہ عرف اور شرع دونوں لڑکوں کو جو والد کے عیال میں ہوں مددگار ہی تصور کرتے ہیں، پس مددگار کی ملک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پھر یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ حاجی یادعلی مرحوم بالکلیہ الگ ہو گئے۔ کیونکہ فرم کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس کی قانونی جواب وہی کرتے رہے ہونگے، ٹکس کے بارے میں انہیں سے سوال ہوتا ہوگا۔ ترکہ سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا اس کے بعد وصیت ہو تو نافذ کی جائے گی اس کے بعد اگر جو کچھ بچا وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿مِن بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ﴾[النساء:١١] چونکہ تمام ورثاء ترکہ میں شریک ہیں اس لئے اس میں تصرف سب کی مرضی سے ہی ہوسکتا ہے بغیر رضامندی کے نہیں۔ درمختار میں ہے:”وكل من شركاء الملك اجنبي فى الامتناع عن التصرف مضر فى مال صاحبه“ (كتاب الشركة:٦/٣٦٤)

پس کوئی تصرف از قسم بیع وشراء اپنے حصہ کے بارے میں تو کرسکتا ہے دوسرے کے حصہ میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۷/ربیع الاول ۸۵ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

(۵۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی شادی کلثوم کے ساتھ ہوئی قریب پانچ سال کی عمر میں زید نے کسی بات پر کلثوم کو تین طلاق دیدیا۔ کلثوم طلاق کے وقت میکہ میں تھی کچھ دنوں بعد زید کی وفات ہوگئی۔ زید کے کوئی لڑکا یا بھائی بٹی وارنہیں ہے۔ کہ زید کے مالیت کا حق دار ہو، کیا کلثوم ہوسکتی ہے۔ کلثوم کی زندگی بھر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ جواب جلد از جلد ارسال کریں۔ وسیع اللہ سبزی فروش گولا

الجواب

اگر کلثوم کی عدت ہی میں زید کا انتقال ہوا تو کلثوم وارث ہوگی ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۵۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک آدمی کے دو لڑکے ایک لڑکی باپ کی موجودگی میں انتقال کرگیا جس سے ایک لڑکا ہے اب صرف بڑا باپ اور لڑکا اور پوتا باقی رہ گیا ہے۔ کچھ سال کے بعد بڈھے باپ کا بھی انتقال ہو گیا اب صرف

چچا اور بھتیجا باقی رہ گئے۔

ایسی صورت میں قانون شریعت کا کیا حکم ہے؟ بڈھے باپ کی جائداد کا مالک کون ہوگا چچا ہوگا یا بھتیجا براہ کرم حضور سے درخواست ہے کہ آپ ثبوت کے ساتھ تحریر فرمائیں ہم کو شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ کمترین مسئلہ کے جواب کا خواہاں ہے، بہت جلد تحریر فرمائیں۔ جمیل احمد

الجواب

صورت مسؤلہ میں پوتا دادا کی میراث سے حصہ نہیں پائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۵۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کو ایک زمین وراثۃً ملی تھی زید اپنی بیوی کی کمزوری کی وجہ سے اس زمین کو بکر کے قبضہ میں چھوڑے ہوئے تھا۔ زید کے ورثاء نابالغ ہی تھے کہ زید کا انتقال ہو گیا تھا۔ زید کی بیوی نے ایک دوسرے آدمی سے شادی کرلی۔ زید کے ورثاء نابالغی ہی کی حالت میں بمبئی چلے گئے، کافی عرصہ کے بعد جب وہ لوگ بمبئی سے واپس آئے تو بکر سے اپنی زمین مانگی، بکر نے انکار کیا تو زید کے ورثاء نے کانگریس کے دفتر میں درخواست دی کانگریس کے دفتر سے کچھ ممبران ان کی تحقیقات میں آئے تو ایک دوسرے شخص نے زید کے ورثاء سے کہا کہ تم لوگ کیوں جھگڑا کرتے ہو چلو میں تم لوگوں کو زمین دیدوں زید کے ورثاء نے ایسا ہی عمل کیا ایک نئی جگہ پر اپنا مکان بنالیا۔

الجواب

بر تقدیر صدق مستفتی سوال اور اس کی بعد کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کے ورثاء نے جب کانگریس کے دفتر میں درخواست دی اور تحقیقات آئی تو ایک شخص نے انہیں مکان بنانے کے لئے زمین دی ان لوگوں نے مکان بنالیا اور درخواست سے باز آئے۔ پس اگر واقعۃً یہ صورت حال ہے کہ زید کے ورثاء بدلہ لے کر اپنے حق سے دست بردار ہو گئے تو بکر کا قبضہ حق بجانب ہوگا اور زید کے ورثاء اسے فروخت نہ کر سکیں گے اور اگر کوئی ایسی صورت پیش نہ آئی اور نہ ورثہ زید اپنے حق سے دست بردار ہوئے تو صرف قبضہ سے بکر کا حق ثابت نہ ہوگا۔ بلکہ جتنے دن وہ زمین پر قبضہ رکھے گا گنہگار رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے: "من كانت له مظلمة لاحد من عرضه او شيء فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولا درهم" (كتاب المظالم والغضب ۲/۱۰۴) اگر کسی نے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی

عزت یا اور کسی چیز پر زیادتی اور ظلم کیا تو قیامت سے پہلے آج ہی اس کی صفائی کرے۔

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۱۲/۴/۸۳ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

حافظ نعمت اللہ کی زندگی میں ہی ان کے اکلوتے لڑکے برکت اللہ کا انتقال ہو گیا۔ برکت اللہ نے اپنے پیچھے دو لڑکے عبد اللہ اور حمایت اللہ دو لڑکیاں نجمہ اور حلیمہ کو چھوڑا۔ برکت اللہ کے انتقال کے بعد حافظ نعمت اللہ کی دیکھ بھال انکے پوتے عبد اللہ کرتے رہے۔ اور حمایت اللہ باپ کے انتقال کے بعد باہر رہنے لگے۔ اور ابھی تک باہر ہی رہتے ہیں بوقت وصال حافظ نعمت اللہ نے اپنے گھر کے تمام کاغذات عبد اللہ کو سونپ دیئے یہ کہتے ہوئے کہ اسے رکھو چنانچہ عبد اللہ نے ان کاغذات کو رکھ لیا۔ اس کے بعد کوئی بات حافظ صاحب موصوف نے نہیں کہا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حافظ نعمت اللہ مرحوم کی جائداد میں کس کا کیا حق عند الشرع ہے۔ بینوا توجروا

المستفتی عبد اللہ، مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب

صورت مسئولہ میں حافظ نعمت اللہ صاحب کا کل ترکہ چھ حصوں میں تقسیم ہو کر ۲،۲ حصہ عبد اللہ وحمایت اللہ کو ملے گا۔ اور ایک ایک حصہ نجمہ اور حلیمہ کو، کاغذ سونپنے سے یہ بات نہیں ہوتی کہ انہوں نے اپنی جائداد عبد اللہ کو ہبہ کی اسی طرح حمایت اللہ کے غائب رہنے اور دادا کی خدمت نہ کرنے سے وہ وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مؤ ۲۲ر شوال ۱۲ھ

(۵۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متن اس مسئلہ میں کہ

"الف" پدر ہے "ب" کا کچھ دنوں سے خراب سوسائٹی میں رہ کر دائرۂ دین داروں سے باہر ہو گیا شادی شدہ۔ جوان العمر وجیہ حسین تعلیم یافتہ باوجود قدرت کے تارک صوم وصلوۃ ہے، مے نوشی کا عادی غصہ ور مغلوب الغضب والدین کا نافرمان غاصب برائیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اہل خانہ پریشان ہیں ایسی حالت میں الف عاق کرنا چاہتا ہے شرعاً و قانوناً الف ب کے خلاف کارروائی کرنا چاہیے۔

المستفتی، فقیر رحمت علی، املا بازار مؤ

الجواب

جو لوگ گناہ کبیرہ کے عادی مجرم ہوں جیسے۔ "ب" ایسے لوگوں سے تعلق باقی رکھنے اور قطع تعلق

کرنے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔کوئی جائز کہتا ہے اور کوئی منع کرتا ہے۔اور قول فیصل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ صورت واقع میں کیا زیادہ مفید ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاوی رضویہ کتاب الحظر والاباحۃ میں فرماتے ہیں: مرتکبان کبائر کے ساتھ اختلاط میں نظر علماء مختلف رہی ہے۔اور قول فیصل یہ ہے کہ اس کا فیصلہ عالم ماہر کی نظر پر ہے جو اصلح سمجھے اس پر عمل کرے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم جلد ثانی میں فرماتے ہیں:

وتعزير العلماء فيه مختلف والصحيح ان ذالك يختلف باختلاف نية الرجل۔

مثلاً صورت مسئولہ میں الف اپنے معاملہ پر اخلاص کے ساتھ غور کرے۔اور صورت حال ایسی ہو کہ ب کو اپنے ساتھ رکھنے میں اس پر کچھ دباؤ کی صورت ممکن ہو جس سے اس کی اصلاح کی امید ہو یا گناہ کرنے میں وہ کچھ شرم ولحاظ کرے گا۔اور اس کی بدکاری پر فی الجملہ ہی سہی کچھ روک رہے گا۔تو الف اس کو اپنے ساتھ رکھے۔اس کی اصلاح کے لئے تدبیر ودعا کرتا رہے۔خود بھی ایسا کرے اور ب کی والدہ ہو تو اس سے کرائے۔تدبیر کا یہ مطلب ہے کہ اسکے کھانے کا برتن الگ کر دے اس کے رہنے کا انتظام گھر کے ہی کسی ایسے علحدہ کمرے میں کرے کہ گھر کے اور افراد سے اس کا خلا ملا نہ رہے۔اور گھر میں آنے جانے کی اس کو کھلی چھوٹ نہ دے وقت مقرر کردے اور اخراجات جو واجبی ہوں وہی پورے کرے۔وغیرہ

دعا کا اثر اگر آج ظاہر نہیں ہو رہا ہے ان شاء اللہ کل ظاہر ہوگا۔والدین کی دعا اولاد کے حق میں مقبول ہوتی ہے۔میں کہتا ہوں کہ ب اپنے انتقال سے پہلے بھی اگر توبہ صادقہ کر لے گا۔آخرت کے ہولناک عذاب سے بچ جائے گا تو یہ والدین کی دعا کی کتنی بڑی کامیابی ہوگی۔

اور اگر الف ب کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو گیا اور اس سے دینی ودنیاوی نقصانات کا ہی خطرہ ہے تو وہ اس سے بے شک قطع تعلق کر سکتا ہے۔اس کو گھر سے ایک دم نکال دے بلکہ ڈر ہو کہ اس کی جائداد شراب نوشی اور عیاشی میں برباد کر دے گا۔تو اس کو میراث سے بھی محروم کر سکتا ہے اس پر کوئی شرعی مؤاخذہ نہ ہوگا۔مگر محرومی کی صورت یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت وسلامتی کے وقت میں ہی اپنی پوری جائداد دوسرے جائز وارثوں میں تقسیم کر کے اس پر ان کا قبضہ کرا دے۔ان دونوں باتوں میں سے کسی میں کمی رہی۔مثلاً ”ب“ کا حصہ تقسیم نہ کیا یا کیا مگر اس پر دوسرے کا قبضہ نہ کرایا تو ہبہ صحیح نہ ہوگا اور الف کے انتقال کے بعد اس جائداد میں وراثت جاری ہوگی۔اور ب حصہ پائے گا۔الف نے سوال میں عاق کرنے کے بارے میں جو پوچھا ہے تو عاق کا میں جو مطلب سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ عاق کرنے کے بعد عاق کرنے

والے پر عاق شدہ کے کسی فعل کی ذمہ داری نہیں رہتی۔

اور مرنے کے بعد وہ عاق کرنے والے کی جائداد میں حصہ نہیں پاتا۔تو شریعت میں آدمی پر دو قسم کے حقوق ہوتے ہیں۔حقوق دنیا اور حقوق آخرت جہاں تک آخری حقوق کا تعلق ہے تو گھر کے کسی بالغ کے کسی ناجائز فعل کا گھر کا مالک آخرت میں ذمہ دار نہیں اگر وہ اس کی مرضی اور رضا سے نہ ہو بلکہ وہ اس کا مخالف ہو۔

قرآن شریف میں ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (الانعام:۱۶۴)

آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔گو وہ دونوں دنیا میں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔شامی میں ہے: لایجب تطلیق الفاجرۃ۔

کسی کی عورت زنا کار ہو اور شوہر اس کے اس فعل کے خلاف ہو اور کوشش بھر اس کی حرامکاری سے روکتا ہو تو شوہر کو کوئی گناہ نہیں نہ اس کو یہ حکم دیا جائے گا کہ اس عورت کو طلاق دے دے۔وہ اس کو طلاق نہ دے تو کوئی جرم نہیں۔یہی صورت مسئولہ میں الف جب ب کے کرتوت سے اس درجہ نالاں ہے تو ان شاء اللہ اس کے جرم میں اس پر مواخذہ آخرت کا تو کوئی خطرہ نہیں اور بلوغ کے بعد بہت سے دنیاوی حقوق بھی ساقط ہو جاتے ہیں جیسے بالغ اولاد کا نفقہ باپ کے سر نہیں۔مگر دنیاوی قانون بہت سے معاملات میں گھر والوں کو پکڑتا ہے جیسے لڑکا قتل کر کے بھاگ جائے تو گھر پر قرقی آئی۔لڑکا کسی کا پیسہ لے لے تو وہ باپ پر نالش کرتا ہے۔ایسے مصائب سے بچنے کے لئے ہماری نظر میں بہتر یہی ہے کہ الف عاق کی قانونی کارروائی کر دے تاکہ اس قسم کی الجھنوں سے محفوظ ہو جائے۔باقی ب کو میراث سے محروم کرنا ہو تو شرعاً اس کا وہی طریقہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔خالی زبان یا تحریر سے عاق کرنے سے شریعت کے نزدیک اس کا حق ساقط نہ ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

(۵۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مرحوم شبراتی نے چھوڑا اپنی بیوی کریمہ اور دو بچے عبدالرشید اور رفیق احمد کو۔پھر مرحوم شبراتی کی بیوی نے دوسرا نکاح کیا جمعی سے پھر جمعی نے چھوڑا اپنی بیوی اور دو بچے علی احمد اور الطاف کو تو کیا شبراتی کی جاگیر میں جمعی کے بچوں کا حق ہوا یا نہیں اور اب نہ جمعی موجود ہے اور نہ ان کی بیوی موجود ہے اور اگر والدہ کا حق ہوتا ہے تو کیسے ہوتا ہے اور کتنا ہوتا ہے ترکہ نکال دیں۔

المستفتی، عبدالرشید

الجواب

جمعی کی اولاد کا شبراتی کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ البتہ شبراتی کے ترکہ میں اس کی بیوی کریمہ کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اس آٹھویں حصہ میں سے علی احمد اور الطاف کو بھی ایک ایک چوتھائی ملے گا۔ بشرطیکہ یہ دونوں کریمہ کے بطن سے ہوں۔ لیکن اسی طرح جمعی کے ترکہ میں سے عبد الرشید اور رفیق احمد کو بھی ایک ایک چوتھائی ملے گا۔ اگر وہ دونوں بھی کریمہ کے بطن سے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ

(۵۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

پنچھی بالک پھول پھل الگ الگ آکار۔ مائی گھر ایک ہے سب ہیں رشتہ دار

عزت مآب عالیجناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ضروری عرض یہ ہے کہ میں دہشت گردوں مفتاح العلوم مئو کے کلرک مظہر اور اسکے بھائی اختر ٹیلر پرانا اسٹیٹ بینک رسڑا کے چنگل سے اپنے چند بچوں کو نہ نکال سکا۔ تو لوگوں سے یہ کہا کہ مجبوراً تین بچوں کو عاق کرتا ہوں۔ برائے مہربانی دین کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت کریں عین کرم ہوگا۔

المستفتی، ناصر علی انصاری

الجواب

نابالغ بچوں کا ولی باپ ہوتا ہے جس پر ان بچوں کی ناداری کی صورت میں ان کا نان ونفقہ اور ان کی تعلیم وتربیت اور ان کے حق میں جائز تصرفات ہوتے ہیں۔ یہ ذمہ داریاں یا حقوق والد کو شرعاً حاصل ہوتے ہیں والد اگر ان کو باطل کرنا چاہے تو بالکل نہیں کرسکتا۔ غالباً آجکل کے دنیاوی قانون میں اولاد کو لوگ اسی لئے عاق کرتے ہیں کہ بچوں کی ذمہ داری ان کے سر نہ رہے، یہ شرعاً نہیں ہوسکتا۔ یوں ہی ان بچوں میں جو سات سال کے ہوگئے ہوں ان کو ماں کی پرورش سے نکال سکتا ہے۔ ہاں والد کا سوء اختیار ثابت ہو تو اور بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۸ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ

(۵۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید نے بکر سے کچھ روپے قرض لئے تھے بکر نے ایک دو مرتبہ زید سے روپئے کا تقاضا کیا۔ لیکن زید کے پاس اس وقت روپیہ نہیں تھا۔

لہذا بکر سے زید نے کہا کہ میں روپیہ بعد میں دیدوں گا پھر بکر نے زید سے کچھ دنوں کے بعد

روپیہ کا تقاضہ کیا تو زید نے کہا کہ میں روپیہ دونگا مگر ابھی میرے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اس بات پر بکر نے کہا کب دوگے جب میں مرجاؤنگا تب۔ اس پر زید نے کہا کہ آپ جب مرجائیں گے اگر میرے پاس روپیہ ہوجائے تو میں آپ کی قبر پر رکھ دونگا۔ اتفاقاً ایک سال بعد بکر کا انتقال بھی ہوگیا اور اب زید بکر کا قرضہ ادا کرنا چاہتا ہے۔

معلوم کرنا یہ ہے کہ قرض سے سبکدوش ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا وہ روپیہ ورثہ میں تقسیم ہوگا یا بکر کی قبر پر رکھ دیا جائے گا۔

المستفتی، اختر کرہانی، مدرسہ عزیزیہ جھن مسجد رسڑا بلیا

الجواب

صورت مسئولہ میں اس روپیہ کے قبر پر رکھ دینے کا کوئی جواز نہیں اس روپیہ سے بکر کے انتقال کرتے ہی اس کے وارثوں کا حق متعلق ہوگیا۔ اس لیے زید پر واجب ہے کہ بکر کے وارثوں کو وہ روپیہ حصہ رسدی ادا کرے تب ہی قرض سے سبکدوش ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۱۸ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ

(۶۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس نے اپنے پیچھے تین لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی ان تین لڑکوں میں سے ایک لڑکا باپ کی جائداد سے کچھ نہیں لیتا بلکہ اپنا حصہ بقیہ مذکورہ وارثوں میں تقسیم پر راضی ہے۔ (کیونکہ اس نے اپنی نجی جائداد بنالی ہے)۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کی جائداد وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگی۔ جواب دیکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی، نور الحق ابن محمد ظہور، بڑا گاؤں گھوسی مئو

الجواب

صورت مسئولہ میں کل مال کے پانچ حصے کئے جائیں۔ ایک لڑکی کو اور دو دو بھائیوں کو دیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۳ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(۶۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

عظیم اللہ باحیات ہے جن کے دو لڑکے فصیح اللہ اور مطیع اللہ۔ پانچ لڑکیاں اور زوجہ صالحہ ہے جن میں فصیح اللہ کا انتقال تقریباً دو ماہ قبل ہوا ہے۔ جو اپنے آبائی مکان میں رہتا رہا۔ زوجہ اول کا نام نرگس ہے جس سے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ قریب اٹھارہ یا بیس ماہ قبل آپسی تنازع کی وجہ سے کچھ بچوں کے ہمراہ میکے میں رہتی رہی۔ مقدمہ بھی چلتا رہا۔ بعدہٗ فصیح اللہ نے دوسری شادی حسن بانو سے کی جس سے

ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جو والد فصیح اللہ کے انتقال سے کچھ دن بعد گذر گئی۔ فصیح اللہ کے انتقال کے بعد زوجہ اول آئی اور بچوں کے ہمراہ رہتی رہی۔ اور بٹوارہ چاہتی ہے۔ جبکہ مرحوم کی ملک سے صرف دو لوم اور کھانے پینے کا سامان ہے۔ مکان والد کا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ ساتھ ہی مقروض بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کون سی چیز میراث ہوگی۔ اور بٹوارہ کیسے ہوگا۔ صورت حال کا جائزہ لے کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی، عظیم اللہ، بلاقی پورہ مئو

الجواب

آدمی کے انتقال کے بعد اس کی ذاتی ملکیت جو باقی بچے اور اس سے کوئی حق متعلق نہ ہو۔ تو اس کو ترکہ کہتے ہیں۔ پس صورت مسئولہ میں فصیح اللہ کا ترکہ وہی دو لوم اور سامان خانہ داری ہے۔ جس کا سوال میں ذکر ہے۔ سراجی میں ہے. تتعلق بتركة الميت حقوق اربعة مرتبة الاول يبدء بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم تقضى ديونه من جميع مابقى من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقى بعد الدين ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسنة۔ (الحقوق المتعلقة بالتركة:۹)

پس صورت مسئولہ میں صرف اس لوم اور سامان سے قرضہ ہو تو وہ ادا کیا جائے۔ اور کچھ وصیت کی ہو تو تہائی مال سے وہ ادا کی جائے ورنہ پورا مال اسی طرح تقسیم کیا جائے کہ آٹھویں حصے میں اس کی دونوں عورتوں کو۔ چھٹا حصہ اس کے والد کو۔ اور بقیہ اس کے لڑکے اور لڑکیوں کا۔ اس حساب سے کہ لڑکے کو دوگنا اور لڑکیوں کو اکہرا حصہ دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۸؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(۶۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

عزیز النساء کے شوہر کا ایکسیڈنٹ کے بعد انتقال ہو گیا۔ جو فوج میں ملازم تھے۔ مرحوم لاولد تھے اور ان کے دو بھائی زندہ ہیں۔ مرحوم کی زندگی میں ہی ایک بھائی الگ ہو گئے لیکن ایک بھائی ساتھ تھے۔ مرحوم نے اپنی زندگی میں ہی کچھ مکان وغیرہ بھی ساتھ والے بھائی کو لیکر بنوایا اس طرح تین قطعہ مکان موجود ہے جس میں ان کے والد کا تعمیر کردہ بھی ہے۔ مرحوم کے دونوں بھائیوں نے اب عزیز النساء کو گھر سے نکال دیا ہے۔ کہتے ہیں تمہاری کوئی اولاد نہیں ہے اور جس کا تھا وہ مر گئے۔ تمہارا یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ از روئے شرع عزیز النساء کا کیا حق بنتا ہے۔

المستفتی عزیز النساء بکر بستی

الجواب

سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اپنے شوہر کے انتقال کے بعد ان کی جائداد سے مہر نہ پایا ہو تو

پہلے مہر کی رقم دیجائے گی۔ اس کے بعد مکان کھیت نقد زیور وغیر جو کچھ شوہر کا ہوگا۔ ان سب میں سے چوتھائی حصہ عورت کا شرعی حق ہوگا۔ جسے اس کے مرحوم شوہر کے بھائیوں کو ادا کرنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد جو بچے کا اس میں دونوں بھائی یا عزیز النساء کے شوہر کے اور وارث جو ہونگے وہ پائیں گے۔

قرآن شریف سورۂ نساء پارہ ۴ میں ہے:

﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾[النساء:۱۲]

شوہر مر جائے اور کوئی اولاد نہ چھوڑے تو عورت کو شوہر کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور اولاد چھوڑی ہو تو آٹھواں حصہ ملے گا۔ وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔

صورت مسئولہ میں شوہر نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو عورت ترکہ سے چوتھائی حصہ کی حقدار ہے مثلاً شوہر نے کوئی وصیت کی ہو یا اس پر قرضہ ہو جیسے یہ مہر کی رقم ہی ہے۔ تو پہلے قرضہ ادا کیا جائے جیسے عورت کا مہر یا دوسرے قرض خواہوں کا قرضہ۔ اسکے بعد بچی ہوئی رقم کو چار برابر حصہ لگا کر ایک عزیز النساء کو دیا جائے۔ اور بقیہ میں دونوں بھائی یا اور کوئی وارث ہو تو شریعت کے فیصلہ کے حساب سے بانٹ لیں۔ اگر اس کے خلاف کریں گے تو بڑا ظلم ہوگا۔ دنیا میں عورت مقدمہ لڑ کر لے لے گی۔ اور آخرت کی سزا الگ رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو

(۶۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بکر ایک حافظ وعالم ہیں ان کی پہلی شادی آسیہ سے ہوئی، کئی سال بچے نہ ہونے کی وجہ سے بکر نے دوسری شادی کر لی۔ پہلی بیوی آسیہ اسکول ٹیچر تھیں۔ ٹیچری کا کام بھی شادی کے دو تین سال بعد آسیہ کے بھائیوں کی کوشش وخرچ سے ملا، حافظ صاحب بیوی کے لئے پہلے کام کی کوشش کو کہتے رہتے ہی تھے۔ (بیوی سے کہتے کہ بھائی سے کہکر ٹیچر کا کام بنوالو) ٹیچر کا کام ملنے کے چند سال بعد کہنے لگے بیوی کی کمائی کھانا مجھے پسند نہیں۔ چند علماء مجھ پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ حالانکہ بیوی سے جیب خرچ بھی لیا کرتے تھے۔ بیوی کو پہلے کی طرح محبت سے نہیں دیکھتے۔ بیوی ہمیشہ غم زدہ ہو گئی ان کی لاپرواہی سے اتنی غمزدہ ہوئی کہ دل ودماغ نے بیمار کو اور بیمار کر دیا آخر پندرہ دن اسپتال میں رہنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ آخری دم تک شوہر سے نالاں تھی حالانکہ شوہر موصوف نے اسپتال میں تیمارداری کی مگر مریضہ دیکھنے اور پہچاننے کی حالت میں نہیں تھی۔ بیوی نے اپنے سگے بھائی کی چھوٹی بچی کو تقریباً دو تین ماہ کی عمر میں گود لیا تھا۔ جواب تقریباً دس گیارہ سال کی ہے۔ شوہر نے بیوی کی تنخواہ اور انشورنس میں سے قرض لیکر

ایک اسکوٹر خریدا ہے۔ اور مکان میں بھی پیسہ لگایا ہے۔ ادھر بیوی کی وصیت یہ ہے کہ حکومت سے جو کچھ مجھے ملتا ہے۔ اس کی حقدار صرف میری لے پالک ہے۔ آسیہ کے ورثاء میں چار بھائی، اور دو بہن اور شوہر ہے جس کے بارے میں سوال ہے کہ کیا عالم دین کو بیوی کی کمائی جائز ہے۔ اور لے پالک کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ آسیہ کے دو بڑی بہن چار بھائی زندہ ہیں اور ان ہی لوگوں نے بچپن سے پال پوس کے شادی بھی کئے ہیں تفصیل سے جواب لکھنے کی گذارش ہے۔ المستفتی محمد باباخاں

الجواب

بیوی اگر شوہر کی پابند ہو۔ اور اس کے ساتھ رہتی ہو تو اس کا خرچ، رہنے کا مکان شوہر کے ذمہ واجب ہے اور عورت پر شوہر کے مصارف کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

البتہ میاں بیوی میں ایسا انبساط اور تراضی ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرتا ہے اور اس کو اپنا سمجھتا ہے۔ اس لئے مساۃ آسیہ نے اپنی زندگی میں اپنی رضا سے بکر کو جو کچھ دیا۔ اب بکر سے شرعاً اس کا کوئی مطالبہ نہیں۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ماحول اور سماج میں شوہر کا بیوی کی کمائی کھانا بے غیرتی اور چھچھوراپن ہے۔ جو زبانی جمع خرچ سے دور نہیں ہوگا۔

گود لینے والی کے ترکہ میں شرعاً لے پالک کا کوئی حصہ نہیں۔ البتہ آسیہ نے اپنی بھتیجی کے لئے چونکہ اپنے کل ترکہ کی وصیت کی ہے۔ اور شرعاً وصیت صرف تہائی مال میں جاری ہوتی ہے اس لئے آسیہ کے کل ترکہ سے تہائی حصہ آسیہ کی بھتیجی کو دیا جائے۔ اور بقیہ دو حصہ سے نصف اس کے شوہر کو نصف اور حصہ آسیہ کی دو بہنیں اور چاروں بھائیوں کا ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ آسیہ کا کل ترکہ تیس (۳۰) سہام پر تقسیم کر کے۔ وصیۂ آسیہ کی بھتیجی کو ۱۰ر دیا جائے اور ۱۰ر وراثۃ اس کے شوہر بکر کو اور چاروں بھائیوں کو ۲۔۲ حصہ اور دونوں بہنوں کو ایک ایک حصہ دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۹ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

(۶۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ارباب حل وعقد شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ایک قطعہ زمین میرے نام اور میری ملکیت ہے۔ جس کے اگلے حصہ میں دو دکانیں ہیں۔ اور پیچھے کی زمین احاطہ نما ہے اس میں مکان کی کوئی تعمیر نہیں۔

(۲) میرے بطن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جو بالغ اور شادی شدہ ہیں لڑکیاں اپنی سسرال میں شوہر و عیال کے ساتھ رہتی ہیں اور لڑکے اپنے باپ کے ساتھ مکان میں سکونت پزیر ہیں۔

(۳) مندرجہ بالا زمین کا ابتک بٹوارہ نہیں ہوا ہے میں شمس النساء اپنی زندگی میں ہی اس زمین کو

اپنے لڑکے لڑکیوں میں بانٹنا چاہتی ہوں تا کہ آئندہ ان کے مابین کوئی نزاع واقع نہ ہو۔

(۴) متذکرہ بالا دونوں دوکانیں دونوں بھائیوں نے ملکر بنوائی ہیں مگر بڑے لڑکے کا تعاون زیادہ رہا ہے۔ جس کے سبب وہ دونوں دوکانوں پر قابض ہے اور یہ قبضہ دونوں کے نزاع وجدال کا سبب رہا ہے۔

(۵) میرے شوہر باحیات ہیں میں انکے ساتھ اپنے مکان میں رہتی ہوں نزاع میری مملوکہ آراضی کا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس آراضی کا بٹوارہ میں اپنے تمام بچوں میں کیسے کروں دونوں دوکانوں میں بڑے کا تعاون زیادہ ہے تو اسے کتنا دوں بچیوں کو کتنا دوں اللہ ورسول کے فرمان کے مطابق فیصلہ دیں تا کہ مرنے کے بعد میری گرفت نہ ہو۔ اور نزاع کا خاتمہ ہو جائے۔

المستفتی۔ شمس النساء زوجہ ممتاز احمد محلہ منشی پورہ (مئو)

الجواب

سائلہ نے اپنے بیان میں اس حصہ کو بھی جس پر دونوں لڑکوں نے دوکانیں بنوائیں اپنی ملک قرار دیا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ میں اپنی مملوکہ پوری زمین کو اپنے بچوں میں تقسیم کرنا چاہتی ہوں جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے ابتک کوئی حصہ بھی کسی کو نہیں دیا ہے۔ اور سوال لانے والے نے بتایا کہ اس زمین کے جس حصہ پر ان دونوں بھائیوں نے جو دو دکانیں بنوائی ہیں خاص اپنی کمائی سے بنوائی ہیں۔

اگر واقع یہی ہے تو صورت مسئولہ میں وہ دوکانیں جس زمین پر بنی ہیں اور اس کے علاوہ جو زمین غیر تعمیر شدہ ہے وہ سب کی سب مساۃ شمس النساء کی ہیں، البتہ ان دونوں دوکانوں کی دیواروں اور چھت کے مالک اس کے دونوں لڑکے ہیں، جنہوں نے وہ دوکانین بنوائیں اور مساۃ شمس النساء نے وہ زمین ان دونوں کو بطور رعایت اور منگنی کے دی ہے وہ جب چاہے اپنے زمین واپس لے سکتی ہے۔ وہ لوگ اپنا ملبہ جہاں چاہیں لے جائیں۔

عقود الدریہ میں ہے: "رجل بنی بمال نفسہ قصرا فی دار ابیہ باذنہ فھل یکون القصرلبنیہ ویکون کالمستعیر اجاب نعم"

تو مساۃ شمس النساء اپنی پوری زمین (یعنی جس پر دوکان بنی اور جو احاطہ کا باقی ہے) چار حصے کر کے دونوں لڑکوں اور لڑکیوں کو برابر دیدے یا ایک ایک حصہ لڑکیوں اور ۲۔۲ر حصہ لڑکوں کو اس صورت میں زمین کے چھ حصہ کرنے ہوں گے یہ طریقہ بھی جائز ہے۔

دونوں دوکانوں کی تعمیر میں جو سرمایہ لگا ہے۔ اس میں ہر بھائی کے حصہ کی تعین ہو سکتی ہے مثلاً کم

والے نے ایک چوتھائی رقم دی ہے اور زیادہ والے نے تین چوتھائی یا کم والے نے ایک تہائی اور زیادہ والے نے دوتہائی تو اس تناسب سے دونوں بھائی صرف دو دکانوں کی عمارت کے مالک ہونگے اور رقم کی تعین نہ ہوسکے تو دونوں بھائی برابر کے شریک ہونگے۔ (فتاوی رضویہ ج۸ص۷۹)

اگر ممکن ہوسکے تو شمس النساء اپنی زمین کی اس لحاظ سے تقسیم کرے کہ دونوں بھائیوں کے حصہ ان کے دو دکانوں کے نیچے کی زمین بھی آجائے تاکہ مزید الجھنوں سے نجات رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۱۷/ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ

(۶۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے پاس تین لاکھ کی رقم تھی زید کا انتقال ہوا تو اس نے سات لڑکے ایک بیوی ایک دختر چھوڑے ان میں سے دو بھائیوں نے ساری رقم نکال کر تقسیم کرلی اور پانچوں کو محروم کردیا صورت مسئلہ میں ان دونوں شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ان لوگوں کو کتنی کتنی رقم ملنی چاہئے۔

(۱) محمد افتخار (۲) محمد ابرار (۳) محمد انتخاب (۴) محمد اسحاق (۵) ابراہیم (۶) اسمٰعیل (۷) اصغر (۸) فاطمہ۔ المستفتی: محمد فیروز عالم اشرفی بھاگلپوری متعلم مدرسہ تیغیہ مرجاد پٹی پوسٹ بھدوہی وارانسی

الجواب

بعد تقدیم ماتقدم علی الارث صورت مسئولہ میں مبلغ تین لاکھ کا آٹھواں حصہ (۳۷۵۰۰) ساڑھے سینتیس ہزار زید کی بیوی کا حصہ ہوا ساڑھے سترہ ہزار روپے لڑکی فاطمہ خاتون کے ہوئے۔ اور ۳۵/۳۵ ہزار روپے ساتوں لڑکوں کا بحساب: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾[النساء:۱۱]

جن وارثوں نے بقیہ وارثوں کا حصہ ہڑپ کرلیا۔ اگر عام طور سے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے تو وہ فاسق معلن ہوئے۔ جب تک وہ توبہ نہ کریں ان کو امام بنانا گناہ اور ان کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دوہرانا ضروری۔ شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم"

(باب الامامة ۲/۲۰۰)

تو بہتر یہی ہے کہ جن کا حصہ لے لیا ہے ان کو واپس کریں یا ان سے ان کے حقوق معاف کرائیں اور آئندہ ایسی حرکت سے توبہ صادقہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی ضلع مئو، ۱۷/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

(۶۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی زندگی میں دو عقد نکاح کیا پہلی بیوی سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں اور

دوسری عورت سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پہلی عورت شوہر کی زندگی میں فوت ہوگئی جبکہ دوسری مورث شوہر کے انتقال کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہی وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ دونوں بیویوں کے شوہر کے ترکہ میں سے کیا حصہ (شوہری حق) ملے گا از راہ شرع تحریر فرمائیں۔

المستفتی محلہ بڑا گاؤں بنچہ پوسٹ گھوسی مئو

الجواب

صورت مسئولہ میں زید کی دوسری بیوی کو اس کے ترکہ میں سے پورا شوہری حق یعنی آٹھواں حصہ ملے گا پہلی بیوی کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ شوہر کی زندگی میں فوت ہوگئی (مرگئی) حق وراثت کا تعلق مورث کی موت کے بعد سے ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

(۶۷-۶۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) شیخ کرامت علی نے اپنے وارثوں میں تین لڑکے مسمّٰی نثار احمد، ظہیر احمد، ضیاء الحق اور ایک لڑکی (جس کا نام) حفیظا چھوڑا از روئے شرع ترکہ تقسیم فرمادیں۔

(۲) شیخ علی اختر نے لاولد انتقال کیا چھوڑا اپنے والد اور بھائی، بہنوں کو اور ایک بیوی کو از روئے شرع کس کو کتنا ترکہ ملے گا۔۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ فقط

محمد نذیر احمد فریدی، مقام و پوسٹ سریلا، ضلع سہرسا

الجواب

(۱) مسئلہ — تین لڑکے — ایک لڑکی

بشرط صحت سوال بعد ادائے ماوجب شیخ کرامت علی مرحوم کی جائداد متروکہ سات حصوں پر منقسم ہوکر ہر لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا۔

(۲) مسئلہ — بیوی — باپ — بھائی — بہن

بشرط صحت سوال بعد ادائے ماوجب علی اختر مرحوم کی جائداد متروکہ چار حصوں پر منقسم ہوکہ ان کی بیوی کو ایک حصہ اور ان کے والد کو تین حصے ملیں گے، بھائی بہن اس صورت میں محجوب ہیں۔

(۶۹-۷۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید کے دو لڑکے ایک حامد اور دوسرا محمود ہے۔ محمود کی شادی ہوئی اور اس سے ایک لڑکی شبنم پیدا ہوئی زید اور محمود دونوں کا انتقال ہوگیا۔ محمود کی والدہ باحیات ہے۔ تو شبنم کی ولی (دادی، چچا، ماں) کون ہوگی؟

(۲) عمر کے تین لڑکے زید، بکر، مرشد تینوں لڑکے شادی شدہ بال بچے دار۔ عمر کے انتقال کے بعد مرشد کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو عمر کی جائداد اور اس کی مالیت کا حصہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

(۳) مسجد کی زمین بطور کرایہ مدرسہ کے لئے لی گئی۔ اور اس کی عمارت فطرہ وزکوۃ کے رقم سے تعمیر ہوئی۔ اور اس میں یتیم مسکین بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان کے قیام وطعام کا بھی نظم رکھا گیا۔ کیا شرعی رو سے صحیح ہے؟

(۴) قصبہ محمد آباد میں عید بقر عید کی نماز تین جگہ ہوتی ہے۔ ایک جگہ اہلسنت والجماعت کے امام پڑھاتے ہیں۔ تو اکثر عقائد اہل سنت والے اس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت وہاں بھی دیوبندی امام ہو گئے ہیں۔ میرے محلے میں جامع مسجد اہلسنت کی ہے۔ لیکن عید بقر عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ عقائد کی بنیاد پر عید وبقر عید کی نماز محلہ کی مسجد میں ہونی چاہئے۔ تو اس ماحول میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ جوابات حدیث وقرآن کی روشنی میں عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

العارض: احمد رضا محمد آباد غازی پور

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں چچا ولی ہوگا۔ ماں اور دادی کو ولایت کا حق نہیں۔

شرح وقایہ میں ہے: ثم الاصل البعید کالعم۔

(۲) سوال میں وارثوں کی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ اس لئے ہر وارث کا حصہ متعین کرنا مشکل ہے۔ عمر کا اگر کوئی اور وارث نہ ہو اس کے انتقال کے بعد اس کے صرف یہ تین لڑکے زندہ رہے ہوں تو عمر کی کل جائداد تین حصہ کر کے ایک ایک حصہ لڑکوں کو دیا جائے۔ مرشد چونکہ عمر کے انتقال کے بعد زندہ تھا۔ اس لئے اس کا حصہ اس کے وارثوں کو دیا جائے۔

(۳) زکوۃ اور فطرہ کی رقم اگر حیلہ شرعی کرا لیا گیا ہو تو وہ رقم مدرسہ کی تعمیر مسجد کی زمین کے کرایہ اور مدرسین کی تنخواہ اور طالب علم سب پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ اور حیلہ نہ کیا گیا ہو تو سوائے طالب علم کے اور کسی پر صرف نہ ہو سکے گی۔

فالحیلة ان یتصدق به المتولی علی الفقراء، ثم الفقراء یدفعونه الی المتولی ثم المتولی یصرف الی ذلك (عالمگیری: کتاب الحیل: ۶/۴۹۶)

(۴) صورت مسئولہ میں اس مسجد میں جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ نماز عید بقر عید قائم کرنا جائز ہے شرعا کوئی ممانعت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۵/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

(۷۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب مسئلہ ذیل میں کہ

ہندہ انتقال کر گئی اس کی ایک نرینہ اولاد موجود ہے بایں صورت ہندہ کے والد ودیگر رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ ہندہ کو جو کچھ مال جہیز میں دیا گیا ہے وہ سب ہم لیجائیں گے اور جب اس کا لڑکا بڑا ہو جائیگا تو اس کی امانت اس کو لوٹا دیا جائیگا فی الوقت اس مال کی حفاظت زید سے نہ ہو پائیگی دوسری بات یہ ہے کہ ہندہ کی جو مہر مقرر کی گئی ہے اس سے وہ نصف کے طلب گار ہیں اسے وہ لوگ ہندہ کے نام پر کسی نیک کام میں خرچ کریں گے لہذا صورت مسئولہ میں زید سے ہندہ کے رشتہ داروں والد صاحب وغیرہ کا جہیز کا مال اور نصف مہر کا لینا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اور در حقیقت ان جہیزوں کا حقیقی مالک کون ہے بحوالہ قرآن وحدیث جواب مرحمت فرمائیں۔ فقط والسلام بینوا توجروا۔

المستفتی خلیل احمد مدرسہ جامع مسجد کیندوپاڑہ کٹک اڑیسہ

الجواب

ہندہ کے جہیز تمام چیزیں اور اسکا مہر ترکہ قرار دیکر وارثوں میں تقسیم کر دیا جائیگا جس میں شوہر موجود ہو تو اس کا حصہ چوتھائی رہے گا۔ ہندہ کی ماں موجود ہو تو اس کا چھٹا حصہ ہوگا اور باپ موجود ہو تو اس کا بھی چھٹا حصہ بقیہ مال لڑکے کا حصہ ہوگا اور جو موجود نہ ہو تو اس کا بھی حصہ لڑکے کو ملے گا المختصر ہندہ کے میکے والے وہی رقم لیجا سکتے ہیں جو شرعا ان کے حصہ میں آئے اور اس کو چاہے جس مصرف میں لائیں۔ شوہر کے حصہ میں وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتے لڑکے کا حصہ اس کے اولیاء کو دیا جائے گا جو لڑکے کے لئے محفوظ رکھیں اور اگر وہ بددیانت ہوں اور خرچ ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسے امانت کی جگہ رکھیں جہاں اس کے بچے کا مال محفوظ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۵/ربیع الثانی ۱۱ھ

(۷۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

حاجی اصغر کی موجودگی میں ان کے لڑکے شمس الدین کا انتقال ہو گیا حاجی صاحب کے ورثاء اس طور پر موجود ہیں کہ ۴/لڑکیاں چار بھائی ایک بہن اور شمس الدین کی تین بچیاں اور دو بچے حاجی صاحب کا ترکہ از روئے شرع کس طرح تقسیم ہوگا اور شمس الدین کے بچے بچیاں وارث ہوں گے کہ نہیں؟

المستفتی محمد سعید ۳۰/رمضان المبارک ۱۱ھ

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث صورت مسئولہ میں حاجی اص[illegible] کا کل ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا۔ کل ترکہ کا دو تہائی چار لڑکیوں کو اور ایک ثلث میں دونوں پوتے اور تینوں پوتیاں اس طرح کہ

پوتے کو ڈبل حصہ ملے گا اور پوتی کو سنگل اور بھائی و بہن محروم و محجوب ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲؍شوال ۱۱ھ

(۷۵) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

اپنی بیوی کا دین مہر پہلے دیا جاتا ہے کہ بعد کو یہ بات مجھ کو معلوم نہیں تھی جب معلوم ہوا تو میں نے دینے کو کہا تھا اس نے نہیں لیا مرتے وقت دیا مگر انکار کیا۔ معاف بھی نہیں کیا تو ایسی صورت میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟ خادم نظم حسین پر سایہ پوسٹ سندر بازار ضلع مہراج گنج یوپی۔

الجواب

عورت کے انتقال کے بعد اس کے مہر میں میراث کا قانون جاری ہوگا۔ اگر عورت کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر کا حصہ آدھا ہوگا اور اولاد ہو تو چوتھائی بقیہ دیگر ورثاء کا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۵؍جمادی الاخری ۱۲ھ

(۷۶) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

امیر خاں کے تین لڑکے۔ محمد انور۔ محمد اظہر۔ محمد محبوب۔ اور چھ لڑکیاں۔ اچھی بی بی۔ مبارک بی بی۔ ستھری بی بی۔ عطیہ بی بی، شاہینہ بی بی۔ زہرہ بی بی۔ یہ سب شادی شدہ ہیں۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ امیر خاں کے انتقال کے بعد ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حصہ چاہئے۔ واضح ہو کہ اچھی بی بی بے اولاد ہیں انھوں نے سسرال کی جائیداد جو ان کے نام تھی اپنے بہن کے لڑکوں کے نام وصیت کر دیا تھا کہ حیات میں مالک رہوں گی بعد انتقال بہن کے لڑکے اور رجسٹر پر اپنی دونوں بھائیوں کو گواہ بھی بنایا تھا۔ اچھی بی بی کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق لڑکوں کو جائیداد مل گئی اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اچھی بی بی نے اپنی زندگی میں لڑکوں کو جائیداد کا وارث بنا دیا تھا تو ان کے والد امیر خاں مرحوم کی جائیداد میں ان لڑکوں کا حق ہے یا نہیں؟ تفصیل سے بیان فرمائیں مشکور ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی ارشاد احمد خاں خالص پور ادری ضلع مئو یوپی ۱۶؍۱؍۹۲ء

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث امیر خاں کا ترکہ ۱۲؍سہام پر تقسیم ہو کر تینوں لڑکوں کا دو دو حصہ اور ۶؍لڑکیوں کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اچھی بی بی کی وصیت کے بارے میں یہ بات صاف نہ ہو سکی کہ انھوں نے صرف سسرال کی جائیداد اپنے بھانجوں کو بطور وصیت دیا یا اپنی ملک۔ کیوں کہ سائل اس بات کو اپنے زبانی بیان میں مبہم کر رہا ہے بہر تقدیر اچھی بی بی کی پوری وصیت تب نافذ ہوگی جب ان کے

ورثاء ان کے وصال کے بعد اس کی اجازت دیدیں اور اگر ورثاء راضی نہ ہوں تو جتنی جائیداد کہ اچھی بی بی نے وصیت کی ہے وہ اگر ان کے کل ترکہ کا ثلث ہو تو بھانجوں کو کل وصیت شدہ حاصل دلا دیا جائے اور ثلث سے زائد ہو تو اتنے میں ہی وصیت نافذ ہوگی۔ جتنا ثلث کی مقدار کے برابر ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو یوپی ۳۲۱؍رجب ۱۲ھ

(۷۷) مسئلہ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ھذا کے بارے میں کہ

زین اللہ خاں کا عرب میں انتقال ہوگیا، گورمنٹ نے اس کا خوں بہا چھ لاکھ تراسی ہزار نو سو پنچانوے روپیہ دیا۔ ان کے بعد ان کے مندرجہ ذیل رشتہ دار موجود ہیں والد چرکٹ خاں والدہ میم النساء و بھائی معین الحق اور عین الحق پانچ بہنیں زاہدہ خاتون، راہد النساء، وحید النساء، محب النساء، دو لڑکے، امتیاز خاں۔ سجاد خاں بیوی سروری خاتون، تو ان لوگوں کا کتنا حصہ ہوگا؟۔

نوٹ: بیوی نے شوہر کے انتقال کے بعد دوسری شادی کر لی ہے۔

چرکٹ خاں مقام و پوسٹ سالار پور ضلع گورکھپور

الجواب

بعد تقدیم ما تقدم علی الارث صورت مسئولہ میں زین اللہ خاں کا کل ترکہ ۴۸؍حصوں میں منقسم ہو کر باپ اور ماں کو آٹھ آٹھ حصے، بیوی کو چھ حصہ اور دونوں لڑکوں کو تیرہ تیرہ حصے ملیں گے بھائیوں اور بہنوں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا عورت کے دوسری شادی کرنے کی وجہ سے اس کے حصہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی ۱۰؍شوال ۱۲ھ

(۷۸) مسئلہ : کیا فرتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید کے چار بیٹے جس میں ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا۔ زید کی موجودگی میں مرحوم نے اپنے پیچھے تین بچوں کو چھوڑا ہے مرحوم کی اہلیہ اور تین بھتیجیاں ہیں اور مرحوم نے اپنی کوئی ذاتی ملکیت نہیں چھوڑی ہے آیا زید کی ملکیت سے مرحوم کی اہلیہ نیز بچوں کو حصہ ملے گا یا نہیں اور اگر ملے گا تو کتنا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی، عابد حسین کریم الدین پور گھوسی مئو ۲۳؍ذی الحجہ ۱۳ھ

الجواب

سوال میں اس امر کی کوئی تشریح نہیں ہے کہ مورث اعلیٰ زید کا انتقال ہوگیا ہے یا وہ موجود ہے اگر موجود ہے تو انکی میراث کی تقسیم کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا، میراث اور ترکہ سے وارثوں کا حق مورث کی موت کے بعد متعلق ہوتا ہے اس وقت جو صورت حال ہوگی اس حساب سے زید کا حصہ تقسیم ہوگا ہاں اگر

مسئلہ کی یہ صورت ہو کہ زید کا انتقال ہو گیا اس نے تین لڑکے اور تین پوتیاں چھوڑیں اور ایک بہو جسکا شوہر زید کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا ہے تو قانوناً بچیوں یا بہو کو کچھ نہیں ملیگا سراجی میں ہے "ویسقطن بالابن' (فصل فی النساء: ۲۱)' ہاں اخلاقاً وارث لڑکوں کو چاہئے کہ انہیں بھی کچھ دیدیں جس سے ان کا گزران کا سہارا بھی ہو سکے قرآن عظیم میں ہے کہ ﴿ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾(النساء:۸) خود زید کو بھی چاہئے کہ اپنی زندگی میں ہی ان بے سہارا بچیوں کیلئے کچھ کر جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو۔۲۳ ذی الحجہ ۱۳ھ

(۷۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

محمد حبیب خان کی دو شادی ہوئیں پہلی بیوی رسولن بی بی سے تین لڑکے غلام محمد خاں، نذیر احمد خان، اور خلیل احمد خان، اور دوسری بی بی قبولن بی بی سے چار لڑکے ہیں محمد حبیب خان، کی موجودگی میں خلیل احمد خاں کا انتقال ہو گیا مگر غلام احمد خاں نے اپنے باپ کے ترکہ میں سے خلیل احمد خاں کے لڑکوں کو برابر دیا، وہ اس پر قابض ودخیل رہے جب کہ ازروئے وہ شرع خلیل احمد خاں کے لڑکے مجوب ہیں رسولن بی بی کے انتقال کے وقت خلیل احمد خاں موجود تھے رسولن بی بی کا ایک مکان کچا تھا جسے میکہ کے لوگوں نے ان کے ہاتھ بیچ کر دیا تھا اس مکان پر رسولن بی بی قابض رہیں ان کے مرنے کے بعد ان کی تینوں اولادیں اس میں رہنے لگیں اور آپس میں کوئی تنازع نہ پیدا ہوا ایک عرصہ کے بعد وارثین میں تنازع پیدا ہو گیا کہ خلیل احمد خاں جو اپنے ماں کے انتقال کے وقت موجود تھے ان کی جائداد میں خلیل احمد خاں کا حصہ ہوتا ہے یا نہیں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ رسولن بی بی کی جائداد میں خلیل احمد خاں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے ازروئے شرع قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔ بینوا وتوجروا

المستفتی، محمد شمیم احمد خاں محلہ ڈومن پورہ سکندر پور بلیا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی اگر صورت حال وہی ہے جو سوال میں مذکور ہے تو رسولن بیوی کی جائداد میں ان کے لڑکے خلیل احمد خاں کو ضرور حصہ ملے گا اگر چہ ان کو محمد حبیب خاں کی جائداد سے کچھ نہیں ملتا اس لئے وہ محمد حبیب خان کی زندگی میں ہی فوت کر گئے تھے اور سولن بی بی کے انتقال کے وقت چونکہ وہ موجود تھے تو ان کے ترکہ سے وہ کیوں محروم ہونے لگے تو لوگ باپ کی جائداد سے محرومی کیوجہ سے انھیں ماں کی جائداد سے محروم کرنا چاہتے ہیں وہ قرآن وحدیث کی خلاف سوچتے ہیں۔ سراجی میں ہے "یرجحون

بقرب الدرجه اعنی اولهم بالمیراث جزء ا لمیت ای البنون"(باب العصبات :۲٤) میت کی میراث سے حصہ پانے کے حقدار سب سے پہلے اس کے لڑکے ہیں استفتاء لانے والے کا بیان ہے کہ محمد حبیب خان اپنے محروم پوتوں کے بارے میں یہ وصیت کر کے مرے تھے کہ انھیں حصہ رسدی دیا جائے اور محمد حبیب کے لڑکوں نے اپنے والد کی وصیت کے موافق انھیں حصہ بانٹ کر دیا تو وہ اس جائداد کے بھی مالک ہو گئے اسے ان سے کوئی لے نہیں سکتا قرآن عظیم میں ہے ﴿ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾(النساء: ۱۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ

(۸۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

محمد فاروق تین وارث چھوڑ کر مرے۔ محمد، واحد۔ حدیث النساء۔ لہٰذا جواب طلب امر یہ ہے کہ محمد فاروق صاحب کی جائیداد میں حدیث النساء کا کتنا حصہ ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی، ممتاز احمد فتح پور ضلع مئو ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے انھیں مسئلہ پوچھنے کا بھی ڈھنگ نہیں سوال میں کچھ مذکور نہیں کہ محمد فاروق سے ان کا رشتہ کیا ہے تو جائیداد کس طرح تقسیم کی جائے اگر یہ تینوں محمد فاروق کی ہی اولاد ہیں یعنی آپس میں سگے بھائی بہن ہیں اور یہی تینوں وارث ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ تو محمد فاروق کی کل جائیداد پانچ حصے کر کے ایک حصہ حدیث النساء کو ملے گا اور دو دو حصے محمد اور واحد کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، یکم محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

(۸۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

کہ زید کے چار بیٹے ہیں جس میں ایک بیٹے کا زید کے زندگی ہی میں انتقال ہو گیا درانحالیکہ زید آج بھی زندہ ہے۔ مرحوم نے اپنے پیچھے تین بچے کو چھوڑا ہے مرحوم کی اہلیہ سمیت تین بچیاں ہیں۔ آیا زید کی ملکیت سے مرحوم کی اہلیہ اور بچیوں کو حصہ ملیگا یا نہیں۔ اگر ملیگا تو کتنا۔ نیز مرحوم کی اہلیہ اپنی بقیہ زندگی اپنے میکہ میں گزار دیگی یا سسرال میں جب کہ اس کی عمر بہت کم ہے اور وہ دوسری شادی نہیں کرنا چاہتی۔ مرحوم ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھا ایام علالت میں مرحوم نے زید سے (یعنی اپنے والد سے) کہا کہ آپ میرے علاج کے لیے پوری جدوجہد فرمائیں اگر میں بچ گیا تو پورا خرچہ ادا کر دونگا بصورت دیگر میرے بعد آپ میرے فنڈ سے لے لیجئے گا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کے فنڈ سے علاج وغیرہ کا

خرچہ زید کو دیکر نیز فنڈ کے حصوں کیلئے جو اخراجات زید نے کئے ہیں اس کو نکال کر مابقیہ رقم کی تقسیم کس طرح ہوگی۔ نیز مرحوم کی اہلیہ اور بچیوں اور زید کو کتنا کتنا حصہ ملے گا وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

۲۸ ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ

الجواب

صورت مسئلہ متوفی لڑکے کی لڑکیوں اور اس کی زوجہ کو زید کی جائداد میں کوئی حصہ نہیں ملیگا اس بات کو ہم اس سے قبل ایک فتویٰ میں واضح کر چکے ہیں۔ جس عورت کا شوہر مر چکا ہو اسکے رہنے کے لیے شریعت اسلامیہ کی طرف سے کوئی خاص جگہ متعین نہیں۔ اگر شوہر کے ترکہ سے اس کے حصہ میں اتنا مکان آئے کہ وہ اس میں رہ سکتی ہو یا زید اسلامی رحمدلی اور انسانی شرافت سے کام لیتے ہوئے بن باپ کی پوتیوں اور انکی دیکھ ریکھ اور پرورش کرنے والی ماں کو خسر زید ہی کوئی ٹھکانا عاریۃً دیدے تو ہمارے نزدیک سسرال میں رہنے کو ہی ترجیح ہوگی آخر پوتیوں کی محتاجی کی صورت میں ان کا نفقہ بھی تو شرعاً دادا (زید) کے ذمہ ہی ہوگا اگر ایسا ممکن نہ ہو اور وہ میکے والے تیار ہوں تو وہاں بھی رہ سکتی ہے الغرض دین وایمان کی سلامتی اور عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ جہاں رہنا ممکن ہو رہ سکتی ہے۔

میت کے ترکہ سے سب سے پہلے اسکا قرض ادا کیا جائے قرضہ باپ کا ہو یا پرائے کا ہو قرآن شریف میں ہے ﴿ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾[النساء ۱۱] اس کے بعد مرحوم کے ترکہ کو چوبیس سہام حصہ کرکے ۱۶ سہام تینوں لڑکیوں کو اور تین سہام بیوہ کو اور بقیہ پانچ سہام زید کو فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۵ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

(۸۲-۸۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کا انتقال اسکے والد بکر کے موجودگی میں ہوا۔ چند ماہ بعد بکر کا بھی انتقال ہوگیا۔ زید شادی شدہ تھا اس نے دو نابالغ بچے اور ایک بیوہ بیوی چھوڑی بعد میں زید کے سگے چھوٹے بھائی نے اپنا نکاح زید کی بیوہ سے کرلیا اور اس طرح زید کے دو یتیم نابالغ بچے اپنے چچا کے ساتھ پرورش پا رہے ہیں یہ چچا وہی ہے جس نے ان بچوں کی بیوہ ماں سے نکاح کرلیا۔ زید کا بڑا بھائی ایک اور ہے جو اپنے بال بچوں کے ساتھ الگ رہ رہا ہے۔ کہ زید کی ماں یعنی بکر کی بیوہ اپنے چھوٹے بیٹے اس کی بیوہ (زید کی بیوہ یعنی یتیم بچوں کی ماں) اور دونوں نابالغ بچوں کے ساتھ ایک مکان میں رہ رہی ہے زید کے اوپر کچھ قرض بھی ہے جو اس کی موت کے بعد بھی اب تک ادا نہیں کیا گیا ہے وارثوں کی فہرست اس طرح ہے۔

زید۔ میت کے وارث۔ دو نابالغ بچے اور ایک بیوہ جس نے اب زید کے چھوٹے بھائی سے

نکاح کرلیا ہے۔

بکر زید کا باپ تھا۔ پہلے زید کا انتقال ہوا تھا بعد میں بکر کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب ترکہ کے بعد تقسیم کا مسئلہ ہے۔ مرحوم زید کے چھوٹے بھائی (جس نے زید کی بیوہ سے نکاح کرلیا ہے اور یتیم بچوں کی پرورش کررہا ہے) کا کہنا ہے کہ زید کے اوپر جو قرض ہے اسے پوری جائیداد میں سے ادا کیا جائے گا اور بعد میں بکر کی جائیداد میں سے یتیم بچوں کو بھی حصہ ملے گا کیوں کہ یتیم پوتوں کے حق میں اسلئے وصیت نہیں کیا تھا کیونکہ وہ وصیت کرنے کے بارے میں لاعلم تھے۔

پہلے بکر کی جائیداد تقسیم طلب ہے۔ تفصیل کے ساتھ برائے کرم وضاحت فرمایا جائے کہ

(۱) بکر کے صحیح وارث کون کون لوگ ہونگے اور کل ترکہ وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا۔

(۲) زید کے وارث کون کون لوگ ہونگے اور زید مرحوم کی جائیداد وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگی۔

(۳) بکر نے اپنی وارث بیٹیوں کے لئے جو زبانی وصیت کی اس کی اب کیا حیثیت ہوگی۔

(۴) زید کی بیوی جس نے اب نکاح کرلیا ہے اس کو اپنے پہلے شوہر کے ترکہ میں سے کچھ ملے گا یا نہیں۔

(۵) زید کی ماں کو زید کے ترکہ میں سے کچھ ملے گا یا نہیں؟

(۶) بکر نے اپنی جائیداد میں سے ایک حد تک اپنے یتیم پوتوں (غیر وارث رشتہ دار) کیلئے جانکاری نہ ہونے کے سبب وصیت نہیں کی اس کو اب پورا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آخر یتیم کی پرورش کون کریگا۔ پرورش کے لئے شرعی قوانین کے تحت کس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

(۷) زید کی ماں یعنی یتیم پوتوں کی دادی یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنی جائیداد اپنے یتیم پوتوں کے لئے وصیت کردے یہ وصیت کس حد تک کی جاسکتی ہے؟

(۸) کیا دادی اپنے یتیم پوتوں کے نام اپنی کل جائیداد لکھ سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی ایم ایس عالم اورنگ آباد بہار۔

الجواب

آپ نے بکر کے جو وارث ذکر کئے ہیں ان میں بیوی اور لڑکے لڑکیاں صحیح وارث ہیں دونوں یتیم بچے مجوب ہیں۔ بہو خسر کی وارث ہی نہیں۔ اسلئے بکر کی پوری جائیداد کو آٹھ حصہ کرکے ایک حصہ بیوی کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں اور دو دو حصہ دونوں لڑکوں کو دیا جائے گا۔ زید چونکہ پہلے ہی انتقال کرگیا ہے اسلئے یہ بھی وارث نہیں۔

(۲) زید کی اپنی جائیداد ہو تو اس کے انتقال کے بعد اس جائیداد سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے جو زید کے ذمہ ہو اور جو بچے اس کے ۲۴ رحصہ کر کے ۴ رحصہ ماں کو اور چار حصہ باپ کو ۳ رحصہ بیوی کو اور بقیہ پورا مال دونوں لڑکوں کو دیا جائے گا بھائیوں اور بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۳) یہ وصیت باطل ہے حدیث شریف میں ہے۔ "لا وصیة لوارث"

(مشکوۃ کتاب الفرائض ۱/۵۵۶)

(۴،۵) کا حکم پہلے اور دوسرے جواب سے ظاہر ہے۔

(۶) بکر سے جو چوک ہوئی اب اس کے ترکہ میں سے اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ یتیموں کی پرورش اس مال سے ہوگی جو انہیں ان کے باپ کے ترکہ سے ملا ہے۔ ہاں ان کے پاس مال نہ رہ جائے۔ اور محتاج ہوں تو انکا نان ونفقہ شرعاً زید کے دونوں بھائیوں پر ہوگا (یعنی چھوٹا بھائی فی الوقت بچے جس کی پرورش میں ہے اور بڑا بھائی جو علاحدہ رہ رہا ہے)

(۷۔۸) دادی کا خیال مبارک ہے۔ لیکن وصیت کرنے میں پوتوں کا کوئی خاص بھلا نہ ہوگا مضبوط طریقہ یہ ہوگا کہ وہ زید اور بکر دونوں کے ترکہ سے اپنا حصہ علیحدہ کرلے اور اسے اپنی صحت وسلامتی کے عالم میں اپنے یتیم پوتوں کو دیکر اس پر چچا اپنے چھوٹے لڑکے کا قبضہ کرادے اور جائیداد غیر منقولہ ہو تو پوتوں کے نام ان کی رجسٹری بھی ضرور کرادے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ

(۹۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

جناب عبدالرب خاں نے اپنی زندگی میں اپنے چار لڑکوں کے درمیان اپنی پوری جائداد کو تقسیم کر دیا اور ان لوگوں کا نام ذیل میں درج ہیں۔

(۱) ظہیر الدین (۲) نصیر الدین (۳) نجم الدین (۴) قطب الدین نیز سب بھائی اپنے اپنے حصے پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد عبدالرب خان کا انتقال ہو گیا۔

بعدہ قطب الدین خان کا انتقال ہوا اور انکی دو شادی ایک شادی سے صرف ایک لڑکی اور دوسری شادی سے کوئی اولاد نہیں لھذا انھوں نے بوقت موت تین بھائی اور دو بہن، ایک لڑکی اور ایک بیوی کو چھوڑا نیز موجودہ بیوی کی یہ لڑکی نہیں ہے بلکہ پہلے بیوی کی لڑکی ہے اب سوال یہ کہ از روئے شرع قطب الدین کی جائداد کا کن کو کتنا حصہ ملتا ہے واضح فرمائیں۔ السائل، ظہیر الدین خان گھوسی مئو

الجواب

صورت مسئولہ میں جب کہ عبدالرب خان صاحب نے اپنی پوری جائداد اپنے لڑکوں میں تقسیم کر کے انکا قبضہ کرادیا تو ہبہ مکمل ہو گیا اور چاروں بھائی اپنے حصہ کے مالک ہو گئے اب کہ قطب الدین خان کا انتقال ہوا تو وارثوں میں صرف ان کی جائداد تقسیم ہوگی جو ملی وہ بھی اور انہوں نے کما کر اس میں کچھ اضافہ کی وہ بھی! تقسیم کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان کی کل جائداد کے ۶۴ حصے کر کے ۳۲ حصے ان کی لڑکی کو ملیں گے اور آٹھ حصے ان کی موجودہ بیوی کو ملیں گے اور بقیہ ۲۴ حصہ میں چھ چھ حصے ان کے تینوں بھائی پائیں گے اور تین تین حصے انکی دونوں بہنوں کے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۹۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) انتقال ہوا جمعراتی کا انھوں نے چھوڑا اپنی زوجہ اور دو لڑکے بچن اور رفیق احمد کو پھر زوجہ جمعراتی نے نکاح ثانی کیا شبراتی سے پھر انتقال ہوا شبراتی کا اور انہوں نے چھوڑا دو لڑکے علی احمد اور الطاف کو اور زوجہ کو پھر انتقال ہوا زوجہ مذکور کا اور انہوں نے چھوڑا اپنے چار مذکورہ لڑکوں کو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شبراتی، جمعراتی، اور ان دونوں کی زوجہ کا ترکہ ان کے وارثین پر کس طرح تقسیم ہو کیا جائے گا۔

(۲) یہ واضح کردیا جائے کہ جمعراتی یا شبراتی کے ترکہ سے مذکورہ وارثین کو کتنا کتنا حصہ ملے گا۔

المستفتی، عبدالجبار مقام وپوسٹ بلیا ضلع مئو

الجواب

صورت مسئولہ میں جمعراتی کی کل جائداد کا آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو ملے گا اور بقیہ میں آدھے آدھے کے ان کے دونوں لڑکے مسمیٰ بچپن اور رفیق احمد مالک ہونگے اسی طرح شبراتی کے ترکہ میں بھی آٹھواں حصہ ان کی زوجہ اور بقیہ میں آدھا آدھا ان کے دونوں لڑکوں علی احمد اور الطاف کو ملے گا۔

پھر زوجہ مذکورہ کے ترکہ میں یہ چاروں برابر کے شریک ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

(۹۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی کو کچھ جائداد اس مضمون کے ساتھ رجسٹری کردیا کہ میرے مرنے کے بعد جو تمہارا حق زوجیت ہوگا وہ تمہیں دے رہا ہوں اور اس جائداد پر قابض ودخیل بھی بنادیا اس کے چند سال کے بعد زید کا انتقال ہو گیا اور اس نے وارث چھوڑا ایک علاتی بہن اور تین چچا زاد بھائی

اور وہی بیوی جس کو اپنی زندگی میں حق زوجیت مضمون کے ساتھ کچھ جائیداد دیدیا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے وارثین میں کس کو کتنا ملے گا؟

میت۔ بیوی۔ علاتی بہن۔ چچازاد بھائی زید

کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی کو بھی متروکہ جائیداد سے حصہ دیا جائے گا بلکہ ان کو اپنی زندگی میں حق زوجیت دیدیا تھا اثبات ونفی میں جواب وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ وارثین کے درمیان جو تنازع ہے وہ ختم ہو جائے۔ مثلاً زید کے پاس آٹھ بیگہ زمین تھی اس نے اپنی زندگی میں چوتھائی حصہ دو بیگھا اپنی بیوی کو لکھ دیا اس کے بعد چھ بیگھہ زمین زید کے مرنے کے بعد صرف بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم ہو یا پھر دوبارہ ان کی بیوی کو متروکہ جائیداد سے حصہ ملے گا؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

فقط والسلام المستفتی، میر محمد اشرفی سربیلہ سہرسہ بہار۔

الجواب

فتاوی رضویہ میں ہے۔ وارث۔ اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل اور بے اثر ہے اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامند ہو جائے تو اب صحیح ہو جائیگی پس صورت مسئولہ میں اگر بیوی اور دیگر ورثاء زید کے اس عمل پر راضی ہوں تو جس قدر زید نے اپنی زندگی میں اس کو میراث کے نام سے دیا ہے وہ اس کے لئے چھوڑ دیں اور بقیہ حصہ کو چھ جگہ کر کے تین حصے زید کی علاتی بہن کو دیدیں اور ایک ایک حصہ تینوں چچیرے بھائی لے لیں۔ اور اگر زید کے معاملہ پر راضی نہ ہوں تو زید نے جو حصہ بیوی کو دیا ہے اسے بھی میراث میں شامل کر کے جمیع شرکاء کو ۱۲ر حصہ پر تقسیم کر کے تین حصے بیوی کو دیدیں چھ حصے بہن کو اور ایک ایک حصہ تین بھائی لے لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۷ر ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

(۹۳) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

نبی بخش مرحوم جس مکان میں تھے وہ غیر مزروعہ زمین تھی اور پشت ہا پشت قبل سے اس زمین پر رہتے آرہے تھے اس زمین کی ملکیت سوائے اس کے کہ نبی بخش کا اس پر قبضہ تھا کوئی دوسرا کاغذی ثبوت نہیں ہے کیونکہ یہ غیر مزروعہ یعنی بے لگان زمین ہے۔

اس زمین پر جب مکان بوسیدہ بلکہ منہدم ہو گیا تو نبی بخش مرحوم کے لڑکے نے از سر نو مکان بنوایا مکان بنواتے وقت پڑوسی نے اس زمین پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا چنانچہ اس سلسلہ میں مقدمہ ہوا اور مقدمہ

کا فیصلہ نبی بخش مرحوم کے لڑکے کے حق میں ہوا کہ یہ زمین محمد صابر علی کی ہے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ نبی بخش مرحوم کے نواسہ مذکورہ زمین پر اپنی والدہ کے واسطہ سے حق وحصہ والد مرحوم کے بنوائے مکان میں اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں ایسی شکل میں نبی بخش مرحوم کے نواسہ کا حق وحصہ ہوگا یا نہیں؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں جواب سے مطلع کریں فقط والسلام

المستفتی، محمد ثاقب حسین

الجواب

بنجر زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو اس پر جو مکان بنالے اور آباد کر لے وہی اس کا مالک ہے حدیث شریف میں ہے "من عمرا رضاً لیست لاحد فھو احق" (مشکوۃ :باب احیاء الموات والشرب ۱/۵۴۰) تو شرعاً وہ مکان اور زمین نبی بخش کی ہوگی وران کے بعد ورثاء اس کے مالک ہونگے۔

اور جب کہ نبی بخش کے لڑکے نے بقیہ وارثوں کا حصہ اپنی زندگی میں ادا کر دیا جس کا اقرار ان کے وارثوں نے کیا اگر اس بات کے شرعی گواہ موجود ہوں جیسا کہ سوال میں تحریر ہے تو اب اس جائداد میں کسی کا حصہ نہیں وہ صرف محمد علی کی مانی جائیگی کہ "المرء ماخوذ باقرارہ" اور ان کے بعد ان کے لڑکے ثاقب حسین کی گواہی کہ محمد علی نے اپنے والد کے وارثوں کا حق دیا ہے اس بات کے اگر شرعی گواہ موجود ہوں تو رجسٹری کی کچھ ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو،

(۹۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

حاجی ولی اللہ مرحوم کے چھ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں حاجی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ایک لڑکے کو ایک قطعہ زمین خرید کر کے اور اس کو بنوا کر دیدیا وہ لڑکا اس میں اپنی بال بچوں سمیت رہنے لگا ایک اور لڑکا بھی حاجی صاحب کی موجودگی میں علیحدہ ہو کر اسی مکان میں رہنے لگا باقی چار بچے حاجی صاحب کے ساتھ رہتے تھے اور کاروبار بھی کرتے تھے اور آج تک کرتے چلے آئے حاجی صاحب کا اچانک انتقال ہو گیا، انتقال ہوئے عرصہ دراز ہوا اب بٹوارے کی نوبت آگئی ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ حاجی صاحب کے مکان اور ان کے مذکورہ کاروبار میں از روئے شرع کون لوگ حقدار ہونگے جو بچے علیحدہ ہیں وہ کاروبار اور مکان میں حقدار ہونگے یا نہیں۔

حاجی صاحب نے اپنے انتقال کے بعد چھ لڑکے عین الدین، شمس الدین، قمر الدین، بدر الدین سراج الدین، امام الدین۔ دو لڑکیاں زیب النساء، بدر النساء کو چھوڑا۔

المستفتی، شمس الدین پورہ رانی مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب

صورت مسئولہ کے کئی رخ ہیں اور ہر رخ کا حکم علحدہ ہے ذیل میں ہم بقدر ضرورت اس کی تفصیل تحریر کرتے ہیں۔

(۱) جو بچے باپ سے علحدہ ہوتے ہیں باپ کبھی تو ان کو یونہی الگ کر دیتا ہے کچھ بھی نہیں دیتا اور کبھی کچھ دے بھی دیتا ہے اور یہ دینا لڑکے کی مدد کے لئے ہوتا ہے اپنی میراث سے اس کا حصہ سمجھ کر نہیں دیتا ہے اور حصہ کہکر دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ان دونوں صورتوں میں لڑکا علحدہ ہو کر جو کماتا ہے وہ اسی کی ملکیت ہوتی ہے اس میں باپ یا بھائیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے عقود الدریہ میں ہے " سئل فی ابن کبیر ذی زوجة وعیال له کسب مستقل حصل به اموال هل هی لوالده اجاب لابن حیث له کسب مستقل واماقول علمائنا لکون کله للاب فمشروط کما یعلم من عباراتهم بشروط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وکون الابن فی عیاله فاذا عدم واحد منها لا یکون کسب الابن للاب " ایک بال بچے دار بڑے لڑکے کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنا علحدہ کاروبار کر رہا تھا اور اس سے سرمایہ بنایا۔ کیا لڑکے کی کمائی باپ کی ہوگی جواب دیا کہ نہیں جب لڑکا مستقل کاروبار کر رہا تھا تو کمائی اسی کی ہوگی اور جو ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ کمائی باپ کی ہوگی اس کے لئے تین شرطیں ہیں نمبر ایک کاروبار ایک ہو (۲) لڑکے یا باپ میں سے مال کسی ایک کا نہ ہو بلکہ دونوں ہی محنت ومزدوری کر رہے ہوں (۳) لڑکا باپ کی پرورش میں ہو اور اسی کے ساتھ رہتا ہو ان تین باتوں میں سے کسی ایک میں کمی ہوئی تو کل کمائی لڑکے کی ہوگی۔

لڑکے باپ کے ساتھ اس کی پرورش میں ہوں اور باپ کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہوں تو وہ باپ کے مددگار سمجھے جائیں گے اور جو کچھ سرمایہ جمع ہو سب باپ کا سمجھا جائے گا فتاویٰ خیریہ اور عقود الدریہ میں ہے۔

"حیث کان من جملة عیاله والمعین له فی اموره واحواله فجمیع ماحصله بکده وسعیه فهو ملک خاص لابیه لا شئ له فیه حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال فانه فی ذالك لابیه معین "

اور جس صورت میں لڑکے باپ کے عیال میں ہوں اور ہر کام میں والد کا ہاتھ بٹاتے ہوں تو اولاد کی محنت وکوشش سے بھی جو کچھ حاصل ہوا سب والد کا ہوگا اور لڑکے صرف مددگار مانے جائیں گے۔

والد کے انتقال کے بعد وہ پوری جائداد وارثوں میں شریعت کے موافق تقسیم ہوگی اگر والد کے انتقال کے فوراً بعد تقسیم نہ ہوا اور لڑکے مل کر کام کرتے رہے اور سرمایہ میں اضافہ ہو تو اس میں بھی حصہ

رسدی سب شریک ہونگے اور پوری جائداد تمام بھائیوں میں حسب تقسیم شرعی بانٹی جائے گی۔ شامی میں ہے:" وکذا لو اجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرأی " (کتاب الشرکة:۳۹۲/۶) بچے جب باپ کے ترکہ میں مل جل کر کام کریں اور میراث میں اضافہ ہو جائے تو گو کام کسی نے کم کیا ہو اور کسی نے زیادہ سب برابر کے شریک ہونگے۔

(۳) باپ سے لڑکوں کے علحدہ ہونے کی اک صورت یہ ہوتی ہے کہ باپ اپنے کسی ایک لڑکے یا چند لڑکوں کو اپنی زندگی میں ہی یہ کہہ کر علحدہ کر دیتا ہے کہ میرے انتقال کے بعد کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو اس لئے میں تم کو اتنا مال یا جائداد تمہارے حصہ کے عوض دیدیتا ہوں چاہے کم پڑے یا زیادہ اب تم کو میری میراث سے کوئی سروکار نہیں میرے مرنے کے بعد میرا ترکہ میرے دوسرے لڑکوں اور وارثوں کو ملے گا اور لڑکا تسلیم کر کے اور مال لیکر علحدہ ہو جاتا ہے اس کو تحریم کہتے ہیں۔

شریعت میں اس صورت کا حکم یہ ہے کہ مورث کے مرنے کے بعد دونوں فریق یعنی جن کو علحدہ کیا اور جن کو میراث دی دونوں والد کی اس تقسیم پر راضی ہوں تو اسی کو نافذ کر دیا جائیگا اور دونوں میں سے کوئی ناراض ہو تو یہ معاملہ تحریم باطل قرار دیا جائیگا اور الگ ہونیوالے والد سے ملنے والا مال اور اس سے پیدا ہونے والا منافع اور اور دیگر ورثہ پوری جائداد اور بعد میں اس پر بڑھا ہوا منافع لاکر جمع کریں اور سارے سرمایہ کو تمام شرکاء پر حسب تقسیم شرع تقسیم کیا جائے " ان المریض اذعن لواحدٍ من الورثة شیئا کا لدار علی ان لا یکون له فی سائر الترکة حق یجوز وقیل هذا اذا رضی ذاك الوارث به بعد موته حینئذٍ یکون تعین المیت کمثل الباقی " (جامع الرموز)

سوال میں جو صورت مذکور ہے اس کا تعلق دوسری قسم سے نہیں کیوں کہ وہاں وہ صورت ہے کہ مورث کے سب لڑکے مل جل کر والد کے ساتھ کام کر رہے ہیں پس اگر پہلی صورت ہے کہ والد نے ایک لڑکے کو مکان بنوادیا یا وہ صورت ہے کہ کچھ نہیں دیا جیسا کہ سوال میں ہے کہ دوسرے لڑکے نے اپنی کمائی سے مکان بنوایا تو ایسی صورت میں دونوں ہی لڑکوں کا حصہ اس مال وجائداد میں بھی ہوگا جو حاجی ولی اللہ صاحب اور ان کے چاروں بچوں نے ان کے ساتھ مل جل کر کمایا اور ان دونوں بھائیوں نے جو کمایا اس میں بقیہ بھائی بہنوں کا کوئی حصہ نہیں اور اگر تیسری صورت ہو کہ اس ایک لڑکے کا مکان بنواتے وقت کہا ہو کہ یہ تیرا حصہ ہے اب میرے بعد میری میراث میں سے تجھکو کچھ نہ ملے گا اور حاجی صاحب کے اس حصے داری پر سب رضامند ہوں تو صرف اس کو حاجی صاحب کے میراث سے کچھ نہیں ملے گا حاجی صاحب نے اپنی زندگی میں جو دیدیا دے دیا اور اگر اس تقسیم پر دونوں فریق یا کوئی ایک فریق راضی نہ ہو تو حاجی صاحب

کے دیئے ہوئے پیسہ سے جو کمایا اس پیسہ اور مکان کے ساتھ پیش کرے اور حاجی صاحب اور ان کے بچوں نے ملکر جو پیدا کیا سب یک جا کر کے رشتہ داروں پر حسب حصہ شرعی تقسیم کیا جائے۔ سوال میں جن وارثوں کا ذکر ہے اگر اتنے ہی وارث ہیں تو جس صورت میں مکان چاہنے والا لڑکا وارث نہ ہوا حاجی صاحب کی کل جائداد کے بارہ حصہ کر کے پانچ لڑکوں کو دو دو حصہ اور دو لڑکیوں کو ایک ایک حصہ دیا جائیگا اور یہ ہے وہ صورت ہے کہ حاجی صاحب نے اس لڑکے کو اپنی زندگی میں ترکہ دیکر علیحدہ کیا اور حاجی صاحب کے اس فعل پر سب راضی ہوں اور اگر راضی نہ ہوں تو اس لڑکے نے حاجی صاحب کے سرمایہ سے جو کمایا اور جو کچھ حاجی صاحب نے چھوڑا یا بڑھایا سب یکجا کر کے کل مال کا چودہ حصہ کیا جائے دو دو حصہ چھ بھائیوں کو اور ایک ایک حصہ دونوں بہنوں کو دیا جائے اور اگر یہ صورت ہو کہ ایک بھائی کو تو کچھ دیا ہی نہیں اور دوسرے بھائی کو دیا تو مگر تحفہ اور امداد کے طور پر دیا تو اس صورت میں صرف حاجی صاحب اور ان کے ساتھ چار بچوں والی کمائی کو چودہ جگہ تقسیم کر کے سب بھائی بہنوں کو اسی حساب سے دے دیا جائے جو اوپر مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

(۹۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

حکیم نور محمد ولد عبداللہ ساکن محلہ عالم پورہ حلقہ آدمپورہ بنارس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا اس وقت عورت حاملہ تھی عورت کا میکہ محلہ لادھن پورہ مکان نمبر ۲۴/۲۲ جے تھا وہیں لڑکا پیدا ہوا تاریخ پیدائش ۸ ستمبر ۱۸۹۸ء ہے والد کا نام حکیم نور محمد ولد عبداللہ ساکن محلہ علم پورہ حلقہ آدم پورہ بنارس پیدائش کی رسید میں یہ بھی اندراج ہے بعد میں حکیم نور محمد کی مطلقہ بیوی کا دوسرا نکاح نور محمد ولد منی سے ہوا ساکن نیا پورہ پھلوریہ بنارس شادی ہونے کے بعد نور محمد ولد منی کی بیوی جو لڑکا میکہ میں پیدا ہوا تھا اس کو لیکر موجودہ شوہر کے گھر آئیں اس لڑکے کا نام غلام محمد تھا اس کے حقیقی والد کا نام حکیم نور محمد تھا مسماۃ مذکورہ کو نور محمد ولد منی کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام رمضان ومحمد حسن ولد نور محمد منی ہے یہی دونوں لڑکے نور محمد ولد منی کے ذکور اولاد سے ہیں ان کی پیدائش مکان نمبر A33/75 میں ہوئی واقع محلہ نیا پورہ پھلوریہ بنارس بعدہ نور محمد ولد منی کے اپنی جائداد 8330/175 واقع پھلوریہ بنارس اپنے دونوں لڑکے مسمیٰ رمضان ومحمد حسن ولد نور محمد ولد منی ذکور واولاد سے ہیں اور غلام محمد جو حکیم نور محمد کی اولاد ہیں ان تینوں افراد کے نام اپنا مکان 833/175 ۲۵ جون ۱۹۶۶ء کو ہبہ وبخشش کردی تا کہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہووے مکان کا کوئی بٹوارہ یا تقسیم نہ اس وقت ہوا تھا اور نہ حال میں کوئی بٹوارہ تقسیم نامہ اب تک ہوا ہے غلام محمد کے حکیم نور محمد ہی حقیقی والد ہیں غلام محمد کی والدہ غلام محمد کو لیکر ہمارے یہاں آئیں اس کی صراحت شجرہ ذیل ظاہر ہوگی۔

رمضان کے مورث اعلیٰ　　منّی - نور محمد - رمضان، محمد حسن لاولد فوت

رمضان:- خیر النساء، قریشاء، میمن النساء، لیلن النساء، نور الدین، شمس الدین

غلام محمد کے مورث اعلیٰ۔

عبداللہ - حکیم نور محمد - غلام محمد، محمد عمر، عابدہ، فاطمی۔

غلام محمد:- منّی، فضیلت، عبدالحق،

(۱) غلام محمد نے اپنے حقیقی والد حکیم نور محمد ولد عبداللہ ساکن عالم پورہ کی جائداد پر اپنا نام چڑھانے کی غرض سے میونسپلٹی بنارس میں تیس جولائی ۱۹۳۶ء کو ایک درخواست داخل کی ہے اس میں غلام محمد نے اپنے والد کا نام حکیم نور محمد لکھا ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ غلام محمد نور محمد ولد منی کے ذکور وارث میں نہیں ہے سچ یہی ہے اسکے حقیقی والد حکیم نور محمد ہیں۔

(۲) چونکہ محمد حسن ولد نور محمد لاولد فوت ہوگے محمد حسن کا حصہ کس کی طرف جائیگا اس کے سگے بھائی رمضان کو ملے گا یا غلام محمد کو یا دونوں کو مندرجہ بالا شجرہ سے محمد حسن کے حصہ کے حقدار کون ہے بینوا توجروا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمائیں۔

المستفتی، شمس الدین ولد رمضان ساکن محلہ پھلوریہ بنارس

الجواب

اس طویل بیان میں ہماری سمجھ سے سائل صرف یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ غلام محمد جو کہ محمد حسن کا اخیافی (ماں جایا) بھائی ہے محمد حسن کے لاولد فوت ہونے کی صورت میں غلام محمد کو محمد حسن کی جائداد سے کچھ حصہ ملیگا یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بر تقدیر صدق مستفتی وانحصار وارثین بر مذکورین غلام محمد کو اپنے مرحوم بھائی محمد حسن کی جائداد سے صرف چھٹا حصہ ملے گا بقیہ پانچ حصہ رمضان کو حاصل ہوگا۔ سراجی میں ہے "اولاد الام فله فاحوال ثلث السدس للواحد[باب معرفة الفروض:۱۷]" فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

(۹۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ

حافظ عبداللطیف مرحوم کے تین لڑکے ہیں حافظ عبدالستار، حاجی محمد خلیل ومحمد طیب۔ تینوں بھائیوں نے ایک ساتھ رہ کر اپنی آمدنی سے چار مکانات بنوائے دو مبارک پور میں جس میں سے ایک مکان کا مقدمہ ایک غیر آدمی سے چل رہا ہے جو حافظ عبدالستار صاحب کے نام ہے دوسرا مکان محمد طیب صاحب کے نام تھا جس کو تینوں بھائیوں نے تقسیم کرلیا تیسرا مکان کلکتہ میں اور چوتھ مکان بمبئی میں جو

حاجی محمد خلیل صاحب کے نام ہے۔ حاجی محمد خلیل صاحب کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے کا کہنا ہے کہ بمبئی اور کلکتہ والا مکان ہمارے والد کے نام ہے اس لئے ہم کسی کو نہیں دینگے۔ محمد طیب صاحب کا کہنا ہے جب کہ میرے نام والا مکان تین جگہ تقسیم ہو چکا ہے تو سب مکانات تین جگہ تقسیم ہونگے کیونکہ مکان ایک ساتھ کاروبار میں شریک رہ کر بنا ہے اور یہی اعتراض حافظ عبد الستار صاحب کا بھی ہے جواب طلب امر یہ ہے کہ جب ایک مکان تین جگہ تقسیم ہو چکا ہے تو بقیہ تینوں مکانات میں تینوں بھائیوں کا حصہ ہوتا ہے کہ نہیں شریعت کے مطابق جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی، غلام قادر علی نگر مبارک پور اعظم گڈھ

الجواب

سئل فی اخوة خمسة سعیهم و کسبهم واحد ومعاملتهم واحدة حصلوا بسعیهم و کسبهم اموالافهل تکون الاموال المذکورة مشترکة بینهم اخماساً۔ الجواب بینهم اخماساً۔

سئل فی اخوة خمسة تلقّوا من ترکة ابیهم فاخذوا فی العمل والاکتساب فیها علی قدر استطاعتهم فی مدة معلومة وحصل الربح فی المدة ورد علی الشرکة غرامة فدفعوا ها من المال فهل تکون الشرکة ما حصلوا بالاکتساب بینهم سویة ان اختلفوا فی العمل والرای کثرةو صواباً۔ نعم۔ اذ کل احد منهم یعمل لنفسه واخوته علی وجه الشرکة واجاب خیر الرملی بقوله هو بالسویة حیث لا یمیز کسب هذا من هذا ولا یختص احدهم به ولا ما علی الآخر والتفاوت ساقط کملتقط السنابل اذا اختلط ما التقطا وحیث کان کل واحد صاحبه لا یکون قول واحد منهما بقدر حصة الآخر لو کان احدهما صاحب الید و الآخر خارج واختلفا فالقول لذی الید و البینة للخارج (عقود الدریه/۹۲)

وفیه مات رجل و ترک اولا د اصغاراًو کباراً وامرأة لکبارها او من امرأ ة غیر ها فحرثه الکبار وزرعوا فی ارض مشترکة او فی الغیر کما هو المعتاد والا ولاد کلهم فی عیال المراة تعاهد هم وهم یزرعون ویجمعون الغلة فی بیت واحد ویتقوتون ذالک حملة قال صارت هذه واقعة الفتویٰ۔ واتفقت الاخوة ان زرعوا من بذرا نفسهم بلا اذن فالغلة للزارعین (۹۳)

باپ کے انتقال کے بعد اس کے چند لڑکوں کے مشترکہ طور پر باپ کے متروکہ مال میں کاروبار کرنے کی چند شرطیں ہیں سب کا رہن سہن خاندان ایک ہو، ان کی سعی و کسب مشترک ہو یعنی کاروبار ایک ہو جو کماتے ہوں سب لا کر ایک ہی میں ملا دیتے ہوں جس پر قبضہ سب کا ہو، ان بھائیوں میں سے کسی کا کسب علیحدہ ہو تو اس میں سب کا مشترکہ سرمایہ سب بھائیوں کی اجازت سے لگا ہو۔ تب حاصل کیا ہوا سرمایہ مشترکہ ہوگا سب بھائیوں کا برابر حصہ لگے گا یہ خلاصہ ہے عقو والدریہ کی مذکورہ بالا عبارتوں کا اور اگر ان

شرطوں میں سے کسی ایک میں خلل ہوا تو حکم اور ہی ہوگا اور صورت مسئولہ میں جیسا ہم کو پتہ چلا واقعہ یہ ہے کہ متوفی حاجی خلیل صاحب عرصہ سے اپنی فیملی کے ساتھ علحدہ رہتے تھے ان کے ذرائع آمدنی بقیہ بھائیوں سے الگ تھلگ اور مختلف تھے تو اس صورت میں شرکت کی بنیادی شرائط تحقق نہیں ہونگی جب تک بقیہ بھائی شرعی گواہوں سے یہ ثابت نہ کر دیں کہ سارے کاروبار ان کے والد کے متروکہ سرمایہ اور ہم سب کی اجازت اور رضامندی سے ہوئے تھے وہ گواہ نہ پیش کر سکیں اور متوفی حاجی خلیل صاحب کے ورثہ قسم کھا لیں کہ وہ کاروبار مشترکہ نہ تھا تو قسم کے ساتھ انھیں کی بات معتبر ہوگی اور دوسرے بھائیوں کو ان جائدادوں سے کچھ نہ ملے گا اور ہمیں تو یہ بھی معلوم ہوا کہ حاجی صاحب مرحوم نے اپنے ایک بھتیجہ کو اپنے پاس رکھا بھی مگر شریک بنا کر نہیں مزدور اور اجیر بنا کر۔

سوال میں جس مکان کو محمد طیب کے نام لکھا ہے وہ غالباً وہی مکان ہے جو مرحوم حافظ عبد الطیف صاحب نے بطور ترکہ چھوڑا تھا تو اس کو محمد طیب کے نام لکھنا صحیح نہیں اس کو تو مرحوم حافظ صاحب کے ورثہ میں تقسیم ہونا چاہئے اس کو ان مکانات اور جائداد پر قیاس کرنا صحیح نہیں جس کا مشترک ہونا ابھی خود بار ثبوت کا محتاج ہے اور بالفرض یہ لوگ شرکت ثابت بھی کر دیں تو چونکہ بمبئی اور کلکتہ کے مکانات متوفی حاجی محمد خلیل صاحب نے اپنے لئے خریدا تھا اس لئے ان مکانات میں سے ان بھائیوں کو کچھ نہ ملیگا ہاں اگر ان مکانوں کی خریداری میں انھوں نے مشترکہ سرمایہ کی رقم صرف کی ہو پھر تو ان بھائیوں کے حصہ کی جتنی رقم لگی ہے اس کا معاوضہ ان بھائیوں کو دلایا جائیگا بہار شریعت میں ہے اگر شرکاء میں سے بعض نے کوئی چیز اپنے لئے خریدی اور اس کی قیمت مال مشترک سے ادا کیا تو یہ چیز اسی کی ہوگی مگر قیمت چونکہ مال مشترک سے دی ہے لہٰذا بقیہ شرکاء کے حصہ کا معاوضہ انکو دینا ہوگا (حصہ دہم ۲۲) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۵ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

(۹۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ

زید اپنے انتقال سے پہلے کئی اور جائداد کا مالک تھا جب اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے دو کانوں کو بیچ دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے وارثین میں ایک بیوی ایک لڑکی اور تین لڑکے نابالغ تھے اس لئے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے آخر ایک دوکان رہ گئی تھی جو وارثین کے لئے باقی رہی لیکن لوگوں کی بری نظریں اس پر بھی رہیں ان حالات کو دیکھ کر زید کا ایک وفادار ملازم جو غیر مسلم تھا اس نے دیکھا کہ اگر میں درمیان میں نہ رہا تو اس دوکان کو بھی ضائع کر دیا جائے گا تو اس نے گاؤں کے معزز لوگوں کو بلایا جن کا تعلق زید سے ہے با واسطہ اور بلا واسطہ دونوں میں کوئی نہ کوئی تھا ان سب لوگوں کی موجودگی میں اس ملازم نے بکر کو

دوکان چلانے کے طور پر اس طور سے دی کہ بکر زید کے نابالغ بچوں کو کمائی کا کچھ حصہ دیتا رہے گا اور جب بچے بالغ ہو جائیں گے تو ان کی دوکان انہیں کے سپرد کردی جائے گی۔ بکر نے اس شرط کو قبول کرلیا اور زید کے وارثین کو کمائی کا کچھ حصہ دیتا رہا جب زید کے لڑکے بالغ ہو گئے تو انہوں نے اپنی دوکان واپس لینے کا مطالبہ کیا تو بکر دینے سے منکر ہو گیا زید کے لڑکوں نے اور لوگوں نے اس سے خوب تکرار و بحث کی لیکن بکر پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا اور بکر نے اس دوکان مغصوبہ کو اپنی اور اپنے باپ کی جائیداد سمجھتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو دیدیا بکر کا چھوٹا بھائی اس دوکان میں کاروبار کر رہا ہے چونکہ بکر صوم وصلوۃ کا پابند ہے نیز میلاد خواں بھی ہے اور امسال اپنے خاندان کے آٹھوں افراد کے ساتھ حج کو بھی گیا ہے۔
مذکورہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے عرض ہے کہ۔

(۱) دوکان کا حقدار کون ہے؟

(۲) کسی کا ناحق مال کھانا کیسا ہے؟

(۳) بکر کے بھائی کو دوکان کو زید کے وارثین کو لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۴) بکر جو فریضہ حج ادا کرنے گیا ہے اس کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

المستفتی، عبداللہ بھاکروری تارمنزل پوسٹ کمیاوی ضلع ناگور۔ راجستھان۔

الجواب

صورت مسئولہ میں وہ دوکانیں جو پہلے بیچ گئیں اگر ان کے بیچنے والے ان بچوں کے اولیاء مال نہ تھے یا غیر معمولی خساروں سے بیچی گئیں تو وہ بھی ناجائز اور جس نے خریدا اس پر ان کی واپسی یا بلوغ کے بعد ان بچوں سے معاملہ ضروری ہے اور یہ دوکان جس کو بکر اور اس کے بھائی نے قبضہ کرلیا ہے وہ تو صریح غصب ہے اور دونوں پر واجب ہے کہ فوراً اس کو واپس کریں۔ حدیث شریف میں ہے۔ من کانت له مظلمة لاحد من عرضه او شیئ فليتحلله منه اليوم قبل ان لايكون دينار ولا درهم۔ (بخاری: کتاب المظالم ۵۸۶/۲)۔ جس نے اپنے بھائی پر ظلم کیا تو قیامت سے پہلے ہی اس کا تدارک کرے ورنہ قیامت کے دن اس کا کوئی معاوضہ نہ قبول ہوگا۔ بہار شریعت میں ہے۔ مال حرام سے حج کو جانا حرام ہے اور اسی میں جس کا قرض ہے یا امانت اس کے پاس ہو ادا کردے اور جن کا مال ناحق لیا ہو واپس کردے۔ بکر اور اس کا بھائی سخت فاسق اور مجرم ہیں ان کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور ان کو امام بنانا حرام ہے جب تک کہ ان مظلوموں کا حق نہ ادا کردیں اور صحیح توبہ نہ کرلیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹ رصفر ۱۴۱۵ھ

(۹۸) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
حاجی محمد طاہر کے تین لڑکے۔ حاجی امتیاز احمد۔ ارشد احمد۔ حاجی شمشاد احمد۔ پانچ لڑکیاں اور ایک زوجہ ہیں جس میں ایک لڑکی مسماۃ فاطمہ کا انتقال ایک عرصہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ بعدہ حاجی امتیاز احمد کا بھی انتقال ہوا۔ حاجی امتیاز احمد کے انتقال کے بعد مورث اعلیٰ حاجی محمد طاہر صاحب نے اپنے حیات ہی میں بیس سال پہلے تینوں لڑکوں کو برابر رہائشی مکان بانٹ دیا اور اس میں لڑکوں نے مکان تعمیر کیا ہے۔
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حاجی محمد طاہر کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کی تقسیم ان کے وارثوں کے درمیان کس طرح ہوگی؟ جواب ازروئے شرع شریف مرحمت فرمائیں۔

المستفتی۔ احمد رضا۔ نیاپورہ خیرآباد ضلع اعظم گڑھ

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وانحصار ورثہ مذکورہ سوال متوفی حاجی محمد طاہر نے اپنی زندگی میں جس جس کو اپنی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ میں سے جتنا دیکر قبضہ کرادیا وہ اسی کا ہو گیا اب اس میں میراث جاری نہ ہوگی بقیہ جائیداد میں تقسیم ترکہ کا قانون جاری ہوگا اس طرح کی بقیہ جائداد کا آٹھواں حصہ حاجی محمد طاہر کی زوجہ کو ملے گا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد جو جائداد باقی بچی اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کیا جائے اور ایک حصہ لڑکیوں کو اور دو دو حصہ لڑکوں کو دیا جائے۔

صورت تخریج یہ ہے حاجی محمد طاہر میت۔ مسئلہ ۸ ۶۴

بیوی	ارشاد احمد	شمشاد احمد	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۹۹) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں

(۱) شیخ خلیل احمد مرحوم کے تین لڑکے۔ اسرار احمد پہلی بیوی سے ابرار احمد اور بدرالدین دوسری بیوی سے۔ والد شیخ خلیل احمد مرحوم کے انتقال کے بعد ۱۹۶۰ء میں تینوں بھائیوں نے مکان وجائیداد باہم تین حصوں میں بانٹ لیا۔ اسرار احمد کے صرف ایک لڑکی واحدہ خاتون زندہ باحیات ہے انھوں نے اپنا ایک بٹا تین حصہ اپنی لڑکی کے حق میں خفیہ طور پر وصیت کیا کہ مرے مرنے کے بعد مری لڑکی میرے حصہ کی مالک ہوگی۔

(۲) ۱۹۹۲ء میں بدرالدین کا انتقال ہوا ان کی آراضی پر ان کی بیوی فاطمہ خاتون کا نام مرحوم کے حصہ مکان پر اس کا قبضہ تھا فاطمہ نے اپنے شوہر کے نام کے بجائے اپنا نام کرالیا پھر جن آراضیوں پر بد

رالدین کا نام درج کیا اس کو اس کی بیوی فاطمہ اپنی چھوٹی بہن امیر النساء کے حق میں ہبہ کی رجسٹری کردی خبر ملی تو عدالت میں دعوی عائد کر کے امیر النساء کے نام پر اسٹے کردیا، فی الحال آراضیوں پر بیوہ فاطمہ کا نام کاشتکاری ہے نام کے حساب سے مکان وآراضی پر بیوہ فاطمہ قابض ہے۔

(۳) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسرار احمد مرحوم کی لڑکی کے حق میں وصیت اور فاطمہ خاتون کے ہبہ کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ شیخ ابرار احمد کا مرحوم بھائیوں کے حصہ میں کچھ حق ہوتا ہے یا نہیں؟

سائل شیخ ابرار احمد محلہ ڈوبن پورہ ضلع بلیا

الجواب

خلیل اللہ مرحوم کی جائداد کے بارے میں شرعی حکم معلوم کرنے سے پہلے کھیتی کی زمین کی نوعیت کا تعین ضروری ہے ہندوستان میں کاشتکاری کی زمین دو طرح کی ہوتی ہے ایک جن پر کاشتکار کو مالکانہ حق حاصل ہوتا تھا دوسری وہ جسکا کرایہ دار ہوتا تھا جب تک سالانہ مالگذاری ادا کرتا رہتا زمین کا فائدہ اٹھاتا رہتا اور جہاں مالگذاری موقوف کرتا کھیت سے بے دخل کردیا جاتا، مرحوم خلیل اللہ کی زمین جس کا ان کے تینوں لڑکوں نے بٹوارہ باہمی کیا اس کی نوعیت اگر پہلی قسم کی زمین کی ہو اور تینوں بھائی اپنی اپنی زمینوں کے بھومی دھر تھے اور سوال میں جن وارثوں کا ذکر ہے ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہوں تو ان کی پوری جائداد بشمول آراضی کاشت ان کے دونوں مرحوموں (ابرار احمد اور بدر الدین) کا ترکہ قرار پائے گی ور اس میں میراث کا شرعی قانون جاری ہوگا۔

اس صورت میں پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ متوفی اسرار احمد کی وصیت ان کی لڑکی کے حق میں شرعاً نافذ نہیں حدیث شریف میں ہے "لا وصیۃ للوارث" (مشکوٰۃ کتاب الفرائض: ۵۵۶/۱) ہاں واحدہ خاتون ازروئے وراثت مرحوم اسرار احمد صاحب کی پوری جائداد کے نصف حصہ کی وارث ہوگی آدھا کھیت میں بھی اور آدھا مکان میں بھی اور مرحوم کے حصہ کے نصف کا مالک ابرار احمد ان کا علاتی بھائی ہوگا عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں متوفی بدر الدین کی زوجہ فاطمہ خاتون کے تمام تصرفات جو انھوں نے اپنے شوہر کے حصہ میں کئے کالعدم ہونگے انکو بھی اپنے شوہر کی پوری جائداد کا، چوتھائی حصہ حق شوہری ملے گا بقیہ کا ابرار احمد مالک ہوگا اور کھیت کی نوعیت دوسری ہو یعنی وہ ان کی ملکیت نہ ہو بلکہ اجارہ کے طور پر ان کے قبضہ میں رہا ہو تو انتقال کے بعد ان زمینوں پر جس نے بھی قانوناً اپنی اجارہ داری قائم کرلی ہو اور اس میں جو کچھ قانونی تصرف کیا ہو وہی صحیح ہوگا اور کھیتوں میں تقسیم ترکہ کا قانون نافذ

نہ ہوگا صرف مسکونہ مکانات میں مذکورہ بالا تفصیل کے موافق تقسیم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ

(۱۰۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید کے چچا بکر نے تین شادی کی مگر کسی عورت سے کوئی بھی اولاد پیدا نہیں ہوئی مجبوراً بکر نے انتقال کے وقت اپنے پورے جائداد کی وصیت اپنے دوسرے بھتیجہ خالد کو کردیا اور ثبوت کے طور پر ایک تحریر بھی لکھ دیا اور زید کو محروم کردیا جب کہ خالد وزید دونوں دو ماں سے پیدا ہوئے ہیں یعنی زید کے والد نے دو شادی کی تھی ایک سے زید ہے اور دوسرے سے خالد ہے زید کیساتھ ایک بہن بھی ہے کیا زید کا حصہ بکر کے جائیداد منقولہ وغیر منقولہ میں بنتا ہے اور اگر بنتا ہے تو کتنا بنتا ہے بیان فرمایا جائے بکر اسی جائیداد کا مقدمہ غیر سے لڑرہا تھا تو زید نے اپنے چچا بکر کو کافی روپیہ دیا مقدمہ لڑنے کے لئے اور بکر مقدمہ جیت بھی گیا لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں عین۔ کرم ہوگا۔

المستفتی، محمد حنیف برکاتی محلہ بلاقی پور شہر گورکھ پور

الجواب

سوال میں ذکر کئے ہوئے لوگوں کے علاوہ بکر کا کوئی وارث نہ ہو اور سائل اپنے بیان میں سچا ہو تو بکر کی وصیت نافذ ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ زید اور اس کی بہن یہ منظور کریں کہ بکر کی وصیت کے موافق ساری جائیداد خالد کو دے دی جائے اور یہ راضی نہ ہو تو وصیت جاری نہ ہوگی حدیث شریف میں ہے "لا وصیۃ للوارث (مشکوٰۃ۔ کتاب الفرائض: ۵۵۶/۱)" اور بکر کا ترکہ پانچ حصہ میں تقسیم ہو کر ایک حصہ زید کی بہن کو اور دو حصہ خالد کو اور دو حصہ زید کو ملے گا۔

زید کا یہ خیال کہ خالد کے بھتیجہ ہونے میں شبہ ہے اور اس کی یہ دلیل کہ خالد زید کی والد کی دوسری بیوی سے ان کی اولاد ہے سب لایعنی ہے اور بے معنی ہے آخر اس طرح خالد بھی تو کہہ سکتا ہے کہ زید کے بھتیجہ ہونے میں شبہ ہے کہ وہ میرے والد کی دوسری عورت سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

(۱۰۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کے تین لڑکے ہیں عمر، بکر، خالد جس میں عمر بڑا لڑکا ہے لیکن زید نے اپنی جائیداد کو بکر وخالد کی بیویوں کو لکھ دیا اپنے بڑے لڑکے عمر کو حصہ سے محروم کردیا اس کے بعد چھ ماہ تک وہ اپنے لڑکے بکر وخالد کے پاس رہا جب کاغذات درست ہوگئے تو دونوں لڑکے یعنی بکر وخالد نے کہا کہ آپ اپنے بڑے لڑکے عمر

کے پاس چلے جایئے آپ کی دیکھ ریکھ یہاں کون کریگا؟ ساتھ ہی تکلیف دینے لگے۔ بڑا لڑکا آتا جاتا رہا تو زید نے بڑے لڑکے سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا تو ساتھ میں آئے اٹھارہ دن کے بعد کہا کہ ہم نے اپنی جائداد اپنے دو بہوؤں کے نام لکھ دیا ہے اس کے بعد زید نے کہا کہ ہم نے بہت بڑی غلطی کی اللہ کے یہاں ہماری پکڑ ہوگی لہٰذا تم چلو کورٹ میں ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارا حصہ مل جائے لہٰذا زید کے دعویٰ کرنے کے بعد ساڑھ پانچ سال عمر خالد اور بکر سے مقدمہ لڑا آخر صلح پر بات طے ہوگئی کہ تم اپنے حصہ کا عوض لیلو۔ لہٰذا بکر وخالد نے اپنے بڑے بھائی عمر کو عوض دے دیا، انھوں نے عمر سے لکھوالیا کہ اب ہم سے اس جائداد سے سروکار نہیں کسی عمر کو جو حصہ یا عوض ملا بعد میں اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں زید کی آخرت میں پکڑ ہوگی یا نہیں باپ کو کس لڑکے کو اپنی جائداد سے محروم کرنے کے بعد دوبارہ دینے کا حق ہے یا نہیں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے بینوا وتوجروا۔ المستفتی، محمد درگاہی ساکن گولہ بازار گورکھ پور

الجواب

زندگی میں لڑکوں کے درمیان ہبہ میں تفریق کرنا ظلم اور زیادتی ہے حدیث شریف میں ہے " لا اشهد على الزور (بخاری:۳/۲۲٤) " تو خالد اور بکر مل کر جب زید سے عمر پر ظلم کرا رہے تھے تب ان کو شریعت ومسئلہ نہیں سوجھا اب جب ان پر زد پڑی تو شریعت مطہرہ کا حکم پوچھ رہے ہیں بکر اور خالد نے عمر کو اس کے حصہ کا جو معاوضہ دیا وہ اپنے اختیار اور رضا مندی سے ہے اس لئے عمر کو اس کا لینا روا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

(۱۰۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ

زید وعمر بہت دنوں تک آپس میں سود کا کام کرتے تھے اتفاق ایسا ہوا کہ زید نے عمر کو سود پر کچھ روپیہ دئے، لین دین میں کچھ فرق پڑنے پر زید نے اپنے روپیہ کے لئے کورٹ میں عمر کے خلاف مقدمہ دائر کردیا۔ اسی عوض میں عمر کی ایک زمین قرق کرلی گئی بعد میں جو کورٹ نے فیصلہ دیا زید کے حق میں کہ اس میں سے کچھ حصہ زمین کا زید کو بھی ملے۔ لیکن یہ لوگ آپس میں طے نہ کر پائے اور اسی درمیان میں ان دونوں کا انتقال ہوگیا۔ اب دونوں کے وارثان آپس میں صلح کرکے اس زمین میں سے جو زید کے حصہ کی ۲۰ رفٹ زمین ہے وہ زید کے لڑکے ایک مسجد میں وقف کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ عمر کے لڑکے بھی ۵ رفٹ زمین مسجد کو وقف کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں شریعت محمدیہ کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ اگر قرآن وحدیث کی رو سے کوئی سبیل ہو تو واضح کریں تاکہ وہ زمین جو مسجد کے متصل ہے مسجد میں شامل کرلیا جائے۔ المستفتی محمد حسنین انصاری مقام وپوسٹ برہم بازار پٹھان ٹولہ ضلع دیوریا یوپی

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی زید کے لڑکوں نے عمر کے لڑکوں سے پائی ہوئی ۲۰ رفٹ زمین جو مسجد پر وقف کی ہے اگر عمر کا لڑکا بھی اپنی زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے زید کے لڑکے کے اس وقف کو جائز کیا۔ تو اس زمین کو مسجد میں شامل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور شرعی قباحت نہیں بلا شبہ اس پر مسجد بن سکتی ہے کتب فقہ میں ہے:" كل عقد صدر عن فضولي له مجيز حال العقد انعقد موقوفاً "۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۱۰۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

عبدالغنی نے انتقال کیا اسنے اپنی بیوی مسماۃ دولت اور دو لڑکیاں آمنہ اور سائرہ کو چھوڑا۔

میت عبدالغنی	ورثاء	زوجہ دولت	بیٹی آمنہ	بیٹی سائرہ

پھر دولت نے اپنا نکاح ثانی عبدالحق سے کیا جس سے ایک لڑکی مسماۃ خاتون پیدا ہوئی۔ مسماۃ دولت کی دو لڑکیاں جو زوج اول سے تھیں۔ آمنہ۔ سائرہ۔ عبدالحق ہی کے گھر پرورش پائیں پھر عبدالحق کا انتقال ہوگیا۔ اس نے ایک لڑکی خاتون اور زوجہ مسماۃ دولت اور دولت کی دو لڑکیاں آمنہ اور سائرہ کو چھوڑا۔

متوفی عبدالحق	ورثاء	زوجہ	بنت
		دولت	خاتون

دولت نے تیسرا نکاح احمد اللہ سے کیا جس سے ایک لڑکی میمونہ پیدا ہوئی پھر احمد اللہ کا انتقال ہوگیا۔

میت احمد اللہ	زوجہ	بنت
	دولت	میمونہ

احمد اللہ کا انتقال تقریباً بیس سال بعد مسماۃ دولت کا بھی انتقال ہوگیا۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبدالغنی۔ عبدالحق۔ احمد اللہ کے ترکہ سے مسماۃ دولت اور دولت کی مذکورہ لڑکیاں کتنے حصہ کی حقدار ہوں گی۔ از روئے شرع تحریر فرمائیں۔ المستفتی محمود الحق ادروی

الجواب

صورت مسئولہ میں مسماۃ دولت کو اپنے تینوں شوہروں کی جائداد سے آٹھواں آٹھواں حصہ ملے گا۔ تینوں شوہروں کے ترکہ کی جو دولت کو ملے گا مجموعی مالیت روپیہ میں چھ آنہ ہوگی۔

اور آمنہ اور سائرہ کو اپنے والد عبدالغنی کے ترکہ سے سات سات آنے ملے گا۔ خاتون عبدالحق کے ترکہ سے چودہ آنے پائے گی، اسی طرح میمونہ اپنے والد احمد اللہ کے ترکہ سے چودہ آنے پائے گی۔

ان چاروں کی والدہ کا ترکہ چھ آنہ جو اسکے شوہروں سے ملا تھا۔ چاروں بہنوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ آنہ برابر ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۰ر صفر ۱۴۰۵ھ

(۱۰۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(الف) زید کے دو سگے بھتیجے ہیں اور ایک سوتیلے، چچا اس کے عصبات اور ذوی الفروض میں سے کوئی نہیں ہے تو زید کی وراثت وارثین (موجودین) پر کیسے تقسیم ہوگی؟

(ب) بکر کے لڑکے اور لڑکیاں ہیں اس کے باوجود اس نے اپنے دو سوتیلے بھتیجے کو اپنی جائداد کا ایک حصہ دیدیا۔ دی ہوئی جائداد سے زیادہ پردہ جابرانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور بکر کے بچوں کو ناحق پریشان کررہے ہیں جو نا قابل برداشت ہے۔ تو کیا بکر اپنی موجودگی میں دی ہوئی جائداد واپس لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی: خورشید علی انصاری آغا دریا خاں شہر بستی

الجواب

(الف) بر تقدیر صدق مستفتی صورت مسئولہ میں زید کا ترکہ اس کے دونوں بھتیجوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا اور چچا محجوب ہوگا۔

(ب) اگر اب تک جائداد موہوبہ پر بکر نے بھتیجوں کا قبضہ نہ کرایا ہو تب تو ہبہ صحیح ہوا ہی نہیں اور قبضہ کرادیا ہو تو شرعا اس کی واپسی جائز نہیں کہ یہ بھتیجے اس کے ذی محرم ہیں اور ذی محرم کو ہبہ کرکے واپس کرنا ممکن نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲ر ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ

(۱۰۵۔۱۰۶) **مسئلہ** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) زید کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ آج سے تقریبا آٹھ سال قبل زید نے کسی بناء پر اپنے دوسرے لڑکے کو بغیر کچھ پیسہ دیئے ہوئے صرف رہنے کا مکان دیکر الگ کردیا اور بقیہ اپنے چار لڑکوں کے ہمراہ کاروبار کرتا رہا۔ زید کا دوسرا لڑکا جو الگ ہے اس نے اپنی محنت ومشقت سے ایک معتد بہ جائداد بنالیا ہے۔ اب زید اپنی جائداد کو اپنے سبھی لڑکوں کے مابین تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ دریں صورت زید اپنے دوسرے لڑکے کی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ ملاکر تقسیم کرے گا یا کوئی اور صورت ہوگی ابھی بھی دوسرا لڑکا الگ ہی ہے مزید براں بطور گزارہ والدین بھی ایک حصہ لینا چاہتے ہیں۔ اس طرح مع والدین ۹ر نو ہوگئے مذکورہ بالا صورت میں شرعا کیا طریقہ کار ہوگا۔

(۲) زید اپنے چند لڑکوں کے مابین جائداد کو تقسیم کیا جس میں ایک بچہ نابالغ تھا تو زید کے بڑے لڑکے نے نابالغ بھائی کو اس کا پورا حصہ لے کر اپنی کفالت میں لیا ہے اور اس حصہ کو اپنے حصہ کے ساتھ

ملاکر پرورش کرتا رہا۔ اب وہ شادی شدہ ہوگیا ہے بعد شادی وہ الگ ہونا چاہتا ہے، دریں صورت اس وقت اس کا بڑا اس کو کتنا حصہ دے گا۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: حاجی محمد اسماعیل قصبہ مہراج گنج اعظم گڑھ

الجواب

(۱) صورت مسئولہ میں جو جائداد لڑکے نے والد سے الگ ہوکر اپنی محنت سے جمع کیا اس کا مالک لڑکا ہے باپ کو اس میں تصرف کرنے کا حق ہے نہ والد اس کی جائداد کو اپنی جائداد میں ملاکر تقسیم کرسکتا ہے۔ تنقیح فتاوی الحامدیہ میں ہے: "فهو مشروط كما يعلم من عبار اتهم بشروط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وكون الابن فى عيال فاذا عدم واحد منها لايكون كسب الابن للاب"

ہاں خاص اپنی جائداد میں والد اپنی زندگی میں جو تصرف چاہے کرسکتا ہے۔ چاہے تو حصہ کرکے ایک حصہ اپنے لئے اور بقیہ حصہ لڑکوں لڑکیوں کے لئے۔ چاہئے کل اولاد میں ہی برابر تقسیم کرے اور یہ بھی کرسکتا ہے کہ ایک لڑکے کو جو مکان دے چکا ہے اب بقیہ جائداد میں حصہ لگاتے وقت اس کو اتنا کم دے۔

عامہ کتب فقہ میں ہے: "للمرء ان يتصرف فى ملكه كيف يشاء"

(۲) ایسی صورت میں ظاہر یہی ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے حصہ میں جو اضافہ ہوا اصل اور اضافہ دونوں ہی میں دونوں بھائیوں کا نصف نصف ہوگا۔ بہار شریعت میں شامی کے حوالہ سے ہے ہندوستان میں ایسا ہوتا ہے کہ باپ کے مرجانے کے بعد بیٹے یکجا کام کرتے ہیں اور ترکہ پر قابض ہوتے ہیں۔ اس صورت میں جو کچھ کاروبار اور تجارت کے ذریعہ اضافہ کرینگے سب برابر شریک ہونگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

(۱۰۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

عبدالقدوس اور عبدالمنان دو سگے بھائی تھے۔ عبدالقدوس کو شرپسند بدمعاش نے زمین کے معاملات کے تحت قتل کردیا؟ اب ایک بچی جو چھوٹی ہے اور کل جائداد کی دیکھ بھال عبدالمنان چھوٹا بھائی بذات خود کرتا ہے آٹھ سال بعد مقتول بھائی کی بیوی آگئی اور اس نے تالا وغیرہ توڑ کر کے گھر میں رہنا شروع کیا اور کہنے لگی کہ یہ میری جائداد ہے اس میں کسی کا حق نہیں پہونچتا ہے جب کہ وہ اپنے شوہر (عبدالقدوس) کے قتل کے گیارہ ماہ بعد دوسرے شخص سے شادی کرلی تھی اور شوہر بھی باحیات ہے ابھی دوسرے شوہر کے ساتھ ہی میں ہے اور مقتول شوہر عبدالقدوس سے ایک لڑکی بھی ہے جو وہ اپنے کفالت میں

رکھی ہے جو وہ ابھی بالغ نہیں ہوئی ہے۔

(۲) گھر والی جو زمین ہے اسکے کاغذات دونوں بھائیوں کے نام ہیں باقی زمین جو کھیتی کی ہے وہ بڑے بھائی عبدالقدوس کے ہی نام ہے چھوٹے بھائی عبدالمنان کے نام سے نہیں ہے۔ لہذا برائے کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں۔ المستفتی، عبدالمنان آسام

الجواب

سوال میں یہ تفصیل مذکور نہیں کہ دونوں بھائی کی بود وباش اور کاروبار مشترکہ تھا۔ یا علیحدہ علیحدہ۔ اگر دونوں علیحدہ علیحدہ رہتے تھے تو عبدالقدس متوفی کی جائداد میں سے عبدالمنان کو چھ آنے ملیں گے اور لڑکی کو آٹھ آنے دو آنہ کی حقدار عورت ہوگی اور اگر سارا کاروبار مشترکہ رہا ہو تو گھر اور کھیتی بلکہ پوری جائداد میں عبدالمنان نصف کا مالک ہوگا اس لئے کہ وہ عبدالقدوس کا شریک وسہیم تھا۔ اور عبدالقدوس کی آدھی جائداد سے بھی اوپر لکھے ہوئے حساب سے روپیہ میں دو آنہ ملے گا۔ اور اس کی عورت کو بھی ۲ آنہ اور لڑکی کا آٹھ آنہ بشرطیکہ کھیتی کی زمین بھی مشترکہ دونوں بھائیوں نے خریدا ہو کسی مصلحت سے نام صرف بڑے بھائی کا درج کرا دیا ہو۔ علیحدہ رہی تب بھی خاص عبدالقدوس کی زمین سے اس کو چھ آنہ ملیگا بقیہ ۲ آنہ عورت کا اور لڑکی کا آٹھ آنہ۔ بظاہر لڑکی کی پرورش کا حق اس کی ماں کو حاصل نہیں کیونکہ اس نے شادی کرلی ہے۔ بچی کو اسکے چچا کی تولیت میں دیا جائے۔ ﴿فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ (النساء: ۱۱) ان آیات سے عورت اور لڑکی کے حصہ کا ثبوت ہوا اور بقیہ بھائی کا از روئے عصبہ۔ "لو اجتمع اخوة يعملون في تركة ابيهم وانمى المال فهو بينهم بالسوية، ولو اختلفوا في الرائ والعمل"۔ شامی۔ باب الشرکۃ: ۳۹۲/۶)

اس عبارت سے مشترکہ معیشت اور مشترکہ کاروبار کا مسئلہ معلوم ہوا۔

"والحضانة يسقط بنكاحها" یہ عبارت عورت کے پرورش کا حق ساقط ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی۔ شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

(۱۰۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

محمد یار خاں کے تین لڑکے ہیں رحمۃ اللہ خاں، حفیظ اللہ خاں، محمد رفیع اللہ خاں۔ یہ تینوں لڑکے باپ کی زندگی میں موجود تھے تینوں لڑکوں کی موجودگی میں اپنی جائداد تینوں لڑکوں کو بانٹ دیا اور قبضہ بھی دے دیا تھا مگر کاغذ پر کسی کا نام نہیں چڑھا تھا تقسیم کے وقت تینوں لڑکے بالغ تھے محمد رفیع اللہ کا انتقال باپ کی موجودگی میں ہو گیا بعد مرنے محمد رفیع اللہ کے محمد یار خاں نے اپنی جائداد دونوں لڑکوں رحمۃ اللہ خان اور

حفیظ اللہ خاں اور چار پوتوں کے نام لکھ دیا اسکے بعد اپنے پوتے محبوب کا حصہ زبردستی قبضہ کرلیا محمد رفیع کے انتقال کے بعد باپ اور ماں اور چار لڑکے دونوں بہنیں ایک بیوی زندہ تھی محمد رفیع خاں نے ایک شادی کی جس سے دو لڑکے تھے محمد رفیع کے سامنے پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا پھر دوسری شادی کی جس سے صرف دو لڑکے تھے پہلی بیوی کے دو لڑکے بالغ تھے اور دوسری بیوی کے دونوں لڑکے نابالغ تھے اس میں ایک لڑکا الگ تھا لہذا جواب طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا جائداد میں چار بھائیوں کا حق ہے یا نہیں۔ اور کتنا ہوگا۔

المستفتی، محمد محبوب خاں ساکن فتح پور تال نرجہ

الجواب

جب محمد یار خاں نے اپنی زندگی میں اپنی جائداد اپنے تینوں لڑکوں کو تقسیم کر دیا اور ان کا قبضہ بھی کر دیا تو اب تینوں اپنے اپنے حصے کے مالک ہو گئے، اسکے بعد محمد یار خاں نے اس جائداد میں جو کچھ تصرف کیا سب نا جائز ہوا کیونکہ قرابت دار کو ہبہ کر کے لوٹایا نہیں جا سکتا، پس اب مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ محمد رفیع کے انتقال کے بعد ان کی ساری جائداد جو انہیں باپ سے ہبہ میں ملی یا ان کی نجی کمائی کی تھی قرضہ اگر ہو تو وہ اور وصیت کی ہو تو تہائی کے اندر وہ ادا کر کے بقیہ جائداد نیچے لکھے ہوئے حساب سے تقسیم ہوگی ہر وارث کو اتنا ہی ملے گا جتنا اس کے نام کے نیچے لکھا ہے۔ ۲۴ تصحیح ۹۶

ماں	باپ	چار بیٹے	بیوی	بہنیں
۴	۴	۱۳	۳	م
۱۶	۱۶	۵۲	۱۲	

محمد رفیع خاں کی کل جائداد میں ۹۶ حصے قائم کر کے ماں باپ کو ۱۶/۱۶ ر بیوی کو ۱۲ ر اور ہر لڑکے کو ۱۳ ر حصہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۷ ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

(۱۰۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید وعمر کے بزرگوں کا ایک کنواں تھا۔ جو موجودہ وقت میں خراب ہو کر بند ہو گیا ہے۔ اب نشان تک باقی نہیں لیکن کویں میں ایک لوہے کا گارڈر تھا۔ پانی نکالنے میں جس پر گراری لگائی جاتی تھی۔ وہ لگا ہوا تھا اب زید وعمر کے پاس رکھا ہوا ہے۔ کیا حضور زید اپنے کام میں لا سکتے ہیں۔

نیز فروخت کر کے اپنے خرچ میں لا سکتے ہیں۔ یا کسی نیک کام میں لگانا ہوگا۔ جواب صواب سے نوازیں۔

الجواب

کنواں اگر زید وعمر کے بزرگوں کا نجی رہا ہو۔ پانی اگر دوسروں کو بھی بھرنے کی اجازت رہی تب

تو یہ گارڈر بھی انہیں کی ملک ہوگا۔ اوران کے بعد ترکہ قرار پاجائے گا۔ اگر صرف زید وعمر وارث رہ گئے ہیں توان دونوں کا ورنہ اور ورثہ کے ساتھ اس کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ اور اگر کنواں موقوفہ ہو۔ اور اب کنوں بند ہوگیا ہو۔ تو اس کو بیچ کر یا یونہی کسی ایسے ہی رفاہی مصرف میں صرف کیا جائے۔

فتاوی رضویہ میں ہے: حاصل تلك الرواية زوال المسجدية مع بقاء الوقفية فلايعود الى ملك البانى او ورثته ويجوز النقل والاستبدال ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۳ رربیع الثانی ۱۴۱۳ھ

(۱۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زبیدہ خاتون نے اپنے شوہر شوکت علی کے انتقال کے بعد اپنے حق کے لئے تحصیل دار صاحب کے یہاں وراثت کی درخواست دی کہ ہمارا بٹہ چار حصہ ہمارے نام سے وراثت ہونی چاہیے، اس کے جواب میں انہوں نے مقدمہ دائر کیا یعنی برادران شوکت علی، سید علی، عبدالعلی، محمد علی نے اپنے مفاد کے لئے اپنے بھائی شوکت کے انتقال کے ۹ رسال کے بعد انہوں نے یہ غلط الزام لگایا ہے، زبیدہ کو کہ وہ بہت غلط تھی بہت بدسلوک تھی بدکردار تھی اس کا مزاج بہت غلط تھا جس کی وجہ سے بھائی شوکت علی عاجز آکر اسے طلاق دے دیے اور وہ اس وقت اپنے میکے چلی گئی اور وہیں رہنے لگی، تین سال کے بعد شوکت علی کا انتقال ہوا اس وقت بھی نہیں آئی، سید علی نے خود درخواست دیا ہے جس میں ایک غیر مسلم گواہ سے بھی کہلوایا ہے جب کہ یہ بات بالکل غلط ہے نہ اس کو انہوں نے طلاق دیا ہے نہ وہ ایسی ہے ایک نہایت شریف عورت ہے وہ جس گھر میں رہتی تھی دس برس پہلے اب بھی وہ اس گھر میں ہے اسی گھر میں شوکت علی کا انتقال ہوا دونوں آدمی ایک ساتھ ہی رہتے تھے مرنے کے بعد بھی وہ اس گھر میں رہتی ہے شوکت علی کو انتقال ہوئے ۱۰ رسال ہوگیا دس سال کے اندر زبیدہ کو نہ تو ایک کپڑا دیئے ہیں نہ ایک ٹائم کھانے کے لئے زبیدہ کی عمر ۶۰ رسال کی ہے وہ کسی حال سے محنت مزدوری کرکے جی رہی ہے، انہوں نے جو غلط الزام لگایا ہے اس کے بارے میں شرع کیا کہتی ہے۔ جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔ المستفتی نثار احمد کرہاں

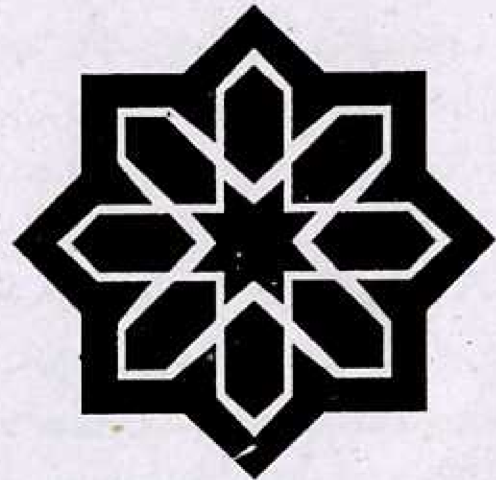
الجواب

برتقدیر صدق مستفتی صورت مسئولہ میں مسمی سید علی عبدالعلی ومحمد علی سخت مجرم وگنہگار اور حقوق العبد میں گرفتار قابل تعزیر ہیں۔ اور زبیدہ خاتون بدستور شوکت علی کی بیوہ ہے اور اس کو شوکت علی کے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۳ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

کتاب العقائد والکلام

کل میزان فتاویٰ ۱۳۸



اسمائے باری تعالیٰ کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

بکر کسی موقع سے ہمارے قریب کے گاؤں میں تشریف لائے جو کہ پیری مریدی بھی کرتے ہیں ایک آدمی نے زید سے مرید ہونے کے لئے کہا جو پہلے ہی سے کسی سے مرید تھا۔ بکر نے زید سے مزید استفسار کیا۔ تو انہوں نے اپنے پیر و مرشد کا شجرہ لاکر دیدیا۔ اس میں ایک ولی اللہ کے نام کے پہلے لقب ''قیوم زماں'' دیکھا تو اس پر بکر نے سختی سے مخالفت کی۔ اور یہاں تک کہہ دیا، کہ کسی بھی خاص الخاص بندے پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ لفظ کسی بندے کے لئے استعمال کرنا کلمہ کفر ہے۔ اور ایسی حالت میں تمہاری بیعت ہی فاسد ہے۔ مزید اپنے اثر ورسوخ سے زید پر دباؤ ڈالکر توبہ واستغفار بھی کرایا، بلکہ اپنی مریدی میں شامل بھی کرلیا۔

جبکہ خاکسار کے تحقیق کرنے پر ظاہر ہوا کہ لفظ قیوم زمان اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ اعلیٰ منصب ہے۔ ایسی حالت میں زید کی پہلی بیعت قائم ہے یا فاسد اور بکر کے خیالات کی بنیاد پر خود بکر دائرہ اسلام میں اب بھی داخل ہے یا خارج؟ حق کا اظہار فرما کر عالم اسلام کی رہنمائی کریں۔

نوٹ تحقیقات کا حوالہ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ دوم مکتوب ۴۷۔ تفسیر نعیمی حصہ سوم ۳۹۔ ان بزرگوں کے مقام قیومیت اور رسم وقیوم زمان کی توضیح کیا ہے؟ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

خاکسار: منصور احمد ابن الحاج محمد فاروق مرحوم خیرآباد ضلع مئو

الجواب

بخاری شریف کتاب الدعوات جلد دوم ص ۹۴۹ میں ہے:

للہ تعالیٰ تسعة وتسعون اسماء. ماۃ الا واحد من احصاها دخل الجنة ـ

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو۔ جو ان کا ورد کرے جنت میں داخل ہوگا۔

مشکوۃ شریف میں ترمذی اور بیہقی کے حوالہ سے ص/۱۹۹ پر ان ناموں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ۶۵ ویں نمبر پر اسم حسن القیوم مذکور ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ قیوم اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے ہے۔ نیز آیۃ الکرسی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے دو ناموں کو خاص طور سے ذکر کیا ہے: ﴿اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ [البقرة:۲۵۵]

تو قرآن شریف سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ لفظ قیوم اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے ایک نام ہے۔

تفسیر روح البیان جلد سوم ص۸/ پر ہے:

ذهب جميع الىٰ ان القيوم اسم الله تعالىٰ اعظم و فسروه هولاء بانه القائم بذاته و المقيم لغيره۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ قیوم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جو از خود قائم و موجود ہے اور اپنے علاوہ سب کو وجود بخشنے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔

تفسیر ابو سعود جلد دوم ۳۹۲ اور تفسیر روح البیان: (۱/۴۰۲) پر ہے:

معنى الحى الباقى الذى لا سبيل عليه للموت و الفناء۔ والقيوم دائم القيام بتدبير الخلق و حفظه۔

حی کے معنی ایسا باقی جس پر موت اور فنا کو کوئی قابو نہیں۔اور قیوم کے معنی جو اپنے بندوں اور مخلوق کی ہمیشہ حفاظت اور تربیت کرنے والا ہو۔

و من ضرورة اختصاص ذينك الوصفين به تعالىٰ اختصاص المعبودية تعالىٰ۔

تو جس طرح معبود ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے اسی طرح ان دونوں وصفوں کا ذات باری کے ساتھ خاص ہونا ضروری ہے۔

ان دونوں تفسیروں سے (روح المعانی وابو سعود) قیوم کے معنی معلوم ہوئے۔اور یہ بھی پتہ چلا کہ قیوم اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔اور غیر خدا پر اس کا اطلاق صحیح نہیں اور اس کی تائید بداہت عقل سے بھی ہوتی ہے۔کہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہونا ہمیشہ باقی رہنا۔کبھی فنا نہ ہونا اور ساری مخلوق کو وجود بخشنا۔اس کی حفاظت اور تربیت کرنا۔ایسے اوصاف ہیں جو ذات باری تعالیٰ کیساتھ خاص ہیں۔اور دوسری کسی مخلوق میں یہ اوصاف پائے جانا محال ہیں۔

تو یہ لفظ قیوم جس کے معنی اوپر بیان ہوئے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بندہ یا مخلوق پر بول دے تو شرع اسلام میں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ یہی آپ کا بھی سوال ہے؟ جواب ہے کہ مجمع الانہر جلد اول ۶۰۹ پر ہے:

اذا اطلق على المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جل و علاء نحو القدوس والقيوم، و الرحمن وغيرها كفر (كتاب السر والجهاد: ۲/۳۲۹)

مخلوق میں سے کسی پر ان اسمائے الٰہی میں سے کسی کا اطلاق جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص

ہوں کفر ہے۔جیسے قدوس، قیوم اور رحمٰن کہ ان میں سے کوئی لفظ غیر خدا پر بولنا کفر ہے۔

اور شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ۲۳۸ پر ہے:

من قال لمخلوق يا قدوس او القيوم او الرحمن او قال اسما من اسماء الخالق يكفر الا ان يراد بها المعنى اللغوى لا الخصوص الاسمى۔

جس نے مخلوق میں سے کسی کو یا قدوس یا قیوم یا رحمٰن کہا یا اللہ تعالیٰ کے خاص اسما میں سے کسی کو کسی اور پر بولا تو کافر ہوگیا۔ہاں یہ لفظ غیر خدا کے لئے بول کر اس کے لغوی معنی مراد لئے۔اسم الٰہی ہونے کی حیثیت سے جو معنی مراد لئے جاتے ہیں وہ مراد نہ لئے ہے تو کافر نہ ہوا۔

مجمع اور شرح فقہ اکبر کی یہ دونوں عبارتیں، اس باب میں دونوں متفق ہیں کہ غیر خدا کے لئے اللہ تعالیٰ کے اسمائے خصوصی میں کوئی اسم بولنا کفر ہے۔مگر شرح فقہ اکبر میں اتنا اضافہ ہے کہ اس اسم کے ایسے معنی مراد لئے جو بندوں اور مخلوق کی صفت ہو تو ان کو غیر خدا کے لئے بولنا کفر نہیں۔

اسی کو حضرت ملا علی قاری نے لغوی معنی سے تعبیر کیا۔اور ایسے معنی مراد لئے جو باری تعالیٰ کے لئے خاص ہے تو کفر ہے۔اس کو حضرت ملا صاحب نے معنی اسمی سے تعبیر کیا ہے۔اس طرح مجمع الانہر اور شرح فقہ اکبر کی عبارتوں میں اجمال و تفصیل کا فرق ہوا کہ مجمع الانہر میں حکم مطلقا ہے۔اور شرح فقہ اکبر میں معنی اسمی کی قید لگا کر حکم کو مقید کر دیا ہے۔اور مسئلہ چونکہ ایک ہے۔اس لئے مجمل و مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔لہذا مجمع الانہر کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ اسم الٰہی غیر خدا پر اسمی معنی میں بولنا کفر ہوگا۔ اور لغوی معنی میں بولنا کفر نہیں ہوگا۔

یہاں تک پہونچ کر مسئولہ مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لئے دو باتوں کی تنقیح ضروری ہے۔

(۱) جن لوگوں نے لفظ قیوم کو غیر خدا کے لئے استعمال کیا ان لوگوں نے اس لفظ کے لغوی معنی مراد لیا جو غیر خدا پر بولا جاتا ہے یا اسمی معنی مراد لئے جو ذات باری تعالیٰ کے لئے خاص ہے غیر خدا پر اس کا اطلاق کفر ہے۔

(۲) لفظ قیوم اللہ تعالیٰ کے اسمائے مخصوصہ میں ہے یا نہیں؟

پہلے اس امر کی تنقیح کے لئے ہم حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات سے ہی مدد لیتے ہیں۔کیونکہ مجدد صاحب سے پہلے کسی عالم یا شیخ نے نہ تو مقام قیومیت کا انکشاف کیا نہ قیوم ہونے کا دعوی کیا۔آپ ہی نے اپنے کو قیوم اول کہا اور اپنے صاحبزادے کو قیوم دوم۔پھر آپ کے سلسلہ کے مشائخ میں یہ رواج چل پڑا۔چنانچہ آپ مکتوبات ربانی دفتر دوم خط۷۳ میں فرماتے ہیں:

یہ پوری معرفت والا عارف جب تمام امکانی مراتب طے کرلیتا ہے تو اس اسم تک رسائی ہوتی ہے جو اس کا قیوم ہے۔

اور مکتوب ۲۸۷ میں ﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾[الاحزاب:۷۲] کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس حقیر کے خیال میں وہ امانت نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی انسان کامل کا معاملہ اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور تمام مخلوق کے وجود و بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کے فیوض اس کے واسطے سے پہونچاتے ہیں۔ یہ عارف جو قیومیت اشیاء کے منصب پر مقرر ہوا۔ یہ وزیر کا حکم رکھتا ہے کہ مخلوقات کی مہمات اسی کی طرف راجع ہیں۔ کہ انعامات تو بادشاہ ہی کی طرف سے ہیں۔ لیکن ان کی وصولی وزیر ہی کے توسط سے وابستہ ہے۔

اس دولت کے سزاوار حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام ہیں۔ اور یہ منصب تو اصل میں انبیا اولوالعزم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور ان بزرگوں کی تبعیت اور وراثت میں جس کو چاہیں اس دولت سے مشرف کریں۔

حضرت مجدد صاحب کی اس عبارت میں بیان کردہ قیوم بندوں اور مخلوق اور دیگر بندگان خدا کی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے ذریعہ اور واسطہ، حادث اور فانی اور پروردگار کا محتاج ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ قیوم حقیقی، سب کا خالق اور مالک اور پروردگار ہے۔ قدیم غیر حادث ہے۔

تو بلاشبہ حضرت مجدد صاحب نے اس قیوم کے جو معنی بتائے اسکا قیوم حقیقی پر صدق محال ہے۔ کہ یہ خالص بندوں کی صفت ہے۔ اس لئے ان معنوں میں کسی بندہ خدا کو قیوم کہنا کفر نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر سلسلہ مجددیہ کے ایک شیخ وقت اور نسبی علاقہ سے آپ کی اولاد کے ذی علم فرد حضرت زید سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ فاضل جامعہ ازہر نے روشنی ڈالی ہے۔ جو آسان اور قریب الفہم اور مبنی برحقیقت ہے۔ آپ مجدد صاحب پر اس سلسلہ میں اعتراض کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

حضرت مجدد صاحب کی عبارت میں بھی قیومیت کے وہی معنی مراد لئے گئے ہیں جو دیگر حضرات ائمہ تصوف مثلاً شیخ اکبر وغیرہ کے نزدیک غوث وقطب کے ہیں اور شریعت میں لفظ قیوم کا اطلاق ذات باری کے لئے خاص نہیں (ملخصا) (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۷۱/۶۲)

حضرت زید کی اس تحریر کا حاصل یہی ہے کہ حضرت مجدد صاحب نے لفظ قیومیت سے کسی نئے

منصب اور مرتبہ کا انکشاف نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ منصب اور مرتبہ وہی ہے جس کو قدیم ایام سے تمام سلسلہ کے شیوخ اور ائمہ تصوف قطب الاقطاب اور غوث کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور ہر سلسلہ میں متعدد بزرگوں کے لئے عوام وخواص سبھی اس کے مدعی ہیں اور اسی نام سے ان کو پکارتے ہیں۔

اور حضرت زید کی یہ بات مبنی برحقیقت ہے کہ غوث وقیوم اور قطب الاقطاب ہم معنی ہیں۔ تو جب یہ منصب اور مرتبہ وہی ہے۔ فرق صرف نام کا ہے تو جس طرح اوروں کو غوث وقطب کہنے میں کوئی کفر لازم نہیں آتا تو حضرت مجدد صاحب کو قیوم کہنا کیسے کفر ہوگا۔

ہاں اس لفظ قیوم میں کوئی خصوصیت ہو کہ یہ لفظ غیر خدا کے لئے کسی حال میں بولا ہی نہیں جاسکتا تو اور بات ہے۔ مگر بقول زید صاحب کے شریعت میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں اس لئے اس کے بولنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں تک سوال کے ایک حصہ کا جواب مکمل ہو گیا کہ چونکہ غیر خدا کے لئے لفظ قیوم بولنے والوں نے وہ معنی مراد نہیں لئے جو ذات باری تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ بلکہ ایسے معنی مراد لئے ہیں جو بندوں کے لئے خاص ہے۔ یا بالفاظ حضرت زید بمعنی غوث وقطب ہیں۔ تو ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے لیکن سائل نے اپنے سوال میں صاحب تفسیر نعیمی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں بھی ہم کچھ لکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا احمد یار خاں صاحب نعیمی اہل سنت و جماعت کے بڑے عالم دین تھے۔ قرآن عظیم کی تفسیر لکھی مشکوۃ شریف کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ موجودہ مبتدعین کے ساتھ مختلف فیہ مسائل پر ایک مبسوط کتاب موسوم بہ جاء الحق تحریر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم اور ان کے کام میں بڑی برکت دی تھی۔ وہ اپنی کتاب تفسیر نعیمی حصہ سوم ۲۲ پر لکھتے ہیں:

جو آپ خود موجود ہو اور دوسرے بھی اسی سے موجود وقائم ہوں اس کو قیوم کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ قیوم حقیقی ہے کہ اس کے اذن اور ارادہ سے عالم موجود ہے۔ اور بعض صوفیاء قیوم بالعرض ہیں جن کے ذریعے رب تعالیٰ نے عالم کو قائم رکھا ہے۔ یہاں آیۃ الکرسی میں قیوم حقیقی یعنی جہان کو قائم رکھنے والا مراد ہے۔ اس عبارت میں محترم نعیمی صاحب نے دو قسمیں کی ہیں۔

(۱) قیوم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کے معنی پھر وہی بیان کئے ہیں جو ہم نے کئی سطروں میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابو سعود کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ اور جس کو خود زید صاحب نے اپنی کتاب میں وصف الٰہی کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

(۲) قیوم بالعرض یا قیوم مجازی جو بندوں تک اللہ تعالیٰ کا فیض پہنچانے کا ذریعہ ہو اور اسی معنی میں اولیاء کرام درجہ قیومیت پر فائز المرام ہیں۔ اور اس بات کو حضرت مولانا نے ۳۹۰ جلد سوم پر مزید

تفصیل کے ساتھ تنبیہ ضروری کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

آپ لکھتے ہیں: صوفیائے عظام کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ قیومیت بھی ہے اس درجہ کے لوگ قیوم عالم کہلاتے ہیں، اس لحاظ سے حضرت مجدد قدس سرہ کی کتابوں میں بعض اولیا کرام کو قیوم اول اور قیوم دوم کہا گیا ہے۔ وہاں قیوم کے معنی ہی اور ہیں۔ (یعنی وصول فیض باری کا وسیلہ اور ذریعہ)

فقہائے عظام فرماتے ہیں کسی بندہ کو قیوم کہنا کفر نہیں (جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی) انکا یہ مطلب ہے کہ جس معنی میں خدا کو قیوم کہتے ہیں۔ اس معنی میں اوروں کو قیوم کہنا کفر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ عالم کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس لئے وہ قیوم حقیقی ہے۔ اور حضرات اولیاء اللہ کے ذریعہ عالم قائم ہے۔ لہذا عالم میں ابدال اوتاد اور قطب اور قیوم کا ہونا ضروری۔ فقط

صاحب تفسیر نعیمی کی ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں عالم کو اپنے اذن وارادہ سے قائم رکھے ہوئے ہے۔ تو وہ قیوم حقیقی ہے۔ اور اس معنی میں کسی اور (غیر خدا) کو قیوم کہنا کفر ہے۔ اور یہی فقہاء کے اس صریحی جزیہ کا معنی ہے کہ غیر خدا کو قیوم کہنا کفر ہے۔ اور حضرت مجدد صاحب نے صوفیاے کرام میں سے بعض کو جو قیوم لکھا ہے۔ اس کے معنی اور ہیں۔ یعنی وہ بندگان خدا اس معنی میں قیوم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ عالم کو قائم رکھا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فیض وانعام کو مخلوق تک پہونچانے کا ذریعہ ہیں۔ پس ان کو اس دوسرے معنی کے لحاظ سے قیوم کہنا کفر نہیں۔ یہی بات ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی۔ اور اسکو معنی اسمی اور معنی کفری سے بیان کیا اور یہی حضرت زید کی تحریر کا بھی مدعا ہے جس کو انہوں نے یہ کہہ کر واضح فرمایا کہ حضرت مجدد نے اولیاء کو جس معنی میں قیوم کہا ہے وہ معنی ہے جس کو دوسرے مشائخ غوث وقطب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہی بات ان بزرگوں کے کلام کی روشنی میں ہم نے بھی کہی کہ لفظ قیوم کو غیر خدا پر دوسرے معنی کے لحاظ سے بولا جائے تو کفر نہیں۔ اور حضرت مجدد وغیرہ کی تحریروں سے ثابت کیا کہ ان لوگوں نے لفظ قیوم کو غیر خدا کے لئے اس معنی میں نہیں بولا جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ بلکہ اس معنی میں بولا اور استعمال کیا جو بندوں کے لئے خاص ہے۔ یعنی واسطہ اور ذریعہ فیض لہذا کفر نہیں۔

البتہ نعیمی صاحب نے وہی بات اس اسلوب اور انداز میں کہی کہ ان کی عبارت اور حضرت زید کے بیان میں تعارض وتدافع ہو گیا۔

حضرت نعیمی صاحب کے کلام سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ درجۂ قیومیت اور اس منصب پر فائز قیوم شروع سے ایک مسلمہ منصب اور ابتدا سے ہی ایک مشہور شخصیت ہے۔ جبکہ حضرت زید صاحب کے تحریر

سے منصوص طور پر یہ ثابت کہ ظہور تصوف سے نو سو سال کے بعد یہ منصب جلیل قیومیت کے نام سے سب سے پہلے حضرت مجدد کو ملا۔ اب قیامت تک جو بھی قیوم ہوگا۔ آپ کے ظل سے خارج نہ ہوگا۔

(شیخ مجدد اور ان کے ناقدین ص ٦٦)

حضرت نعیمی صاحب نے درجات تصوف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لہذا عالم میں ابدال، اوتاد، قطب اور قیوم ہونا ضروری ہے۔ آپ نے درمیان سے غوث کا ذکر ہی حذف فرمایا۔ حالانکہ حضرت مجدد صاحب سے پہلے جملہ سلسلہ ہائے تصوف خود حضرت مجدد صاحب کے شجرہ بیعت نقشبندیہ میں بھی حضرات صوفیہ کی اصطلاح ابدال، اوتاد، قطب وغوث کی ہی ہے۔ ان درجات میں قیومیت اور قیوم کا لفظ کسی نے نہیں ذکر کیا۔ بلکہ حضرت زید صاحب نے تو وہ بات کہی جس سے نعیمی صاحب کی توجیہ ہی ختم ہو جاتی ہے

آپ فرماتے ہیں:

انسان کامل اور قطب الاقطاب کے متعلق جو کچھ شیخ اکبر نے کہا۔ حضرت مجدد نے بھی وہی کہا۔ تمام مشائخ نے وہی بات کہی۔ اگر فرق ہے تو صرف نام میں کسی نے غوث کہا، کسی نے قطب الاقطاب نام رکھا۔ کسی نے قطب المدار اور کوئی مشکل کشا کہتا ہے۔ کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم۔ منصب ایک ہے اور نام مختلف۔ (ناقدین ص ٦٦)

کتنا فرق ہے دونوں صاحبان کے بیان میں۔ صاحب تفسیر نعیمی کے قول کے مطابق صوفیائے کرام نے مطلقاً درجۂ قیومیت کو جانا اور مانا ہے۔ اور حضرت زید کے قول کے مطابق (تصوف اور اہل تصوف کے ظہور کے نو سو سال کے بعد) حضرت مجدد صاحب نے اس درجہ قیومیت کا انکشاف کیا ہے۔ تو گذشتہ نو سو سال تک کے بزرگ اس کو کیسے جانیں گے۔

پھر آپ ترقی کر کے فرماتے ہیں: یہ درجہ کوئی نیا درجہ نہیں ہے۔ جملہ سلسلہائے تصوف کے مشائخ کرام نے اس منصب کا حال بیان کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے کے بزرگوں نے غوث اور قطب الاقطاب وغیرہ کے لفظ سے اس منصب کو بیان کیا۔ اور حضرت مجدد صاحب نے قیوم کے نام سے۔ تو حضرت مجدد کے بیان میں جو چیز نئی ہے وہ صرف نام ہے۔

ہمارے نزدیک ان دونوں توجیہوں میں حضرت زید کی توجیہ مناسب قریب الفہم اور مبنی بر حقیقت ہے اور اس کی تائید دیگر ائمہ ومشائخ کے اقول سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت امام عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد صاحب سے صرف ٦٠/ سال پیشتر گذرے ہیں۔ اپنی کتاب حاوی الفتاوی جلد دوم ٢٣١ پر تحریر فرماتے ہیں:

"مجھے خبر ملی کہ بعض جاہل اولیائے کرام کے مراتب اور درجات کی تفصیل کا انکار کرتے ہیں کہ ان میں ابدال، نقباء، اوتاد اور اقطاب نہیں ہوئے حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کریمہ اور آثار تابعین سے ثابت ہے۔ تو میں نے اس سلسلے کی احادیث وآثار اور اقوال مشائخ میں مختلف درجات کی تفصیل ان کی ترتیب ان کے احوال وآثار کے توضیح کی سینکڑوں نصوص اپنے رسالے میں جمع کیے۔ چودہ پندرہ صفحہ کے اس رسالہ کی پوری تفصیلات کو معلوم کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ نمونۃً ایک دو عبارت نقل کرتے ہیں۔

یہ حدیث شریف حلیۃ الاولیاء ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تین سو آدمیوں کو پیدا فرمایا۔ جن کے قلوب مشرب حضرت آدم علیہ السلام پر ہیں اور چالیس لوگوں کے دل قلب موسی علیہ السلام پر ہیں۔ سات آدمیوں کے قلوب قلب ابرہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام پر ہیں۔ اور پانچ آدمی کے دل قلب جبرئیل علیہ السلام پر ہیں اور تین آدمیوں کے دل میکائیل علیہ السلام پر ہیں۔ اور ایک آدمی کا قلب اسرافیل علیہ السلام پر۔ ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو نچلے درجے سے ایک شخص کو ترقی دیکر وفات پانے والے کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔ سب سے نچلے درجہ میں کسی کی موت ہوئی تو عامۃ المسلمین میں سے ایک کو ان کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے۔ تو لوگوں کی موت وحیات بارش اور نباتات اور دفع بلا انہیں حضرات کی برکت سے ہوتا ہے۔ (کتاب مذکور ص ر ۲۴۷)

اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر حضرت امام عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔ صالحین کی بڑی تعداد ہے۔ یہ عوام میں ملے جلے رہتے ہیں۔ تاکہ دنیا اور دین کے معاملات میں عوام کی مدد کریں۔ اور نجبا جو تعداد میں صالحین سے کم ہوتے ہیں۔ اور نقباء ان سے بھی کم۔ ان دونوں طبقوں کے لوگ خواص میں ملے جلے رہتے ہیں اور ابدال شمار میں اور کم ہوتے ہیں۔ جو بڑے بڑے شہروں میں متعین ہوتے ہیں۔ اور اوتاد تعداد میں چار ہوتے ہیں جو مشرق ومغرب، شمال ویمین میں رہتے ہیں۔ اور قطب پوری دنیا میں چاروں طرف آتے جاتے رہتے ہیں۔ انہیں کو غوث بھی کہا جاتا ہے۔

اسی ۲۵۲ پر بعض عارفین سے مروی ہے کہ قطب وہی ایک فرد ہے۔ جس کا ذکر حدیث عبد اللہ بن مسعود میں آیا ہے۔ جو قلب اسرافیل علیہ السلام پر ہوتا ہے۔ ان کا مرتبہ اولیائے کرام میں اس مرکزی نقطہ کی طرح ہے جو دائرہ کے بیچوں بیچ میں ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ ہمارے عالم کی صلاح وفلاح ہے۔

المختصر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں صوفیاء کرام کے درجات ومراتب اور مناصب جلیلہ کا بار بار مختلف طریقوں سے بیان نقل کیا ہے۔ لیکن مرتبہ قیومیت کا کہیں ذکر نہیں ہوا جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ قیومیت اور قیوم کا لفظ اس وقت تک صوفیاء کی اصطلاح میں شامل نہیں ہوا تھا۔ یہ لفظ صرف مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دین ہے۔ بقیہ تفصیلات میں حضرت مجدد صاحب اور امام سیوطی دونوں حضرات کی تحریروں کا مفاد ایک ہے۔ کہ ایک صاحب انسان کامل کے درجات کی ترقی کی آخری حد کا نام درجہ قیومیت قرار دے کر اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ قیوم اللہ تعالی کے انعام کو اس کے بندوں تک پہونچانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور دوسرے صاحب اولیاء اللہ اور اہل معرفت کہہ کر ان کے آخری منصب کو پرکار سے تشبیہ دے کر ان کا لقب غوث اور قطب بتاتے ہیں۔ اور مجدد صاحب کی طرح ان کو ذریعہ فلاح وصلاح عالم قرار دیتے ہیں۔ جس سے حضرت زید کے اس قول کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کہ مجدد صاحب کی قیومیت سابقہ مشائخ کہ غوثیت اور قطبیت سے الگ کوئی چیز نہیں۔ صرف نام کا فرق ہے۔ یہ منصب دونوں کے نزدیک ایک ہی ہے اس لئے لفظ قیوم یا قیوم جہاں یا قیوم اول ودوم پر تکفیر صحیح نہیں۔

اور ہمارے گذشتہ معروضات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ صرف اس قول پر کسی کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ دوسری تنقیح لفظ قیوم ذات باری تعالی کے لئے خاص ہے۔ یا دوسروں پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ اس بات کی تنقیح کی اس لئے ضرورت پڑی کہ ذات باری تعالی کے اسماء حسنی کی کئی قسمیں ہیں۔ اور اسی کے لحاظ سے ان کے مختلف احکام ہیں۔ مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میں اللہ تعالی کے تین پاک اور مبارک نام آئے ہیں۔

اللہ: یہ باری تعالیٰ کا اسم ذات اور اس کا عَلَم ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ بقیہ تمام اسماء الٰہی اس اسم کی صفت اور خبر بنیں گے۔ مگر یہ کسی اور اسم کی صفت یا خبر نہیں بنے گا۔ یعنی یوں کہا جاتا ہے: اللـه واحد کریم قادر۔ مگر یوں نہیں کہا جاسکتا: الواحد القادر الکریم اللہ۔ اور دوسری خوبی یہ ہے کہ یہ لفظ ذات باری کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی پاک ذات کے علاوہ دوسرے کو اللہ نہیں کہہ سکتے۔

اسی بسم اللہ شریف میں اللہ تعالی کے دو نام اور ہیں۔ الرحمٰن۔ الرحیم۔ یہ اس معبود برحق کے صفاتی نام ہیں۔ دونوں کے حروف اصلی ایک ہیں۔ ر ح م۔ اور ترجمہ بھی دونوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ بہت مہربان رحمت والا۔ الرحیم: یہ نام اللہ تعالی کا ہے مگر اس نے خود اپنی رحمت سے یہ مبارک نام اپنے بندوں کو بھی عطا فرمایا۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبۃ: ۱۲۸) رسول اللہ ﷺ مسلمانوں پر بڑے مہربان اور نہایت رحیم ہیں۔ سبحان اللہ

وہ نامی کہ نام خدا نام تیرا
روف ورحیم وعلیم وعلی ہے

مگر دوسرا نام رحمٰن جو لفظ ومعنی میں رحیم کی طرح ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تبارک و

تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے بولا نہیں جاسکتا ہے۔

امام قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں:

لانه صار كالعلم من حيث انه لا يوصف به غيره (الفاتحة: ٥٨)

لفظ رحمٰن اللہ تعالیٰ کے "علم ذات" کی طرح ہوگیا ہے۔ تو اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے پر نہیں ہوسکتا۔ اور اس کے حاشیہ عنایۃ القاضی میں ہے:

فی لسان الشرع ممتنع اطلاقه علیٰ غیره مطلقا۔ (عنایۃ القاضی ص ٦٦)

اور شریعت کی زبان میں اس لفظ کو غیر خدا کے لئے بولنا ممنوع ہے۔

تو لفظ قیوم کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ لفظ ذات باری کے لئے خاص ہے یا نہیں؟ اس بات کا فیصلہ کیسے ممکن ہوگا کہ یہ لفظ غیر خدا پر بولنا جائز ہے یا ناجائز؟

اسی لئے ہم نے بالکل ابتدا میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ فقہ حنفی کے فتاوی کا معتبر مجموعہ مجمع الانہر اور عقائد کی مشہور کتاب شرح فقہ اکبر دونوں میں اسی امر کی تشریح ہے کہ قدوس، رحمٰن اور قیوم ان اسمائے الٰہی میں سے ہیں جو ذات الٰہی کے لئے خاص ہیں۔ تفسیر ابو سعود کا بھی یہی مفاد ہے۔ کہ جس طرح معبود ہونا، اللہ تعالیٰ کی صفت خاص ہے۔ اسی طرح قیوم کو بھی ذات باری کے ساتھ اختصاص ہے۔

حضرت مولانا احمد یار خاں صاحب بھی جنہوں نے درجۂ قیومیت کی بھرپور حمایت کی ہے۔ اخیر میں حضرات مجددیہ سے یہ گذارش کئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ بات ضرور خیال رکھیں اس لفظ قیوم پر بڑا دھوکا ہوتا ہے۔ یعنی یہ بھی خدا کے لئے اس لفظ کے استعمال کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور لوگوں کو دھوکہ میں پڑنے کے خطرہ سے احتیاط برتنے کی تاکید کرتے ہیں۔

حضرت زید صاحب اس لفظ کو ذات باری تعالیٰ کے لئے مختص نہیں مانتے۔ لیکن اس اصول سے ان کو بھی اتفاق ہے یہ بات ان کے کلام سے مفہوم مخالف کے طور پر ثابت ہو رہی ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ وہ باحیات ہوتے تو مذکورہ بالا نصوص کا کیا جواب دیتے۔ لیکن ہم تو انہیں نصوص کی روشنی میں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ لفظ قیوم ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اس لئے کسی معنی میں بھی اس کا اطلاق غیر خدا پر کفر نہ سہی ممنوع اور ناجائز ضرور ہے۔

اس مسئلہ پر فقہ حنفی کے ایک دوسرے اصول سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ لغت کی کتابوں میں لفظ قیوم کے صرف ایک معنی مذکور ہیں۔ "القائم بذاته و المقيم لغيره"۔ جو اپنی ذات سے موجود اور قائم ہو

اور دوسروں کو وجود دینے والا اور قائم رکھنے والا ہو۔ یہ معنی ذات باری کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرے معنی "واسطہ" اور ذریعہ وصول فیض جسے حضرت مجدد صاحب نے انسان کامل کی صفت مانی ہے۔ اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ لغت اور زبان و بیان کے اعتبار سے لفظ قیوم کا اطلاق صرف پہلے ہی معنی پر ہے دوسرے پر نہیں۔

عرف شرع میں بھی لفظ قیوم بول کر دوسرے معنی مراد لینے کی کوئی مثال قرآن و حدیث میں نہیں دیکھی گئی۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ اس کا انکشاف بقول حضرت زید سب سے پہلے حضرت مجدد صاحب پر ہوا۔ تو عرف عام اور عرف شرع کسی میں بھی اس لفظ کا پہلا معنی ہی معروف و متداول و متبادر ہوگا۔ دوسرے معنی میں نہیں۔ کہ یہ دوسرا معنی تو صرف حضرت مجدد قدس سرہ اور ان کے متعلقین کی اصطلاح خاص ہے۔ اس طرح لفظ قیوم کے دو معنی ہوئے معنی اول (خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والا) یہ معنی معروف، قریب، اور متبادر ہے۔ اور یہ ذات باری کے لئے خاص ہے۔ معنی دوم "ذریعہ وصول فیض الٰہی" یہ معنی غیر معروف بعید اور غیر متبادر ہے۔ لفظ قیوم بول کر غیر خدا کی ذات مراد لی اور معنی اول مراد لیا تو کفر ہوا اور معنی ثانی مراد لیا تو کفر نہ ہوگا۔

اور جب صورت حال ایسی ہو کہ کوئی ایسا لفظ بولا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک مشہور و متبادر مگر کفری اور دوسرا غیر معروف اور غیر متبادر غیر کفری، تو لفظ کو غیر کفری معنی کے لئے بولنا بھی ناجائز و حرام ہے۔ کہ آپ نے تو لفظ بول کر صحیح معنی مراد لیا۔ لیکن اس معنی کے بعید اور غیر متبادر، اور غلط معنی کے متبادر ہونے کی وجہ سے سننے والے کا دماغ غلط کی طرف متوجہ ہوگا۔ اصطلاح معانی و بیان میں اس کو ایہام کہتے ہیں۔ اور ایہام معنی غلط کی وجہ سے ایسا لفظ بولنا بھی حرام ہوگا۔ ردالمحتار جلد سوم ص ۲۵۴ پر ہے: مجرد ایهام اللفظ ما لا یجوز کاف فی المنع۔ کسی لفظ کا بولنا ناجائز ہونے کے لئے غلط معنی کا ایہام بھی کافی ہے۔

یہی نکتہ ہے، جس کی طرف مولانا احمد یار خاں صاحب نے نہایت بلیغ اشارہ فرمایا کہ لفظ قیوم پر بڑا دھوکا ہوتا ہے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ قیوم بول کر حضرت مجدد صاحب کا انسان کامل مراد لینا کفر تو نہیں مگر ناجائز و منع ہے۔ اور یہ لفظ اس معنی میں بھی بولنا نہیں چاہئے۔

پس بصورت موجودہ ہم مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ کوئی ہم سے استفتا کرے تو غیر خدا کے لئے بھی اس لفظ کے بولے کی بھی اجازت نہیں دے سکتے۔ اور یہ جواب بھی ہم نے مجدد صاحب علیہ الرحمہ کے کلام سے سیکھا کہ وہ حضرت شیخ محی الدین بن عربی کے مسئلہ وحدت الوجود کو

جواز کے خلاف کہہ کر نکیر بھی فرماتے ہیں۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا ولی بھی کہتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں: ’’عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے اور ایسی شطح (سکر آمیز بات) خلاف جواز کے جناب شیخ مقبول بارگاہ کبریا میں سے نظر آتے ہیں۔

شیخ کا رد کرنے والا خطرہ میں ہے۔ اور ان کے قول کے ساتھ ان کا قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ شیخ کو قبول کیا جائے اور ان کے خلافی کلام کو نہ قبول کیا جائے۔ یہ راہ وسط ہے جو شیخ کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے معاملہ میں میرا مختار مسلک ہے‘‘

(مکتوب ۷۷، دفتر سوم، بحوالہ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۷۳)

رہ گئے بکر صاحب تو انہوں نے اس مسئلہ میں جو کچھ کہا ہے۔ علما کے فتاوی کے حوالہ سے کہا ہے۔

اور جو تاویل کے ساتھ تکفیر کرے۔ اس پر حکم کفر نہیں لوٹتا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب فتاوی رضویہ تیسری جلد پر ص ۲۲۷ پر فرماتے ہیں: ’’ان الاکفار باکفار المسلم اذا کان ذلک لا عن شبهة و الا فلا‘‘

کسی مسلمان کو کافر کہنے سے کہنے والے پر کفر اس وقت پلٹتا ہے جب بلا شبہ تکفیر کرے اور شبہ یا تاویل کی بنا پر تکفیر کرے تو کفر نہیں لوٹتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو ۱۱ ربیع الاخری ۱۴۲۳ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید اور بکر میں گفتگو ہو رہی تھی، زید نے کہا کہ ۷۸۶/۹۲ لکھنا درست ہے بکر نے کہا کہ غلط ہے، قرآن وحدیث میں کہیں لکھا ہوا نہیں ہے اگر کہیں سے ثابت ہو تو پیش کرو۔ لہذا حضرت سے گذارش ہے کہ زید اور بکر میں سے کس کا قول صحیح ہے مع حوالہ کتب جواب ارسال فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد اعجاز اختر متعلم مدرسہ سراج العلوم لطیفیہ نہال گڑھ

الجواب

سوال میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(الف) اللہ پاک جل جلالہ اور اس کے حبیب ﷺ کے اسمائے مبارکہ سے تبرک جائز ہے یا نہیں؟

(ب) اگر جائز ہے تو کیا عربی رسم الخط کے ساتھ ہی خاص ہے یا دوسرے رسم الخط میں بھی اسے تحریر کیا جاسکتا ہے۔

(ج) جس طرح کسی امر کے جواز کے پہلو کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اس کی ممانعت کے لئے بھی دلیل شرعی درکار ہے۔ بلکہ ممانعت کی دلیل کا منصوص ہونا ضروری ہے کیونکہ شرع سے کسی امر کا ممنوع نہ ہونا ہی دلیل جواز ہے۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ

هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ (النحل: ۱۱۶)

اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہے یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو۔

حدیث شریف میں ہے: ان الله فرض فرائض فلا تضيعوها و حرم حرمات فلا تنتهكوها و حد حدوداً فلا تعتدوها و سكت عن اشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها (مشکوٰۃ: کتاب الایمان ۱/۵۵)۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے تو اسے ضائع نہ کرو اور کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا تو اس کے قریب نہ جاؤ، اور کچھ حدیں متعین فرمائیں تو اس کے آگے نہ بڑھو اور بے بھول چوک کچھ چیزوں کا تذکرہ نہ کیا تو اس کی کرید نہ کرو۔

اس آخری جملہ کی شرح میں حنفی عالم حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دل على ان الاصل فی الاشياء اباحة۔

اس جملہ سے یہ پتہ چلا کہ قرآن وحدیث میں جس کو نہ حلال کہا گیا ہو نہ حرام قرار دیا گیا ہو وہ مباح ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ [البقرة: ۲۹] زمین میں جو ہے تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ (مرقات جلد اول ص ۲۱۶)

اور غیر مقلد مولوی عبید اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

وسكت عن اشياء اى ترك ذكر اشياء اى حكمها من الحرمة والحل والوجوب وهو محمول على ما انتفى فيه دلالة النص على الحكم بجميع وجوهها المعتبرة فتستدل حينئذ بعدم ذكره بايجاب او تحريم او تحليل على انه معفو لا حرج على فاعله و لا على تاركه۔

کچھ چیزوں کا تذکرہ نہ کیا یعنی نہ یہ بتایا کہ یہ واجب ہے نہ یہ کہ حرام ہے نہ یہ کہ حلال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ احکام نصوص سے جن جن طریقوں سے ثابت ہوتے ہیں ان میں سے اس کے بارے میں کسی حکم کا پتہ نہیں چلتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معاف ہے نہ اس کے کرنے والے سے باز پرس نہ نہ کرنے والے سے۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی چیز کے بارے میں کوئی حکم قرآن وحدیث میں نہ ہونا اس کے حرام اور منع ہونے کی دلیل نہیں۔ جیسا کہ بکر بے خبر کا قول ہے بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو کر سکتے ہیں شرع سے اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ اور بکر نے اس کو غلط کہا تو قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت پیش کرے کہ کہاں قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ اب ہم اس بات کی دلیل پیش کرتے

ہیں کہ اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ سے مسلمان اپنے فعل کے شروع میں تبرک حاصل کرسکتا ہے، اس کے لئے کسی زبان اور کسی رسم الخط کی خصوصیت نہیں اور تحریری یا تذکرۂ زبان کی تخصیص نہیں۔

(الف) بسم اللہ شریف سے جملہ اہم امور شروع کرنے کی تاکید حدیث شریف میں ہے جس کو حافظ عبد القادر نے اپنی اربعین میں، اور ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے اپنی مرویات میں اور ابن حبان اور ابو عوانہ نے اپنی صحاح میں مختلف الفاظ سے روایت کیا۔ اور ابن حبان اور ابو عوانہ نے اور ابن صلاح نے تحسین وتصحیح فرمائی "کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ بذکر اللہ و بسم اللہ الرحمن الرحیم فھو اقطع" (عینی جلد اول ص ۱۱)

جو اہم کام اللہ کے ذکر اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نہ شروع کیا گیا وہ ناقص ہے۔

اسی میں ص ۱۲ پر ہے: "وروی الشافعی ایضا انھا لیست من اوائل السورۃ غیر الفاتحۃ انما یستفتح السور بھا تبرکا"

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شریف سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی سورت کا جز نہیں مگر ہر سورت کے شروع میں تبرک کے لئے لکھا جاتا ہے۔

(ب) حضور ﷺ کا نام نامی اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے ساتھ ذکر کرنا آیت قرآنی سے ثابت ہے: عینی حوالہ مذکورہ بالا میں ہے: "لان ذکرہ ﷺ مقرون بذکرہ تعالیٰ ولقد قالوا فی قولہ تعالیٰ و رفعنالک ذکرک معناہ ذکرت حیثما ذکرت"

حضور ﷺ کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر سے ملا ہوا ہے۔ مفسرین کرام آیت قرآنی ﴿ورفعنالک ذکرک﴾ کا معنی یہ بتاتے ہیں جہاں میرا ذکر ہوگا وہیں تیرا ذکر ہوگا۔

ابن عساکر و حافظ حسین ابن احمد ابن عبد اللہ ابن بکر حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر کرتے ہیں: من ولد لہ مولود فسماہ محمدا حبالی و تبرکا باسمی کان ھو ومولودہ فی الجنۃ۔

ترجمہ: جس نے میری محبت اور میرے نام سے حصول برکت کے لئے اپنے نومولود بچے کا نام محمد رکھا تو وہ اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہوں گے۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

"ھذا امثل حدیث ورد فی ھذا الباب و اسنادہ حسن" اس بارے میں یہ سب سے عمدہ حدیث ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (بحوالہ فتاوی رضویہ جلد دہم نصف اول ص ۲۰۲)

فتاوی امام سخاوی میں ہے کہ ابو اشعث حرانی نے امام عطا سے روایت کیا:

من اراد ان یکون حمل زوجتہ ذکرا فلیضع یدہ علی بطنھا و لیقل ان کان ذکرا فسمیتہ محمدا فانہ یکون ذکرا۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں زیر آیت: "فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ" تحریر فرمایا: "قیل رأی مکتوبا علی ساق العرش محمد رسول اللہ فتشفع بہ (۳۷۷/۱)" حضرت آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر نام محمد ﷺ لکھا دیکھا ان کے واسطہ سے دعا مغفرت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آپ علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ جملہ جائز امور کی ابتدا میں تبرکاً اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی کا ذکر محبوب ومندوب ہے اور ذکر زبان اور تحریر دونوں ہی صورتوں کو عام ہے کوئی تحریر ہو رہی ہو تو اس کی ابتدا میں یہ ذکر ہو اور دیگر امور ہوں تو زبان سے ذکر کیا جائے۔

چنانچہ حضور سید عالم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر اہل مکہ سے جو تحریری معاہدہ صلح فرمایا اس کی ابتدا بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کی (عینی اول ص ۱۲)

قرون اولی سے ہی عام طور سے اسلامی مصنفین کا یہ دستور ہوگیا کہ وہ اپنی تصنیفات کی ابتدا بسم اللہ اور حمد وصلوۃ سے کرتے ہیں اگر کسی نے اس کا خلاف کیا تو اس پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے رہے خود امام بخاری بھی اس سلسلہ میں اعتراضات کی بوچھار سے نہ بچ سکے۔

اب ہم اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ذکر خدا اور رسول کے لئے کسی خاص زبان یا رسم الخط کی تخصیص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ﴾ (سورۃ ابراھیم: ۴)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اسی کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے:

ثم لما من اللہ علی المکلفین بانزال الکتاب و ارسال الرسول ذکر ان من کمال تلک النعمہ ان یکون ذلک الکتاب بلسان المرسل الیھم۔

(نیشاپوری علی حاشیہ طبری جلد ۱۲ ص ۱۰۴)

اللہ تعالیٰ نے مکلفین پر اپنا یہ احسان ظاہر فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے کتاب اتاری اور رسول بھیجے اور اس انعام کا کمال یہ ہے کہ کتاب اسی قوم کی زبان میں ہے جس پر اتاری گئی۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر طبری جلد ۱۲ ص ۱۲۱ میں ہے:

یقول تعالیٰ ذکرہ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا﴾ الی امۃ من الامم یا محمد من قبلک و من قبل قومک

﴿رسولا إِلَّا بِلِسَانِ قومه﴾ الامة التی ارسلناه الیها و لغتهم لیفهمهم ما ارسله الله به الیهم من امره ونهیه۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کہ اے محمد ﷺ ہم نے آپ سے اور آپ کی قوم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تو اس قوم کی زبان اور لغت میں بھیجے۔ تاکہ وہ پیغمبر اللہ تعالیٰ کے احکام انہیں خوب سمجھائیں اور ظاہر یہی ہے کہ کتاب جس زبان میں اترے گی رسم الخط بھی اسی زبان کا ہوگا۔ اور اللہ ورسول کے ذکر واسما بھی اس رسم الخط میں تحریر ہوں گے۔ جس سے یہ امر آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ اللہ جل جلالہ ورسول اللہ ﷺ کے اسماء وصفات وآیات ذکر کا کسی رسم الخط میں لکھنا منع نہیں، بلکہ جائز ومعمول ہے۔

اب ہم عددی رسم الخط کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں:

خطوط ومراسلات میں ان اسما کے ساتھ تبرک اگر عربی رسم الخط میں ہوتو اس میں اس بداحتیاطی کا خطرہ تھا کہ اس کو پاک یا ناپاک سبھی چھوتے ہیں اور اس کو زمین پر بھی ڈالدیتے ہیں۔ تو اس بداحتیاطی سے بچانے کے لئے ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا جس میں عربی حروف تہجی کی عددی حیثیت مقرر کی مثلاً: الف کے لئے "۱" اور "ب" کے لئے "۲"، ج کے لئے "۳" اور دال کے لئے "۴" الی آخرہ۔ اور کسی اسم ذات یا آیت میں ان سب کا عددی قیمت جوڑ کر اس کے مجموعہ کو اس اسم یا آیت کی علامت قرار دیا۔ مثلاً: بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کل انیس حرف لکھنے میں آتے ہیں، ان حروف کی عددی قوت کا مجموعہ ۷۸۶ ہوا، اس کو لکھ دینے کے بعد بسم الله الرحمن الرحيم کا تبرک بھی حاصل ہوگیا اور ممکنہ بے ادبی کے خطرہ سے بھی حفاظت ہوگئی۔ یہ ساری تفصیل ہم نے آپ کی تسلی کے لئے لکھ دی ہے ورنہ معترض بکر کا کام تو وہیں سے تمام ہوگیا کہ اس کے جواز میں دلیل دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے البتہ اس کے ناجائز ہونے کی آیت یا حدیث پیش کرنا بکر صاحب کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو

(۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

غیر خدا کو قیوم یا قیوم اول یا قیوم زمان کہنا کیسا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ ایسا کہنا کفر ہے۔ جبکہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۷۳ میں عالم امر اور عالم خلق کو بیان کرتے ہوئے آگے چل کر فرماتے ہیں:

"یہ پوری معرفت والا عارف جب تمام امکانی مراتب طے کرلیتا ہے اس کو اس اسم تک رسائی ہوتی ہے جو اس کا قیوم ہے۔"

اسی دفتر دوم مکتوب ۷۴: "ان الله خلق آدم علی صورته" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آسمان وزمین وپہاڑ وہاں معیت کہاں سے لائیں کہ اللہ کی صورت میں مخلوق ہوں اور اس کی خلافت کے حقدار ٹھہریں اور اسکا بوجھ اٹھائیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس امانت کے بوجھ کو آسمان وزمین اور پہاڑ کے حوالے کردیا جائے تو وہ پارہ پارہ ہوجائیں۔ آگے فرماتے ہیں:

"اس حقیر کے خیال کے مطابق وہ امانت نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے۔ جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں۔"

لہذا مکتوب کی عبارت پر غور کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

محمد اطیع اللہ قادری نقشبندی خطیب وامام مسجد گلشن رضا بلڈنگ ۱۳ مالونی ملاڈ ممبئی

الجواب

آپ نے مکتوبات سے مقام قیومیت کے بارے میں جو نقل کیا۔ اور اس پر زید کے حوالہ سے جو اعتراض کیا۔ وہ دونوں ہمارے علم میں ہیں۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ زید کی اس بات کو فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب مجمع الانہر کے اس جزیئے سے تائید مل رہی ہے:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جل و علا نحو القدوس، والقیوم، والرحمان، و غیرها کفر۔ (کتاب السیر والجهاد: ۳۲۹/۲)

اور اس اعتراض کو جناب زید فاروقی مجددی نے اپنی کتاب "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" میں نقل کرکے جواب بھی دیا ہے۔ کہ حضرت مجدد کی عبارت میں قیومیت کے وہی معنی مراد لئے گئے ہیں جو دیگر حضرات ائمہ صوفیہ کے نزدیک غوث اور قطب کے ہیں۔ اور شریعت میں لفظ قیوم کا اطلاق ذات باری کے لئے خاص نہیں۔

یہاں پہونچ کر ہم نہ فیصلہ کرپائے کہ مجمع الانہر کے مذکورہ بالا جزیئے کا انہیں علم ہی نہ تھا۔ اور اگر تھا تو اس جزیئے کے عدم صحت پر ان کے پاس کیا دلیل ہے۔ البتہ فتاوی رضویہ جلد ششم ص ۱۵۴/۱۵۵ پر ہے:

"حضرت منصور اور سرمد وغیرہ نے ایسے الفاظ کہے جن سے خدائی ثابت ہوتی ہے۔ لیکن وہ ولی اللہ کہے جاتے ہیں۔ اور فرعون وہامان وشداد نے دعوی کیا تو کافر مخلد فی النار ہوئے۔ وجہ فرق کیا ہے؟

جواب: ان کافروں نے خود کہا ملعون ہوئے۔ اور انہوں نے خود نہ کہا بلکہ اس نے کہا جسے یہ کہنا

شایان شان ہے۔آواز ان میں سے مسموع ہوئی۔جیسے موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے سنا﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾[القصص:۳۰] میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا۔کیا درخت نے کہا تھا حاشا بلکہ اللہ نے۔یوں ہی یہ حضرات اس وقت شجر موسیٰ ہوتے ہیں۔

اس سے معلوم کہ بزرگوں پر وجد و سرمستی طاری ہوتی ہے اس وقت ان سے خلاف ظاہر الفاظ صادر ہوتے ہیں اس وقت ان پر حکم شرع لاگو نہیں ہوتا کہ مجذوبوں سے حکم شرع مرفوع ہے۔

یہاں ہمیں یہ نہیں معلوم کہ حضرت مجدد صاحب نے یہ الفاظ جذب و مستی اور حالت سکر میں کہے ہیں یا حالت صحو میں۔اس لئے ہم کسی کو غیر خدا پر ان الفاظ کے اطلاق کی نہ اجازت دیں نہ حضرت مجدد پر کفر کا فتوی لگائیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۸ رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ

رویت باری تعالیٰ کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾[النساء:۱۳۵]

ترجمہ:اے ایمان والو مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔اور خدا لگتی گواہی دو۔اگرچہ (یہ گواہی) خود تمہارے یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے لیے مضر (ہی کیوں) نہ ہو،خواہ مالدار ہو یا محتاج ہو، (کیونکہ) خدا تمہاری نسبت ان پر زیادہ مہربان تو تم (حق سے) کتراتے ہوئے خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو۔اور اگر گھما پھرا کر گواہی دوگے، یا بالکل انکار کروگے (تو یاد رہے جیسی کرنی ویسی بھرنی) کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے۔

عقیدہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾[الانعام:۱۰۳]

ترجمہ:-اس کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ نظروں کو خوب جانتا ہے

﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي﴾ -(الاعراف:۱۴۲)

ترجمہ:-حضرت موسیٰ نے عرض کی خدایا مجھے اپنی ایک جھلک دکھلا دے، کہ میں تجھے دیکھوں۔ خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

ان آیات ربانی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔لیکن حدیث شریف میں اس کے برعکس ہے کیوں؟۔

احادیث:

(۱) سترون ربکم عیانا ۔ (صحیح بخاری ج۳ص۳۲۱)

عنقریب تم خدا کو علانیہ دیکھوگے۔

(۲) کنا عندالنبی الی ان قال ھذا القمر ۔(بخاری ج۳ص۳۱۲)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرات صحابہ چاندنی شب میں موجود تھے،آنحضرت ﷺ نے فرمایا عنقریب تم لوگ خدا کو بھی اسی طرح دیکھوگے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

(۳) (مشکوۃ ص۱۱۰و۱۳۶)

(۴) (انوار اللغہ پارہ ۱۵۔ص۲۳و۲۵)

(۵) (مشکوۃ ص۴۰)

(۶) (صحیح بخاری پارہ۲ص۲۵۴)

(۷) (بخاری پارہ۳۰ص۷۴۵)

دنیا کی زندگی میں اللہ عزوجل کا دیدار نبی ﷺ کے لئے خاص ہے اور آخرت میں ہر سنی کے لئے ممکن بلکہ واقع۔

رہا قلبی دیدار یا خواب میں یہ دیگر انبیاء علیہم السلام بلکہ اولیاء کے لئے بھی حاصل ہے۔ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں سو(۱۰۰) بار زیارت ہوئی۔بہار شریعت جلد۱ص۶

محترم قبلہ آپ یہ رہنمائی کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو امام اعظم نے کس بت کی شکل میں دیکھا تھا؟ کیونکہ بہار شریعت میں تفصیل سے ذکر نہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾[البقرة:۱۱۹]

اے رسول ہم نے تم کو دین حق کے ساتھ (بہشت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾[الاحزاب: ۵۷]

بے شک جولوگ خدا اور رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر خدا نے دنیا وآخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾[القلم: ٤]

بے شک تمہارے اخلاق اعلیٰ درجہ کے ہیں۔

لیکن افسوس کہ احادیث میں رسول کے کردار کو کس طرح مسخ کیا گیا ہے۔

سائل ملک وحی الدین گنج پور گرف ضلع گونڈہ

الجواب

بلاشبہ سچائی کی گواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔خواہ یہ گواہی خود اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور گواہی سے انکار اور حق کو چھپانا بحکم قرآن عظیم سخت گناہ اور موجب عذاب آخرت ہے۔اور گواہی کو بدلنا یا اس میں ہیر پھیر کرنا غضب الٰہی کا سبب اور شدید وعید کا موجب ہے اور بیشک انبیاء کرام کی سیرت وکردار کو مسخ کر کے پیش کرنا نہایت افسوس ناک امر ہے۔

اب آیئے دیکھیں خود ملک وحی الدین گنج پوری قرآن حکیم کے ان اصولوں پر کس قدر پورے اترتے ہیں۔کیونکہ دیدار الٰہی کے بارے میں انہوں نے بھی ایک گواہی دی ہے۔ملاحظہ ہو

عقیدہ اللہ کو دیکھنے کا

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾۔[انعام:۱۰۳]

اس کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی (نہ دنیا میں نہ آخرت میں) اور وہ نظروں کو خوب جانتا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي﴾[الاعراف:۱۴۳]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی تو مجھے اپنی ایک جھلک دکھلا دے تا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ ملک صاحب کی اس گواہی میں اوپر ذکر کئے ہوئے تینوں عیب پائے جاتے ہیں۔

(۱) گواہی مکمل نہیں اس کے بعض حصے کا انکار ہے (یعنی اس کو چھپالیا)

(۲) گواہی میں گھماؤ پھراؤ بھی ہے یعنی گواہی بدل دی ہے اور اس میں کچھ اپنی طرف سے ملا دیا ہے۔

(۳) نبی معصوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کردار کو مسخ کر کے پیش کیا ہے۔اب ہم ہر ایک کو نمبر وار بیان کرتے ہیں۔

(۱) گواہی چھپانا

دیدار الٰہی کے بارے میں قرآن عظیم میں صرف یہی دو آیتیں نہیں ہیں، ایک تیسری آیت سورہ قیامہ میں بھی ہے۔لیکن چونکہ ملک وحی صاحب کے مسلک کا اس میں صاف صاف رد تھا، اس لئے انہوں نے اس کو صاف چھپالیا ہے۔

آیت یہ ہے:﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ . إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾[القیامة:۲۲-۲۳]

قیامت کے دن کچھ تروتازہ چہرے اپنے رب کو دیکھتے رہیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں کیسا صاف صاف بیان ہے کہ قیامت کے دن کچھ چہرے تروتازہ اور ہشاش بشاش ہونگے اور اپنے رب کے جمال سے اپنی آنکھوں کو سیراب کریں گے۔پوری پوری گواہی ادا کر دیتے تو ہر شخص سمجھ جاتا کہ جب قیامت میں دیدار الٰہی کا ثبوت سورۂ قیامہ میں ہے تو سورہ انعام میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی آنکھ خدا کو دیکھ نہیں سکتی۔ضرور ایک کے ترجمہ میں گجوری صاحب نے خواہش نفسانی کی پیروی کی ہے اور گھما پھرا کر ترجمہ کیا ہے۔

(۲) گواہی میں ہیرا پھیری کا ثبوت

قرآن عظیم کی آیت مبارکہ سورۂ انعام ایک بار پھر تیرہ لی جائے۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾[الانعام:۱۰۳]

اس آیت مبارکہ میں تمام آنکھوں سے جس چیز کی نفی کی گئی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اسی کو ثابت کیا گیا ہے۔اور اسی کو قرآن عظیم نے لفظ ادراک (لا تدرك) سے بیان کیا ہے۔تو جب آیت کے دونوں حصوں میں نفیا واثباتا صرف ایک چیز کا بیان ہے۔اور دونوں جگہ اس کو ایک ہی لفظ سے بیان بھی کیا گیا ہے۔تو ترجمہ بھی اس لفظ کا دونوں جگہ ایک ہی ہونا چاہئے۔لیکن ملک وحی صاحب اگر ایسا کرتے تو اُن کے عقیدہ کا تانا بانا ہی غت ربود ہو جاتا۔اس لئے انہیں ترجمہ میں پوری طرح ہیرا پھیری کرنی پڑی۔آپ ورق الٹ کر وحی صاحب کا بیان کردہ ترجمہ میں آیت کے پہلے حصہ میں تدرك کا ترجمہ "دیکھیں" کیا ہے اور دوسرے حصہ میں اسی لفظ کا ترجمہ "جانتا ہے" کیا ہے۔اور آیت مبارکہ میں دنیا وآخرت کا کوئی ذکر نہیں۔مگر ملک صاحب نے کیسی چابک دستی سے قوسین میں اس پیوند کا بھی اپنی طرف سے اضافہ کیا۔

ملک صاحب کی اس حرکت سے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اگر دال میں کچھ کالا نہیں ہے تو اس

ہیرا پھیری کی ضرورت کیا ہے؟

لفظ کا صحیح ترجمہ جو سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سعید بن مسیب اور جمہور مفسرین سے منقول ہے وہ احاطہ ہے، اب مطلب صاف ہو گیا۔ آنکھ خدا کا احاطہ نہیں کر سکتی ہے اور خدا تمام آنکھوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے احاطہ اور گھیراؤ مادی چیزوں کا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ غیر مادی لامحدود ہے تو کوئی آنکھ اس کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے۔ اور سورۂ قیامہ میں یہ ہے کہ کچھ لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو دیکھنا ثابت ہے اور احاطہ گھیراؤ کی نفی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس طرح نہیں دیکھا جا سکتا جس طرح اور مادی چیزوں کو دیکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا دیدار جہت اور کیفیت سے پاک ہوگا۔ ہماری اس تشریح سے ملک صاحب کے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا کہ امام اعظم نے اللہ تعالیٰ کو کس بت کی شکل میں دیکھا تھا؟ کہ اللہ تعالیٰ کا جمال صورت کیفیت اور ہیئت سب سے پاک ہے ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ:۱۱]

(۳) نبی معصوم کے کریکٹر کو مسخ کرنا۔

ملک وحی الدین صاحب نے سورۂ اعراف کی آیت بھی اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں سکتے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی خدایا تو مجھے اپنی جھلک دکھلا دے خدا نے فرمایا تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔

سوال یہ ہے کہ جس عقیدہ کا وحی الدین صاحب نے بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم تھا یا نہیں؟ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اس کے خلاف تھا یا ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ان کا اس کے خلاف تھا۔ یعنی وہ یہ مانتے تھے کہ خدا کو دیکھنا ممکن ہے۔ تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کردار کو کتنا مسخ کیا کہ وہ تو کہتے ہیں خدا کو دیکھنا ممکن ہے اور آپ کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ خدا کو دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کا دیکھنا ہی محال ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ خدا کو دیکھا نہیں جا سکتا اس کا دیکھنا محال ہے۔ مگر پھر بھی آپ نے ان کی تصویر مسخ کر ڈالی۔ کیونکہ اسی نبی معصوم کے بارے میں آپ یہ بیان دے رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ عقیدہ رکھتے ہوئے بھی کہ خدا کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ عبث اور لایعنی سوال خدا سے کر دیا کہ تو مجھے اپنے کو دکھا دے۔ جب خدا کا دیکھنا ہی محال بنے تو دیکھنے کے سوال کا کیا مطلب؟ کیا کوئی پیغمبر ایسی لایعنی حرکت کر سکتا ہے؟ معلوم ہوا آپ نے اپنا عقیدہ بنانے کے لئے پیغمبر عظیم الشان کی عظمت بگاڑی اور ان کے اخلاق کو مسخ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی وعید کو پھر دہرائیے۔ اور اپنے کریکٹر کا اسی کی روشنی میں جائزہ لیجئے۔

ارشاد الٰہی ہے: تو تم حق سے کتراتے ہوئے خواہش نفسانی کی پیروی مت کرو۔ اور اگر گھما پھرا کر گواہی دو گے۔ یا بالکل انکار کرو گے تو یاد رہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی ۹ رشوال ۱۴۰۶ھ

عقائد اہل سنت کا بیان

(۳-۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) زید کا کہنا ہے کہ چاروں خلیفہ میں حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(۲) چاروں خلیفہ کو نہ ماننے میں کوئی شرعی قباحت نہیں، البتہ اہل سنت کو نہ ماننے والا کافر ہے۔

(۳) زید سے جب پوچھا جاتا ہے تو کہتا ہے "ہذا من فضل حسین بن علی" شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔ المستفتی، احتشام خالد گھوسی مئو (یوپی)

الجواب

(۱) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی افضلیت کو اہل سنت وجماعت کی علامت قرار دیا۔ عینی جلد ۳ صفحہ ۹۷ میں ہے "رآہ ابو حنیفة من شرائط اهل السنة والجماعة فقال نحن نفضل الشيخين ونحب الختنين ونرى المسح على الخفين" وہ شخص جو مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان سے افضل مانے اہل سنت وجماعت سے خارج اور بدعتی ہے" ان من فضل علياً على الثلثة فمبدع" فتح القدیر جلد اول صفحہ ۳۰۴۔ حدیث شریف میں ایسے لوگوں سے دور رہنے اور پرہیز کرنے کا حکم ہے: "اياكم واياهم لايضلونكم ولا يفتنونكم۔ (صحيح مسلم۔ المقدمة: ۱۲/۱)

(۲) نہ ماننے کا لفظ مبہم ہے، نہ ماننے سے زید کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ خلفائے اربعہ کو مسلمان نہیں مانتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کی خلافت کا قائل نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو صحابی نہیں مانتا۔ اگر زید ان معانی میں نہ ماننے میں کوئی شرعی قباحت نہیں سمجھتا تو یہ کفر ہے "ويجب اكفارهم باكفار عثمان وعلى وطلحة وزبير وعائشة۔ (فتاویٰ بزازیہ جلد ۶ صفحہ ۳۸۱)

اور فتح القدیر میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے: وان انكر خلافته او عمر رضى الله عنهما فهو كافر (حوالہ مذکورہ بالا) طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۱۶۵ میں ہے: "وان انكر خلافة

الصدیق کفر والحق فی الفتح عمرفی هذا الحکم والحق فی البرهان عثمان ایضاً ولا تجوز الصلاة خلف منکر الصحابة۔

نہ ماننے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے ان کی کسی فضیلت کا انکار کرے جیسا کہ اوپر کے بیان سے ظاہر ہوا کہ روافض مولیٰ علی پر شیخین کی فضیلت کو تسلیم نہیں کرتے، یہ گمراہی ہے۔ نہ ماننے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی کسی بات کی اتباع سے انکار کرے، جیسے کسی سے کہا جائے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان میں سرکار کا نام سن کر انگوٹھا چوم کر آنکھوں سے لگاتے تھے، تو وہ جواب دے ہم ان کو نہیں مانتے۔ مطلب یہ کہ اس بات میں ان کی پیروی نہیں کرتے، تو اسے محروم قرار دیا جائیگا۔ پس جب تک نہ ماننے کی وضاحت نہ ہو زید کے لئے کوئی متعین حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ یہی حال ماننے کا ہے۔ روافض دوازدہ (۱۲) امام کو جو اہل بیت سے ہیں انبیاء سے افضل مانتے ہیں یہ کفر ہے۔ اور اہل سنت ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت میں شامل مانتے ہیں، رافضی ان کو نہیں مانتے، ان پر تہمت اٹھاتے ہیں حالانکہ ان کی پاک دامنی قرآن سے ثابت ہے، تو یہاں اہل بیت کا نہ ماننا کفر ہوا۔ الغرض زید اپنے کلام میں جب تک ماننے اور نہ ماننے کا معنی ومطلب متعین نہ کرے ہم اس پر حکم نہیں لگائیں گے۔

(۳) حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کا فضل وکرم بھی ان کا ذاتی نہیں ہے، خدا کے دیے سے ہے تو اگر زید اس عقیدے سے وہ جملہ کہتا ہے تو حرج نہیں، البتہ یہ عام رواج کے خلاف ہے، ایسے موقع پر شیعہ صاحبان بھی جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن اعتقاد کے مدعی ہیں هذا من فضل ربی ہی کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۶ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ

(۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ
کون کون اور کس کس طرح کی مایوسی کفر ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔
المستفتی، محمد جمیل اختر رضوی قادری پوسٹ بارہ کان پور

الجواب

شرح عقائد میں ہے "الیاس من الله تعالیٰ کفر (استحلال المعصیة کفر:۱۶۱) "اللہ تعالیٰ کی طرف سے مایوسی کفر ہے۔ اس کی شرح نبراس میں ہے "سواء کان فی حوائج الدنیویة او الاخرویة" دنیاوی معاملہ میں ہو یا اخروی معاملہ میں ہو، مثلاً آدمی بیمار ہو تو یہ یقین کرے کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ اچھا نہیں کرے گا، یا گنہگار ہو تو سوچے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نہیں بخشے گا، علی هذا القیاس۔

قرآن عظیم میں ہے:
﴿إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ [۱۲. یوسف:۸۷]
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر قوم مایوس ہوتی ہے۔

علامہ خازن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لفظ روح کی تفسیر میں فرمایا "یعنی من رحمة الله وقیل من فضل الله وقیل من فرج الله" یہ تینوں لفظ تقریباً ہم معنی ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے، تنگی، تکلیف، یا مصیبت کے بعد کشادگی، اس کو صاحب نبراس نے حوائج دنیویہ اور اخرویہ سے تعبیر کیا ہے، یعنی دنیوی اور اخروی ضرورتیں۔ علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام رازی یاس من الله کو کفر کہتے ہیں، اس کے برخلاف حضرت شہاب فرماتے ہیں کہ ناامیدی کو جمہور فقہائے کرام نے گناہ کبیرہ بتایا ہے، یہ کفر نہیں ہے، حضرت ابن نجیم نے تحریر فرمایا کہ کلام کی کتابوں میں یہ کفر لکھا ہوا ہے، اور فقہاء کے نزدیک یہ گناہ کبیرہ ہے کہ ناامیدی کافروں کا کام ہے، مسلمان اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ فقہا کی بات سنت کے موافق ہے۔ علامہ آلوسی بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۳ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ

(۵-۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ
(۱) مدینہ شریف کو یثرب کہنا درست ہے یا نہیں؟
(۲) یزید کافر ہے یا مومن؟
المستفتی، محمد ادریس مرادپور

الجواب

(۱) مدینہ شریف کو یثرب کہنا شرعاً منع ہے۔
(۲) امام احمد علیہ الرحمة یزید کو کافر کہتے ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمة مسلمان۔ اور ہمارے امام اعظم توقف کرتے ہیں، یہی ہمارا مذہب ہے کہ اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وهو تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۷ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ

(۷-۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ
(۱) کہ ایک شخص بولا کہ جنات جنت میں نہیں جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل نہیں دی ہے، اگر برے کام کریں گے جہنم میں جائیں گے، نیک کام کریں گے تو فنا کر دیے جائیں گے۔
(۲) ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان سے پوچھا کہ بینک جو بیاج دیتی ہے تو اس کو کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ تو دوسرے مسلمان نے کہہ دیا کہ ناجائز، اور تم وہابی ہو۔ بغیر تحقیق کے اس نے وہابی کہہ دیا

تواس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟۔

(۳) ایک لڑکی نے زنا کرائی تو برادری والوں سب نے مل کراس کو بند کردیا اوراس کے سب گھر والوں کو بھی بند کردیا پھراس کے بعد برادری والوں نے ایک جگہ بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ پانچ سوایک روپیہ جرمانہ لگادیا توپیسہ جرمانہ کا تھا اس پیسہ کو کسی مزار شریف میں لگادیا اور پلیٹ وغیرہ خرید کر برادری میں کرایہ سے چلاتے ہیں۔اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ فقط والسلام۔

المستفتی، آپ کا خادم محمد محمود مقام پوسٹ امرپور ضلع شہڈول

الجواب

(۱) جلالین کے حاشیہ صاوی میں جنوں کے بارے میں لکھا ہے کہ "الجن اجسام نارية هوائية لها قدرة على التشكلات بالصور الشريفة والخسيسة وتحكم على الصورة" جن آگ ونار سے بنی ہوئی ایک مخلوق ہے جس کو شکل بدلنے پر اللہ تعالیٰ نے قدرت دی ہے اچھی شکل بھی بدلتے ہیں اور بری بھی اور جیسی شکل بدلتے ہیں ویسا ہی کام کرنے لگتے ہیں (جلالین صفحہ ۴۷۶)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ مصنف بہار شریعت فرماتے ہیں: ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں، ان کے شریروں کو شیطان کہتے ہیں، یہ سب انسان کی طرح ذی عقل اور ارواح واجسام والے ہیں، ان میں توالد وتناسل ہوتا ہے، کھاتے پیتے ہیں مرتے جیتے ہیں

(بہار شریعت جلد اول صفحہ ۴۴)

ان میں مسلمان وکافر سنی اور بدمذہب بھی ہوتے ہیں (حوالہ مذکورہ بالا)

حضرت حسن بصری وامام سدی فرماتے ہیں: "الجن امثالكم فمنهم قدرية ومرجية ورافضية۔ (حاشیہ جلالین صفحہ ۴۷۶)

مدارک شریف میں لکھا ہے: "لما خلق الله الارض اسكن فيها الجن واسكن فى السماء الملائكة فلما فسدت الجن فى الارض فبعث اليهم طائفة من الملائكة فطردهم الى جزائر البحار وشعوب الجبال۔ (خازن جلد اول صفحہ ۴۴)

اللہ تعالیٰ نے جنوں کو پیدا کیا تو ان کو زمین میں آباد کیا اور فرشتوں کو آسمان میں بسایا، جنوں نے زمین میں فساد پھیلایا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج کر انھیں جزیروں اور پہاڑوں کی طرف کھدیڑ دیا۔

قرآن شریف میں سورہ اعراف، سورہ ھود اور سورہ جن تین جگہ فرمایا گیا کہ کافر جن جہنم میں جائیں گے۔﴿ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَباً ﴾[الجن: ۱۵] ظالم جن جہنم کا ایندھن

ہوں گے۔ مسلمان جنوں کا انجام کیا ہوگا اسکی کوئی تشریح ہماری نظر سے نہیں گذری، البتہ امام بیہقی نے حضرت انس سے ایک روات کی" انهم (اى اصحاب الاعراف) مومنوا الجن

(حاشیہ جلالین صفحہ ۱۳۳)

مقام اعراف میں مؤمن جن رہیں گے۔ اور اعراف وہ جگہ جہاں کے لوگ بالآخر جنت میں جائیں گے۔ اور آپ کا بولنے والا شخص تو غلط بولتا ہے، اس نے جنوں کے جنت میں نہ جانے کی وہ وجہ بتائی کہ ان کے عقل نہیں ہوتی جب کہ بہار شریعت کی عبارت گذر چکی کہ یہ سب انسان کی طرح ذی عقل ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرے مسلمان نے ایک مسلمان کو بے تحقیق وہابی کہہ کر سخت غلطی کی ہے اس کو اس مسلمان سے معافی مانگنی چاہئے، اور اس نے مسئلہ بھی غلط بتایا، بینک سے زائد ملنے والی رقم کو بیاج مان کر بیاج بتا کر کھانا حرام ہے۔

(۳) زانیہ عورت سے توبہ واستغفار کرانا چاہئے تھا، اسکی نگرانی کر کے اس کو نیک چلن بنانا چاہئے تھا، اس پر مالی جرمانا لگانا حرام تھا، فوراً (۵۰۱) پانچ سو ایک روپیہ اس کو واپس کریں ورنہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے فقط واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۴ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

(۱۰) **مسئلہ**: ما ذا يقول العلماء الكرام دامت ظلالهم العالية فى المسئلة الآتية ماهى النصوص الصريحة التى يثبت بها المرور على الصراط للكافرين والمشركين؟

اجيبوا عنها دالين على صورة النصوص المتعلقة من الكتاب والسنة والاجماع واقوال السلف مع اسماء الكتب ورقوم صفحاتها متفضلين علينا نحن مكلفوكم وطالبوا دعائكم۔

رياض احمد قادرى واصغر على قادرى ومظهر على قادرى وغيرهم من اركان المدرسة الغوثية۔ ساؤته ملونى گنج جبلپور (۲) ايم پى ۹ شوال المكرم / ۱۴۱۰ھ

الجواب

صرح ابن مرحان فى الارشاد بان الكفار لا يمرون على الصراط وفى الاحاديث ما يشهد له وفى احاديث اخر ما يقتضى خلاف ذلك انهم يمرون فحملت ذلك على المنافقين لكون بعض الروايات فيها ما يدل على ذلك۔ ثم رأيت القرطبى صرح بأن فى الاخرة صراطين، صراط لعموم الخلق الامن يدخل الجنة بغير حساب ومن يلتقطهم عنق النار۔ وصراط للمومنين خاصةً وهذا جمع حسن وعرف منه ان من يلتقطهم عنق النار هم

طوائف مخصوصة من الکفار لایمرون علی الصراط اصلاً و کذلك بعث النار الذی یخرج من الخلق الیها قبل نصب الصراط دلت الاحادیث علی انهم لایمرون علی الصراط اصلاً وهم طوائف من الکفار والظاهر انه لا یمرون علی الصراط الاالمنافقون واهل الکتابیین الیهود والنصاری فان هؤ لاء الفرق الثلاث ورد فی الحدیث انهم یحملون علیه فیسقطون منه فی النار و کذلك من ینصب له المیزان من الکفار وهم طائفة مخصوصة منهم یمرون علیه فیحضرو وزنهم المیزان انما هو علی الصراط ۔

هذا ملخص القول فی ذلك وبسطه فی کتابنا مسمّی بالبدور السافرة فی امور الآخرة (الحاوی للفتاویٰ جلد ۲/صفحه ۱۹۶) واللہ تعالیٰ اعلم ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۱۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زیر عرش ایک لوح ہے جس کا طول پانچ سو برس کی راہ ہے، لہٰذا اس طول سے پیدل کی مسافت مراد ہے یا کسی جاندار سواری کی مسافت مراد ہے؟ تو ہوائی جہاز سے یہ سافت چند دنوں میں پوری ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) زمین سے آسمان اول کی دوری کتنی ہے اور اول سے دوم وسوم وغیرہ کی کیا ہے؟ اور یہ دوری ہوائی جہاز سے طے ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) قمر زمین وآسمان کے مابین معلق ہے یا آسمان پر ہے تو کس آسمان پر ہے؟ لہٰذا زید ہوائی جہاز سے چاند پر پہونچ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پہونچ سکتا ہے تو اس پر سکونت اختیار کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) (حدیث) کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه او ینصرانه او یمجسانه (بخاری: کتاب الجنائز ۱/۳۲۷) ۔ لہٰذا اس حدیث کے ماتحت کافروں کے بچے جو حالت نابالغی میں مرگئے کیا حشر ہوگا؟ عذاب قبر ہوگا یا نہیں؟ اور ان کے دوزخی اور جنتی ہونے میں کیا خیال رکھنا چاہیے؟

(۵) سوال قبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت سے خاص ہے یا دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی امت سے بھی ہوا کرتا تھا؟

(۶) درحدیث آمدہ است، جومسلمان شب جمعہ یا روز جمعہ یا رمضان المبارک کے کسی دن رات میں مرگیا سوال نکیرین وعذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔ لہٰذا ان ایام میں فوت شدہ مومنین کو قبر میں حضور

ﷺ کا دیدار ہوگا یا دیدار سے محروم رہیں گے؟

(۷) سائنس بتاتی ہے کہ زمین گھومتی ہے اور سورج اپنی جگہ پر ساکن ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اب جناب قبلہ سے امیدوار ہوں کہ اس کا پورا پورا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں دیا جائے۔ بینوا توجروا

المستفتی جواد احمد ساکن اسا اور ڈاکخانہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

الجواب

(۲) آپ کے دوسرے سوال سے ہم جواب شروع کرتے ہیں۔ بیشک حدیث شریف میں آیا ہے کہ زمین سے آسمان کی دوری پانچ سو برس کی راہ ہے اور آسمان کا دل پانچ سو برس کی راہ ہے۔ اسی طرح ساتوں آسمان تک۔ تو ساتویں آسمان تک ۷/ہزار برس کی راہ ہوئی مگر یہیں سے بس نہیں اس کے اوپر سدرۃ المنتہی ہے۔ یہ عالم امکان کی حد ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب الملفوظ حصہ چہارم میں فرماتے ہیں:

"زمین سے سدرۃ المنتہی تک ستر ہزار برس کی راہ ہے، سدرۃ المنتہی کے بعد مقام مستوی ہے، حضور ﷺ نے اپنے سفر معراج میں یہاں بھی پہونچنے کا ذکر فرمایا ہے، اس کا بیان نہیں کہ سدرۃ المنتہی اور مقام مستوی میں کتنا فاصلہ ہے، بس اللہ تعالیٰ جانے۔ مقام مستوی کے بعد عرش الٰہی ہے اور عرش مستوی کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب ہیں اور ہر حجاب کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ ہے، اور عرش ہی کے نیچے لوح محفوظ ہے جیسا نمبر اول میں آپ کی ذکر کی ہوئی حدیث سے ظاہر ہے، تو سب سے پہلے آپ کسی اچھے حساب داں سے ان ستر ہزار حجابوں کا فی حجاب پانچ سو برس کا ٹوٹل لگوائیں، پھر اس مجموعہ میں زمین سے سدرہ تک کے ستر ہزار برس جوڑیں تو سالوں میں کل مسافت معلوم ہوجائے گی، مگر سدرہ اور مستوی کے بیچ کا فاصلہ اب بھی لامعلوم رہے گا کہ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی بیان ہی نہیں، اور بے بیان کون بتائے۔

اب ہم آپ کے سوال کے اس حصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ مسافت پانچ سو سال جو بیان کی گئی ہے وہ پیدل کی ہے یا سواری کی ہے، تو حدیث کی شرح کرنے والے بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ بے حد تیز رفتار سواری کی ہے، جبکہ دوسرے علماء کا بیان ہے کہ اصل مقصد مسافت کی کوئی خاص مقدار بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ اس کی مسافت کی کوئی حد وشمار نہیں ہے جیسے بہت بڑا مجمع ہو کہ شمار نہ کیا جاسکے تو کہہ دیتے ہیں کہ لاکھوں آدمی تھے۔

سورج ۹/کروڑ تیس لاکھ میل کی دوری پر ہے جو چوتھے آسمان پر ہے اور حسب بیان حدیث چو

تھے آسمان تک چار ہزار برس کی راہ ہے۔ تو نو کروڑتیس لاکھ میل برابر چار ہزار برس کے ہوا۔ اوپر جو سالوں کا مجموعہ حاصل ہوا تھا اس کو چار ہزار سے تقسیم کر کے حاصل قسمت کو نو کروڑتیس لاکھ میل میں ضرب دیجئے تو میلوں سے مسافت معلوم ہو جائے گی۔ ہم نے اپنے یہاں کے منشی سے حساب لگوایا تو تین کروڑ پچاس لاکھ ستر ہزار برس کی راہ ہوئی اور میلوں کا حساب لگایا تو نو کھرب چونتیس عرب تینتالیس کروڑتیس لاکھ میل ہوتے ہیں، اس میں سدرۃ المنتہیٰ اور مستوی کے درمیان کی مسافت نہیں معلوم، اللہ ہی بہتر جانے۔

اب ہم آپ کے سوال کے اس حصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ آدمی ہوائی جہاز سے وہاں پہونچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور وہاں سکونت اختیار کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو سائنس دانوں نے چاند سے زمین کی دوری صرف دو لاکھ اڑتیس ہزار میل تک بتائی ہے۔ اس کو طے کرنے کیلئے مخصوص قسم کی سواری بنائی گئی، خاص قسم کے لباس تیار کئے گئے، سواری میں خاص قسم کے حالات پیدا کئے گئے، ان حالات میں زندگی گزارنے کی مشق کرائی گئی، ایک دو دفعہ شور بھی کیا کہ ہم چاند پر پہونچ گئے اور وہاں سے کنکر پتھر بھی لائے، لیکن اس سلسلہ میں اب روس اور امریکہ دونوں محاذ پر سناٹا ہے، روس کا تو خیر دیوالیہ ہی پٹ گیا ہے۔ امریکہ کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ چاند پر جانے کا پروگرام کتنا آگے بڑھا اور کیا ہو رہا ہے، جب ڈھائی لاکھ میل کی مسافت میں یہ لوہے لگ رہے ہیں تو ساڑھے اکیاسی سنکھ سے زائد میل مسافت کا کیا حال ہوگا؟

اور چاند کے حالات تو سائنس دانوں نے یہ بتائے ہیں کہ پانی اور ہوا جو انسانی زندگی کیلئے ضروری ہے وہاں بالکل ہی نہیں، دن میں گرمی اتنی پڑتی ہے کہ وہاں کسی جاندار کا جینا محال ہے۔ اور رات میں سردی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ نقطۂ صفر سے بھی دو سو درجہ کم ہو جاتا ہے۔ وہاں سبزی یا کسی جاندار کا نشان نہیں ہے۔ اسی لئے بحالت موجودہ وہاں زندگی گزارنا محال ہے۔

ان سب حالات وعوائق کے باوجود اصل جواب یہی ہے کہ قرآن وحدیث میں کہیں بھی ان مسائل سے بتصریح بحث نہیں کی گئی ہے۔ اسلام براہ راست انھیں مسائل سے بحث کرتا ہے جنکا تعلق انسان کی صلاح وفلاح سے ہو، اس لئے ہم مسلمانوں کے عقائد پر اس کے سوالات سے نفیاً یا اثباتاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً انسان اپنی ساری جدوجہد کر کے تھک ہار جائے اور اعتراف کر لے کہ خلائی سفر ناممکن ہے، تب بھی فلاح ونجات کے لئے اسلام کی ضرورت ہوگی اور اسلام کے کسی عقیدہ پر اثر نہ ہوگا، یا تمام موانع پر غالب آکر سفر کی راہیں آسان کر دے، اور تمام سیاروں میں بود و باش شروع ہو جائے تب بھی اسلام کے عقائد پر کوئی اثر نہ پڑیگا اور انسان اسلامی ہدایتوں کا محتاج رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یٰـا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا

تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ﴾ (الرحمٰن: ۳۳) اے انسانوں اور جنوں کے گروہ! آسمانوں اور زمینوں کے کناروں سے نکل بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ جہاں بھی جاؤ گے اسی ایک پروردگار کی حکومت ملے گی اور اس کی قدرت سے بھاگ کر نہیں نکل سکتے۔

اس لئے ہم عام مسلمانوں کو اس میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت اس پر ایمان لائیں اور تفصیلات کو خدا کے سپرد کریں۔ حضرت علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں لوح محفوظ کے بیان میں فرماتے ہیں: عن ابن عباس والعهدة على الراوى لوح من درة بيضاء طوله ما بين السماء والارض وعرضه مابين المشرق والمغرب نحن نؤمن به ولا يلزمنا البحث عن ماهيته وكيفيته وكتابته ونحو ذالك ۔ [تفسیر سورۃ البروج: ۲۲] ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کی ذمہ داری راویوں پر ہے۔ کہ لوح محفوظ سفید موتی کا ہے اور اس کی لمبان زمین وآسمان کے بیچ کا فاصلہ ہے اور چوڑان مشرق ومغرب کا فاصلہ ہے۔ ہم کو اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس بحث میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے اور کیفیت کیا ہے اور اس میں کیسی تحریر ہے وغیرہ۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل روایت میں پانچ سو برس کی راہ بتایا گیا ہے۔

چاند اور سورج اور تمام ستاروں کے بارے میں جمہور مفسرین کا قول ہے: "فی موج مکفوف تحت السماء"۔ یہ سب آسمان کے نیچے ایک لہر میں ہیں۔ یہاں تک آپ کے تین سوالوں کا جواب ہو گیا

(۴) اولاد مشرکین کے بارے میں علمائے اسلام کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں" انهم من اهل النار تبعاً لا بوين ۔ وقيل من اهل الجنة نظراً الى اصل الفطرة ۔ وقيل انهم خدام اهل الجنة ۔ وقيل انهم يكونون بين الجنة وجهنم لامنعمين ولا معذبين ۔ وقيل من علم الله منه ان يومن ويموت عليه ان عاش ادخله الجنة ومن علم منه انه يفجر ويكفر ادخله النار ۔ قيل بالتوقف فى امره وعدم القطع وهو الاولىٰ ۔ قال ابن حجر هذا قبل ان ينزل فيهم شيء لأن الاصح انهم من اهل الجنة۔

(۱) وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر جہنمی ہوں گے (۲) دین فطرۃ پر مرنے کی وجہ سے جنتی ہونگے (۳) وہ جنتیوں کے خادم ہوں گے (۴) وہ جنت اور دوزخ کے بیچ میں ہوں گے نہ ان پر عذاب ہوگا نہ انہیں انعام ملے گا (۵) ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ بڑے ہوتے تو مومن رہتے ایمان پر ہی خاتمہ ہوتا وہ جنتی ہونگے اور جو اس کے خلاف ہو جہنمی (۶) اکثر اہل سنت کا یہ خیال ہے کہ ان کے بارے میں جنتی و دوزخی ہونے کا کوئی فیصلہ نہ کیا جائے

ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیا جائے (۷) ابن حجر کہتے ہیں کہ حضور کے پاس ان کے بارے میں جب تک تفصیلی بیان نہیں آیا تھا تو یہ حکم تھا۔ صحیح یہی ہے کہ وہ جنتی ہوں گے۔

(۵) علمائے متقدمین کا قول ہے کہ گذشتہ امتوں سے سوال ہوتا تھا۔ اور محمد ابن علی ترمذی کہتے ہیں کہ اسی امت کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۶) ان دنوں میں وفات پانے والوں کے لئے اس بات کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری کہ حضور ﷺ کا دیدار انہیں قبر میں نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔

(۷) زمین گھومنے کی بات صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا﴾ [فاطر: ۴۱] اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان دونوں کو روک رکھا ہے کہ اپنی جگہ سے کھسک سکیں۔ سورج چاند اور تمام سیارے البتہ گھومتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ [الانبیاء: ۳۳] ہر ایک اپنے گھیرے میں تیر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رضی اللہ عنہ نے اس موضوع پر دو رسالے تحریر فرمائے ہیں "نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان" اور "فوز مبین در رد حرکت زمین" ان میں ان مسائل کو عقلی ونقلی ہر قسم کے دلائل سے واضح کیا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم — عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

(۱۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کہتا ہے کہ کہ میرا اچھا کام ہو یا برا اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے بکر کہتا ہے کہ صرف اچھا کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے اور برا کام اس میں شیطان کی رضا کو دخل ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس میں کس کا قول صحیح ہے اور کس کا غلط ہے اور رضا ومشیت اور قدرت میں کیا فرق ہے۔

المستفتی، محمد رفیق عرف بابو ہندو پورہ کھیڑہ سنبھل ضلع مرادآباد

الجواب

اس مسئلہ کا تعلق تقدیر سے ہے جس کے بارے میں صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"قضاء وقدر کے مسائل عام لوگوں کی عقل میں آنہیں سکتے ان میں زیادہ غور کرنا سبب ہلاکت ہے صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما اس مسئلہ پر بحث کرنے سے روک دیئے گئے ماوشما کس گنتی میں ہیں؟"

(حصہ اول بہار شریعت صفحہ ۷)

مسئلہ یوں سمجھ لیجئے کہ کام اچھا ہو یا برا سب اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کے چاہنے (مشیت)

سے ہوتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہلتا لیکن برے کام سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔ یہ عقیدہ کہ اچھا کام اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور برا شیطان سخت گمراہی ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے سب کو پیدا کرتا ہے۔ کیا کسی بندے میں یہ طاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر گناہ کرے لیکن برا کام کر کے تقدیر کی طرف نسبت کرنا اور مشیت الٰہی کے حوالہ کرنا بہت بری بات ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اس کو من جانب اللہ کہے اور جو برائی سرزد ہو اسے شامت نفس سمجھے بس اس مسئلہ میں ہمارے ماننے کی بات وہی ہے جس کو ہم نے شروع میں لکھ دیا ہے۔ عام آدمی کو اپنے دماغ پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۳ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

(۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

کہ زید کا قول ہے کہ جادو برحق ہے میں مانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ جادو سے کچھ ہوگا تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے قرآن واحادیث رسول اکرم ﷺ کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی، محمد موسیٰ دار العلوم خیریہ فیض عام محلہ مداپور شمس پور گھوسی مئو یوپی

الجواب

شامی جلد اول صفحہ ۳۱ میں ہے "وفي شرح الزعفراني السحر حق عندنا ووجوده وتصوره وأثره" (السحر انواع: ۱/۱۲۴) جادو ثابت ہے اس کا وجود اور اس کا تصور اور اسکا اثر۔ جادو کی تاثیر کا مطلقاً انکار گمراہی ہے۔ جادو کے بارے میں قرآن عظیم پارہ الم میں فرمایا: یہود جادو سکھاتے ہیں (جادو) جو بابل میں ہاروت وماروت پر اترا اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں تو اپنا ایمان نہ کھو، اسے سکھاتے ہیں وہ جس سے جدائی ڈالیں مرد اور اس کی عورت میں اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے۔

تو اگر زید جادو کی تاثیر سے اس لئے انکار کرتا ہے کہ بے خدا کے حکم کے کچھ بھی نہیں ہوتا تو بات صحیح ہے مگر اس میں جادو کی کوئی خصوصیت نہیں دنیا میں کسی چیز کو فائدہ یا نقصان خدا کے حکم کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دشمنان اسلام کے مطالبہ پر زہر پی لیا اللہ تعالیٰ کی مرضی نہیں تھی تو ان کو کچھ نقصان نہ ہوا۔ اور دنیا میں لوگ بڑے بڑے ڈاکٹر کا علاج کرتے ہیں اور قیمتی سے قیمتی دوائیں کھاتے ہیں لیکن حکم الٰہی نہیں ہوتا تو ان دواؤں کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ مرض میں اضافہ ہوتا جاتا ہے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ زہر میں نقصان پہنچانے کی تاثیر نہیں اور دوا میں فائدہ کی تاثیر نہیں تو آدمی کو ہر مسئلہ

میں شریعت اور حکم خدا ورسول کے دائرے میں رہنا چاہئے (واللہ تعالیٰ اعلم)

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۳ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

(۱۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

خالد اپنی تقریر میں یہ جملہ استعمال کیا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے زید کا قول ہے کہ یہ غلط ہے ایسا جملہ نہیں بولنا چاہئے لہٰذا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی، محمد ناظم علی رضوی مدرسہ مفید الاسلام مصطفےٰ آباد سیوان (بہار)

الجواب

اللہ تعالیٰ جسم وجہت سے پاک ہے اس لئے اس کی شان میں ایسا لفظ نہیں بولنا چاہئے جس سے اس کا مکان میں ہونا ثابت ہو۔ مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ میں تاتارخانیہ اور طریقہ محمدیہ وحدیقہ وعالمگیری اور جامع الفصولین سے نقل کیا کہ ایسا کہنا کوئی مکان یا گوشہ نہیں جہاں ذات خدا موجود نہ ہو کلمہ کفر ہے۔ سوال میں ذکر کئے ہوئے جملہ میں ٹھیک ٹھیک وہی الفاظ تو نہیں مگر وہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے اس لئے اس کو نہ بولنا چاہئے البتہ یوں کہہ سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ یا اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم　　عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ

(۱۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں

(۱) زید نے کہا کہ کربلا کی جنگ حق وباطل کی جنگ نہیں ہے بلکہ سیاسی جنگ تھی۔

(۲) یزید حق پر تھا اور امام حسین ناحق پر تھے اور امام حسین نے خلیفۂ وقت پر خروج کیا۔

(۳) زید نے یہ بھی کہا کہ نہ میں بریلوی ہوں اور نہ ہی دیوبندی ہوں بلکہ میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کا ہوں اور حنفی مسلک کا ہوں۔

(۴) ان سوالوں کے جواب میں امام ابوحنیفہ کیا فرماتے ہیں۔

(۵) زید کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔

المستفتی: ممتاز احمد کریم الدین پور گھوسی اعظم گڑھ

الجواب

(۱و۲) یزید پلید فاسق وفاجر مرتکب کبائر تھا۔ معاذ اللہ اس سے اور ریحانہ رسول اللہ ﷺ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت۔ آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس معاملہ میں کیا دخل

ہمارے وہ بھی شہزادے وہ بھی شہزادے ایسا بکنے والا مردود خارجی ناصبی مستحق جہنم ہے۔

(بہار شریعت حصہ اول ص ۷۷)

یزید کے بارے میں ائمہ اہل سنت کے تین قول ہیں۔ امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں۔ تو ہر گز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی اور ہمارے امام (ابوحنیفہ) سکوت فرماتے ہیں۔ کہ نہ ہم کافر کہیں نہ مسلمان لہٰذا یہاں بھی سکوت کریں گے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص ۱۵۴)

اس سے معلوم ہوا کہ کربلا کی جنگ سیاسی جنگ کہنے والے اور یزید کو حق پر بتانے والے گمراہ اور خارجیوں کے راستہ پر ہیں وہ تو اتنا بڑا پاپی تھا کہ ائمہ اربعہ میں سے امام احمد نے اسے کافر کہا ہے۔

(۳) زید کا یہ قول دورخہ ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہو کر بھی انہیں کافر نہ کہوں گا جیسا کہ بریلوی کہتے ہیں تو یہ اپنے منہ سے لاکھ دیوبندی نہ کہے شریعت کی نگاہ میں دیوبندی (کافر) ہوگیا۔ حنفی بھی گمراہ ہوتے ہیں جیسے پرانے زمانے میں بہت سے حنفی معتزلی تھے۔ اسی طرح آج کل دیوبندی بھی اعمال میں حنفی ہیں۔ عقیدہ گمراہوں اور بددینوں کا رکھتے ہیں۔

(۴و۵) ان دونوں سوالوں کا جواب اوپر ذکر کئے ہوئے جوابوں سے ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم شمس العلوم گھوسی اعظم

(۱۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت والجماعت اس بارے میں کہ

(۱) کیا یزید بفرمان رسالت جنتی ہے؟۔

(۲) کیا یزید کو برا کہنا شرعاً جرم ہے؟۔

(۳) کیا یزید واجب التعظیم ہے؟۔

(۴) کیا یزید کو خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کہہ سکتے ہیں؟۔

(۵) کیا یزید کی روح کو ایصال ثواب درست ہے؟۔

(۶) کیا یزید کے نام کے ساتھ علیہ السلام یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ سکتے ہیں؟۔

(۷) کربلا میں امام حسین حق پر تھے یا یزید؟۔

(۸) کیا امام حسین کو شہید کہہ سکتے ہیں؟۔

(۹) کربلا میں پیش آنے والے واقعہ کو جہاد کہیں گے یا صرف ایک لڑائی؟۔

(۱۰) کیا امام حسین کو ظالم کہہ سکتے ہیں؟۔

(۱۱) کیا کربلا میں گلستان نبوت کے نونہالوں کی تمام قربانیاں جو ہوئیں ہوس اور اقتدار کی خاطر تھیں؟۔

(۱۲) اقتدار کی خاطر تھیں یا حفاظت دین کے لئے؟۔

(۱۳) اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیں کہ دیوبندی کے پیچھے اگر ہم نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں، سلام ومصافحہ کرنا کیسا ہے شادی وغیرہ ان سے جائز ہے یا نہیں۔ اور ان کے روپیہ وغیرہ سے مسجد بنی ہے تو ان میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟۔

المستفتی نظام الدین سنی عفی عنہ، مقام بھیڑا پوسٹ ولید پور اعظم گڑھ

الجواب

اس سوال کا اگر مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث شریف میں یزید کا نام لیکر یہ فرمایا گیا ہے کہ یزید جنتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے کتب احادیث میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس میں یہ تصریح ہو۔

اصل اس کا پس منظر یہ ہے کہ امروہہ کے محمود احمد عباسی نام کے کسی آدمی نے ایک کتاب لکھی ''خلافت معاویہ ویزید'' اس میں یزید کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حدیث مبارک کی رو سے یزید بخشا ہوا ہے وہ حدیث یہ ہے: اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم ۔

(صحیح البخاری: کتاب الجهاد ۲/٤١٧)

جو لشکر سب سے پہلے قیصر کے شہر پر چڑھائی کرے گا وہ بخشا جائے گا۔

آپ حیرت میں ہونگے کہ اس حدیث میں نہ تو یزید کا نام ہے نہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ علی کا نہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نہ اور کسی کا۔ پھر یزید کی بخشش کی خوشخبری اس حدیث سے کس طرح ثابت ہوئی۔ تو وہ کہیں گے کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلے یزید نے ایک لشکر کے ساتھ چڑھائی کی تھی اور بخشش کی بشارت پورے لشکر کے لئے ہے اور یزید اس کا سپہ سالار تو اس کی بخشش ضرور ہوئی۔ محمود احمد عباسی کی یہی کتاب آج کل کے تمام یزیدیوں کا توشہ ایمان ہے اور اسی بنیاد پر وہ یزید کو بفرمان رسول جنتی کہتے ہیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہاں چند باتوں پر دھیان دینا چاہئے۔

(۱) حدیث شریف میں ہے۔ مدینہ قیصر اور یہ کہتے ہیں کہ یزید نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی۔ تو اگر مدینہ قیصر اور قسطنطنیہ دونوں ایک ہی جگہ کا نام ہو تو تب تو یہ بات صحیح ہو سکتی ہے۔ کہ مدینہ قیصر قسطنطنیہ ہے اور یزید نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی، لہذا اس بشارت میں یزید داخل ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ جس

طرح یورپ میں قسطنطنیہ قیصر کا دار السلطنت تھا اسی طرح ایشیاء میں انطاکیہ قیصر کا دار السلطنت تھا، تو یہ بھی مدینہ قیصر یعنی قیصر کا شہر ہوا۔ پس مدعیوں کے پاس کون سی ایسی گارنٹی ہے کہ مدینہ قیصر سے مراد انطاکیہ نہیں ہے اور انطاکیہ مراد ہونے کی صورت میں یزید قطعاً اس بشارت میں داخل نہیں، کیونکہ انطاکیہ پر حملہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوا تھا جس میں یزید شریک نہ تھا۔

(۲) ہم کو یہ بھی تسلیم نہیں کہ یزید اس لشکر میں تھا جو قسطنطنیہ پر پہلے حملہ آور ہوا تھا، امام بدر الدین عینی نے اپنی کتاب عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ حملہ میں یزید شریک نہ تھا۔ وہ اس وجہ سے بھی اس بشارت کا مستحق نہیں۔

(۳) حدیث شریف میں صرف قیصر کے شہر پر حملہ کرنے کی بات نہیں ہے، یہ بھی ہے کہ جو لشکر قیصر کے شہر پر پہلے حملہ کرے گا مغفور ہوگا۔ اگر یزید اس لشکر میں شریک بھی رہا ہو تو یہ پہلا لشکر نہیں ہے۔ پہلا لشکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قیصر کے علاقہ پر سمندر کے راستے سے حملہ کیا تھا اور جزیرۂ قبرص تک پہونچ گئے تھے۔

(۴) چلئے ہم آپ کی خاطر یہ مان لیتے ہیں کہ مدینہ قیصر سے مراد صرف قسطنطنیہ ہے۔ یہ بھی مان لیتے ہیں کہ یزید اس لشکر کا سپہ سالار تھا جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لشکر پہلا لشکر نہیں تھا۔ یزید کا لشکر ہی پہلا لشکر تھا اور اس کے لئے رسول اللہ نے مغفرت کی بشارت دی تھی۔ پھر بھی سوال یہ ہے کہ کیا اس بشارت میں وہ سب جاندار داخل ہیں جو لشکر میں موجود تھے یعنی اس لشکر کے جتنے نوکر چاکر غلام خدمت گار تھے چاہیں کافر ہی رہے ہوں۔ (جیسا کہ اس وقت بھی اس کا رواج تھا) سب مغفرت پا گئے جنتی ہو گئے۔ کیا کوئی اس بات کا قائل ہوگا کہ اس لشکر میں شریک ہونے والے مسلمانوں میں سے بعد کو کوئی اسلام سے پھر جائے کافر ہو جائے تو اس لشکر میں شرکت کی وجہ سے یہ دین سے پھرنے والا بھی جنتی ہو جائے گا؟، ظاہر ہے کہ کوئی بھی عقل والا مسلمان اس بات کا قائل نہیں ہوگا۔ پھر یزید ان کالے کرتوتوں کی وجہ سے جن کو اس نے اس لشکر میں شرکت کے بعد کیا کیوں نہیں پکڑا جائے گا، اس کی کیوں مغفرت ہوگی۔

اصل قصہ یہ ہے کہ یہ حدیث بھی انہیں حدیثوں کی طرح بشارت کی ایک حدیث ہے مختلف اعمال خیر پر جن میں مغفرت اور حصول جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ تو جو مطلب ان حدیثوں کا ہے وہی اس کا بھی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اذا توضا العبد المسلم أو المؤمن فغسل وجهه خرج من وجهه كل خطيئة نظر

الیھا بعینہ مع الماء او مع آخر قطر الماء ۔فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئة کان بطشتھا یداہ مع الماء او مع آخر قطر الماء ۔فاذا غسلْ رجلیہ خرج کل خطیئة مشتھا رجلاہ مع الماء او مع آخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب ۔رواہ مسلم

(مشکوۃ المصابیح: کتاب الطھارۃ ۱؍۱۷)

کیا کسی کو یہ حق پہونچتا ہے کہ کہے کہ وضو سے سارے گناہ ختم ہوجاتے ہیں تو ایک آدمی وضو کرے پھر جس کو چاہے قتل کرے۔ جس کے ساتھ چاہے منھ کالا کرے۔ کیونکہ اس کے سارے گناہ وضو نے تو ختم ہی کردیئے۔ یا اگر کسی نے یہ گناہ کرلئے ہوں تو صرف وضو کرکے وہ پاک ہوجائے صاف ہوگیا نہیں بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں الذنوب سے مراد گناہ صغیرہ ہیں کیونکہ گناہ کبیرہ تو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

مامن مسلم یتوضا فیحسن وضوءہ ثم یقوم فیصلی رکعتین مقبلا علیھما بقلبہ ووجھہ الا وجبت لہ الجنة ۔رواہ مسلم.(مشکوٰۃ المصابیح: ۷۲/۱)

عباسی صاحب نے یزید کو جنتی بنانے کے لئے ناحق اتنا پاپڑ بیلا۔ یزید کو جنتی بنانے کے لئے ان کے اصول پر یہی حدیث کافی ہے۔ کیا یزید اپنی عمر میں دو رکعت بھی حضور قلب کے ساتھ نہ پڑھ سکا ہوگا۔ ضرور ایسا ہوگا۔ کہ دو رکعت میں بھی اسے حضور قلب حاصل ہوگا۔

اور حدیث میں ہے: جو دو رکعت نفل حضور قلب سے پڑھے وہ جنتی ہے لہذا یزید جنتی۔

بلکہ ہم تم سارے کلمہ گو جنتی ہیں یا حدیث شریف میں ہے:

من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة ۔

تو کون دعویدار اسلام ہے جس نے لا الہ الا اللہ نہیں کہا لہذا سب جنتی۔ اس کے بعد خوب قتل کرو زنا کرو جوا کھیلو۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی سلیم الطبع ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں لے گا۔ مطلب یہ ہے کہ نماز اور کلمہ کا ضرور اثر ہے جب کہ کبائر سے بچے اور نیکیوں پر کاربند ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ رات دن اس کا ہم کو سابقہ رہتا ہے۔ کہتے ہیں۔ گل بنفشہ بخار کو دور کرتا ہے ستان کھانسی کی حتمی دوا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوجاتا کہ بد پرہیزی کرتے رہو بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پرہیز کروگے تب اسی طرح اس حدیث کا مطلب یہی ہے۔ کہ مدینہ قیصر پر حملہ کرنے والے ضرور بخشے جائیں گے اگر جہنم میں لے جانے والی حرکتوں سے بچے پس بھلا یزید اس بشارت میں کیسے داخل ہوگا جس نے اس غزوہ کے بعد پوری

زندگی جہنم میں جانے کا انتظام کیا بلکہ بعض روایتوں کے موافق تو اسی چالاکی کی وجہ سے اس غزوہ میں شریک ہی ہوا تھا۔ کہ بخشش ہوجانے کے بعد جو چاہوں گا کروں گا چنانچہ یزید باجماع اہل سنت فاسق وفاجر اور جری علی الکبائر تھا۔ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے البتہ اس کی تکفیر اور اس پر لعن میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل تو اسے کافر کہتے ہیں۔ اور نام لیکر اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ امام غزالی وغیرہ اس کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ نام لیکر لعنت بھیجنے کو اس پر منع کرتے ہیں اور ہمارے امام اعظم سکوت فرماتے ہیں نہ لعنت بھیجیں نہ اس کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔

اس تفصیل سے آپ کے چھ سوالوں کا جواب ہوگیا۔ نمبر۱۔ کے جواب میں تو یہ ہماری پوری تقریر ہی ہے۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ جب اس کے فسق پر اجماع ہے تو وہ قطعاً پلید ہے اور پلید کو پلید کہنا کوئی جرم نہیں۔ نمبر تین کا جواب یہ ہے کہ فاسق کی اہانت کا حکم ہے اس کی تعظیم کا نہیں۔ ایصال ثواب ایک قسم کی دعاء ہے جو کافر کہتے ہیں یا لعنت کرتے ہیں وہ منع کریں گے۔ کہ کافر کے لئے دعائے مغفرت بحکم قرآن منع ہے۔ جو مسلمان جانتے ہیں ان کے یہاں گنجائش ہے۔ پانچویں کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے کو سزا دی تھی۔ یزید پلید جیسے فاسق دشمن آل رسول کو علیہ السلام لکھنے والا خارجی ہوگا سنی نہیں ہوگا۔

(۵) امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام مجتہد تھے بلاشبہ میدان کربلا میں یہی حق پر تھے۔ ابو مشکور اسلمی کے حوالے سے حاشیہ شرح عقائد میں ہے: قال اھل السنة والجماعة ان الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان الحق فی یدہ وقد قتل ظلما۔(شرح عقائد ص ۱۱۷)

بعد کے دو نمبر کا جواب اسی سے ظاہر ہے جب ظلماً قتل کئے گئے تو ضرور شہید ہوئے اور جب یہ حق پر تھے تو بلاشبہ ان کی لڑائی جہاد تھی۔

(۱۰) امام حسین کو ظالم کہنے والا خارجی ہوگا۔

(۱۱) اس کا جواب بھی نمبر ۷ سے ظاہر ہے۔ (۱۲) یہ سوال مکرر ہے۔

(۱۳) وہابیوں دیوبندیوں کے پیچھے نماز ناجائز۔ ان سے سلام مصافحہ شرعاً ممنوع۔ شادی بیاہ حرام۔ ان کے روپیہ سے مسجد کے نام پر زمین خریدی گئی تو وہ شرعاً مسجد ہوگی ہی نہیں صورت شکل مسجد کی طرح بنادینے سے کیا ہوتا ہے۔ اور اگر مسجد پرانی تھی جسے سنیوں نے قائم کیا اس کی تعمیر جدید دیوبندیوں نے کی تو وہ مسجد ہی رہے گی۔ اور وہاں نماز پڑھنے سے مسجد ہی کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۳؍شوال ۱۴۰۵ھ

(۱۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) ہمارے شہر ہاسپیٹ کی عیدگاہ میں عید کے دن خطیب صاحب قبلہ نے دوران خطبہ کہا کہ اسلام میں مسلک چار ہیں، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ چار کے سوا کوئی مسلک نہیں، کسی کے نام کے ساتھ مسلک کا لفظ لگانا اگر صحیح ہوتا تو پیران پیر کا مسلک ہوتا، خواجہ اجمیری کا مسلک ہوتا وغیرہ، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۲) اب موجودہ زمانے میں بعض لوگ اعلیٰ حضرت کے نام کے ساتھ مسلک کا لفظ لگاتے ہیں او رکہتے ہیں کہ مسلک اعلیٰ حضرت۔ یہ مسلک کا لفظ پہلے زمانے میں کسی بزرگ یا عالم دین کے ساتھ کیوں نہیں لگایا گیا؟ اب یہ کس کی ایجاد ہے؟ اوپر بتائے ہوئے عید الفطر کے خطبہ کے موقع پر جو خطبہ میں مولانا صاحب کے کہنے کے مطابق، پیران پیر، خواجہ اجمیری وغیرہ کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوتا۔ مگر دیکھا گیا ہے کہ کسی بھی زمانے میں یہ لفظ چاروں اماموں کے سوا کسی کے ساتھ نہیں استعمال ہوا، اسی طرح پہلی صدی سے آج تک جتنے بھی مجدد آئے ان کے ساتھ بھی یہ لفظ استعمال نہیں ہوا۔ لہذا یہ لفظ کا استعمال غلط ہوا کیونکہ اس سے پانچویں مسلک کا گمان بھی ہوتا ہے (یہ ایک دوسرے مولانا کا کہنا ہے کیا ان کا کہنا ٹھیک ہے؟) ان سوالوں کا جواب تفصیل سے دیکر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

خادم مسلک رضا: محمد سرمد پاشاہ قادری

الجواب

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فاضل باتوں میں الجھنے اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

لغت کے اعتبار سے مذہب اور مسلک کے لفظ میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا۔ عربی کی لغت منجد میں ہے: "المذهب جمع مذاهب المعتقد، الطريقة الاصل مذاهب الاسلام ، اربعة ،الحنفي، والشافعي، والحنبلي، والمالكي "

مذہب اس کی جمع مذاہب ہے۔ اعتقاد، طریقہ، اصل کو کہتے ہیں۔ اسلام میں مشہور چار مذہب ہیں، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ (ص ۲۴۰)

جس سے معلوم ہوا کہ مذہب کے تین معانی ہیں۔ اسی میں مسلک کی تشریح میں لکھا ہے:

المسلک، الطریق (ص ۳۴۶) مسلک کے معنی راستہ ہیں۔

اردو میں مسلک کے معنی عام طور سے طریقہ کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

اردو کی مستند لغت فرہنگ آصفیہ میں ہے:

مذہب، (۱) جائے رفتن، راستہ، پنتھ، طریقہ (۲) دین، دھرم، آئین، ایمان، عقیدہ۔

(۳) ملت، کیش، مشرب، مت۔ (جلد سوم ص ۲۰۷۳)

مسلک، راہ، راستہ، (۲) قاعدہ، طریقہ (ص ۲۱۰۷)

اس لئے اگر کہیں ایسا ہو کہ ایک شخص نے عقائد واعمال کے جس مجموعہ کو لفظ مذہب سے تعبیر کیا دوسرا شخص اسی کو مسلک کے لفظ سے تعبیر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ طریقہ کا مفہوم ان دونوں لفظوں میں مشترک ہے۔

لیکن آپ کے مقرر صاحب کا یہ دعوی بالکل صحیح نہیں کہ لفظ مسلک کی نسبت صرف ائمہ اربعہ کی طرف کی گئی ہے۔ دوسرے کی طرف نہیں۔ پہلا ٹکڑا تو یوں غلط ہے کہ ائمہ اربعہ کے مکاتب فکر کی تعبیر عموماً مذہب کے لفظ سے کرتے ہیں مسلک کے لفظ سے نہیں۔ منجد کی عبارت گذر گئی کہ اس کے مصنف نے ان کو مذاہب اسلام کے لفظ سے یاد کیا،

علامہ سید احمد طحطاوی مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

"نجات پانے والا گروہ آج ان چار مذہبوں میں منحصر ہے، یہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں۔"

امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میرے لئے یہی بھلائی (جسے میں نے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تیار رکھا ہے) کافی ہے ایک تو پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا دین ہے، دوسرے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔ (درمختار جلد اول ص ۲۶)

ان حوالوں سے ظاہر ہوا کہ ائمہ اربعہ کے مکاتب فکر کو عام طور سے مذہب ہی کہا جاتا ہے۔

اور دوسرا ٹکڑا یوں غلط ہے کہ تمام علمائے متاخرین ومتقدمین کے دینی افکار واقوال کو ان کا مسلک کہا جاتا ہے، چنانچہ مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی ششم ص ۱۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

آیات متشابہات میں اہل سنت حفظہم اللہ تعالیٰ کے دو مسلک ہیں اول تفویض کہ ہم ان کے معنی کچھ نہیں جانتے۔ اللہ ورسول جل جلالہ وﷺ جانتے ہیں، جو معنی مراد الٰہی ہے ہم اس پر ایمان لے آئے یہی مسلک سلف ہے وہی صحیح ومعتمد ہے۔ دوم تاویل کہ ایسی آیات کو حسب محاورہ معنی جائز پر محمول کرتے ہیں جس سے چین نہ لینے والی طبیعتوں کو سکون ہو اور ایمان سلامت رہے یہ مسلک خلف کا ہے (ملخصا)

اسی طرح المعتقد کے حاشیہ ص ۱۰۵ میں ہے:

"ہمارے ائمہ ماتریدیہ رحمہم اللہ نے مسلک وسط اختیار کیا اور فرمایا حکم تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے اور افعال کے لئے حسن وقبح عقلی ہے۔"

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ آپ کے مقرر صاحب کی نہ تو یہ بات صحیح ہے کہ مسلک کا لفظ ائمہ اربعہ کے لئے خاص ہے، نہ یہ کہ کسی دوسرے کے لئے مسلک کا لفظ نہیں بولا گیا۔

مگر دنیا میں ناسمجھوں کی کمی نہیں اپنے دعوی کو اس طرح غلط ہوتے دیکھ کر وہ پلٹ کر اب یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کی فقہ کے لئے مذہب کا لفظ کیوں بولا جائے۔ کیا انہوں نے صحابہ کرام کے مذہب کے علاوہ کسی نئے مذہب کو رواج دیا تو پھر ان مجتہدین کے مکاتب فکر کو ان کا مذہب کیوں کہا جاتا ہے، خلفائے راشدین کا مذہب کیوں نہ کہا جائے؟

تو ایسے بھولے بھالے انسان کو کیسے سمجھایا جائے کہ بیشک مذہب تو صحابہ ورسول کا ہی ہے، خود سرکار دوعالم ﷺ نے اس لئے فرمایا: ما انا علیه و اصحابی ۔ وہ میرا اور صحابہ کا مذہب ہے۔ لیکن جس زمانے میں یہ لفظ ائمہ اربعہ کے لئے بولا گیا، اس زمانے کی مصیبت یہ تھی کہ سارے باطل پرست بھیڑیے بھی بھیڑ کی طرح کھال اوڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہوگئے تھے اور خود کو سچا پکا مسلمان اور متبع شریعت کہتے تھے۔ اس لئے اس وقت کے طالبان حق کو کسی موجودہ اسوہ ونمونہ کی ضرورت تھی جو صحیح صحیح رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہو جسے دیکھا کر مسلمانوں کو ان باطل پرستوں کی تلبیس سے بچایا جائے۔

پوری امت نے ان چاروں اماموں کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر پایا اور ان کے مکاتب فکر کو مذہب کا لقب دیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے رسول اور صحابہ کے مذاہب سے الگ کوئی مذہب ایجاد کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اسی صحیح وسچے مذہب اسلام کے پیروی کرنے والے ہیں۔

اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لفظ مسلک کی نسبت ائمہ صوفیائے کرام کی طرف نہیں کی گئی، تصوف کا دوسرا نام سلوک ہے، اور مسلک کا لفظ اسی لفظ سے بنا ہے تو اس کو مسلک صوفیا کہنا کیوں غلط ہوگا۔ بلا شبہ حضور غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ مسلک قادریت ہے اور سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ ضرور مسلک چشتیت ہے۔ یوں ہی مسلک سہروردیت اور مسلک نقش بندیت ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عن صاحبہم ورضوا عنہ۔

ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے مقرر صاحب نے تصوف کی مشہور ومعروف کتاب کشف المحجوب بھی نہیں دیکھی اس کے ص ۷ پر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

"حضرت داتا صاحب تصوف وطریقت میں جنیدی مسلک کے متبع تھے"

یہاں مسلک کی نسبت حضرت جنید بغدادی کی طرف کی گئی ہے۔

ص ۸۸ پر حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں: ایک طبقہ ایسا بھی ہے، جس نے لباس کے ہونے نہ

ہونے میں تکلف نہ کیا، اگر اللہ نے انہیں گدڑی دی تو زیب تن کیا اگر قبا دی تو وہ بھی پہن لی اور اگر برہنہ رکھا تو برہنگی میں بھی صبر وشکر کیا۔ میں نے اس مسلک اعتدال کو اختیار کر رکھا ہے اور لباس پہننے میں اسی طریقہ کو پسند کرتا ہوں۔

تو لباس پہننے کے ایک خاص طریقہ کو آپ نے اپنا مسلک بتایا۔ ص ۹۰ پر فرماتے ہیں:

مشائخ طریقت کی عادت ہے کہ جب کوئی طالب ومرید تارک الدنیا ہو کر ان سے وابستہ ہوتا ہے تو اسے تین سال تک تین معنی میں مودب اور خوگر بناتے ہیں اگر وہ اس پر قائم ومستحکم رہا تو بہتر ہے ورنہ اس سے کہتے ہیں کہ مسلک طریقت میں تمہاری گنجائش نہیں۔

اس عبارت میں تو پورے تصوف کو مسلک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ الغرض آپ کے مقرر صاحب نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا سب بے بنیاد بات ہے اسلامیات میں اس کی کوئی سند نہیں۔

اب ہم ان الفاظ کے اجراء وانتساب کی مختصر تاریخ لکھتے ہیں جس سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ عہد بعہد اسلامی تاریخ میں باطل پرستوں سے امتیاز کے لئے اہل حق نے ایسے امتیازی اسما اختیار کئے ہیں اس میں کوئی خلاف شرع اور غلط بات نہیں۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے عقائد صاف ستھرے تھے۔ یہ بات حضور کی صحبت کی برکت اور ان کے زمانہ کی قربت کی سعادت، اور قلت واقعات واختلافات اور ثقہ علما کی طرف رجوع کی آسانی کی وجہ سے تھی اور انہیں وجوہ سے یہ لوگ علم کلام وعلم فقہ کی تدوین اور ترتیب سے بے نیاز تھے۔

لیکن جب مسلمانوں میں فتنے اور ائمہ دین سے بغاوت شروع ہوئی اختلاف آراء اور فتنہ وگمراہی کی طرف رجحان ظاہر ہوا اور واقعات وفتاوی کی کثرت ہوئی اور بڑی تعداد میں لوگ علمائے دین کی طرف رجوع ہونے لگے تو یہ حضرات بھی نظر واستدلال اجتہاد واستنباط اور تمہید قواعد واصول ترتیب ابواب و فصول اور تبیین مذاہب واختلاف کی طرف متوجہ ہوئے اور احکام شرعیہ کو ان کی تفصیلی دلائل سے جاننے کا نام علم اصول فقہ رکھا، اور عقائد کو دلائل تفصیلی سے جاننے کا نام علم کلام رکھا۔ اور گمراہی سے امتیاز کے لئے اپنا نام اہلسنت وجماعت رکھا۔ (ص ۵و۶)

اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا اسلامی عقائد واعمال میں سے ایسے امور کو جو اس زمانے میں اہل حق کے ساتھ مخصوص ہوگئے تھے، انہیں اہل سنت وجماعت کی علامت اور ان کا شعار قرار دیا اگرچہ یہ اعمال وعقائد، فرائض وواجبات میں سے نہ تھے۔ عینی جلد ثالث میں ہے: و سئل ابو حنیفة من شرائط

السنة فقال نحن نفضل الشيخين و نحب الختنين و نرى المسح على الخفين۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسح علی الخفین کو اہل سنت کی شرائط میں شمار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ہم ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت کے قائل ہیں، حضور کے دونوں دامادوں سے محبت رکھتے ہیں اور دونوں موزوں پر مسح کو جائز سمجھتے ہیں۔ (ایضاص ۹۷)

یہ تو گمراہوں سے امتیاز کے لئے ہوا، ائمہ اربعہ میں بھی جو جزوی اختلافات تھے ان میں باہمی تمیز کے لئے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسما کا رواج ہوا۔

اسی طرح ائمہ عقائد میں بھی جو جزوی اختلافات تھے اگرچہ ہر اختلاف نزاع لفظی کے درجہ میں تھا، ان میں بھی باہمی امتیاز کے لئے حضرت امام ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب کر کے مذہب اشعری، اور حضرت امام ابومنصور ماتریدی کی طرف منسوب کر کے مذہب ماتریدی کہا جانے لگا۔

یوں ہی اصحاب معرفت نے وصول الی اللہ کے لئے عبادت و ریاضت اصول اعتقادات کی حدیں دین وسنت کی روشنی میں متعین فرمائیں تو اپنے اپنے طریقوں کا نام سلوک، مشرب، اور مسلک رکھا اور چار سر آمد سلسلہ بزرگوں کے نام پر قادریت، چشتیت، سہروردیت اور نقشبندیت رکھا۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ حضرات اپنے اپنے اصول کی روشنی میں کتاب وسنت سے عقائد و احکام کی تشریح کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ اللہ ورسول کے فرمان سے کوئی الگ کوئی دوسرا مذہب ایجاد کرتے ہیں۔ ان تاریخی حقائق کی روشنی میں آپ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کو دیکھیں جب اسلام اور دین کے نام سے کتنے باطل فرقے عالم وجود میں آ گئے تھے ان میں سے کتنے اپنے کو حنفی شافعی، قادری اور چشتی بھی کہتے تھے۔ اس زمانے میں ایسے لوگوں کی سرکوبی اور تردید اور مسلمانوں کو ان کو غلط عقائد سے بچانے، مراسم اہلسنت کی تائید و تقویت اور اماتت بدعت اور احیائے سنت کے لئے، علمائے حق کا جو گروہ میدان میں آیا مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادری بالاتفاق سب کے سرگروہ تھے۔ آپ نے گمراہی کی ان آندھیوں کے خلاف تردیدی کتابوں کی سد سکندری چن دی۔ دلائل کے پہاڑ کھڑے کر دیئے اپنی عملی جدوجہد سے کئی مردہ سنتوں کو زندہ فرمایا۔ جیسے اقامت میں قیام علی حی علی الصلوۃ والفلاح، اذان ثانی بیرون مسجد مقابل امام، بہت سے مستحبات کو شعار اہلسنت کی حیثیت دی جیسے اذان میں نام پاک پر انگوٹھا چومنا، اذان کے بعد تھویب بصیغہ صلاۃ وسلام، میلاد، فاتحہ، قیام وسلام، ذخیرہ خیرات ومبرات، اور کتنی بدعات وممنوعات کے خلاف سینہ سپر ہوئے جیسے عورتوں کے لئے زیارت قبور کا مسئلہ، شادی بیاہ کے بہت سارے ناجائز رسوم۔

آپ کی ان غیر معمولی کوششوں کے نتیجہ میں اس وقت مراکز اہلسنت کے علمائے کرام نے انہیں مجدد وقت کا خطاب دیا، ان کے موید مسائل کو ان کے مسلک کا خطاب دیا، تو مسلمان اہلسنت کو اسے برا ماننے کی ضرورت نہیں، اگر مزید کچھ مراکز کے کسی بزرگ کی ایسے اسلامی خدمات کے نتیجہ میں اہل اسلام ایسا اعزاز بخشیں تو ہمیں خوشی ہوگی، اس لئے ایسے موضوع پر آپس کی جنگ وجدال بے کار ہے اور تضیع اوقات وفضول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۴ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ

(۱۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

عن عمرة قالت قيل لعائشة ماذا كان عمل رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في بيته قالت كان بشرا من البشر يغسل ثوبه و يحلب شاته و يخدم نفسه“

(فضائل نبوی اردو ترجمہ شمائل ترمذی کتب خانہ سہارنپور)

(۲) قتل الموذی قبل الایذاء حدیث صحاح ستہ۔

الجواب

جی ہاں، یہ حدیث ہے اور یہ بھی ہے ”لم يكن له ﷺ ظل في شمس و لا قمر لانه كان نورا“

(زرقانی ص ۲۲۰)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کو نور مانا جائے۔ آپ کی ذکر کی ہوئی روایت امام زرقانی امام احمد کے حوالے سے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔: ”عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يخيط نعله و يرقع دلوه و يفلي ثوبه ويحلب شاته و يخدم نفسه“ اس کے بعد فرماتے ہیں: ”قال ابن السبع لم يكن فيه قمل لانه نور ولان اكثره من العفونة ولا عفونة فيه ومن العرق وعرقه طيب ولا يلزم من التفلية و جود القمل فقد يكون التعليم او التفتيش نحو خرق او لما علق نحو شوك او وسخ الخ“

دیکھئے ایمان دار اور محبین رسول ﷺ کس کس طرح اس حدیث عائشہ کی توجیہ کرتے ہیں۔ آپ کے کپڑوں میں جوں تھی ہی نہیں کہ آپ نور ہیں۔ جوں بدبو اور آلائش کی وجہ سے ہوتی ہے، اور حضور اس سے پاک ہیں۔ یا پسینہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور حضور کا پسینہ تو عطر تھا پھر کپڑے کے لئے جوں کا ہونا ضروری نہیں یہ تعلیم امت کے لئے بھی ہوسکتی ہے اور دیکھنے کے لئے کہ کپڑا پھٹ تو نہیں گیا ہے۔ اس لئے بھی کہ کانٹا تو نہیں پھنس گیا سیونوں میں میل تو نہیں جم گیا وغیر ذلک۔

علاوہ ازیں یہ حدیثیں علماء نے جہاں کہیں نقل کی ہیں حضور کا مرتبہ بیان کرنے کے لئے نہیں آپ

کی تواضع وانکساری ظاہر کرنے کے لئے۔ پس کسی کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اسی کو پیغمبر کی حقیقت سمجھ لے۔ اپنی روایت کردہ عبارت میں بھی غور فرمائیں۔ سوال حضور کے منزلی اعمال سے ہے اس کے جواب میں حضرت عائشہ کے قول میں حقیقت کے اظہار کا کیا موقع تھا صرف اعمال منزلی کا بیان کافی تھا کہ حضرت عائشہ کے قول: "کان بشرا من البشر" کا صاف مطلب ہماری زبان کا یہ محاورہ ہوا کہ حضرت اپنے مکان میں دوسرے تمام آدمیوں کی طرح ہی گھر کا ہر کام کرتے ہیں۔ پس اگر اس سے کوئی یہ مطلب نکالے کہ حضور ٹھیک ہماری طرح بشر تھے، غلط ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حضور جامہ بشریت میں تو آئے تھے لیکن حقیقت آپ کی نور ہی تھی قرآن عظیم میں ہے ﴿قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ﴾(المائدة: ۱۵) حضرت امام جلال الدین فرماتے ہیں: ای محمد ﷺ، امام عبدالرزاق نے اپنی سند سے حدیث نقل کی "یا جابر ان اللہ خلق نور نبیك قبل الاشیاء کلھا" (کشف الخفاء: ۱/۳۱۰) تو قرآن وحدیث میں آپ کو بشر ونور دونوں فرمایا گیا تو تطبیق کی صورت یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، ۲۳/ذوالقعدہ ۱۳۸۳ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ، الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۱۹-۲۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو حاضر وناظر اور ہر جگہ موجود کا عقیدہ رکھتے ہیں، کیا یہ عقیدہ شریعت مطہرہ کے نزدیک صحیح ہے؟

(۲) کیا حضور ﷺ کو حاضر وناظر جاننے والا خارج از اسلام ہے؟

(۳) کیا ایسے عقیدے کے منکر کو مالی تکلیف پہونچائی جاسکتی ہے، کسی مسلمان کو جائز ہے؟

براہ کرم قرآن وحدیث اور ائمہ متقدمین کے ارشادات کی روشنی میں مندرجہ بالا سوالات کے جوابات عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

عرض ہے کہ ہماری مسجد میں ایک حافظ صاحب جن کا نام محمد اعظم ہے اور وہ اعظم گڈھ کے رہنے والے ہیں، وہ امامت کرتے تھے۔ حال ہی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ حاضر وناظر نہیں، اس پر تمام مسلمانوں نے اعتراض کیا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کردیا، کچھ لوگ ان کے بھی ہم خیال ہیں۔ جس کی وجہ سے محلہ میں اختلاف بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ نیز براہ کرم اس کے ساتھ بھیجے ہوئے سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق

صدقہ جلد از جلد روانہ فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: عثمان غنی سکریٹری جماعت المسلمین مونگر ویسٹ اندھیری

الجواب

(۱) حضور ﷺ کو حاضر وناظر ماننا شرعاً صحیح اور اسلامی احکام کے مطابق ہے۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً﴾ [الاحزاب: ٤٥] یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کو حاضر وناظر بنا کر بھیجا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "تجلی لی کل شی و عرفت" تو مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔

(۲) آج کل سرور عالم ﷺ کی اس فضیلت عظمیٰ سے انکار وہابیوں اور دیوبندیوں کا وطیرہ ہوگیا ہے، پس اگر وہ شخص اپنے عقائد وافکار میں وہابی اور دیوبندی ہے تو ضرور خارج از اسلام ہے ورنہ صرف اس فضیلت کے انکار پر خارج از اسلام نہیں ہوگا، گمراہ، بدعقیدہ ہوسکتا ہے۔

(۳) بلا ضرورت شرعیہ کسی کو بھی جانی مالی تکلیف پہونچانا جائز نہیں۔ واضح ہو کہ ایسے شخص کو امامت سے علیحدہ کرنا نقصان پہونچانا نہیں ہے۔ بلکہ اپنی نمازوں کو درست کرنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ ۷/صفر المظفر ۱۴ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کربلا میں جو جنگ لڑی تھی وہ تخت و تاج اور حصول سلطنت کے لئے لڑی تھی نہ کہ اپنے مذہب وملت کے لئے، اس کے برخلاف عمر کہتا ہے کہ ایسی باتیں نہیں انہوں نے اپنی جان کو اپنے مذہب وملت کے لئے قربان کیا۔ ان دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

(۲) زید کہتا ہے کہ لوگ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نوحہ پڑھتے ہیں؟ اور کہتے ہیں کہ غم حسین میں رونا بھی ایک عبادت ہے اور حضور ﷺ کا نوحہ کیوں نہیں پڑھتے آخر ایسا کیوں؟ مفصل مدلل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

فقط والسلام محلہ مفتی سرائے قاضی اعظم گڑھ بمعرفت: متعلم مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

الجواب

یزید کے بارے میں علمائے اسلام کی یہ تصریحات ہیں اس کی حکومت میں واقعہ حرہ واقع ہوا جس

میں بے شمار اصحاب قتل ہوئے اور مدینہ لوٹا گیا اور ہزاروں عصمت دریاں ہوئیں۔ تاریخ الخلفاء میں ہے:

"ولما فعل یزید باھل مدینة ما فعل مع شربه الخمر و اھانته المکرمات اشتد علیه الناس"

ایسے فاسق و فاجر و نااہل کے ہاتھ سے امت مسلمہ کو نجات کے لئے جدو جہد کرنی ہر مسلمان پر ضروری تھی یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تمام امت مسلمہ پر احسان ہے کہ انہوں نے امت کی طرف سے یہ فریضہ ادا کیا اور اس راہ میں اپنی جان تک کی قربانی دیدی۔

حدیث شریف میں ہے: "افضل الجهاد کلمة حق عند السلطان الجائر" (کنز لعمال ۳/ ۳۰)

اسی میں ہے: "من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده"

پس ان احادیث کی روشنی میں امام حسین کا یہ کارنامہ اسلامی جہاد اور باطل کے خلاف اعلان حق تھا اس کو دنیاوی لڑائی کہنے والا ابد نصیب ہے اور بالفرض امام حسین تخت وتاج کے لئے لڑے ہوں تو وہ حق بجانب ہی تھے کہ بلاشبہ ان کے مقابل یزید نااہل تھا۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) ہم لوگ خدا کو حاضر وناظر جانتے ہیں یہ درست ہے یا کفر؟ اور کیا یہ عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

(۲) جب چند لوگ ایک جگہ بات چیت کرتے ہوں تو ان کے درمیان وہاں خدا ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) خدا ہر جگہ ہے یا نہیں؟ راقم الحروف: عبدالحفیظ کانپور

الجواب

(۱/۲/۳) خدا کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ہر جگہ کا علم ہے۔ اور ہر جگہ پر اس کا قبضہ ہے۔ ہر جگہ اس کی جلوہ گری ہے یعنی اس کی ذات کی نشانی موجود ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ جس طرح ہم کہیں موجود ہوتے ہیں کہ زمان اور مکان ہم کو گھیرے رہتا ہے۔ اس طرح خدا بھی ہر جگہ موجود ہے۔ جو ایسا عقیدہ رکھے گا ضرور کفر ہوگا۔ بس تینوں سوالوں میں اگر واقعی وہ معنی نکلے جو ہم نے اولاً ذکر کئے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ عین اسلام ہے۔ اور؟ مراد ہوں تو کفر وخلاف اسلام ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۶/ ذوالحجہ ۸۶ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۴-۲۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

فقیر محدث اعظم پاکستان حضرت قبلہ شیخ الحدیث علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب مدظلہ العالی کے ادنیٰ خدام میں سے ہے۔ حضرت موصوف سے ہی آپ کا پتہ معلوم ہوا۔ مندرجہ ذیل مسائل کا جواب ارسال فرما کر ذرہ نوازی فرمائیں۔

(۱) نبی ورسول سے غیر رسول بزرگوں کو فضیلت دینے والے کی تکفیر درست ہے یا نہیں؟

(۲) ملائکہ میں بھی رسول ہوتے ہیں یا نہیں؟ یا جملہ ملائکہ رسول ہوتے ہیں؟

(۳) علیہ السلام کا لفظ حضرات انبیاء کرام ملائکہ عظام کے علاوہ صحابہ واہل بیت پر بھی درست ہے یا نہیں؟

(۴) لاؤڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟

(۵) ریڈیو، ٹیلیفون، تار، پر اعلان سے روزہ رکھنا اور عید کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: فقیر محمد حسن قادری رضوی ناظم جمعیت خدام رضا اہل سنت چوک غوثیہ رضویہ ضلع ملتان پاکستان

الجواب

(۱) درست ہے شرح عقائد میں ہے: "فما نقل عن البعض الکرامیة من جواز کون الولی افضل من النبی کفر وضلال" (لایبلغ ولی درجة الانبیاء: ۱۵۸) یہی شرح فقہ اکبر للملا علی قاری میں ہے۔ نبراس میں بھی یہی ہے اور اس کے قریب "الیواقیت و الجواهر للشعرانی" اور شرح مواقف میں ہے۔

(۲) ملائکہ بھی رسول ہوتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ [۲۲. الحج: ۷۵] و هم المقربون الذی یبلغون الامر و النهی الی عوام الملائکة و الی انبیاء البشر"۔

(۳) شرح فقہ اکبر للملا علی قاری میں ہے: "و فی الخلاصة ایضا ان فی الاجناس عن ابی حنیفة لایصلی علی غیر الانبیاء والملائکة الا علی وجه التبعیة فهو غافل من الشیعة التی یسمیها الروافض انتهی و مفهومه ان حکم السلام لیس کذلك و لعل الوجه ان السلام تحیة اهل الاسلام لا فرق بین السلام علیه و علیه السلام الا ان قول علی علیه السلام من شعار اهل البدع فلا یستحسن فی مقام المرام"۔

(۴) لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے سے بچنا چاہئے۔

(۵) ناجائز ہے۔ جس کی تفصیل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے فتوی میں

ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور ۶ر شعبان ۱۳۸۲ھ
الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور

(۲۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ اور اس کا عقیدہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی آنہیں سکتا، اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا، اس کا عقیدہ ہے کہ جو یہ سمجھے کہ آپ کو ہم پر اتنی ہی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے پر تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے۔

لہذا زید کو کافر کہنا جائز ہے کہ نہیں اگر نہیں ہے تو کہنے والے پر کیا حکم صادر ہوگا۔ فقط

المستفتی، فیاض احمد ۹۸-۱۱-۹

الجواب

(۱) نبی کریم ﷺ کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ ہے یہ صحیح اور اسلامی عقیدہ ہے لیکن آپ کا زید اگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ کہے کہ اس لمبی چوڑی زمین کا علم شیطان کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہے تو آپ ہی بتایئے آپ زید کو کیا کہیں گے؟ شیطان کے لئے زمین کا علم رسول اللہ سے زیادہ جانکر وہ مسلمان رہ جائے گا اور ایسے آدمی کو کیوں نہ کافر کہا جائے؟

(۲) بے شک یہ قرآن وحدیث کا فرمان اور تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ حضور ﷺ کے بعد دوسرا نبی نہیں آسکتا، مگر آپ کا زید یہ بھی کہے اور چھاپے کہ آپ کے زمانہ میں یا اس کے بعد کوئی نبی آئے تو آپ کی خاتمیت میں فرق نہیں پڑے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ کے بعد دوسرے نبی کے آنے کی بات جائز جان کر زید نے اپنے پہلے قول کو جھٹلایا یا نہیں تو اس کا اس بات پر ایمان کیا رہا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

(۳) اسی طرح خدا جھوٹ نہیں بول سکتا یہ سب مسلمانوں کا ایمان ہے مگر آپ کا زید اتنا اور کہتا ہے اللہ تعالیٰ جھوٹ بولے گا تو نہیں مگر جھوٹ بول سکتا ہے تو زید نے اپنی کہی ہوئی بات کو جھٹلایا یا نہیں؟ تو زید مسلمان رہے گا؟

(۴) آپ کے زید نے بڑی بات کہی کہ جو رسول اللہ ﷺ کی فضیلت بڑے بھائی کے برابر مانے وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے۔ لیکن مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں ہر نبی اللہ کا بندہ ہوتا ہے اور ہمارا بھائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑائی دی ہے تو وہ بڑے بھائی ہوئے، سو ان کی تعظیم بڑے بھائی کی طرح کرنی چاہئے۔ اب آپ اپنے زید صاحب سے پوچھئے کہ وہ مولوی اسماعیل صاحب کو دائرہ ایمان سے خارج مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ خارج سمجھتے ہیں تو اپنے قول کے دھنی ہیں ورنہ

آپ کو خود ان کے بارے میں سوچنا پڑے گا کہ وہ کیا ہیں۔

آپ اپنے زید صاحب سے فیصلہ کرتے رہئے مگر ہم آپ کو کئی ایسے زید کا حوالہ دے سکتے ہیں جو مولوی اسماعیل دہلوی کی تمام حرکتوں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی ان کو صرف مسلمان بلکہ رحمۃ اللہ علیہ اور رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں تو آپ ہی بتایئے ان دورخوں کو کیا کہا جائے۔

اب ایک تیسرے زید کا تھوڑا حال سنئے تیسرے نمبر تک جو خط کشیدہ عبارتیں ہیں یہ زید صاحب ان کے بارے میں تصریح کرتے ہیں کہ یہ کفری معنی رکھتی ہیں۔

لیکن چونکے اس کے لکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے ان عبارتوں کے لکھتے وقت کفری معنی مراد نہیں لئے تھے اس لئے ہم ان کو کافر نہیں کہیں گے۔ یاللعجب یہ اعتراف ہے کہ یہ عبارت کفر پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں اللہ اور رسول کی توہین ہے۔ اور لکھنے والے بار بار اس عبارت کو شائع کرتے ہیں مگر آپ قول کو کفر تسلیم کرتے ہوئے بھی ان کو کافر نہیں کہتے بلکہ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس کے پیچھے مسلمان نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ﴾ [البقرة:١٥٦]

ان کے باپ کو کوئی گالی دے دے تو آنکھیں شعلہ برسانے لگیں، منہ سے جھاگ بہنے لگیں گے اور مرنے اور مارنے پر تیار ہو جائیں گے، کہنے والا لاکھ معذرت کرے اس جملہ سے میری نیت گالی دینے کی نہیں تھی میرے حاشیہ خیال میں بھی گالی کا تصور نہیں تھا۔ ایک نہ سنیں گے لیکن اللہ ورسول کا معاملہ ہے تو کیسے بیٹھے بیٹھے مشورے دیتے ہیں؟ کہئے آپ کا زید صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے؟

آپ کے سوال کا ایک پہلو اور ہے آپ نے صرف چار اسلامی عقائد کا ذکر کیا ہے جس کا قائل زید کو بتایا ہے لیکن اسلام صرف ان چار باتوں پر منحصر نہیں ہے کہ ان کو مان لیا جائے تو مسلمان ہو گیا اور کسی بات کو مانیں یا نہ مانیں اس کے علاوہ بھی ضروریات دین میں بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو نہ مانے تو کافر ہے چاہے اور سب باتوں کو مانتا ہو مثلاً۔

زید اگر ان چاروں باتوں کے تسلیم کرتے ہوئے شیعہ صاحبان کی طرح یہ بھی کہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد عام طور سے صحابہ دین اسلام سے پھر گئے یا یہ کہے کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھی خلفائے ثلثہ نے اسے غصب کر لیا یا یہ کہے کہ خلفائے اربعہ میں حضرت علی سب سے افضل ہیں یا یہ کہے کہ چاروں خلیفہ کے نہ ماننے میں کوئی شرعی قباحت نہیں البتہ اہل بیت کو نہ ماننے والا کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔

تو زید چاروں مذکورہ بالا باتوں کو مانتے ہوئے بھی اگر ان امور کا قائل ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا تو گمراہی سے لیکر کفر تک کا حکم اس پر لگ سکتا ہے۔ جس کا ادنیٰ حکم تو یہ ہے کہ مسلمان اس سے بالکل

خلاملانہ رکھیں اس کو اپنے سے دور رکھیں اور خود کو اس سے دور رکھیں۔

حدیث شریف میں ہے: "ایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم"

اور اعلیٰ حکم یہ ہے کہ وہ صدق دل سے اپنے کفر سے توبہ کرے، از سر نو کلمہ پڑھے اور تجدید نکاح کرے اور وہ یہ نہیں کرتا تو مسلمان اس سے بالکلیہ بائکاٹ کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کے عقائد دینیہ کی بھی ایک لمبی فہرست ہے جب تک ان سب باتوں کو دل سے مان نہ لیں اور تسلیم نہ کرلیں صرف دو چار باتوں کو مان کرانہیں ہی لوگوں کو دیکھاتے ہیں دیکھو ہم تو یہ سب باتیں تسلیم کرتے ہیں ہم کو کیوں کافر یا گمراہ کہتے ہو اور بقیہ ایمانیات اور یقینیات کا انکار کرتے رہیں اس سے کام نہیں چلے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾(البقرة:۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾(البقرة:۸۵)

کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۹ر رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

(۳۰-۳۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) زید اپنے آپ کو عالم فاضل بھی کہتا ہے اور مسجد کا امام بھی ہے۔ اور تقریر بھی کرتا ہے۔ ایک جگہ مجلس میلاد النبی ﷺ میں اس نے تقریر کی اور اثنائے تقریر میں اس نے اپنے سفر کا ایک واقعہ بیان کیا جو اس کا ذاتی واقعہ تھا۔ کہ میں ایک دوسری گاڑی سے اترا میرا بیگ اترتے وقت بس میں رہ گیا۔ اور ڈرائیور گاڑی لیکر چلا گیا، میں نے ایک دوسری گاڑی سے اس کا تعاقب کیا اور گاڑی کو پکڑ لیا۔ اور گاڑی میں سے اپنا بیگ لے لیا۔ اور ڈرائیور سے کہا کہ تم نے ہم کو دھوکا دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو دھوکا دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا کہنا کہ تم نے ہم کو دھوکا دیا اور اللہ نے تم کو از روئے قانون شریعت جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کیوں جب کہ دھوکا دینا صفت قبیحہ ہے اور عیب ہے، دھوکا دینے والا عیبی ہے اور اللہ تعالیٰ پاک و بے عیب ہے اور قرآن مجید میں ﴿یخادعون اللہ. ومکر اللہ﴾

جو ارشاد فرمایا گیا ہے تو "خادعون" اور "مکر" کو مفسرین کرام نے ان معنوں میں استعمال نہیں کیا ہے جن سے صفت قبیحہ کی نسبت خدا کی طرف ثابت ہو۔ اور اگر نا جائز ہے تو اس کے قائل زید پر شرعاً کفر لازم آتا ہے یا نہیں اور اگر کفر لازم نہیں آتا ہے تو کیوں؟ جب کہ ثابت ہو چکا کہ دھوکا دینا بے

شک وشبہ عیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے پاک اور صفات قبیحہ سے پاک ومنزہ ہے۔ بناء بریں علمائے اہل سنت عرب وعجم نے اس شخص کی تکفیر کی جس نے اپنے فتوے میں جھوٹ بولنے پر خدا کو قادر مانا ہے اور یہ لکھا ہے کہ پس ثابت ہوا کہ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے، اس تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ از روئے شریعت مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں کہ زید پر کیا حکم ہے؟

(۲) زید نے پھر ایک جگہ تقریر میں یہ کہا کہ شرک کرنے والا مشرک ہے اور کینہ رکھنے والا بھی مشرک ہے اس لئے کہ شرک اور کینہ دونوں برابر ہے اب زید کے یہ کہنے پر شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے۔ مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی، ربیع حسین مہراج گنج ضلع سیوان

الجواب

(۱) بلا شبہ کذب وفریب اور تمام عیوب سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وبے عیب ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں عیب ونقصان کا شائبہ بھی مانے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

لیکن زید بلکہ تمام مسلمانوں کے بارے میں یہ حسن ظن رکھنا چاہئے کہ ان کا یہ عقیدہ نہ ہوگا۔ اور یہاں زید نے دھوکا کا لفظ اس معنی کرکے استعمال کیا ہوگا۔ جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے۔

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾(النساء:۱۴۲)

وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور اللہ ان کو ان کے مکر کا بدلا دے گا۔ اس لئے ہم زید پر تو کفر کا حکم نہیں لگا سکتے لیکن ایسے الفاظ کو ذات باری کیلئے تلاوت قرآن یا تفسیر واحکام کے بیان کے علاوہ بولنا ناجائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ﴿ایاك ومایسوء الاذن﴾(مسند احمد بن حنبل ۷۱۳/۵)

نیز حدیث میں: حدثوا الناس بمایعرفون۔ (کنز العمال: کتاب العلم۔ ۱۰۸/۱۰)

زید کو اپنی حرکت سے توبہ کرنا چاہئے اور آئندہ احتیاط برتنا چاہئے۔

(۲) ریاکاری کو صوفیائے کرام شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ شرک خفی ہے۔ کینہ کو شرک کہنا میری نظر سے نہیں گذرا اور دونوں کو برابر کہنا یہ زید کی جہالت ہے اس قول سے رجوع کرنا چاہئے اور توبہ کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، یکم شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ

ختم نبوت کا بیان

(۱-۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین سوالات ذیل کے بارے میں کہ زید نے مجمع کثیر کے سامنے ختم نبوت کے متعلق اپنے عقیدہ کا اس طرح اظہار فرمایا کہ قائل امکان نبوت ناجی ہے اور ہر ممکن کا وقوع ضرور نہیں۔ یعنی زید کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو ممکن جانے وہ ناجی یعنی مسلمان ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا ممکن تو ہے لیکن ضروری نہیں ہے۔ کہا ہی جائے بکر جو کہ کسی مدرسہ سے فارغ عالم ہیں زید کے اس عقیدہ کے متعلق جب بکر سے دریافت کی گئی تو بکر نے زید کے متعلق جو جواب عنایت فرمایا وہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

الجواب

زید اپنے اس عقیدہ کی بناء پر کافر ومرتد اور اسلام سے خارج ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو ممکن جاننا کفر ہے۔ قال الله تعالیٰ فی القرآن المجید ﴿وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾ [الاحزاب:۳۳]

اور حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا خاتم النبیین لانبی بعدی ۔ (مسند امام احمد بن حنبل: ۴۵۷/۷)

اور فتاویٰ عالمگیری ج ۲ میں اس طرح تحریر ہے:

اذا لم یعرف الرجل ان محمد ﷺ آخر الانبیاء علیهم وعلی نبینا السلام فلیس بمسلم ۔

اور کافر کے کفر پر اطلاع پانے کے بعد اس کے کفر وعذاب میں شک کرنا کفر ہے۔ اور شک کرنے والا کافر۔ من شك فی كفره وعذابه فقد كفر ۔

تو زید پر توبہ اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح فرض ہے اگر بیوی رکھتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تو دریافت طلب کرنا یہ ہے کہ بکر نے جو زید کے متعلق جواب تحریر فرمایا وہ صحیح ہے یا غلط بر تقدیر اول زید کے اس جواب کی تصدیق فرمادیں بر تقدیر ثانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) اذان کی طرح اقامت میں بھی حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کے وقت چہرہ دائیں بائیں پھیرنا (گھمانا) چاہئے یا نہیں فقہ کی عربی عبارت کے ساتھ ترجمہ بھی تحریر فرمائیں۔

(۳) اقامت جماعت یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے ترتیب صلوۃ ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں۔

(۴) عزل جائز ہے یا نہیں بر تقدیر اول اس کے کچھ شرائط ہیں یا نہیں اور وہ کون کون سے ہیں بر تقدیر ثانی حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔

(۵) مولوی پالن حقانی اپنی کتاب شریعت یا جہالت کے ص ۹۸ باب مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اس پر کفر کا فتوی ہوتا ہے اور یاد رہے کہ وہ فتوی صرف اس فعل پر ہوتا ہے نہ کہ انسان یعنی فاعل پر یعنی وہ کام کفر کا ہوتا ہے لیکن کرنے والا کافر نہیں ہوتا بحوالہ عین الہدایہ جلد اول ص ۷۹۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ مسئلہ غلط ہے یا صحیح بر تقدیر اول فقہ حنفی میں صحیح مسئلہ کیا ہے بر تقدیر ثانی اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت سے تشریح کی جائے۔

ان سارے سوالوں کا مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر ثواب حاصل کریں۔

المستفتی، محمد اعجاز اختر بیگم پور

الجواب

(۱) بکر کو حکم لگانے سے پہلے زید سے تفصیل طلب کرنی چاہئے تھی کہ امکان سے تمہاری مراد ذاتی ہے یا وقوعی، وقوعی ہے تو بکر کا جواب صحیح ہے۔ المعتقد المنتقد میں ہے:

من یقول انه کان نبی بعده اویکون او موجوداً وکذا من قال یمکن ان یکون فهو کافر ۔

اور اس کے حاشیہ المستند المعتمد میں ہے: ای امکانا وقوعیا ففیه الکفر لتکذیب النص وانکار ماهو من ضروریات الدین اما الذاتی فلایحتمل الا کفار الخ ۔ (الباب الثانی: ۱۲۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حکم کفر امکان وقوعی کے قائل پر ہے ذاتی پر نہیں۔

(۲) جس جگہ کشادگی ہو تو اقامت میں چہرہ دائیں بائیں پھیرنا چاہئے نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے: ویستحب ان یحول وجهه یمینا ویسارا بالصلوۃ والفلاح ویحول فی الاقامة اذا کان المکان متسعاوهو اعدل اقوال ۔

اور مستحب ہے کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کہتے وقت اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں موڑے۔ اور جگہ کشادہ ہو تو اقامت میں بھی ایسا کرنا چاہئے یہ بات عمدہ ہے۔

(۳) خطبہ اور اقامت جماعت کے وقت بھی ترتیب ساقط نہیں ہوتی شامی میں ہے:

لو تذکر انه لم یصل الفجر یصلیها ولو کان الامام یخطب ۔

(کتاب الصلوۃ، مطلب فی تعریف الاعادۃ: ۴۵۷/۲)

جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو جب بھی فجر کی قضا صاحب ترتیب پڑھے گا۔ اور بہار شریعت میں ہے۔ اگر

جمعہ نہ ملے مگر ظہر کا وقت باقی رہے گا جب فجر پڑھ کر ظہر پڑھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت تو اقامت جماعت بھی مسقط ترتیب نہیں۔

(۴) بیوی کی اجازت سے ہو تو جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں۔

درمختار میں ہے: ویعزل عن الحسرة با زنها عن امته بغیر اذنها وعن عروسه به عزل۔

(کتاب النکاح۔ باب فی حکم العزل: ۴/۲۵۱)

جائز ہے باندی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں بیوی کی رضامندی حاصل کرنی چاہئے۔

(۵) اتنی بات جو آپ نے شریعت یا جہالت سے نقل کی ہے۔ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہے صحیح ہے۔ مگر اس کا مطلب جو لوگوں کو سمجھایا گیا غلط ہے۔ کیونکہ جس آدمی نے کفر کی کوئی بات بولی یا کفر کا کوئی کام کیا وہ مسلمان ہی کب رہا اور ایسے آدمی کو کافر کہنا مسلمان کو کافر کہنا کب ہے؟ اسکے بعد جو عبارت ہے کہ کام کفر کا ہوتا ہے اور اس کا کرنے والا کافر نہیں غلط ہے جو کفر کا کام کرے گا کافر ہوگا ہاں جو آدمی ایسی پہلودار باتیں بولے جس میں کفر و ایمان کے دونوں پہلو ہوں تو فقہاء ایسے آدمی کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں اور محتاطین کہتے ہیں کہ ایسے آدمی سے پوچھ لو اگر وہ وہی مراد بتائے جو کفر ہے تو اس کو کفر کا فتویٰ دو ورنہ نہیں پالن حقانی اقراری جاہل ہیں۔ اور وہابیوں کے پھندے میں پھنسکر کریلا نیم چڑھا ہو۔ گیا عام مسلمانوں کو اس کی کتاب دیکھنا نہیں چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۱رشوال المکرم ۱۴۰۷ھ

علم غیب کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

سوال نمبر (۱) زید کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عالم الغیب ہیں اور ماکان ومایکون کی خبر رکھتے ہیں لیکن آیات ذیل سے معلومات غیبی کی نفی ہو رہی ہے آیات کی روشنی میں مفصل دلائل بحوالہ تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا۔

آیات۔

(۱) ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[هود:۱۲۳]

(۲) ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾[الانعام:۵۹]

(۳) ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ﴾[النمل:۶۵]

(۴) ﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾[هود:۳۱]

(۵) ﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾[الاعراف:۱۸۸]

سوال نمبر (۲) کہ اس پرفتن دور میں کچھ فرقے تیار ہو چکے ہیں جو عام انسانوں کو راہ ہدایت سے بھٹکا رہے ہیں اور آج کل ان لاعلم علاقوں میں گشتی کر رہے ہیں کہ تعزیہ داری حرام ہے حالانکہ زید کا عقیدہ بھی ہے کہ تعزیہ داری سے جوش ایمان باقی رہتا ہے لیکن قانون شریعت جلد دوئم ص ۲۵۶ کی عبارت اور مولانا حشمت علی صاحب قبلہ بردالله مضجعہ کی تصنیف کردہ کتاب شمع ہدایت حصہ سوم ص ۲۹۔ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیہ داری اور علم اٹھانا اور بانس وغیرہ کے ڈھانچہ تیار کرنا اور اس میں مصنوعی قبر بنانا ناجائز وحرام ہے ان سے کبھی بھی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش نہیں ہوتے ان مذکورہ مسئلہ سے واضح دلائل پیش کر کے اس فرقہ کا منہ کالا کریں جو دیہاتوں میں جاہلوں کو بھٹکا رہے ہیں۔ بینوا توجروا

سخاوت حسین

الجواب

آپ نے سوال میں دو لفظ غیر مناسب لکھے (۱) عالم الغیب (۲) عقیدہ۔

عقیدہ لکھنے سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے لئے ماکان ومایکون کا علم نہ ماننے والے کو کافر کہتے ہیں حالانکہ مسئلہ یہ نہیں ہے بلکہ جو رسول اللہ ﷺ کے لئے بالکل غیب نہ مانے وہ کافر ہے جو "ماکان ومایکون" نہ مانے وہ گمراہ ہے۔ آپ کو یہ لکھنا چاہئے تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو عالم ماکان ومایکون مانتا ہوں اس طرح الفاظ کے ساتھ لفظ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کسی دوسرے کو عالم الغیب نہ کہنا چاہئے، غیر خدا کو عالم غیب عالم ماکان ومایکون کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح لفظ رحمٰن اور رحیم میں کہ رحمٰن صرف خدا کو کہہ سکتے ہیں۔ کسی دوسرے کو رحمٰن کہنا جائز نہیں اور رحیم غیر خدا کو کہہ سکتے ہیں حالانکہ معنی رحمٰن کے بھی بہت رحم کرنے والا اور رحیم کے بھی بہت رحم کرنے والا ہیں، آپ کو عالم الغیب کے بجائے عالم غیب لکھنا چاہئے تھا۔

آپ اپنے سوال کا جواب سنئے اگر آپ نے سوال میں لکھی آیتیں خود قرآن شریف سے نقل کیں ہیں تو آپ کو مندرجہ ذیل آیات بھی دیکھنی چاہئے تھیں جو اسی قرآن میں ہیں۔

(۱) ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ أَحَدًا ۔ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِن رَّسُولٍ﴾

[الحن:۲۶،۲۷]

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے علم پر اپنے برگزیدہ رسولوں کے سواء کسی کو مطلع نہیں کرتا، معلوم

ہوا اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں کو علم غیب پر مطلع کرتا ہے۔

(۲) ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾[النساء:۱۱۳]

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ سب سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے معلوم ہوا کہ علم غیب بھی جس کو آپ نہیں جانتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھا دیا بتا دیا۔

(۳) ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾[النحل:۸۹]

ہم نے آپ پر کتاب اتاری جس میں ہر شئی کا بیان ہے۔ علم غیب ضرور شی ہے تو اس کتاب میں اس کا بھی بیان ہے۔

(٤) ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾[التکویر:۲۳]

رسول اللہ ﷺ غیب پر بخیل نہیں ہیں۔ سخی وہی ہو سکتا ہے جو غیب جانے بھی اور لوگوں کو بتائے بھی

(٥) ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا إِلَيْكَ﴾[ہود:٤٩]

یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

یہ اور اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم ہے، انہیں بھی دیکھنا چاہئے تھا اور اگر کسی دوسرے نے آپ کو یہ آیتیں لکھوائیں تو اس کو دیانتداری سے دونوں قسم کی آیتیں آپ کو لکھوانی چاہئے تھیں، اس لئے علماء تفسیر فرماتے ہیں کہ وہ آیتیں جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے علاوہ کوئی علم غیب نہیں جانتا اس کا مطلب یہ ہے کہ از خود بغیر خدا کے بتائے اور جن آیات میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب جانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے اور تعلیم کے بعد ہی۔ اہل سنت کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر ایک ذرہ کا علم نہیں رکھتے لیکن آپ نے انہیں سب چیزوں کا علم بتایا اس لئے آپ عالم ماکان ومایکون ہیں اس مسئلہ کی تفصیلی بحث ہماری کتاب ''الشاہد'' میں دیکھی جائے۔

(۲) تعزیہ کے بارے میں شمع ہدایت اور قانون شریعت کے حوالہ سے جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہی صحیح ہے وہی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاوی میں ہے وہی بہار شریعت میں، اگر آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ تعزیہ داری کا جو مروجہ طریقہ ہے اس سے جوش ایمان پیدا ہوتا ہے تو اپنا یہ عقیدہ بدل لئے غلط اور ناجائز طریقوں سے جوش ایمان کی حمایت بھی ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

(۲-۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) کیا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو علم غیب ''ماکان ومایکون'' حاصل تھا یا علم غیب میں ہر نبی کی شانیں الگ الگ ہیں؟

(۲) سرور کائنات ﷺ کو علم غیب " ما کان ومایکون " یا جو کائنات کی تمام اشیاء پیش نظر آتی ہیں حتی کہ قیامت تک ہونے والے حادثات وواقعات کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں اگر یہ درست ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کون سا علم باقی ہے جو محض اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور آپ کو نہیں ہے۔ گویہ اظہر من الشمس ہے علم کائنات کے ہر ذرے کا آپ کو حاصل ہے۔ وہ بالذات نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ یا بالوسیلہ مگر حصول علم کے بعد خدا ونبی برابر ہوئے کہ نہیں۔ اگر برابر ہوں تو کوئی حاجت نہیں۔ اگر برابر نہ ہوں تو بالتفصیل بتلایا جائے کہ فلاں علم حاصل ہے فلاں نہیں۔

(۳) از روئے قرآن کریم وحی سے غیب ہی مراد ہے۔ مگر جب غیب کو وحی سے ظاہر فرماتا ہے تو پھر اس کا نام وحی نہیں بلکہ غیب رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ علم ہونے سے قبل غیب تھا۔ اس لئے جب کوئی مخفی چیز واسطے سے معلوم ہو جائے تو غیب کی تعریف سے نکل جاتی ہے۔ اور اس کا مقام واسطہ غیب حاصل کر لیتا ہے مثلاً: ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا إِلَيْكَ﴾(ہود:٤٩). ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا" جب کہ تفسیر میں جمہور مفسرین " ان الغيب وهو الذى يكون غائبا من الحاسة " (جلد اول ص؍۲۵۰) اور اگر یہ آیت بھی پیش کی جائے ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾[النساء:۱۱۳] اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ تمام غیر معلوم چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے مگر یہ کیسے صحیح مانا جائے کہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[العلق:٥] یعنی جو کچھ انسان نہیں جانتا تھا اس کو سکھایا پس اگر ما سے عموماً مراد لی جائے تو سارے انسان کے لئے علم کلی علم غیب مانا جائے گا۔ تو اس سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ منصب نبوت ورسالت کی انجام دہی کا علم تو آپ کو بذریعہ وحی تھا۔ اور بقیہ علوم غیبیہ ماورائے منزل وحی کی نفی ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی علم " ما کان ومایکون " وتمامی اشیائے کائنات کا علم اور ہر ذرہ کا پیش نظر ہونا واقعات وحالات تا قیامت کا جاننا از روئے قرآن کریم واحادیث متواترہ سے ثابت ہے تو تحریر فرمایا جائے۔

(۴) کیا ایک نبی کے لئے کامل واکمل ہونے کے لئے کائنات کے ہر ہر شیء کی ذات کا علم ہونا ہمہ وقت لازم وضروری ہے۔ یا صرف وحی ہی کا آنا جس سے مرضیات الٰہی واحکام شرعیہ ترتیب دئے جا سکیں اگر دوسری بات صحیح ہے تو پھر پہلی بات کے منکر کو بدعقیدہ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی کی

حقیقت و مقام سمجھنے کے لئے محض علم کسبی محتمل نہیں بلکہ انحصار ذوق وجدان ریاضت مجاہدہ پر ہے۔ تو اس
سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ مگر ایک عارف اس نازک مقام میں پردے سے باتیں کرتا ہے۔ اعلانیہ نہیں۔
اس لئے کہ مخاطب عوام ہی زیادہ ہیں اور وہ خدا و نبی کے علم میں فرق وامتیاز نہ قائم کرنے کی سبب گمراہ ہو
سکتے ہیں تو بایں صورت بھی نبی سے "ما کان و ما یکون" علم غیب کی نفی بھی کی جائے تب بھی نفی کرنے
والا بد عقیدہ اور گمراہ نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر قرار دیا جا سکتا ہے تو تحریر فرمائیں اور عوام ہی کے فہم و
ادراک کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کا طرز خطاب جداگانہ ہے۔ کیونکہ اگلی امتیں نبی کے بارے
میں کیسی غلط فہمی میں مبتلا تھی اور اسلام ان تمام غلط فہمیوں کا سد باب کرنے کے لئے آیا تھا۔

نوٹ:۔ سوالات مذکورہ کا جواب تمام اصول مقررہ تفسیر قرآن کے مطابق دیا جائے۔ یعنی زیادہ
تر وہی تفصیلیں دلیل میں پیش کی جائیں جو صحابہ تابعین کی ہیں اور تاویل اسی جگہ کی کی جائے جہاں پر ظا
ہری معنیٰ مراد لینے میں کوئی فساد پیدا ہوتا ہو۔ یا قرآن پر کوئی حرف آتا ہو یا حدیث شریف متواترہ مشہورہ
سے اور کسی کا ثبوت غیر تسکین بخش ثابت ہو۔ اس سلسلہ میں میں نے اب تک کوئی فیصلہ قطعی نہیں کیا ہے۔
محض ثبوت قرآن وحدیث متواترہ پر فیصلہ مبنی ہے۔ المستفتی سید اقبال احمد محلّہ رضوی خاں جونپور

الجواب

(۱) علم غیب میں سب انبیاء برابر نہیں۔
قرآن شریف میں ہے: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ (یوسف:۷۶)
ہاں یہ مسئلہ البتہ تمام امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ تمام خلق سے رسول اللہ ﷺ کا علم زیادہ ہے۔
حدیث شریف میں ہے: "فعلمت علم الاولین والاخرین"

(۲) حیرت ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے علم کو صرف قیامت تک کے لئے حصر کرتے ہیں۔ اور
یہی علمائے اہل سنت کا مذہب ہے۔ پھر علم خدا اور نبی کی برابری کا وہم کس طرح ہے، کیا انسانوں کا دوزخ و
جنت میں رہنا ابدالآباد تک جو کچھ ہوگا اس کے ہر ہر جزئی واقعہ کی تفصیلات قیامت تک میں داخل ہیں اگر
نہیں داخل ہیں؟ اور ہرگز نہیں داخل۔ پھر یہ بات کیسے صحیح ہوگی کہ نبی اور خدا کا علم برابر ہوگیا۔ یونہی
صفات الٰہی غیر متناہی ہیں خدا ان غیر متناہی صفات کو جانتا ہے اور نبی ﷺ کو اس کا علم متناہی ہے۔ ہم نے یہ
دونوں مثالیں دیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علم الٰہی غیر متناہی اور اس کی بعض فردیں خود غیر متناہی اور اس بحر نا
پیدا کنار میں حضور کا علم "ما کان" از ابتدائے آفرینش و ما یکون تا قیامت متناہی۔ پس علم الٰہی و علم
رسول میں مقدار کے لحاظ سے بھی متناہی اور غیر متناہی کا فرق ہے۔

(۳) قرآن عظیم کی کسی آیت سے بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ جو چیزیں بتادی جائیں وہ غیب
نہیں رہتیں وحی ہو جاتی ہیں۔ آپ نے جو آیت پیش کی خود اسی میں اس قاعدہ کی تردید ہے۔ کیونکہ پہلے وہ
چیزیں بذریعہ وحی الٰہی بتلادی گئیں پھر انہیں کو بتلادینے کے بعد کہا گیا ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ﴾
[ھود:۴۹] دیکھئے انہیں بتائی ہوئی چیزوں کو غیب کہا اور حالانکہ ان خبروں پر غیب کا اطلاق بالتصریح ہے۔
اور وحی کا بالتصریح نہیں۔ لیکن آپ کی خاطر ہم مان لیتے ہیں کہ وہ خبریں وحی بھی ہیں۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ
ثابت ہوگا کہ وہ غیب بھی ہیں اور وحی بھی تو غیب کی نفی کہاں سے ثابت ہوئی۔ اگر آپ نے تفسیر کبیر کی
عبارت اس لئے نقل فرمائی ہے کہ غیب اسی وقت تک غیب رہتا ہے کہ بتایا نہ جائے تو پھر مجھے انتہائی افسوس
ہوگا کیونکہ تفسیر کبیر کی پوری عبارت یہ ہے: "ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ ثم
ھذا الغیب ینقسم الی ما علیہ دلیل والی مالیس علیہ دلیل" (تفسیر سورۃ البقرۃ ۱/۲۷۳) غیب وہ
ہے جو قوت حاسہ سے غائب ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بتایا جائے، ایک وہ جو بتایا نہ جا
ئے۔ اس میں کس قدر وضاحت کے ساتھ تحریر ہے۔ کہ جو بتایا جائے وہ بھی غیب ہی کی ایک قسم ہے۔ اور
غیب ہی اس کے علاوہ اگر ثابت ہو جائے جو چیزیں بتادی جائیں وہ غیب نہیں بلکہ وحی ہے۔ تو بتایئے اس
سے صورت حال میں کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا بطور وحی آپ رسول اللہ ﷺ کے لئے علم "ما کان و ما
یکون" مانتے ہیں؟

بے شک ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ [النساء:۱۱۳] میں ماعام ہے۔ اسی طرح ﴿عَلَّمَ
الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ [العلق:۵] میں بھی ہے۔ لیکن انسان سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔
اس لئے دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہیں۔ حاشیۃ الصاوی میں ہے: "خلق الانسان ای محمد ﷺ
علمہ البیان ای بیان ما کان و ما یکون ثانیا (۱۲۶/۴)" ما کے لغوی معنیٰ عموم کے ہیں۔ اس میں
بھی کوئی تخصیص ہو تو مجاز ہے۔ پس اگر کسی وجہ سے آپ ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ [العلق:۵]
میں "ما" کو عام نہیں لیتے تو ایک جگہ معنیٰ حقیقی مراد لینا دوسری جگہ معنیٰ حقیقی مراد نہ لینے کی دلیل کیسے بنے
گی۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے علم "ما کان و ما یکون" پر آیات واحادیث کی ضرورت ہے۔ ایک آ
یت تو وہی ہے: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ﴾ دوسری ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
شَيْءٍ﴾ [النحل:۸۹] تیسری آیت ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ [یوسف:۱۱۱] چوتھی آیت ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ
﴾ [الانعام:۳۸] احادیث میں ہے۔ اس حدیث کو ترمذی، بخاری، ابن خزیمہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے: "

فتجلی لی کل شیء وعرفت (سنن الترمذی۔ کتاب التفسیر: ۵/۱۶۰) " یہ حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہے الفاظ مسلم کے ہیں۔ فاخبرنا بما کان و بما ھو کائن الی یوم القیامۃ "

(۴) آپ کا یہ سوال بے شمار سوالوں کا دروازہ کھول رہا ہے۔ میں آپ سے پوچھونگا۔ کیا نبی کے کامل اور اکمل ہونے کے لئے صاحب معراج ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر نہیں تو اس کے منکر کو گمراہ کیوں کہا جاتا ہے۔ حالانکہ شیخ محقق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ اسری کہ بردن آنحضرت ﷺ از مکہ تا مسجد اقصیٰ ثابت است از کتاب اللہ کہ منکر آں کافر است واز آں جا بہ آسمانہا بردن کہ ثابت است از احادیث مشہورہ کہ منکر آں مبتدع وفاسق ومخذول است وثبوت دیگر از عجائب وغرائب احوال کہ ثابت از احادیث احاد کہ منکر آں جاہل ومحروم است" حقیقت یہ ہے کہ امت پر احکام الٰہی کے اسباب وعلل کی تلاش ضروری نہیں۔ اس پر تسلیم ورضا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۶ رجمادی الآخر ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید اس بات پر مصر ہے کہ حضرت غوث پاک کو علم غیب تھا۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ حضور پر نور سید عالم ﷺ معراج میں حضور غوث پاک کے کندھے پر پیر رکھ کو براق پر سوار ہوئے۔ ایسا کہنا کیسا ہے۔ بحوالہ کتب ارشاد فرمائیں۔

عطاء الرحمن اعظمی ۱۲ اکتوبر ۸۵

الجواب

غیر نبی کو حضور سید عالم ﷺ کے واسطہ سے علم حاصل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح غوث پاک کو بھی تھا۔ حدیث شریف میں ہے: "ویخبر کم بما مضی وما ھو کائن " تو جب رسول اللہ ﷺ اپنے امتیوں کو آئندہ کی خبر دیتے ہیں، تو انہیں کیوں نہ اس کا علم ہوگا۔

تفریح الخاطر وغیرہ میں اس قسم کی روایتوں کا ذکر ہے۔ اور عقل شرعی میں اس کا استبعاد بھی نہیں۔ کہ حضور غوث پاک کی روح مبارک اس وقت آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی ہو۔ اور کوئی خدمت بجا لائی ہو۔ اس روایت کی سند ہمارے سامنے نہیں کہ اس کی کوئی تنقید کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۸ رجمادی الآخر ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ایک شخص کہتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو آپ عالم غیب مانتے ہو تو جب ایک یہودی کے گھر صحابہ کرام اور رسول اکرم ﷺ کی دعوت تھی اور صحابہ کرام نے کھانا تناول فرمایا اور شہید ہوگئے تو آپ کا قول (کہ رسول عالم غیب ہیں) تو اس لحاظ سے رسول اللہ کو علم ہوتے ہوئے جو صحابہ کھانا کھا کر شہید ہوئے اس کا جرم رسول اللہ ﷺ پر صادر ہوا اور رسول ان شہیدوں کے قاتل ثابت ہوئے معاذ اللہ۔

لہٰذا آپ اس سوال کا جواب حدیث واقوال فقہاء کی روشنی میں مرحمت فرمائیں کیا واقعۂ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے قاتل ہیں اگر نہیں ہیں تو عالم غیب کہاں ثابت ہوا فقط۔

المستفتی، راحل امان مدھوبنی دارالعلوم شمس العلوم گھوسی ضلع مئو

الجواب

آدمی تعصب میں اندھا ہوجاتا ہے تو اس کو کچھ نظر نہیں آتا سائل نے جس روایت کا حوالہ انکار علم غیب کے سلسلہ میں دیا ہے ابن ہشام نے اسکو ان الفاظ میں نقل کیا ہے " فلما وضعتها بين يدى رسول الله ﷺ تناول الذراع فلاك منها مضغة فلم يسغها ومعه بشر بن البراء ابن المعرور وقد اخذ منها كما اخذ رسول الله ﷺ فاما بشر فاساغها واما رسول الله ﷺ فلفظها ثم قال ان هذا العظم ليخبرني انه مسموم (الروض الانف ۴/۸۳)" خیبر میں ایک یہودی عورت نے زہریلا گوشت آپ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھا آپ کیساتھ بشر تھے انھوں نے بھی ایک ٹکڑا منہ میں رکھا حضور نے یہ کہتے ہوئے لقمہ تھوک دیا کہ یہ ہڈی مجھے بتارہی ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے اور بشر تب تک وہ لقمہ نگل چکے تھے۔ آنکھ والے دیکھیں اس گوشت میں زہر ہونے کی خبر سب سے پہلے حضور ﷺ نے دی اس سے بڑا آپ کے غیب کا عالم ہونے کا اور کیا ثبوت چاہئے گوشت کے ٹکڑے نے خود رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے اس ناسمجھ سائل کے خیال میں اگر رسول اللہ ﷺ نے پانچ منٹ پہلے خبر دی ہوتی تو عالم غیب ہوتے اور پانچ منٹ بعد بتایا تو عالم غیب نہیں رہے۔ روض الانف سہیلی میں لکھا ہے "ان بشرا مات بعد الحول (الروض الانف: ۴/۸۳)"

حضرت بشر زہر کھانے کے ایک سال بعد وفات پائے اور یہ نادان حضور ﷺ کو انکا قاتل بتارہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عالم غیب ہونے کا نہ تو یہ مطلب ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ ہر بات کے عالم ہوگئے، نہ یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بھید پر آگاہ ہوکر مرضی الٰہی کے خلاف خدا کا بھید ظاہر کریں، تو صورت مسئولہ میں اللہ تعالیٰ کی مرضی تو یہ تھی کہ حضرت بشر زہر کھا کر شہید ہوں اور رسول اللہ

علیہ اللہ کا یہ بھید کھول کر اس کی مخالفت کرتے ایسا کوئی منکر علم غیب ہی سوچ سکتا ہے۔ کیا اس بات میں سائل کو کوئی فضیلت نظر نہیں آئی کہ گوشت نے حضور کو خبر دی میرے اندر زہر ملا ہوا ہے؟ بشر بھی ساتھ ہی تھے انہوں نے بھی گوشت کھایا مگر گوشت نے انہیں نہیں بتایا، اہل سنت والجماعت اسی علم غیب کے قائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۴ ذی الحجہ ۱۰ھ

(۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

حضور نبی کریم تاجدار مدینہ ﷺ کے علم غیب کے ثبوت کے بارے میں سنی اور وہابی کے مابین کافی اختلاف چل رہا ہے، زید سنی اور خالد وہابی دونوں اپنی اپنی دلیل پیش کرتے ہیں لیکن دونوں میں سے کوئی کسی کی دلیل کو تسلیم نہیں کرتا غرض کہ خالد وہابی اپنے گمان فاسد میں حضرت عائشہ عفیفہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام زنا کی اور حضور ﷺ کی ایک ماہ کی خاموشی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کنارہ کشی کو اپنی دلیل سمجھتا ہے اور اس لیے عوام الناس میں اپنا سکہ جمانا چاہتا ہے، اس لئے حضور والا کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش ہے کہ حتی الامکان قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلے کی وضاحت فرما کر ثواب کے مستحق ہوں۔

العارض: محمد محبوب عالم اشرفی، مدرسہ اسلامیہ مقام وپوسٹ گھوڑ دوڑ وایا سمری بختیاری ضلع (سہرسہ)

الجواب

خالد وہابی کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضور ﷺ تہمت کے موقع پر ایک مہینہ تک حضرت عائشہ کے متعلق خاموش رہے، بخاری شریف میں ہے کہ جیسے ہی یہ خبر پھیلی آپ نے حضرت زید اور حضرت ابو ہریرہ سے تفتیش حال کیا اور خود منبر پر تشریف لے جا کر ان الفاظ میں حضرت صدیقہ کی برأت فرمائی "من یعذرنا فی رجل بلغنی اذاہ فی اھل بیتی فواللہ ما علمت من اھلی الا خیرا" (صحیح البخاری ۔کتاب الشھادۃ۔ ۶۳۳/۲) میری مدد کون کریگا اس آدمی کے مقابلہ میں جس سے میرے اہل کے بارے میں مجھے ایذا پہونچائی؟ قسم خدا کی مجھے اپنے اہل پر خیر ہی کا یقین ہے۔ اسی حتمی صفائی کے بعد سوائے دیوبندیوں کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حضور خاموش رہے۔

اور اس صفائی کے بعد تہمت لگانے والے شور شرابہ مچاتے رہے تو آپ نے اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر موقوف کیا کہ وحی الٰہی کے بعد ہی سارے فتنے ختم ہو جائیں گے، اس دوران حضرت عائشہ سے کنارہ کشی کی بات بھی خلاف واقع ہے حضور ﷺ نے ان کو علحدہ نہیں کیا خود حضرت عائشہ نے واقعہ کی خبر پا کر آپ سے اجازت چاہی کہ میں اپنے والدین کے پاس جانا چاہتی ہوں (بخاری شریف) اس

بات کا البتہ خود حضرت عائشہ کو اعتراف ہے کہ حضور کا وہ انبساط جو میرے ساتھ تھا اب نہیں تھا لیکن اس کی وجہ یہ بتانا کہ آپ حضرت عائشہ پر شبہ کر رہے تھے سوائے دیوبندی بددیانتی کے اور کچھ نہیں ہے، ہر آدمی اس امر کو سوچ سکتا ہے کہ قلب مبارک پر منافقین کے اس ہنگانہ کا کتنا اثر رہا ہوگا اس حالت میں بیوی والا انبساط قطعاً ناممکن ہے اور جب آپ نے خدا کے فیصلہ پر معاملہ کو چھوڑ دیا تھا تو اتنے دن تک کنارہ کشی ہی عین مصلحت تھی ان اللہ کے بندوں کو تو خدا پر اعتراض کرنا چاہئے کہ نزول وحی میں تاخیر اس کی جانب سے تھی تو کیا معاذ اللہ اس کو بھی اتنے دن تک علم نہیں تھا، ہمارے نزدیک تو وحی کے دیر میں آنے کی مصلحت یہ تھی کہ حضرت عائشہ کو صبر پر ثواب زیادہ ہوتا رہے اور ادھر حضور کا یہ عالم تھا کہ علم سے سینہ بھر دیا گیا تمام حالات وکوائف حضور کے پیش نظر ہیں ایسی حالت میں کافروں نے جھوٹی تہمت لگائی، اب دیکھنا یہ ہے کہ محبوب اپنی محبوبہ کی تہمت پر باوجود علم کے صبر کر کے معاملہ کو اللہ جل شانہ پر تفویض کرتے ہیں یا کفار کے طعن سے بے قرار ہو کہ سینہ کا خزانہ کھول ڈالتے ہیں۔ تھوڑی دیر صبر کرنا تو ممکن ہوسکتا ہے زیادہ دیر تک صبر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ امتحان مؤخر تھا اس لئے وحی میں تاخیر ہوئی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضور کو عائشہ کی پاکی وطہارت پر یقین کامل تھا تبھی تو قسم کھا کر فرمایا کہ مجھے اپنے اہل پر خیر کا یقین ہے۔

اور حضور ﷺ کے ثبوت علم غیب پر تو قرآن پاک میں اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ﴾[آل عمران:۱۷۹] خدا کی شان یہ نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کر دے بلکہ وہ اپنے رسولوں میں جسے چن لیتا ہے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾[التکویر : ۲۴] اور وہ یعنی رسول (ﷺ) غیب کی باتیں بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔ اور مشکوۃ شریف کی حدیث ہے وہ چند طریقوں سے مروی ہے "عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوی لی الارض فرأیت مشارقھا ومغاربھا (کتاب الفضائل والشمائل: ۴۲۶/۲)" حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا نے کہ میرے لئے خدا نے زمین کو سمیٹ دیا پس میں مشرق ومغرب کے دونوں کناروں تک روئے زمین کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک اور حدیث میں 'ان اللہ عزوجل قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والیٰ ما ھو کائن فیھا الیٰ یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ" (حلیۃ الاولیاء: ۱۰۱/۶)، کنز العمال للمتقی: ۳۷۸/۱۱) بیشک اللہ تعالیٰ نے میری آنکھوں سے حجابات اٹھا دیئے پس میں دنیا کو اور دنیا میں ہونے والے واقعات دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک دیکھتا رہوں گا مثل اپنی اس ہتھیلی کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۱ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

(۹) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ایک عالم صاحب نے گیارہویں شریف کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے درمیان تقریر میں بڑے کروفر اور شوق کے ساتھ یہ بیان کیا کہ حضور کو معراج نہیں ہوئی اور ان کو علم غیب نہیں عطا کیا گیا اور نہ وہ عرش اعلیٰ پر گئے۔ ان کے اس بیان پر میں نے اعتراض کیا کہ یہ جو آپ کہہ رہے ہیں کہ حضور عرش اعلیٰ پر نہیں گئے ان کو معراج نہیں ہوئی اور ان کو علم غیب نہیں ہے، یہ غلط ہے۔ اب تک جو ہم نے پڑھا ہے وہ یہ ہے کہ حضور کو معراج ہوئی اور آپ علم غیب جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے جو تقریر میں بیان کیا وہی صحیح ہے۔ اور پھر اسی تقریر میں انہوں نے کہا کہ قیام جائز ہے۔ لیکن جب جلسہ ختم ہوتو تمام حاضرین نے قیام کیا لیکن وہ پیچھے بیٹھے ہی رہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسے مولوی کے پیچھے جو اپنے قول وعمل میں موافقت نہ پیدا کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔ اور نیز معراج وعلم غیب کے بارے میں تحقیقی اور تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا

مکرم علی جمشید پور

الجواب

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتانے سے حضور ﷺ کو علم غیب حاصل تھا۔ جو شخص مطلقا علم غیب کا انکار کرے کفر کرتا ہے کہ نصوص شرعیہ کا انکار ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک کے تھوڑے سے حصہ میں تھوڑے سے لمحے میں سفر کرنا نص قرآنی سے ثابت ہے جسے معراج کہتے ہیں، انکار کفر ہے۔ جس مولوی صاحب کا آپ نے ذکر کیا ہے اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو چھپے ہوئے وہابی معلوم ہوتے ہیں ان کو امام ہرگز نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۱۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) فتاویٰ مصطفویہ جلد اول میں حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کے علم غیب کے ثبوت پر بہت ساری آیات قرآنیہ کو پیش کیا گیا ہے اور اسی میں اس آیت کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

آیت ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۵۵)

اس آیت پاک میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم غیب کو بتایا گیا ہے تو اس سے رسول کا علم غیب کس طرح ثابت ہوگا، اس کی وضاحت فرمادیں۔

(۲) ہم جس گاؤں میں رہتے ہیں اس گاؤں میں زیادہ تر غیر مسلم لوگ رہتے ہیں اور میرے گھر

کے صحن میں پھلواری بھی ہے اور وہ لوگ پوجا پاٹ کے لئے صبح کو ہم سے پھول مانگتے ہیں تو ہمارا دینا درست ہوگا یا نہیں، جواب مرحمت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد فلاح الدین خان۔ مسکونہ جمشید پور مورخہ ۱۲؍ جولائی ۱۹۹۸ء

الجواب

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الاتقان فی علوم القرآن جلد دوم ص ۲۳۶ میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

"لایفقه الرجل کل الفقه حتی یجعل للقرآن وجوها"

(اتحاف السادة للزبیدی: ۴/۵۲۷)

آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوسکتا کہ آیات قرآنیہ کے متعدد معنی کا ادراک نہ کرے۔

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ:

"من اراد علم الاولین والاخرین فلیتطور القرآن"

(اتحاف السادة المتقین للزبیدی: ۹/۶۴۶)

جو اولین وآخرین کا علم جاننا چاہے وہ قرآن کے مختلف معانی سے بحث کرے۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں حضرت ابو قتادہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام کا مقصد آیات کی صرف ایک ظاہری تفسیر سے حاصل نہ ہوگا اس لئے بعض علماء نے کہا ایک آیت کے ستر معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ معانی قرآن کی تفہیم میں بہت بڑی وسعت ہے اس لئے علمائے تفسیر نے بہت سارے مقامات پر ایک قرآنی آیت کے کئی معنی بتائے ہیں۔

مثلا سورۂ اسریٰ کی پہلی آیت کا آخری ٹکڑا۔ "انه هو السمیع البصیر" (الاسراء: ۱)

کے متعلق علامہ آلوسی نے اپنی کتاب روح المعانی جلد ۷ جز ۱۵ ص ۱۴ میں فرمایا:

عام مفسرین اس ٹکڑے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت قرار دیتے ہیں اور ابو البقاء نے فرمایا "انه هو" کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے قول کو سننے والے اور اس کی ذات کو دیکھنے والے ہیں۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی سمیع وبصیر ہے اور اس کی عطا وبخشش سے رسول اللہ ﷺ بھی سمیع وبصیر ہیں اور دونوں مفہوموں پر پندرہویں پارہ کی یہ ابتدائی آیت دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح سورہ والنجم کی ابتدائی آیتوں میں:

﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى . ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى . وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى . ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى . فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ﴾[النجم:٦-٧-٨-٩]

کا ترجمہ عام مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سخت قوتوں والے (جبریل امین) نے سکھایا پھر انہوں نے قصد کیا تو وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے پر تھے (یعنی جبریل) پھر وہ قریب ہوئے اور اتر آئے تو دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم۔

اور حضرت حسن بصری اور دیگر علماے محققین فرماتے ہیں شدید القوی سے مراد اللہ تعالیٰ ہے یعنی اس شدید قوت وطاقت والے پروردگار نے محمد ﷺ کو سکھایا پھر رسول اللہ ﷺ بلند ہوئے اور جلوۂ ربانی سے قریب ہوئے پھر اور قریب تر ہوئے۔ (جلالین وحاشیہ جلالین ص ۴۳۷)

دیکھئے ان دونوں تفسیروں میں کتنا فرق ہے پہلی میں شدید القوی، صاحب استوی، اور قریب سے قریب ہونے والے اور رسول اللہ ﷺ کو سکھانے والے جبریل امین ہیں۔ اور دوسری تفسیر میں شدید القوی، سکھانے والا اللہ تعالیٰ، بلند ہوئے والے قریب ہونے والے رسول اللہ ﷺ جنہیں جلوہ ذات الٰہی کا قرب اور دید حاصل ہوئی۔ اور یہی راجح قول ہے۔

اسی طرح سورۂ حدید شریف کی تیسری آیت شریفہ:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾[الحدید:۳]

کے معنی مفسرین کے نزدیک یہ ہیں کہ اللہ اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر شی کا جاننے والا ہے۔

لیکن شیخ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوت میں اور امام عبد الوہاب شعرانی نے اپنی کتاب "درۃ الغواص" اور جواہر درر میں فرمایا کہ یہ الفاظ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بھی صفت ہیں۔ میں امام شعرانی کے الفاظ حسب ذیل ہیں (محمد ﷺ) ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ﴾ اور شیخ محقق نے فرمایا ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ آنحضرت ﷺ جانتے ہیں تمام شانوں اور اللہ کے احکام اور اس کے اسمائے صفات کو اور اسماء وافعال اور آثار کو اور تمام علوم اول وآخر اور ظاہر اور باطن کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر علم والے کا مصداق ہیں (فارسی عبارت کا ترجمہ)

یہاں بھی دیکھئے ایک ہی آیت شریف ہے علماء اسلام اس کو اللہ جل جلالہ اور اس کے پاک نبی ﷺ دونوں کی شان کا بیان کہتے ہیں۔

نمونۃً ہم نے قرآن عظیم کی تین آیتیں پیش کیں جن کو ائمہ مفسرین نے خدا ورسول دونوں کی شان کا بیان قرار دیا ہے کوشش کی جائے تو اس قسم کی آیتوں سے ایک کتاب تیار کی جاسکتی ہے۔

پس اسی طرح آیت الکرسی کا یہ ٹکڑا بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف وتوصیف بھی ہے۔ ہم اور آپ اپنی جہالت یا بتانے والوں کی کمی کی وجہ سے اس ٹکڑے کو صرف اللہ تعالیٰ کے علم غیب کا ثبوت سمجھے حالانکہ یہی آیت حضور ﷺ کے وسعت علمی کا ثبوت بھی ہے کتب تفاسیر سے اس کا ثبوت ملاحظہ کیجئے۔

تفسیر البیان للشیخ اسماعیل الحقی جلد اول زیر آیت:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾(البقرۃ:۲۵۵) تحریر ہے:

"وفی التاویلات النجمية: يعلم محمد عليه السلام (مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ) من الامور الاوليات قبل خلق الله الخلائق (وَمَا خَلْفَهُمْ) من اهوال القيامة وفزع الخلق وغضب الرب وطلب الشفاعة من الانبياء وقولهم نفسى نفسى وحوالة الخلق بعضهم الى بعض حتى بالاضطرار يرجعون الى النبى عليه السلام لاختصاصه بالشفاعة (وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ) يحتمل ان تكون الهاء كناية عنه عليه السلام يعنى هو شاهد على احوالهم يعلم مابين ايديهم من سيرهم ومعاملاتهم وقصصهم وماخلفهم من امور الآخرة واحوال اهل الجنة والنار وهم لايعلمون شيئا من معلوماته (إِلَّا بِمَا شَاءَ) ان يخبرهم عن ذلك الخ"

(تفسیر سورۃ البقرۃ:۱/۴۵۸)

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ (یعلم محمد ﷺ جانتے ہیں (مَا بَيْنَ أَيْدِيهِم) جو ان کے سامنے ہیں وہ ابتدائی امور جو تمام مخلوقات کی تخلیق سے بھی پہلے ہیں (وَمَا خَلْفَهُمْ) جو ان کے پیچھے ہیں قیامت کی وحشت ناکیوں سے اور مخلوق خدا کی گھبراہٹ اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے اور لوگوں کے انبیاء علیہم السلام سے سفارش طلب کرنے سے اور ان کے نفسی نفسی فرمانے سے اور مخلوق کو ایک دوسرے کے حوالہ کرنے سے پھر سب کے مجبور ہوکر آنحضرت ﷺ کے پاس جانے سے کہ اس دن شفاعت کا فتح باب آپ کے ساتھ خاص ہوگا ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ﴾ اس آیت میں ﴿مِّنْ عِلْمِه﴾ میں ضمیر حضور ﷺ کی طرف لوٹ سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مخلوقات کے وجود سے پہلے ہی ان کی سیرتوں اور معاملات ان کے قصے اور واقعات سب جانتے تھے اور مابعد کے حالات بھی از قسم امور آخرت اور جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات سے آگاہ ہیں اور مخلوقات کو خود آگاہی نہیں ہاں رسول اللہ ﷺ انہیں بتانا

چاہیں تو یہ لوگ جان لیں گے۔

اس تفسیر میں خاص اسی ﴿یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ﴾ کے لئے صاف صاف لکھا ہے کہ اسکو محمد رسول اللہ ﷺ جانتے تھے اور مخلوقات کو اس کی کچھ خبر نہیں ہاں رسول اللہ ﷺ ان امور میں سے کچھ اہل خلق کو بتادیں تو اور بات ہے پھر اگر اس تفسیر کے پیش نظر مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے حضور ﷺ کے علم غیب پر استدلال کیا تو کیا غلط ہوا؟۔

ہم کو تو یہ تعجب ہے کہ مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے یہی عبارت فتاوی مصطفویہ کے ص ۲ پر بے حوالہ لکھی تو سائل کو اعتراض ہوا بعینہ یہی بات اسی کتاب کے ص ۱۱ پر تفسیر نیشاپوری سے صفحہ اور جلد کے حوالہ کے ساتھ لکھی تو آپ نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا اگر آپ اسے دیکھ لیتے تو اس شبہ اور سوال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی احتیاطاً ہم تفسیر نیشاپوری کی بھی عبارت اصل کتاب سے نقل کرتے ہیں:

﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ﴾ هذا الاستثناء راجع الى النبى ﷺ كانه قيل مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗ الا عبده محمد ﷺ ﴿يَعۡلَمُ﴾ محمد ﷺ ﴿مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ من اوليات الامور قبل خلق الخلائق ﴿وَمَا خَلۡفَهُمۡ﴾ من احوال القيامة وهم لايعلمون شياء من ذلك الا بماشاء ان يخبرهم) (ج ۳ ص ۲۴)

"الا باذنه" کا استثناء حضور ﷺ کی طرف راجع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالی کے یہاں حضور محمد ﷺ کے سوا کوئی بھی سفارش نہیں کرسکتا محمد ﷺ مخلوقات کی بھی اطلاع رکھتے ہیں بقیہ مخلوق اس کی کچھ خبر نہیں رکھتی۔ ہاں رسول اللہ ﷺ انہیں کچھ بتانا چاہیں تو اور بات ہے۔

ان تفصیلات سے یہ ظاہر ہوگیا کہ آیت الکرسی کا یہ ٹکڑا ﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ﴾ سے ﴿اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ تک جس طرح اللہ تعالی کی ثناء وصفت ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اوصاف کریمہ کا بیان ہے اور یہ بات تفسیر کی متعدد کتابوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے اس لئے اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب پر استدلال صحیح ہے۔

(۲) بت کی مورتی پر پھول ڈالنا اس کی پوجا اور عبادت ہے اس لئے اس نام پر وہ پھول آپ سے یا اس کام کے لئے آپ خود ان کو پھول دیں تو سخت ناجائز اور عظیم گناہ۔ اور اگر وہ آپ کی اجازت کے بغیر توڑ لیجائیں یا آپ ان کو دیں اور پوجا کی غرض کے لئے نہ دیں وہ اسے لیجا کر جو چاہیں کریں اس صورت میں آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۶ رجمادی الاولی ۱۴۱۹ھ

حاضر وناظر کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کے بارے میں کہ زید جو کہ عالم ہے (الجامعۃ العربیہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کانپور سے فارغ ہیں) انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو حاضر وناظر کہا کیا ایسا کہنا درست ہے؟ نیز وہ حضرات جو حضور علیہ السلام کو حاضر وناظر نہیں مانتے ان حضرات کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے۔ برائے کرم شریعت کی روشنی میں اس مسئلے کا جواب مرحمت فرمائیں کرم ہوگا۔

حاجی محمد یعقوب حاجی محمد ضیاء الدین۔ حاجی عبدالجبار۔ حاجی عبدالحفیظ

الجواب

بے شک رسول اللہ ﷺ اللہ پاک جل جلالہ وعم نوالہ کی عطا اور دین سے حاضر وناظر ہیں قرآن عظیم میں ہے: ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ (الفتح: ۸)

بے شک ہم نے آپ کو حاضر وناظر، بشارت دینے والا، ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا۔ اس لئے حضور علیہ السلام کو حاضر وناظر کہنا جائز ہے لیکن یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے انکار کرنے والے پر فتوی صادر کیا جائے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آج کل وہابی دیوبندی وغیرہ گمراہ فرقے ہی اس کا انکار کرتے ہیں تو اگر آپ کے وہاں انکار کرنے والے لوگ بھی ایسے ہی ہیں تو وہ پہلے ہی گمراہ بددین ہیں بلکہ ان میں بہتوں کی گمراہی حد کفر کو پہونچی ہوئی ہے۔ واللہ تعالی اعلم

عبدالمنان اعظمی، دارالافتاء شمس العلوم گھوسی

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہی علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے پاس خط لکھا کہ حضور ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو جواب میں بکر نے لکھا کہ ابلیس بھی تو ہر جگہ حاضر وناظر ہے ایسی صورت میں بکر کے بارے میں شرعی حکم کیا نافذ ہوگا۔ آیا بکر کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد عبدالرزاق، مقام بس پور پوسٹ شاہ پور ہاٹ ضلع دیناجپور

الجواب

اگر بکر نے یہ جملہ اس لئے لکھا ہے کہ وہ اس جملہ سے شیطان کی تعظیم کرنا چاہتا ہے تو یہ سخت

گمراہی اور بددینی ہے۔اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے۔اور اگر اس غرض سے لکھا ہے کہ کسی غیر خدا کا یک وقت متعدد جگہ ہونا شرک نہیں۔تو حضور کے لئے ماننا کیسے شرک ہوگا۔شیطان لعین جب دشمن خدا و رسول ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بیک وقت ساری جگہوں کے انسانوں کو بہکانے کی طاقت دے رکھی ہے۔تو کوئی حرج نہیں۔لیکن اس کی طاقت کو حاضر وناظر ہونے کے لفظ سے بیان کرنا درست نہیں کہ اس لفظ سے خوبی کا اظہار ہوتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی ضلع مئو

(۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ حاضر وناظر نہیں۔وہ تو انتقال کر گئے۔یارسول کہنا اور میلاد میں قیام کرنا شرک ہے۔اور فاتحہ کرنا شرک ہے۔

(۲) گروہ غیر مقلدین اہل سنت وجماعت میں داخل ہے یا اور فرقہ ضالہ کی طرح اہل سنت سے خارج ہے۔مذکورہ مولوی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو ہمیشہ سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔اور تکبیر اولی کے بعد بھی رفع یدین کرتے تھے رکوع میں جاتے رکوع سے سر اٹھاتے اور آمین بالجہر ہمیشہ کرتے تھے۔یہی کرتے زندگی ختم ہوگئی۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔بے سورۂ فاتحہ پڑھے مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔مشکوۃ شریف کے حوالہ سے حدیث پیش کرتے ہیں۔کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: آپ آٹھ رکعت تراویح پڑھائیں۔قرأت خلف الامام کو بخاری شریف سے۔اور کلام اللہ کی اس آیت سے ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾[الحجر:۸۷] ایسے لوگوں سے مخالفت اور مجالست اور ان کو اپنی مسجد میں آنے دینا درست ہے یا نہیں۔ہمارے یہاں ان لوگوں کی وجہ سے تہلکہ وفساد مچا ہوا ہے۔

محمد سلطان خلیفہ رامپور

الجواب

رسول اللہ ﷺ کا انتقال فرمانا ان کے حاضر وناظر ہونے کے منافی نہیں۔جیسا کہ انتقال کے بعد آج بھی وہ رسول ہیں۔ہم ان کا کلمہ پڑھتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں۔

انتقال فرمانے کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے حیات عطا فرمائی۔اور آپ حقیقی ابدی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔حدیث شریف میں ہے:" الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون (کنزل العمال للمتقی:۱۱/۴۷۵)" دوسری حدیث میں فرمایا گیا:" ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی الله حی یرزق (مسند امام احمد بن حنبل:۵/۵۴۳)" اور آپ کے حاضر وناظر ہو

نے کا بیان قرآن عظیم میں ہے:﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ [الفتح:۸] میلاد شریف کو شرک بتانے والا جاہل ہے بلکہ گمراہ ہے۔

قرآن عظیم میں ہے:﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾[الضحی:۱۱] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کی چرچا کرتے رہنے کا حکم دیا۔تو رسول اللہ ﷺ کی ولادت مبارکہ سے بڑھکر اور کون سی نعمت ہوگی۔کہ مسلمان اس کی یاد منائیں یا چرچا ئیں کریں۔بھلا میلاد شریف میں آپ کی یاد یا آپ کے ذکر کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے۔کہ وہ مشرک ہوگا۔میلاد شریف میں کھڑے ہوکر سلام بھی پڑھا جاتا ہے، یہ خود قرآن شریف سے ثابت ہے:﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾(الاحزاب:۵۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو۔اس آیت میں کھڑے ہونے یا بیٹھنے لیٹنے کی کوئی قید نہیں۔تو ہر طرح سلام پڑھنا جائز ہوگا۔کھڑے ہوکر بھی۔اسی طرح ایصال ثواب خود حضور ﷺ سے ثابت ہے:" عن انس انه سئل علیه السلام فقال یا رسول ان نتصدق عن مو تا نا ونحج عنهم وند عولهم۔فهل یصل الیهم قال نعم یصل الیهم وانهم یفرحون به کما یفرح احد کم با لطبق اذا اهدی الیه " زمانہ حال کے غیر مقلدین جو بلا علم واجتہاد دعوی عدم تقلید واستنباط بالرائے کا کرتے ہیں۔بحکم آیت کریمہ قطعاً گمراہ ہیں۔

ارشاد ربانی:﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾ [۴.النساء:۸۲] دالة علی ان فی احکام الحوادث مالا یعرف با لنص بل بالا ستنباط وثانیها ان الاستنباط حجة والثالث ان العامی یجب علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث " (تفسیر کبیر جلد۵۔ص ۲۰۷) اس کے علاوہ ان کے بہت سے عقیدے بھی نہایت گندے اور گمراہ کن ہیں۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں وہ مولوی صاحب جو نقل کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:" وکونه تحت السرة او الصدر لم یثبت فیه حدیث، یو جب العمل (با ب صفة الصلوة:۲/۶۵۹)" بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے" من السنة وضع الیمین علی الیسا ر تحت السرة " داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے۔

آمین بالجہر اور رفع یدین کے بارے میں یہ کہنا کہ ہمیشہ ایسا کرتے رہے۔یہاں تک کہ اسی پر

آپ دنیا سے تشریف لے گئے غلط ہے۔حدیث شریف میں ہے: "عن علقمه بن وائل عن ابيه انه صلى مع النبی ﷺ فلما بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين ، واخفى به صوته"

حضور جب ولا الضالین پر پہونچے تو آپ نے آمین بالسر کہی۔یونہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:" الا اصلى بكم صلوة رسول الله ﷺ ؟فصلى ولم يرفع يديه الا مرة واحدة مع تكبيرة الافتتاح"(حسنه الترمذی ۔ كتاب الصلوة:۲/ ۴۰،ابو داؤد:۱/ ۴۷۷)سنن النسائی ۔ كتاب التطبيق:۲/ ۱۹۵)

مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ ضروری قرار دینا بھی غلط ہے۔اور آیت:" واتيناك سبعا من المثانی " سے تو یہ بات کسی طرح ثابت ہی نہیں۔کیونکہ آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ اور قرآن مجید دیا۔اس میں مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کا دور تک ذکر نہیں آیا۔اور بخاری شریف میں کوئی حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے میں نص ہو تو اس کو پیش کرنا چاہئے تھا۔البتہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی آیات اور احادیث ہم سے سنئے: ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[الاعراف:۲۰۴] جب قرآن شریف پڑھا جائے تو سنو اور چپ رہو۔تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔حدیث شریف میں ہے:" صلى خلف الامام فان قراءة الامام قراءة له(موطا امام محمد ۹۶) "جو امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کی قرات خود اس کی قرات بھی ہے۔دوسری حدیث میں ہے: " انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا ، واذاقرأ فانصتوا (صحیح البخاری: ۱/ ۱۰۷)"امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔تو جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب پڑھے تو چپ رہو۔

آپ ان مولوی صاحب سے پوچھو کہ مشکوۃ شریف میں کہاں یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھاؤ،اور اگر وہ ایسی کوئی حدیث پیش نہ کر سکیں تو آپ انہیں "لعنۃ اللہ علی الکاذبین" سنا دیجئے۔ہم ترمذی شریف سے امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہیں: " اختلف اهل العلم فی قيام رمضان فرأى بعضهم ان يصلى احدىٰ واربعين ركعة مع الوتر وهو قول اهل المدينة والعمل على هذا عندهم بالمدينة واكثر اهل العلم على ماروى عن على وعمر وغيرهما من اصحاب النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عشرين ركعة "(كتاب الصوم:۲/ ۲۱۵)امام ترمذی نے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیس رکعت روایت کی

اور یہ مولوی صاحب آٹھ رکعت، کسی نے سچ ہی کہا ہے۔

کہ خود بدلتے نہیں احکام بدل دیتے ہیں۔ ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

خلاصہ یہ ہے کہ وہ مولوی صاحب سخت گمراہ اور مسلمانوں کی جماعت میں فتنہ ڈالنے والے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے: "يكونون فی آخر الزمان دجالون كذابون ،يأتونكم من الاحاديث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤكم ، فاياكم واياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم " (مشكوة المصابيح :۱/ ۴۸) آخری زمانہ میں مکار اور جھوٹے لوگ ہوں گے۔جو ایسی باتیں بیان کریں گے جسے نہ تم نے سنا نہ تمہارے باپوں نے تو اپنے کو ان سے دور رکھو اور ان کو اپنے سے دور رکھو۔کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں۔ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہے۔اگر وہ امام ہوں تو بشرط استطاعت انہیں امامت سے علاحدہ کرنا واجب ہے۔عالمگیری میں ہے:" ان كان هوىً لا يكفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الكراهة والا فلا "واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱/ ۱۰۷)

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۶ رصفر ۸۰ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ — الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

اختیاراتِ رسول کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک شخص نے ذکر کیا کہ حضور کو خدائی کا کل اختیار دیا گیا ہے۔

(۲) مجدد الف ثانی کا عقیدہ کس طریقہ پر تھا۔دیوبند کے یا بریلی کے عقیدے پر۔

(۳) ایک شخص نے یہ بیان کیا کہ محمد نام کے جو لوگ ہوں گے سب بخش دیے جائیں گے۔چاہے ان کا عمل مذہب پر نہ ہو۔

(۴) کیا نماز میں سرکار کا تصور قصداً کیا جاسکتا ہے یہ جائز ہے؟

(۵) فرض نماز میں اقامت کے وقت کھڑا ہونا سنت ہے یا بیٹھنا۔کے وقت کون سا طریقہ سنت کے مطابق ہے۔سب کو کھڑا رہنا یا بیٹھ جانا۔بینوا توجروا

المستفتی شاہ محمد عباس علی عفی عنہ چٹ بڑا گاؤں ۲۴ راکتوبر ۱۹۵۹ء

الجواب

اگر محمد ﷺ کو خدائی کا کامل اختیار دیدیا گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سب

اختیاراتِ رسول اللہ ﷺ کو سونپ دئے اور خود معاذ اللہ بے اختیار ہو گیا۔ تو قطعاً غلط بلکہ کفر ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ قدرت نے رسول اللہ ﷺ کو ساری خدائی میں تصرف فرمانے کا اختیار دیدیا ہے۔ اور سرور دو عالم ﷺ مرضی الٰہی کے موافق اس میں تصرف فرماتے ہیں تو یہ قرآن وحدیث وعلمائے سلف کے اقوال سے ثابت ہے۔ قرآن شریف میں ہے: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر: ۱) اے محبوب ہم نے آپ کو خیر کثیر دیا۔ تفسیر صاوی میں ہے: "السادس عشر الخير الكثير الدنيوى والاخروى (تفسير سورة الكوثر ٤/٤٣٧)" اس آیت کی سولہویں تفسیر یہ ہے کہ کوثر سے مراد دنیا وآخرت کی بے شمار بھلائیاں آپ کو مرحمت ہوئیں۔ "كل من هذه اقوال محققة به ﷺ وفوق ذلك مما لم يعلم غايته الا الله تبارك وتعالىٰ" سولہویں قول میں حضور ﷺ کو جن جن چیزوں کے عطا فرمانے کا حکم ہے۔ وہ سب حضور کو ملیں۔ بلکہ اس سے زیادہ اور اتنا ملا کہ اس کی حد سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ ساری خدائی تو پھر بھی ایک محدود مقدار ہے۔ تفسیر مظہری میں یہ سولہواں قول حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے:" عن ابن عباس رضى الله عنه الكوثر الخير الكثير۔ اعطاه الله اياه وقال ابو بشير قلت لسعيد ابن جبير انا ناسا يزعمون انه نهر فى الجنة فقال سعيد: النهر الذى فى الجنة من الخير الكثير الذى اعطاه الله اياه فعلىٰ هذا احمل ابن عباس اللام فى الكوثر للجنس وزعم ان النهر من افراده" (التفسیر الکبیر: ۱۱/۳۱۶) اور بشیر نے سعید ابن جبیر سے پوچھا کہ کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر سے مراد تو جنت کی ایک نہر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہر بھی اسی خیر کثیر میں داخل ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ اس تشریح کی بنا پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (الکوثر میں الف لام) کو جنس کے لئے مانا ہے۔ اور ساری بھلائیاں مراد لی گئی ہیں۔ پس جب حضور ﷺ کو سب دیا گیا ہے تو مالک ومختار ہوں گے یا نہیں۔ دوسری آیت ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾ [الضحیٰ: ۵] آپ کا رب آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ تفسیر مظہری میں ہے:" حذف المفعول الثانى يعطيك ليدل على العموم والشمول" جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عموم وشمول کا احاطہ وسعت کو سمیٹے ہوئے ہے۔ کہ حضور کو اتنا دیا گیا جس کی کوئی حد نہیں۔ احادیث کریمہ اس مضمون کی بکثرت ہیں۔ بخاری ومسلم نے روایت کی:" بينما انا نائم اذ جئى بمفاتيح خزائن الارض ووضعت فى يدى" (٤/٣٦٨) عالم خواب میں مجھے ساری زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔ دوسری مجھے زمین کی سب کنجیاں دی گئیں۔ تیسری امام احمد نے مسند میں طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی:" اوتيت مفاتيح كل شئى الاخمس"

مجھے پانچ چیزوں کے علم کے علاوہ تمام چیزوں کی کنجیاں دی گئیں۔ علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں: " ثم اعلم بها بعد ذلك " اس کے بعد یہ پانچوں باتیں تعلیم فرمائی گئیں۔ چوتھی حدیث امام احمد ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ذکر کی: " اوتيت بمقاليد الدنيا" مجھے دنیا کی کنجیاں دی گئیں۔ ان سب حدیثوں سے رسول اللہ ﷺ کا ساری دنیا پر اختیار ثابت ہوا۔ امام ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:" هو ﷺ خليفة الله الاعظم جعل خزائن كرمه ومواعد نعمه طوع يديه وتحت ارادته يعطى من يشاء ما يشاء" سرور کائنات ﷺ اللہ تعالیٰ کے نائب اعظم ہیں۔ جن کے قبضہ وقدرت میں قدرت نے اپنی بخشش کے خزانے دیدئے ہیں جس کو جو چاہیں دیں۔ حضرت علامہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ "قدرت وسلطنت (علیہ ﷺ) زیادہ بر آں بود ملک وملکوت، جن وانس، محامد ومعالم بتقدیر تصرف الٰہی (عزوجل) در حیطہ قدرت تصرف وے بود" (اشعۃ اللمعات جلد اول) رسول اللہ ﷺ کا اقتدار زیادہ تھا ملک وملکوت، جن وانس، اور سارے عالم اللہ عزوجل کے حکم وقدرت سے ان کے قبضہ واقتدار میں ہیں۔

(۲) احادیث کریمہ میں محمد نام رکھنے کی فضیلت ضرور آئی ہے: مثلاً " اذا كان يوم القيامة نادى مناد الا يقوموا من كان اسمه محمد فليدخل الجنة لكرامة اسمه (ﷺ) قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ جس کا نام محمد ہے وہ جنت میں جائے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے ۔لیکن کسی کا نام محمد ہونا اس کے نیکوکار ہونے کی دلیل تو بن سکتا ہے بدکار ہونے کی نہیں۔ ہاں بد اعمال اپنی بدعملی کی سزا پا کر جنت میں جائیں گے۔ بہرحال محمد نام رکھنے سے چھٹی نہیں مل سکتی۔

(۳) مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر تھا۔ اور یہی عقیدہ علمائے بریلی کثرھم اللہ کا ہے۔ ہاں علمائے دیوبند نے جمہور علمائے اہل سنت سے ہٹ کر کچھ ایسے عقیدے ایجاد کئے ہیں اور کچھ ایسی حرکتیں کی ہیں کہ علمائے حرمین شریفین نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا ہے

(۴) پوری نماز میں حضور قلب اور خاطر جمعی نماز کے باطنی شرائط میں سے ہے۔ جس کی تاکید سے احادیث کریمہ بھری ہوئی ہیں۔ قبولیت صلوۃ کا مدار اور حصول ثواب اخروی کلیۃً اسی پر مبنی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:" الاخلاص ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (مشكوة المصابيح ۔ كتاب الايمان ١/١٧)" عبادت میں اخلاص یہ ہے کہ تم خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ شامی میں ہے:" أن حضور القلب فراغه عن غير ماهو ملابس له وهو هاهنا العلم بالعمل بالفعل والقول

الصادر ین عن المصلی (با ب شروط الصلوۃ:۳/۶۱)" حضور قلب دل کا غیر کے خیال سے فارغ رہنا مثلاً نماز میں حضور قلب کا یہ مطلب ہے۔ جو قول وفعل مصلی سے صادر ہورہا ہے اس سے ہر دم باخبر رہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بدنصیبی سے یہ خشوع وخضوع اور حضور خاطر بھی پوری نماز میں فراہم نہ کر سکے تو نماز کی صحت کے لئے شریعت میں صرف تحریمہ کے وقت حضور قلب شرط ہے۔ بعد میں یہ حاصل نہ رہے دوسرا خیال بھی آجائے تو نماز کی صحت کا حکم دیا جائے گا۔

پس غیر کا تصور قصداً نماز میں کرنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو حضور قلب میں اس سے خلل پڑے گا، یا نہیں۔ بلکہ یہ تصور حضور قلب علی اللہ کا وسیلہ اور ذریعہ ہوگا۔ اور اس میں ممد ومعاون ہوگا پہلی صورت ناجائز وممنوع ہے۔ کیونکہ یہ بات روایت سے ثابت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اجهز جيشي في الصلوٰة" ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازوں میں اس کے باوجود اعلیٰ درجہ کا حضور قلب پایا جاتا تھا۔

صوفیائے کرام کا شغل رابطہ جس میں پیر کا خیال واسطہ وآئینہ ہوتا ہے۔ معرفت الٰہی اور حضور قلب علی اللہ کا انتخاب جامع احوال میں ہے۔" وذکر احزاب اثنا عشر نقی کل موجود عن القلب (مخلصا) یونہی فوائد عثمانی میں ہے:" ومراقبہ احدیت وصول فیض ذات حق بر لطیفۂ قلب بواسطۂ شیخ ودریں مراقبہ حضور باحق تعالیٰ وغفلت از ماسوی حاصل شود و باید کہ تصور کند در اثنا ذکر ومراقبہ صورت شیخ رابرائے خود بکمال تعظیم ومحبت وایں مسمیٰ است برابطہ مخلصا" دیکھئے ان دونوں بزرگوں کی کتابوں میں حضور قلب علی اللہ اور غفلت از ماسوا کے لئے شیخ کے تصور کا حکم دیتے ہیں۔ پھر اگر ان دونوں میں منافاۃ ہوتی تو صوفیہ ان کے باہم جمع کرنے کا حکم کس طرح دیتے۔ اور جب حقیقت حال یہ ہے تو شغل رابطہ کی ممانعت کا حکم کس طرح لگایا جاسکتا ہے۔

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی میں ہے: (رابطہ را چرا نفی کنند ظہور ایں قسم دولت، سعادت منداں میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود دانند۔ در جمیع اوقات متوجہ او باشد) رابطہ کا لوگ کیوں انکار کرتے ہیں رابطہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں۔ اگر انکار کی ہی ٹھہری تو مسجد کی محرابوں کا بھی انکار چاہئے۔ کہ سجدہ اسی کی طرف ہوتا ہے۔ حال کی اس قسم کا ظہور خوش قسمت حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے ہر حال میں صاحب رابطہ کو واسطہ سمجھتے ہیں اور انہیں کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

اور نماز میں حضور ﷺ کا خیال قصداً دل میں حاضر کرنے کا حکم ہے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم (جلد اول ص ۱۷۵) میں فرماتے ہیں" واحضر فی قلبك

النبی ﷺ وشخصه الكريم وقل السلام عليك ايها النبى "

(۵) مسنون طریقہ یہی ہے کہ سب بیٹھ جائیں اور جب مکبر حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہو جائیں۔ عالمگیری میں ہے: " اذا دخل الرجل عند الاقامة يكره له الانتظار قائما، و لكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن قوله حي على الفلاح(با ب الاذان:۱/۷۴) ۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

معجزات کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

خدمت عالیہ میں عرض یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دسترخوان کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ آگ میں ڈالنے سے صاف ہوجاتا تھا یہ واقعہ بہت کتابوں میں ملتا ہے تو کیا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دسترخوان کے بارے میں بھی ایسا واقعہ کسی کتاب میں ہے کہ ان کا دسترخوان بھی آگ میں ڈالنے سے جلتا نہیں تھا بلکہ صاف شفاف ہوجایا کرتا تھا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دسترخوان کی طرح خادم کی نگاہ سے کسی دوسرے کے دسترخوان کے متعلق نہیں گذرا کہ وہ جلنے کے بجائے صاف ہوجاتا تھا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد اسلام، رتسر بلیا

الجواب

حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شواہد النبوۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رومال کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کو آگ میں ڈال کر جلایا تو اس کا میل جل گیا اور رومال صاف ہوگیا اور وہ محفوظ رہا، اس قسم کا کوئی دوسرا واقعہ کسی کتاب میں ہمارے نگاہ سے بھی نہیں گذرا البتہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعہ کے ساتھ ایک ایسی عبارت آپ نے ضرور لکھی جسکا مطلب یہ ہے کہ ایسا بار بار ہوا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ جو رومال آپ کے چہرۂ مبارکہ کو منسلک کرلیتا اس پر آگ اثر نہ کرتی تھی واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ

معراج کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ شب معراج میں جب حضور ﷺ عرش اعظم تک تشریف لے گئے تو عرش اعظم پر چڑھانے کے لئے حضرت غوث پاک عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح پاک وہاں موجود تھی اپنے کندھے پر حضور پرنور ﷺ کے قدم مبارک کو سہارا دیکر عرش اعظم پر چڑھایا تھا اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا میرا قدم تمہارے کندھے پر اور تمہارا قدم اولیاء اللہ کے کندھے پر ہوگا۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ روایت اگر صحیح ہے تو کس کتاب معتبر میں ہے صحیح تحقیق فرماکر صحیح جواب سے باحوالہ کتب معتبرہ سرفراز فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

المستفتی، محمد جان فخری، مقام وپوسٹ کرگہر ضلع رہتاس بہار

الجواب

اس کا سوال اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا کہ یہ روایت غلام امام شہید نے اپنے مولود میں صاحب منازل اثنا عشریہ وتحفہ قادریہ کے حوالہ سے تحریر کی ہے۔

جواب میں اعلیٰحضرت فرماتے ہیں: ''کتب احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر ہے بلکہ صریح اباطیل موضوعات پر مشتمل ہے، منازل اثنا عشریہ نام کی کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری، نہ کہیں اس کا تذکرہ دیکھا۔ تحفہ قادریہ شریف اعلیٰ درجہ کی مستند کتاب ہے میں اس کے مطالعہ سے بالاستیعاب بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا جو میری نظر سے گذرے ان میں یہ روایت اصلاً نہیں، بایں ہمہ اس زمانہ کے بعض مفتیان جہول مخطیان عقول نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سدرۃ المنتہی سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذ اللہ حضور اقدس سرور عالم ﷺ پر حضور پرنور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بوئے تفضیل نکلتی ہے۔ یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوی میں سترہ سال قبل کیا ہے، البتہ فاضل عبد القادر قادری ابن شیخ محی الدین اہلی نے کتاب ''تفریح الخاطر فی مناقب شیخ عبد القادر'' رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید ابن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''حرز العاشقین'' سے نقل کیا اور ایسے امور کو اتنی ہی سند بس ہے۔ اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتاوی میں ہے''۔ (فتاوی رضویہ)

افسوس کہ وہ دونوں فتوے اب تک ہماری نظر سے نہیں گزرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی ضلع مئو، ۲۰؍رجب ۱۴۰۹ھ

فضائل انبیائے کرام کا بیان

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک سنی صحیح العقیدہ عالم ہے اس نے اپنی تقریر کے دوران ﴿ربنا وابعث فیهم﴾ کو موضوع بنا کر اس پر روشنی ڈالی اور کہا کہ بعض حیثیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور ﷺ سے افضل ہیں۔ چنانچہ درود ابراہیمی ''اللھم صل علی محمد کما وعلیٰ آل محمد صلیت علی ابراهیم الی آخره'' میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام مشبہ ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشبہ بہ ہیں جو مشبہ سے افضل ہوتا ہے جیسے زید شیر کی طرح ہے یقیناً زید سے شیر بہادر ہے نیز بنوت سے ابوت افضل ہوتی ہے اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ زید کی اس تقریر کے بعد ایک ہنگامی کیفیت پیدا ہوگئی زید سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو افضل کیسے کہہ دیا جواب میں زید نے مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب تفسیر نعیمی جلد اول ص ۸۶۰ کی عبارت پیش کی دوسرا اعتراض درود ابراہیمی کو مشبہ بہ بنایا گیا ''کما صلیت علی ابراهیم'' اور مشبہ بہ مشبہ سے بہتر ہوتا ہے۔ جیسے زید شیر کی طرح ہے، ان کا جواب ایک وصف میں ابراہیم علیہ السلام واقعی بہت بڑھ چڑھ کر ہیں کہ ان کو محمد رسول اللہ ﷺ جیسا فرزند ملا کہو ابراہیم علیہ السلام بڑھ کر ہیں یا نہیں؟ بیشک افضل ہیں مگر حضور ہی کے طفیل۔ بکر کہتا ہے کہ زید کی تقریر جس میں افضلیت ابراہیم کا تذکرہ ہے نص قرآنی کے خلاف ہے اس لئے اس سے توبہ کرنی چاہئے۔ جواب طلب یہ امر ہے کہ (۱) زید پر از روئے شرع کیا حکم ہے (۲) حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ (۳) تفسیر نعیمی کی یہ عبارت قرآن وحدیث کی روشنی میں کیسی ہے۔ (۴) کچھ سنی حضرات زید کے بارے میں پروپیگنڈہ کر رہے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ (۵) بکر کا قول از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے۔ (۶) قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں تاکہ ہنگامی ماحول پر قابو حاصل کیا جائے۔

المستفتی، محمد انیس جامی، نوادہ ضلع ہزاری باغ بہار، مورخہ ۷؍ فروری ۱۹۸۷ء

الجواب

درود ابراہیمی کے حرف تشبیہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی افضلیت پر استدلال صحیح نہیں ہے،

اولا: ہمیشہ یہ ضروری نہیں مشبہ بہ ہی افضل ہو کبھی کبھی مبالغہ کے لئے مشبہ کو مشبہ بہ اور مشبہ بہ کو

مشبہ قرار دیدیا جاتا ہے۔

ثانیا: یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہاں تشبیہ معکوس نہیں ہے۔اور مشبہ اور مشبہ بہ حقیقی ہے، تب بھی یہاں تشبیہ حضور ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام میں نہیں ہے ان پر بھیجے گئے درودوں میں ہے، تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام پر جو اللہ تعالیٰ نے رحمت بھیجی وہ اس رحمت سے افضل ہے جو رسول اللہ ﷺ پر بھیجی گئی۔دونوں پیغمبروں کی ذاتوں میں افضلیت ومفضولیت کا کہاں سے سوال اٹھتا ہے۔

ثالثا: بالفرض زید کی سب باتیں تسلیم کرلی جائیں تو جو فضیلت ثابت ہوگی جزئی فضیلت ہوگی شرعا افضلیت کا فیصلہ مجموعی اور کلی حیثیت پر ہوتا ہے یعنی مجموعی حیثیت سے ہمارے رسول ﷺ سب سے افضل ہیں کسی خاص وصف میں اگر کوئی پیغمبر آپ سے کسی خوبی میں زائد ہو تب بھی وہ آپ سے افضل قرار نہیں دیا جائے گا۔

الحختصر زید کا استدلال صحیح ہو یا غلط زید نے اپنی تقریر میں ابراہیم علیہ السلام کی جس فضیلت کا اظہار کیا ہے وہ فضیلت جزئی ہے جیسا کہ اس تقریر کے لفظ بعض حیثیت الخ سے ظاہر ہوتا ہے۔اور قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی جس فضیلت کا بیان ہے وہ فضیلت مطلق اور فضیلت کلی ہے۔زید کا بیان نص قرآنی کے خلاف نہیں ہوا۔پھر بھی زید کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ ایسی جگہ جہاں سامعین ان باتوں کے متحمل نہ ہوں ہرگز بیان نہ کریں کیا انہوں نے نہیں سنا "کلموا الناس علی قدر عقولھم" جس نکتہ آفرینی سے بلا فائدہ ہنگامہ اور سورش پیدا ہو وہ صحیح بھی ہو تو اس کے بیان سے کیا فائدہ۔

قرآن فرماتا ہے: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾[البقرة:۱۹۱]

حکیم الامت مولوی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت یہاں پیش کرنے کا موقع نہیں انہوں نے اس بات کو کسی منکر کا اعتراض بنا کر پیش کیا ہے پھر یہ جواب دیا ہے کہ حضور ابراہیم علیہ السلام کو یہ فضیلت ہمارے رسول ﷺ ہی کے طفیل میں ملی اس حیثیت سے بھی حضور ہی افضل ہوئے ۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۹ر شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

(۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) حضور اکرم ﷺ کے جسم مبارکہ کا سایہ تھا یا نہیں؟ اور دیگر انبیاء کرام کے جسموں کا سایہ تھا یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمایا جائے کہ اگر دیگر انبیا کرام کے اجسام مبارکہ کا سایہ بھی نہیں تھا اور حضور ﷺ کے جسم مبارکہ کا سایہ بھی نہیں تھا تو پھر اس امر میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص باقی رہ جاتی ہے؟

(۲) حلال جانور کا پوست کھانا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی: ڈاکٹر سراج عالم مقام کھٹوتیا نیپال

الجواب

(۱) مواہب لدنیہ میں حضور ﷺ کے بارے میں سایہ نہ ہونے کی تصریح ہے اور دیگر اسلامی کتابوں میں بھی بہت سارے علمائے کرام نے اس کی تصریح کی ہے دیگر انبیاء کرام کے بارے میں اس کی صراحت نظر سے نہیں گذری ہے۔

رہ گیا آپ کا یہ سوال کہ اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص باقی رہ جاتی ہے یہ بڑا خطرناک انداز فکر ہے۔اور یہ اشرف علی تھانوی صاحب کا طرز تحریر ہے۔انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر دوسرے لوگ بھی غیب کی بات جانیں اور رسول اللہ ﷺ بھی جانیں تو اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص؟ حضور ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ سید الانبیا ہیں۔

(۲) حلال مذبوح جانور کی کھال کھانا جائز تو ہے مگر ہر حلال جانور کی پوست کھانے کے لائق نہیں ہوتی۔(فتاوی رضویہ رج۱) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۷ار جمادی الاولی ۷اھ

(۳-۴) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) حضور ﷺ کے کپڑوں میں جوں پڑی تھی؟ اور کیا حضور ﷺ نے اپنے کپڑوں سے جوں نکالا؟

(۲) کیا حضور ﷺ کے ماں باپ کو کافر جہنمی کہنا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے؟ صحیح اور راجح قول سے جواب دیں۔

سائل حاجی محمد سلیمان ابراہیم، ناظم اعلی دار العلوم شاہ عالم بسم اللہ منزل، جمال، پور احمد آباد گجرات

الجواب

(۱) روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے کپڑوں میں جوں نہیں پڑی تھی۔امام زرقانی فرماتے ہیں "قال ابن السبع لم یکن فیه قمل لانه نور" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جس حدیث سے کچھ لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں، اس کا زیادہ سے زیادہ حاصل یہ ہے کہ اپنے کپڑوں کو اس طرح دیکھتے جس طرح جوں تلاش کرنے والے دیکھتے ہیں۔کیا اس طرح کپڑا دیکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کپڑے میں جوں ہو گئے ہوں۔اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام زرقانی فرماتے ہیں: "لان اکثره من العفونة ولا عفونة فیه و من العرق وعرقه طیب ولا یلزم من التفلیة و جودالقمل فقدیکون للتعلیم او للتفتیش نحو خرق ولما علق نحو شوك او وسخ"۔

(۲) یہ بات بڑھ کر کفر ہو سکتی ہے اور ادنیٰ درجہ محرومی اور بے توفیقی ہے کہ اس میں ایذائے رسول

کا بھی احتمال ہے۔شامی میں ہے: "لا ینبغی ذکر هذه المسئلة الا مع مزید الادب ولیست من المسائل التی یضر جهلها و یسئل عنها فی القبر و فی الموقف فحفظ اللسان عن التکلم فیها الا بخیر اولی اسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ ۳/ ذوالقعدہ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کیا نبی کریم ﷺ ہماری جان کی جان ہیں؟ یہ کونسی آیت اور احادیث سے ثابت ہے؟ ہم لوگ اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔لہذا آپ قرآن وحدیث وعقلی دلائل سے ثابت کریں۔ عبد الکریم بولاسیقرہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

الجواب

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ شعر:

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

متعدد احادیث کریمہ اور ایک مقدمہ مشہورہ بلکہ بدیہہ کا مجموعہ ہے۔اور منطق کی اصطلاح میں اس کو شکل ثانی کہتے ہیں۔پہلا مصرع وہ جو نہ تھے الخ، حسب ذیل حدیث سے ماخوذ ہے:

"محمد لولا خلقتك لا خلقت ارضا و لا سماء لو لاك ماخلقت الدنیا" (تذکرة الموضوعات/۸۶) کشف الخفا ۲/۳۳۲)

جس سے مقدمہ بنا محمد ﷺ جان ہیں۔اور دوسرے مصرع کا آخری ٹکڑا "جان ہے تو جہان ہے"۔صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ "جہان" کی جان ہیں۔ہم نے جو حدیثیں ذکر کی ہیں وہ حاکم نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما، ابن عساکر نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام قسطلانی نے مواہب میں اس کا ذکر کیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڈھ ۲۲/ شعبان ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

جس کے عقائد یہ ہوں کہ جس نے اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کی مبارک شانوں میں گستاخی کی یا ان نفوس قدسیہ کو برا بھلا کہا، ایسے شخص کو ہم اپنی زبان سے کچھ بھی

نہیں کہہ سکتے کہ تمامی علماء میرے ہیں کون ان کی بات کو مانے یہ گمراہ کرنے والا راستہ بتاتے ہیں خواہ بریلوی ہوں یا دیوبندی کہ ہاتھ کی بنائی ہوئی ہر چیز بت ہے۔

نوٹ۔جواب وضاحت کے ساتھ جلد از جلد عنایت کیا جائے۔بینوا وتوجروا

فقیر عبد المجید رضوی غفرلہ

الجواب

(۱) انبیاء اور رسول کا مقدس گروہ اپنے فضائل جلیلہ اور عادات کریمہ میں سارے عالم سے ممتاز ہیں۔جن کے درجات عالیہ کا بیان قرآن عظیم میں جگہ جگہ مجملا بھی ہے اور مفصلا بھی اور مجتمعا بھی، اور فردا فردا بھی ہے۔حسب ذیل آیات سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (البقرة:۲۱۳)

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ [البقرة:۲۵۳]

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الانعام:۹۰]

ان آیات بینات میں بڑی وضاحت سے ان برگزیدہ بندوں کا تذکرہ ہے اور رہنما ہونا درجوں بلندی پانا، پورے عالم کے لئے منارہ ہدایت ہونا، بیان کیا گیا ہے۔اور پوری دنیا کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔مندرجہ ذیل آیات میں نام بنام انبیاء کی فضیلت وکرامت کا ذکر ہے:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ. وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ. وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ. وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ﴾[الانعام:۸۳-۸۴-۸۵-۸۶]

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا﴾ [مریم:۵۸]

اور بالخصوص ہمارے آقائے نامدار محمد عربی ﷺ کا ذکر جمیل اور ان کے منصب جلیل کا بیان تو قرآن کی ہر ہر سورت میں تقریبا موجود ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء:۱۰۷]

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ [النساء:۱۱۳]

﴿قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ﴾ [المائدة:۱۵]

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا﴾ [الفتح:۸]

پیغمبر اسلام اور دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا یہی عالی رتبہ ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شانہ نے رسولوں کی فرمانبرداری کو نشان ایمان کا حکم دیا ہے۔ اور اس انداز میں حکم دیا:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ﴾ [النساء:۸۰]

ان کے حکم پر سر اطاعت خم کرنے کو ایمان کی نشانی اور ان سے منہ موڑنے کو بدترین محرومی قرار دیا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:۶۵]

ان کی تعظیم وتوقیر اجلال وتجیل ہر مسلمان پر ضروری ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا. لِّتُؤْمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا﴾ [الفتح:۸،۹]

اور دربار رسالت کے خاص خاص آداب مقرر فرمائے، حاضری کے ڈھنگ اور طریقے بتائے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ [الحجرات:۲]

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (4) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحجرات:۴-۵]

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا﴾ [النور:۶۳]

سب سے بڑھ کر ان کی محبت کو جزو ایمان قرار دیا:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللهُ بِأَمْرِهِ﴾ [التوبة:٣٤]

اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ عداوت، ان کی دشمنی اور ان کی مخالفت یا تنقیص شان بلکہ ادنی

تحقیر بھی اخروی محرومی اور ابدی بدنصیبی کا سبب اور غضب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء:۱۱۵]

﴿وَقَالَ اللهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ [المائدة:۱۲]

﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ [الانفال:۱۳]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللهَ وَالرَّسُولَ﴾ [الانفال:۲۷]

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [التوبة:۶۱]

اور ایسے لوگ جو کسی رشتہ داری اور قرابت کی وجہ سے دوستی اور بھائی چارگی کی، بنیاد پر یا غلط رواداری کے زعم ہی میں ان مجرمین خدا اور رسول کی ہمدردی کرتے ہوں اور ان سے علاقہ قائم رکھتے ہیں یا ان کو دشمن خدا اور رسول نہیں جانتے ان کے بارے میں قرآن عظیم نے بڑا تہدیدی حکم فرمایا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [المجادلة:۲۲]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ [الممتحنة:۱]

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [المائدة:۵۱]

اسی طرح متعدد احادیث کریمہ میں انبیائے کرام کے احترام ان کی تعظیم وتوقیر اور ان کے ساتھ ادب کا حکم دیا گیا اور ان کی تنقیص وتوہین اور ادنی بے حرمتی کو بھی دین سے محرومی کا سبب قرار دیا ہے "السیف المسلول" میں حدیث نقل کی گئی ہے:

"الكعب بن الاشرف فانه قد اذى الله ورسوله فقام محمد بن مسلمة وقال انايا رسول الله اتحب ان اقتله قال :نعم"

"وعن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه ان الاعمىٰ كانت له ام ولد تشتم النبى ﷺ وتقع فيه فينهاها فلا تنتهى و يزجرها فلا تنزجر فلما كان ذات ليلة جعلت تقع فى النبى

ﷺ و تشتمه فاخذ المعول فوضعها فی بطنها و اتکاء علیها فقتلها فلما اصبح ذکر ذلك للنبی ﷺ بمجمع الناس فقال انشد رجلا فعل ما فعل بی علیه حق الاقام فقام الاعمیٰ تخطی الناس وهو یتذلل حتی قعد بین یدی النبی ﷺ فقال یا رسول الله ﷺ انا صاحبها کانت تشتمك و تقع فیك فانهاها فلا تنتهی و ازجرها فلا تنزجر ولی منها ابنان اللولئین وکانت بی رفیقة فلما کانت البارحة جعلت تشتمك و تقع فیك الخ"

یہ اور اس قسم کی متعدد حدیثیں ہیں جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خود زبان برکت نشان محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسے مجرمین رسالت اور شاتمان نبوت حلال الدم اور مباح العرض سمجھے جاتے اور صحابہ کرام اس بارے میں کسی رفاقت، دوستی اور رشتہ داری کا بھی پاس نہ کرتے تھے۔ نابینا صحابی کی غمخوار رفیقہ حیات تھی۔ اور دو چاند جیسے بیٹوں کی ماں اس طرح اس کو قتل کر کے انھوں نے اپنی دنیا بگاڑ دی اور بچوں کو ماں کے سایہ سے محروم ہونا گوارہ کرلیا لیکن تنقیص شان رسالت بالکل برداشت نہ کر سکے۔

چھوٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامان محمد ﷺ

جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہ جرم کتنا شدید اور نا قابل معافی ہے۔ اس لئے آج بھی امت کا یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی پیغمبر کی تنقیص شان کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ گو لاکھ کلمہ پڑھا کرے اور شعائر اسلام پر کار بند ہو۔

"قال القاضی عیاض الامة مجتمعة علی قتل من قتله من المسلمین و سبابه و کذلك حکی غیرو احد الا جماع علی قتله و تکفیره والکافر بسب النبی ﷺ و نبی من الانبیاء فانه یقتل حد او لا تقبل توبته ومن شك فی کفره وعذابه فقد کفر"

"وقال یوسف ایما رجل مسلم سب رسول الله ﷺ او کذبه اوعابه او تنقصه فقد کفر بالله و بانت منه زوجته فان تاب فبها والا قتل" (الشفا ملخصا: ۲۱۶)

الغرض قرآن وحدیث اور تصریحات ائمہ سبھی سے یہ ثابت اور واضح ہے کہ پیغمبر اسلام یا کسی بھی پیغمبر کی شان میں ادنی گستاخی کرنے والا اس لائق رہ ہی نہیں گیا کہ اسلامی برادری میں شریک رہے، یا اس کے ساتھ کسی قسم کی اسلامی مراعات کی جائے۔ بلکہ جو شخص اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اور عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔ اور مسلمانوں میں جب تک حرارت ایمانی زندہ تھی دشمنان خدا اور سول و دشمنان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ رہا بلکہ کسی کے بارے میں یہ شبہ بھی ہوجاتا ہے کہ اس کے کلام میں ادنی شائبہ تنقیص رسالت بھی ہے تو اس پر ایک مسلمان کی غیرت ایمانی

حرکت میں آجاتی ہے۔

کتاب الخراج میں ہے: "قال حدثنا نظر بن خلیفة ان فروة بن نوفل الا شجعی قال ان لهذا الامر عظیم یوخذ من المجوس جزیة و لیسوا باهل الکتاب قال فقام الیه مستوردبن الا حنف فقال طعنت علی رسول الله ﷺ فتب والا قتلتك قد اخذ رسول الله ﷺ من المجوس اهل الهجر جزیة"

یہاں یہ بھی قطعاً ضروری نہیں ہے کہ فروہ بن نوفل کی نیت مخالفت رسالت کی رہی ہو، لیکن اس بنیاد پر کہ اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا ایک فعل پہلے سے موجود ہے حضرت مستورد نے اس کو شان رسالت کی مخالفت سمجھا اور ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں:

"قد روی فی مجلس ابی یوسف انه ﷺ کان یحب الدباء فقال رجل انا ما احب الدباء فسل ابویوسف بسیفه وقال جدد الاسلام و الا اقتلنك" [کنز العمال: ۱۸۲۰۳]

مشکوۃ شریف میں ہے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"عن عبد الله ابن عمر عن ابیه رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لا تمنعوا النساء عن المساجد حظوظهن اذا استاذنکم فقال بلال و الله لنمنعهن فقال له عبد الله تسبه اقول قال رسول الله ﷺ و تقول انت لنمنعهن وفی روایة سالم عن ابیه قال فاقبل علیه عبد الله تسبه سبابا ماسمعته مثله قط و فی روایة مجاهد عنه فما کلمه عبد الله حتی مات" (مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۰۷)

حضرت بلال ابن عبد اللہ نے نفس الامر میں کوئی غلط بات نہ کہی یہی حکم حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اگر آج رسول اللہ ﷺ تعالیٰ علیہ وسلم عورتوں کا حال دیکھتے تو خود منع فرماتے، لیکن ان کی ایک صحیح بات بھی اس انداز سے کہنا جس سے صورۃً حکم رسول کا مقابلہ ظاہر ہو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا نا گوار گذرا کہ اس بناء پر اپنے لڑکے کو سخت سست کہا اور ان سے زندگی بھر بات نہ کی۔

دوسری حدیث میں ہے:

"عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالیٰ عنه، ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یخرج یوم الاضحی و یوم الفطر فیبدأ بالصلوة، فاذا صلی صلوته، قام فاقبل علی الناس وهم جلوس في مصلاهم، فان کانت له حاجة ببعث ذکره للناس، أو کانت له حاجة بغیر ذلك أمرهم بها، وکان یقول: (تصدقوا، تصدقوا، تصدقوا) وکان اکثر من

يتصدق النساء. ثم ينصرف، فلم يزل كذلك، حتى كان مروان بن الحكم، فخرجت مخاصرا، مروان حتى اتينا المصلى، فاذاكثير بن الصلت قد بنى منبرا من طين ولبن، فاذا مروان ينازعني يده، كانه يجرني نحو المنبر و انا اجره نحو الصلوة، فلما رأيت ذلك منه قلت :أين الابتداء با الصلوة ؟فقال: لا يا ابا سعيد! قد ترك ما تعلم. قلت: كلا والذى نفسى بيده لا تاتون بخير مما اعلم،ثلاث مرار، ثم انصرف.

(صحيح مسلم۔ كتاب صلوة العيدين:۲/ ۶۰۵)

کتنی صاف شہادتیں ہیں کہ جملہ اعلام امت نے نہ تو کسی شان وشوکت کا پاس کیا نہ رشتہ داری اوردوستی کا لحاظ کیا ایک قدم بھی جس کو ہٹا دیکھا بلکہ جس کے بارے میں لغزش پا کا شائبہ بھی ہوا صاف صاف برأت ظاہر کی اور اس کا رد فرمایا۔ پھر آج کسی آدمی کے اس قول میں کیا وزن ہوسکتا ہے کہ انبیاء کی شان میں برا کہنے والے کو ہم اپنی زبان سے کچھ بھی برا نہیں کہہ سکتے ہیں۔ یادرکھو اگر تم نے ان دشمنان رسالت وولایت کو برا نہ کہا تو شریعت کی زبان خود تم کو برا کہے گی۔ قرآن تمہاری عداوت رسالت اور دشمنی ولایت کی شہادتیں دیگا۔

اولیائے کرام کی رفعت شان قرآنی صفحات میں بڑی وضاحت سے مذکور ہوئی۔

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا﴾(النساء:۶۹)

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾(يونس:۶۲)

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ﴾(الرعد:۲۹)

اولیائے کرام کا ذکر احادیث میں بھی بڑے موثر انداز میں کیا گیا ہے جس سے ان کی عظمت و برتری کا ایک دل افروز نقشہ سامنے آجاتا ہے:

”لا يقعد قوم يذكرون الله الا حفتهم الملائكة و غشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينةوذ كرهم الله فيمن عنده“ (مشكوةباب ذكر الله عزوجل :۱/ ۴۱۲)

رب اشعث اغبر مرفوع بالابواب لو اقسم على الله لا براہ“(مسلم)

سمعت رسول الله ﷺ يقول قال الله تعالىٰ عزو جل:” المتحابون فى الله لهم منابرمن نور“(ترمذى)

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ: ان الله تبارك و تعالىٰ قال :ثلثة

رجال يدفع الله بهم البلاء عن هذه الامة۔

پس اس شخص کی بدنصیبی کا کیا حال ہوگا جو اولیاء کرام کی تنقیص وعداوت کر کے خدا کی دشمنی خرید چکا ہے اور کس مسلمان میں اتنی جرأت ہے جو ایسے مجرموں کی دوستی کا دم بھرے ان کی حمایت کا اعلان کرے اور ان کی ناشدنیوں سے چشم پوشی کرے، ایسے شخص کو ہم اپنی زبان سے برا نہیں کہیں گے بتاؤ تو سہی جب تم اس کو بھی برا نہ کہو گے جو خدا سے لڑ رہا ہے تو پھر دنیا میں لڑائی کے سینگ ہوتے ہیں؟۔

(۲) عجیب بات ہے۔ کہاں رحم ومروت کا یہ ہے جادہ عالم کہ اولیاء کو برا کہنے والے بھی برے نہیں ہیں۔ اور کہاں وہ عدل نامعقول کہ دیوبندی بریلوی بلکہ بھی علماء صرف برے ہی نہیں گمراہ ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں۔ الغرض جس طرح وہ اپنی پہلی بات میں نہایت غلط ہے یہ بات بھی انتہائی نامعقول ہے۔ مطلقاً تمام عالموں کو برا کہنا کھلی گمراہی اور دین پر شدید ترین جرأت ہے۔ علمائے ربانیین خدا کے محبوب بندے ہیں جن کی ثناء وصفت قرآن کریم اور احادیث رسول میں بکثرت وارد ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾(فاطر:۲۸)

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾الزمر:۹)

حدیث شریف میں ہے:”من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين“

(مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم:۱/ ۵۸)

العلماء ورثة الانبياء“

”فضل العالم على العابد كفضلى على ادنا كم“

(مشكوٰة المصابيح، كتاب العلم:۱/ ۶۰)

”علماء امتى كانبياء بنى اسرائيل“

”من سلك سبيلا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طرق الجنة و ان الملائكة لتضع اجنحتهارضى لطالب العلم و ان العالم ليستغفرله من فى السموات ومن فى الارض والحيتان فى جزف الماء“ (مشكوٰة المصابيح:۱/ ۶۰)

اسی لئے علماء کی توہین فقہانے کفر قرار دی ہے:

”من ابغض عالمامن غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر و من شتم عالما او فقيها بغير سبب كفر“

پس جو شخص صاف صاف تمام علماء کو گمراہ بتاتا ہے۔ علمائے حق و باطل کی کوئی تمیز و تفریق اس کے یہاں نہیں۔ اس کو فقہاء کے ان نصوص سے خوف کھانا چاہئے اور اپنے ان مذموم کلمات سے توبہ کرنی چاہئے۔

(۳) ہاتھ کی بنائی ہوئی ہر چیز بت ہے۔ یہ بات کسی کتاب میں ہم نے آج تک نہیں دیکھی یہ بات پہلی بار گوش گذار ہوئی ہے۔ اگر ہاتھ کی بنائی ہوئی ہر چیز بت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بت گری سکھائی۔ جب کہ فرمایا

﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ﴾ (الانبیاء: ۸۰) ہم نے حضرت داؤد کو زرہ بنانا بتایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾ (البقرۃ: ۱۲۷)

اور جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔

یا حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ پاک نے کشتی بنانے کا حکم دیا

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (ہود: ۲۷) ہماری حفاظت میں کشتی بناؤ،

تو یہ بت گری ہوا۔ معاذ اللہ

الغرض سوال میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے، اگر ٹھیک ٹھیک اس کے یہی خیالات ہیں جو سوال میں درج ہیں تو وہ کوئی بڑا گمراہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سے مسائل شرعیہ کی رو سے احتراز لازم ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم" (صحیح مسلم: ۱۲/۱)

آخر زمانہ میں کچھ دجال اور جھوٹے ہوں گے۔ تم کو ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ ہی تمہارے باپ دادا نے۔ بچو ان سے کہ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ

(۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

بہت عرصہ سے یہاں شافعی لوگ رہتے ہیں ہماری جامع مسجد کے سابق پیش امام صاحب نے ایک منظوم دعا اپنے ہاتھ سے لکھ کر فریم کر کے مسجد میں لٹکایا، حالانکہ پیش امام صاحب مذکور بقید حیات تھے ہر جمعہ کو سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد بارگاہ رسالت میں سلام پیش کرتے تھے بعدہ وہ دعا پڑھی

جاتی تھی۔ اس دعا کو نیچے درج کر رہا ہوں، چند روز پیشتر ہمارے موجودہ پیش امام صاحب نے وہی دعا بعد نماز فجر پڑھی اس پر ایک آدمی نے اعتراض ظاہر کیا کہ اس دعا کے ہر شعر سے شرک ٹپک رہا ہے لیکن ہمارے پیش امام صاحب اس شخص سے متفق نہیں ہیں۔ وہ اس ضمن میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ "انما انا قاسم واللہ یعطی" ان کا کہنا ہے کہ جب کہ حضور ﷺ کو کچھ اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں تو آپ قاسم کیسے؟ یہ مسئلہ ہمارے لئے وجہ تفریق ہوا ہے۔ بعض لوگ ہمارے پیش امام صاحب کی تائید میں کہتے ہیں اور کچھ لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں ایک صاحب نے پارہ نواں سورہ اعراف آیت نمبر ۱۸۸:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ [الاعراف: ۱۸۸] سے استدلال کرتے ہیں۔ لہذا آپ سے انتہائی ادب کے ساتھ مستفتی ہوں تو کیا شخص بالا ایسا کہنے میں حق بجانب ہے یا ہمارے پیش امام صاحب اپنے دعوی میں سچے ہیں؟ برائے کرم مدلل و مکمل جواب، بحوالہ کتب و حدیث و فقہ دیجئے۔ وہ یہ ہے کہ:

اے خدا کے لاڈلے اے پیارے رسول   یہ سلام عاجزانہ ہو قبول
تو سخی تیرا سخی دربار ہے   گر کرم کیجئے تو بیڑا پار ہے
آپ کے دربار میں آئے ہیں ہم   کچھ امیدیں ساتھ میں لائے ہیں ہم

الجواب

بلاشبہ حضور ﷺ کو عطائے الٰہی سے مالک و مختار اور دافع البلاء ماننا، ان کو مصائب میں پکارنا، ان کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگنا وغیرہ امور شرعاً جائز و حلال ہیں۔ اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "الامن والعلیٰ" میں مطالعہ کریں۔ آج کل گمراہ اور بد دین اس کو منع کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے دھوکہ میں نہ آنا چاہئے۔ سوال میں جو آیت بے اختیاری کی پیش کی ہے۔ اگر خود اس کو غور سے پڑھتا تو حضور کا اختیار ظاہر ہو جاتا۔ حکم الٰہی ہے "میں اپنے نفس کے نفع و ضرر کا مالک نہیں مگر یہ کہ اللہ چاہے"۔ تو یہ واضح بیان ہے کہ اللہ چاہے تو مالک ہو سکتا ہوں تو سنو کہ انہوں نے چاہا، حکم ربانی ہے: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ [الکوثر: ۱]

﴿ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ. مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾ [التکویر: ۲۰] واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲؍ ربیع الاول ۹۱ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۸-۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

زید نے انبیائے کرام کی طاقت اور زور وقوت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایسا زور وقوت مثلاً "موسیٰ علیہ السلام کا جلال اور زور وقوت کل چوپایوں اور کتوں کو بھی حاصل ہے" یہ کہنا عندالشرع کیسا ہے۔

(۲) حضور ﷺ کا معراج شریف پر جانا بیت المقدس تک براق پر بتایا جاتا ہے پھر آگے کو رف رف پر بتایا جاتا ہے پھر آگے کو کاہے پر حضور تشریف لے گئے اور واپسی پر کس چیز پر حضور تشریف لائے بالفرض کسی چیز کا شرع شریف میں ذکر نہ ہو تو کچھ لوگ جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں انہیں کیا بتایا جائے اور کس طرح سمجھایا جائے بالتفصیل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(۳) آج کل عام طور سے دیکھا جا رہا ہے کہ علمائے مقررین خاص طور سے خطباء نے تقریر کو اپنا پیشہ بنالیا ہے اور اجرت بھی طے کرنے لگے ہیں ان کا شرع میں کیا حکم ہے بالفرض اگر طے نہ کریں تو مشہور ومعروف تو یہی ہے تو اس بارے میں کیا حکم ہے اور اراکین جلسہ کو اس میں یعنی مقررین کو روپیہ دینے میں ثواب ملے گا یا گناہ کیونکہ گناہ پر مدد دینے والا بھی گنہگار رہوتا ہے اور اگر مقررین کو بلا کر بغیر طے کئے ان سے تقریر کروا کر کچھ نہ دیا جائے تو شرعاً کچھ حرج تو نہیں۔

(۴) دعوت اسلامی تحریک جس کے بانی مولانا الیاس قادری ہیں اس میں شامل ہونا اس کا کام کرنا کیسا ہے۔

(۵) جو حضرت ابوسفیان وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہے وہ شخص شرعاً کیسا ہے اور وہ کس درجہ کا مسلمان ہے کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز صحیح ہوگی؟۔

(۶) تراویح کے بارے میں حضرت فاروق اعظم نے "نعمت البدعة هذه" فرمایا ہے وہ کونسی کتاب اور کس جلد میں ہے نیز ابن عمر نے جو چاشت کی نماز کو بدعت فرمایا ہے وہ کونسی کتاب وجلد وباب میں ہے۔ تحریر فرمائیں۔

المستفتی محمد شکیل نعیمی لطفی گرام وپوسٹ حاسورہ سکندر آباد بلند شہر یوپی

الجواب

(۱) یہ جملہ بظاہر بہت شنیع بلکہ کفر ہے لیکن اسکا کوئی قطعی حکم بتانے سے پہلے مندرجہ ذیل تفاصیل پر ہماری آگاہی ضروری ہے۔

اگر زید زندہ ہے تو اس کا پتہ بتایا جائے تا کہ خود اس سے اس قول کے صحیح یا غلط ہونے کی تصدیق کرائی جاسکے اگر زید نے بعینہ یہی کلمات کہے ہیں تو اس کے کیا معنی ہیں اور کیا تاویل ہے؟۔

زید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زور وقوت کے لئے یہ مثال بطور خود ہی دی ہے یا کسی دوسرے

کی بات کو سمجھانے یا بتانے کیلئے بطور تمثیل بیان کیا ہے اگر تفصیلات سامنے ہوں تو واقعی حکم دیا جاسکتا ہے۔

(۲) بخاری شریف اور دیگر عام روایتوں میں سفر معراج مصطفیٰ ﷺ کی سواری کے مسئلہ میں براق کا ذکر آیا ہے۔ امام طبری اپنی تفسیر جلد ۱۵ر میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ بیت المقدس تک آپ براق پر گئے اس کی بعد آسمانوں کی سیر آپ نے معراج کے ذریعہ کی یعنی وہ ایسی سیڑھی تھی جس کا زینہ لفٹ کی طرح خود حرکت کرتا تھا تاریخ ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۸ میں بھی یہی روایت ہے، سدرۃ المنتہی تک یہ سفر جبرئیل امین کی رفاقت میں ہوا، اس کے آگے رسول اللہ ﷺ تنہا تشریف لے گئے، اس امر کی تصریح امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر جلد ۱۴ر ص ۱۸۲ر میں کی ہے: یہاں پہونچ کر جبریل امین نے کہا کہ اگر انگلی برابر بھی آگے جاؤں تو میں جل جاؤں گا۔

سدرۃ المنتہی سے عرش تک سرور عالم ﷺ رف رف کے ذریعہ تشریف لے گئے۔ حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے حاشیہ جلالین کے چوتھے حصہ ص ۱۳۱ر میں فرمایا کہ سدرۃ المنتہی (جس کے آگے نہ فرشتہ نہ کوئی اور جاسکتا ہے) رفرف حضور ﷺ کو لیکر اڑا اور عرش تک پہونچا دیا پھر جب آپ عرش سے پلٹے تو آپ کو لیکر اڑا اور جبریل امین تک پہونچا دیا اور رفرف اللہ کے دربار کے خادموں میں سے ایک خادم جس کو قرب ودنو کے امور سپرد ہیں جیسے براق ایک جانور ہے جو دنیا میں انبیاء کرام کی سواری کے لئے خاص ہے۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی واپسی بھی انہیں ذرائع سے ہوئی جس کے ذریعے آپ گئے۔ جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں ان سے کہئے کہ عالم بالا کی باتیں صحیح روایت سے ثابت ہوں تو ان پر ایمان لانا چاہئے اس کی حقیقت کیا ہے ہم کو اس کا معلوم ہونا کچھ ضروری نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اسری کہ بردن آنحضرت ﷺ از مسجد حرام تا مسجد اقصیٰ است ثابت است از قرآن عظیم کہ منکر آں کافر گردد معراج کہ رفتن اوتا آسمان ہا کہ ثابت است از روایت مشہورہ منکر آں گمراہ ومضل است ودیگر تفصیلات مثل سیر بہشت ودوزخ وامثال آن جزئیات امور کہ ثابت است از احادیث آحاد کہ منکر آں جاہل ومحروم است

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک حضور ﷺ کا سفر قرآن سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں پر آپ کا جانا روایات مشہورہ سے ثابت ہے اس کا منکر گمراہ ہے اور دیگر جزئیات وتفصیلات کہ خبر احاد سے ثابت ہے ان کا انکار کرنے والا محروم وجاہل ہے۔

(۳) اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ امور جو باعث اجر وثواب ہیں اور عبادات میں داخل ہیں ان کی ...ت اور ان کا معاوضہ لینا شرعاً حرام ہے اور وعظ وتقریر کو کسب زر اور مالداری کے حصول کا ذریعہ بنانے

کی احادیث میں شدید مذمت کی گئی ہے۔

لیکن اسلام کے پھیلاؤ اور مسلمانوں کی کثرت اور تبلیغ وہدایت کی ضرورت اور اس کے فی سبیل اللہ انجام دینے والوں کی قلت کیوجہ سے ڈر ہوا کہ اسلام کی بقا خطرہ میں پڑجائے اس لئے شدید دینی ضرورت کی وجہ سے متاخرین علماء کرام اور مشائخ عظام نے بہت سی عبادتوں پر اجرت لینے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

شامی میں ہے:

قال فی الهداية وبعض مشائخنا رحمهم الله تعالیٰ استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانی فی الامور الدينية ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتویٰ۔ وزاد فی مختصر الوقاية ومتن الاصلاح تعليم الفقه وفی متن المجمع الامامة وفی متن الملتقی ودرر البحار وزاد بعضهم، الاقامة والاذان والوعظ ۔[كتاب الاجارة:۶۵/۹]

ہدایہ میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تعلیم قرآن کی اجرت لینے کو پسند فرمایا کیونکہ اس زمانہ میں دینی معاملات میں سستی ظاہر ہوگئی ہے تو تعلیم قرآن کی اجرت جائز نہ قرار دیجائے تو قرآن عظیم محفوظ نہ رہ سکے گا اور اب اسی پر فتویٰ ہے مختصر الوقایہ اور متن اصلاح میں تعلیم فقہ کا اضافہ کیا اور متن مجمع میں امامت کا اور متن ملتقی اور درر بحار میں اذان، اقامت اور وعظ کا اضافہ کیا ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

کہ صاحب علم دیہات کی طرف جائے کہ وہ انہیں وعظ کہے اور وہ اس کے لئے کچھ جمع کر کے اس کی مدد کریں۔ امام ابواللیث فرماتے ہیں کہ میں یہی فتویٰ دیتا تھا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے پھر زمانہ کی حالت دیکھ کر میں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کرلیا۔ (فتاویٰ رضویہ ہشتم ص ۱۴۰)

تو جو مال دنیا جمع کرنے کے لئے وعظ وتقریر کو پیشہ بنائے وہ ضرور قابل ملامت اور برا ہے اور جس کی نیت خدمت دین کی ہو ایسے لوگوں کو معاوضہ علماء متاخرین نے جائز رکھا بالخصوص جب کہ وہ ضرورت مند بھی ہوں، پس جب مقرر کی اجرت کے جائز اور ناجائز ہونے کا معاملہ ان کی نیت اور ارادہ پر پڑا اور ہم کو اور آپ کو کسی کے قلبی ارادہ پر اطلاع نہیں تو ہم یا آپ کسی متعین مقرر کے بارے میں یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں کہ اس کو نذرانہ دینا اعانت علی الاثم ہے یہ تو مقرر اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ ہے ۔﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾[البقرة: ۲۲۰] وہی ہر ایک کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

اور یہ سوال تو بالکل بیجا ہے کہ مقررین کو بلا کر کچھ نہ دیا جائے تو شرعا کیسا ہے جب آپ نے ایک عالم کو اپنے جلسہ کے لئے بلایا تو آمد ورفت کا کرایہ اور اخراجات سفر کون دیگا عموما مقررین ملازم ہوتے

ہیں غیر حاضری میں ان کی تنخواہیں کٹتی ہیں تنخواہ کا تاوان کون بھرے گا یہ خیال تو ان واجبی مطالبات کے بعد پیدا ہوسکتا ہے یعنی ان مصارف کے علاوہ تقریر کے معاوضہ کے طور پر کچھ دیا جائے یا نہ دیا جائے مگر اس سے پہلے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ اس مقرر کا وعظ دین ومذہب کے لئے ہے یا نہیں اور یہ فیصلہ ہمارے اور آپ کے بس کی بات نہیں۔

قصہ اصل یہ ہے کہ اب ہماری نیتوں میں فتور آگیا ہے، بہت سے مذہبی جلسوں کے منتظمین نے بھی اپنے جلسوں اور کانفرنسوں کو تجارت کا ذریعہ بنا رکھا ہے تو ہمارے کچھ مقررین نے بھی اپنے وعظوں سے تجارت شروع کردی، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

(۴) ہمیں مولوی الیاس صاحب کے بارے میں کوئی غلط اطلاع نہیں ہمارے علم میں وہ سنی ہی ہیں اور دین کا کام اور امت کی اصلاح کر رہے ہیں۔

(۵) حضرت ابوسفیان اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہنے والا سخت گمراہ ہے۔ اس کو امام بنانا جائز نہیں اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دہرائی جائے۔

(۶) تراویح کے بارے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مبارک جملہ مشکوۃ شریف مطبع اصح المطابع ص ۱۱۵ ر میں ہے مشکوۃ شریف ص ۱۱۶ ر میں یہ حدیث ہے۔

قلت لابن عمر: تصلی الضحی ؟ قال: لا۔ قلت فعمر؟ :قال: لا ۔ قلت فابوبكر؟ قال لا ۔قلت: فالنبی ﷺ؟ قال لا اخاله ۔

میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا آپ ضحیٰ کی نماز پڑھتے ہیں کہا نہیں میں نے کہا عمر پڑھتے تھے کہا نہیں میں نے پوچھا ابوبکر فرمایا نہیں میں نے پوچھا رسول اللہ ﷺ تو فرمایا مجھے یاد نہیں۔ مگر دوسری حدیث سے ان کا پڑھنا اور لوگوں کو ان کے پڑھنے کا حکم دینا ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو ۲۶ ر ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۱۴-۱۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) حضور ﷺ کو امی بمعنی ان پڑھ کہنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۲) آپ کی ردائے مبارک کو کالی کملی کے بجائے نوری چادر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

آپ حضرات پڑھ لکھ کر مولانا اور مولوی ہوگئے مگر ''ہنوز روز اول است'' سوال ہو تو جواب لکھا جاتا ہے آپ نے تھوڑے پیسے کے لئے اس خط میں سوال کا پرچا الگ سے رکھدیا جو قانونا بھی غلط اور رسم

فتوی نویسی کے بھی خلاف آئندہ اس قسم کی بے اصولیوں سے احتراز کریں۔

صاحب فیروز اللغات کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کس فرقہ اور خیال کے آدمی تھے البتہ عبد الحفیظ بلیاوی ضرور دیوبندی مکتبہ فکر کے آدمی تھے یہ لوگ کسی زبان کے بارے میں سند نہیں کہ امی کے معنی صرف ناخواندہ اور ان پڑھ لکھدیا تو ماننا ضروری ہوگیا ان لوگوں نے اس لفظ کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے صاحب فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد صاحب بریلوی اپنی لغت جلد اول ص ۲۳۴ پر لکھتے ہیں۔

امی (۱) لغوی معنی ام یعنی ماں کی طرف نسبت رکھنے والا وہ بچہ جس کا باپ بچپن میں مرگیا ہو اور ماں یا دایہ نے اس کی پرورش کی ہو چونکہ ایسا بچہ اکثر جاہل ہی رہ جاتا ہے اس لئے مجازاً و اصطلاحاً جاہل اجڈ ناداں، ان پڑھ کی صفت بولنے لگے۔

(۲) ہمارے پیغمبر ﷺ کا لقب کیونکہ آنحضرت ظاہری تعلیم حاصل کئے بغیر علم لدنی کے سبب اکمل العلماء واشرف العقلاء کا درجہ رکھتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کے دو معنی ہیں ایک تو وہ جو آدمی کے لئے باعث توہین ہوں اور دوسرا معنی حضور ﷺ جو دوسرے کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے بغیر تمام عالم کے علوم کے دانا و بینا تھے، حضور ﷺ کے لئے یہ لفظ بولکر جاہل اور ان پڑھ مراد لینا حضور ﷺ کی توہین اور کفر ہے۔

فارسی زبان کی مستند لغت غیاث اللغات ص ۲۷ پر ہے، امی در حقیقت منسوب بہ ام است کہ مادر باشد یعنی آنکس کے پدرش در ایام طفلی او بمرد واو از تربیت پدر محروم گشت در کنف مادر یا دایہ پرورش یابد ازیں سبب علم نوشتن وخواندن اورا حاصل نہ شود مجازاً بر آن کسے کہ نوشتن وخواندن نہ داند اگرچہ پیش پدر جواں شدہ باشد۔

امی لقب پیغمبر خدا ﷺ ازاں است کہ آنحضرت از کسے تعلیم نہ گرفتہ بودند تا فضیلت استاد بر آں حضرت ثابت نشود۔

غالباً صاحب فرہنگ آصفیہ نے صاحب غیاث کی اسی عبارت کا ترجمہ کیا ہے اور دونوں کے نزدیک امی کا دو استعمال ہے۔ رسول خدا ﷺ کے لئے بولا جائے اس کے معنی استاذ کا احسان اٹھائے بغیر دانائے جمیع علوم، اور آپ کے علاوہ کسی کے لئے بولا جائے تو جاہل ان پڑھ کندہ ناتراش، امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر رازی جلد ہشتم زیر آیت۔

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ﴾ [الاعراف:۱۵۷] ص ۲۵ ر پر تحریر فرماتے ہیں:

"قال اهل التحقيق و كونه اميا بهذا التفسير من جملة معجزاته"

اور اس کو متعدد طریقے سے ثابت کیا ہے تو یہ لفظ حضور ﷺ کے لئے ان کے معجزات وکمالات پر دلالت کرتا ہے جب کہ دوسروں کے لئے توہین کا لفظ ہے۔

صاحب تفسیر روح المعانی اپنی تفسیر جلد ۹ ص ۷۹ پر فرماتے ہیں:

"ووصف عليه السلام بذالك تنبيها على ان كمال علمه مع حاله احدى معجزاته ﷺ فهو بالنسبة اليه عليه الصلوة والسلام صفة مدح وامابالنسبة الى غيره فلاذلك كلفظة الكبر فانها صفة مدح لله عزوجل وصفة ذم لغيره"

حضور ﷺ کو امی کہنے میں یہ تنبیہ ہے کہ آپ کے علم کا یہ کمال آپ کے عام حالات کے اعتبار سے آپ کا معجزہ ہے تو یہ لقب آپ کے لئے صفت کمال ہے اور دوسرے کے لئے نہیں جیسے تکبر اللہ کے لئے صفت کمال ہے اور غیر خدا کے لئے صفت مذمت۔

اور یہ کہنا کہ حضور کو کسی نے پڑھایا ہی نہیں قرآن وحدیث کو جھٹلانا ہے امام رازی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ﴾ [الاعلیٰ:۶]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کہتے ہیں:

ایسا امی کس لئے منت کش استاد ہو — کیا کفایت اس کو اقرأ ربک الاکرم نہیں

حدیث شریف ہے: "علمنی ربی فاحسن تعلیمی ۔وادبنی ربی فاحسن تادیبی"

(کشف الخفاء: ۷۲۱)

(۳) رسول خدا ﷺ کی چادر کو نوری چادر کہنا بھی جائز ہے اور کالاکملی کہنا بھی جائز ہے حدیث شریف میں یہ لفظ وارد ہوا ہے فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۶ر رجب المرجب ۱۴۱۹ھ

توسل کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مذہبی گفتگو کے دوران عظمت واختیار مصطفیٰ ﷺ کے تعلق سے اختلاف آرا کا ظہور ہوا۔ زید کا کہنا ہے کہ ہر ایک سوال فقط رب تبارک وتعالیٰ سے بوسیلہ مصطفیٰ ﷺ کرنا چاہئے نہ یہ کہ براہ راست پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے کیا جائے۔ بکر کا یہ کہنا ہے کہ دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں نائب مطلق حق رسول اعظم ﷺ سے براہ راست مانگی جاسکتی ہیں۔ اور مانگنے میں شرعا قباحت نہیں ہے۔ حضرت اقدس سے

مودبانہ عرض ہے کہ اس سلسلہ میں جو طریقہ حق وصواب ہو اس کی طرف دلائل شرعیہ سے رہنمائی فرمائی جائے۔ رب تعالیٰ سے اجر وثواب کی درخواست ہے۔ امید کہ حضرت اقدس کرم طرازی سے مایوس نہیں فرمائیں گے۔ زیادہ حد ادب

المستفتی: بیت اللہ قادری اناٹمی الامین میڈیکل کالج بیجاپور

الجواب

آپ کے سوال میں جن دو طریقوں کا ذکر ہے ان دونوں کا تعلق توسل سے ہے۔ آج کل وہابیہ جو وسیلہ کے منکر ہیں وہ ان دونوں ہی طریقوں سے دعا مانگنے کو ناجائز وحرام بلکہ شرک کہتے ہیں۔ اور مسلمانان اہلسنت وجماعت جو وسیلہ کے قائل ہیں وہ دونوں طریقہ سے دعا مانگنے کو جائز کہتے ہیں۔ بلکہ وہ دونوں ہی دعائیں ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ طلب کرتے ہیں انبیاء واولیاء کے وسیلہ سے اور اولیا انبیاء سے کچھ مانگتے ہیں یہ مان کر کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں پر فضل وانعام تقسیم کرنے پر انہیں مقرر کیا ہے۔ تو ان سے مانگنا اللہ تعالیٰ کے آگے ہی ہاتھ پھیلانا ہے۔ لیکن آپ کے زید نے چونکہ ان دونوں صورتوں کو علیحدہ کیا ہے اور ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز کہتا ہے۔ اس لئے پہلے اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں:

(۱) ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ [النساء: ٦٤]

جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اگر آپ کی خدمت میں آتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے۔ اور حضور ﷺ بھی ان کے لئے طلب مغفرت کرتے تو البتہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پاتے۔

صاحب تفسیر جلالین جو عموماً راجح قول نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ایک یہودی اور ایک منافق میں مخاصمت ہوئی۔ منافق نے کعب ابن اشرف کو جھگڑے کا فیصل بنانا چاہا اور یہودی حضور ﷺ کی بارگاہ میں فیصلہ لے جانے کے لئے بضد ہوا تو دونوں حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہونچے، آپ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا، منافق اس فیصلہ سے راضی نہ ہوا اور یہودی کو حضرت عمر فاروق کی خدمت میں لے گیا۔ یہودی نے کہا، اس معاملہ کا فیصلہ تو اللہ کے رسول کر چکے ہیں۔ آپ نے منافق سے صورت حال کی تصدیق چاہی۔ اس نے کہہ دیا کہ ہاں، فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کے اندر گئے تلوار لائے اور منافق کو قتل کر دیا۔ (جمل علی الجلالین جلد اول ۳۹۵)

تو بلا شبہ یہ آیت منافقین مدینہ کی تنبیہ اور سرزنش کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ لیکن آیت قرآنی کے متعلق ائمہ اعلام کا یہ عام اصول ہے کہ آیات کی شان نزول خاص ہوتی ہے مگر حکم عام ہوتا ہے۔ یعنی جرائم پر توبہ کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری اور اللہ سے استغفار اور حضور ﷺ سے معافی اور ان سے بارگاہ الٰہی میں سفارش کی درخواست کا حکم اس وقت کے منافقین کے لئے ہی خاص نہیں۔ بلکہ منافقین کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی یہ حکم ہے اور یہ نسخہ مغفرت آپ کی حیات ظاہر تک کے لئے ہی مختص نہیں۔ آج تک کے مسلمانوں کے لئے بھی یہ حکم ہے بلکہ رہتی دنیا تک کے لئے یہ حکم عام ہے۔ چنانچہ قاضی القضاۃ ابو سعود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فیہ فضل ترغیب للعاصین فی المسارعۃ الی التوبۃ و الاستغفار

(جلد دوم ص ۱۹۷)

اس آیت میں جملہ اہل اسلام کو توبہ استغفار میں جلدی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس آیت کا یہی مطلب سمجھا اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی مزار پر حاضری دیکر توبہ واستغفار کرتے رہے۔

حضرت ابو صادق مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کی وفات سے تین دن بعد ایک اعرابی آپ کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور خود کو قبر انور پر گرا دیا اور قبر پاک کی مٹی اپنے پیر اور سر پر ڈالنے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ "سمعنا قولک" ہم نے آپ کی بات سنی اور جو کچھ آپ نے بتایا ہم نے یاد کیا۔ حضور آپ پر اتارے گئے قرآن کریم میں ہے: جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کریں۔ آپ کے خدمت میں حاضر ہوں وہ اللہ سے معافی طلب کریں اور آپ بھی ان کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرما دے گا۔ میں نے نفس پر ظلم کیا، اب میں آپ کی بارگاہ میں آیا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار کریں اس کی اس عرض ومعروض کے بعد قبر انور سے آواز آئی: جا تیری مغفرت ہوگئی۔

تقریب التہذیب ص ۶۴۹ میں ہے کہ ابو صادق سچے ہیں اور حضرت علی سے ان کی یہ روایت مرسل ہے اور امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آیت کی توضیح میں مدارک شریف میں یہ روایت نقل فرمائی (مدارک علی ہامش خازن جلد اول ص ۳۹۹) اس روایت سے تفصیل کے ساتھ یہ امور ثابت ہوئے۔

(۱) طلب مغفرت کے لئے حضور ﷺ کی بارگاہ کی حاضری قرآن عظیم اور عمل صحابہ سے ثابت ہوئی۔

(۲) اس حاضری کے لئے آپ کی حیات یا وفات کی کوئی قید نہیں۔ قرآن عظیم میں استغفار کے لئے مطلقاً حاضری دربار عالی کا حکم دیا اور صحابہ کرام نے اس آیت کے حوالے سے بعد وفات بھی آپ کے

مزار پر حاضری جائز جانی اور اس پر عمل کیا۔

(۳) طلب مغفرت کے لئے حاضر دربار گہربار ہو کر اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے معافی کی درخواست اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے بھی مخاطب ہو کر سفارش وشفاعت کی درخواست نہ صرف جائز بلکہ مندوب اور مستحسن ہے۔

حضرت علامہ نور الدین محلی ابن احمد سمہودی اپنی شہرہ آفاق کتاب ''وفاء الوفا'' جلد رابع ص ۳۶۰ میں فرماتے ہیں:

علمائے اسلام نے اس آیت سے یہی سمجھا ہے کہ یہ حکم آپ کی حیات دنیوی اور بعد وفات دونوں ہی حالتوں کے لئے عام ہے اور آپ کی قبر انور پر حاضر ہونے والوں کے لئے اس آیت کریمہ کی تلاوت اور توبہ و استغفار کو مستحب سمجھا ہے اور آپ کے مزار مقدس پر بعد وفات حاضر ہونے والے اعرابی کی حکایت کو ائمہ اسلام کی ایک جماعت نے عتبی سے روایت کیا ہے جن کی ملاقات ابن عینیہ سے ثابت ہے۔

یہ حکایت اتنی مشہور ہے کہ مذاہب اربعہ کے مصنفوں نے مناسک حج کے بیان میں اس کو ذکر کیا ہے۔ سب نے اس کو پسند کیا اور اس کو زائرین روضہ انور کے آداب میں شمار کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عساکر نے اس کو اپنی تاریخ میں اور ابن جوزی وغیرہ نے اپنی سندوں کے ساتھ اس کو محمد ابن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: مدینہ شریف میں داخل ہوا تو زیارت قبر انور کے لئے حاضری دی اور قبر پاک کے سامنے بیٹھا۔ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اس نے مزار اقدس کی طرف رخ کیا اور عرض کرنے لگا: میں آپ کے پاس آپ کے رب سے اپنی مغفرت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ میں آپ سے اپنی شفاعت کا خواستگار ہوں۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں میں آپ کے پاس اپنی گناہوں کی معافی کے لئے اور آپ کے واسطے سے اپنے رب کی پناہ مانگنے کے لئے آیا ہوں۔ اس کے بعد اس نے یہ اشعار پڑھے:

اے ان سب لوگوں کے افضل جن کے اعضا زمین میں دفن کئے گئے۔
تو ان کی خوشبو سے سارے میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔
یا رسول اللہ ﷺ میری جان اس قبر انور پر قربان جس میں آپ آرام فرما ہیں۔
جو آپ کی وجہ سے پاکدامنی اور جود و کرم کا خزانہ بن گئی۔

وہ اعرابی ایک مرتبہ پھر مغفرت طلب کر کے لوٹا اور میری آنکھ لگی۔ میری قسمت جگ گئی خواب

میں سرکار ﷺ کو دیکھا جو فرما رہے ہیں جاؤ اس اعرابی سے مل کر اسے بتادو کہ میری سفارش سے اس کی مغفرت ہوگئی۔

دونوں روایتوں کی تفصیل میں فرق ہے اور راوی اور مروی عنہ میں بھی تفاوت ہے اس لئے اغلب یہی ہے کہ یہ دو روایتیں ہوں اور دو واقعہ ہوں۔ اور اس قسم کے کتنے ایسے واقعے ہوں گے جو قید تحریر میں نہ آئے۔ اس روایت میں اولاً: خطاب رسول ﷺ سے ہے اور آپ سے دربار الٰہی میں سفارش کی درخواست ہے اور اللہ تعالیٰ سے عفو و درگذر کی گذارش ہے۔

(۲) امام طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی معجم کبیر میں روایت کی ''ایک شخص خلافت حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اپنی کسی ضرورت کی خاطر بار بار حاضری دیتا لیکن آپ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور وہ مایوس لوٹ جاتا۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا اور اپنی ضرورت اور ناکامیابی کا ذکر کیا کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفارش کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ وضو خانہ میں جا کر وضو کرو پھر مسجد شریف میں دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا مانگو:

اللھم انی اتوجه الیك بنبینا محمد ﷺ نبی الرحمة۔ یا محمد انی اتوجه بك الی ربی ان تقضی حاجتی و اذ کر حاجتك۔

اے رب العالمین میں تیری بارگاہ میں اپنے نبی محمد ﷺ کے واسطے سے متوجہ ہوتا ہوں جو رحمت والے نبی ہیں۔ اور یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کے واسطے سے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوا کہ میری یہ ضرورت پوری ہو۔

وہ شخص حضرت عثمان ابن حنیف کے ارشاد کے موافق نماز و دعا پڑھ کر بارگار عثمان غنی میں حاضر ہوا۔ آج اطلاع کے بعد فوراً دربان آیا اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا۔ تو حضرت نے اس کو اپنی نشستگاہ میں بیٹھایا اور اس کی عرض دریافت کی۔ اس شخص نے اپنی ضرورت ذکر کی آپ نے اس کو پورا کیا اور فرمایا تم نے اب تک بتایا نہیں اسی لئے تاخیر ہوئی۔ آئندہ جب ضرورت ہو تو فوراً خبر کرو۔

شخص مذکور نے واپسی میں حضرت عثمان ابن حنیف کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی سفارش سے میرا کام آسانی سے ہوگیا۔ حضرت عثمان بن حنیف بولے خلیفۃ المسلمین عثمان غنی سے میری کوئی بات آپ کے بارے میں نہیں ہوئی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ ایک دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ایک نابینا صحابی بھی حاضر بارگاہ ہوئے اور اپنی بینائی کے لئے دعا کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے صبر کی تلقین کی مگر وہ مصر ہوئے تو آپ نے انہیں وہ وضو نماز اور دعائیں تلقین فرمائیں۔ وہ نابینا صحابی آپ کے دربار عالی سے اٹھ کر وہ دعا مانگنے کے لئے گئے۔ اور ہم حضور کی خدمت میں ذرا دیر تک بیٹھے رہ گئے۔ اب وہ نابینا دعا مانگ کر واپس حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بالکل صحیح وانکھیارے تھے۔

امام بیہقی نے یہ حدیث روایت کی اور امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ ہمارا استدلال حضرت عثمان ابن حنیف کی اس سمجھ سے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کو ندا اور استمداد جائز سمجھا۔ (وفاء الوفا جلد چہارم ص ۱۳۷۳)

(۱) اس حدیث سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس نابینا صحابی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ پیش کرنے کی تلقین فرمائی۔

(۲) اور اپنے اسم مبارک کے ساتھ آپ کو ندا کرنے کا حکم دیا۔

(۳) یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ حکم یعنی استمداد کی غرض سے آپ کو پکارنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری نہیں۔ آپ کی خدمت سے دور رہ کر بھی آپ کو پکار سکتے ہیں۔

(۴) یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ حکم آپ کی حیات مبارکہ تک ہی خاص نہیں۔ وفات کے بعد بھی آپ کو پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا اور آپ کی ذات کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت عثمان ابن حنیف نے حدیث پاک سے یہی سمجھا۔

یہ حدیث شریف ترمذی، نسائی، حاکم اور بیہقی نے روایت کی اور نسائی کے علاوہ تینوں اماموں نے اس کی تصحیح کی، امام جزری نے اپنی مبارک کتاب حصن حصین میں ایک روایت بصیغہ معروف روایت کی جس کا ترجمہ ہوا یا رسول اللہ ﷺ آپ میری حاجت پوری فرمائیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وفی نسخة بصیغة الفاعل ای تقضی حاجتی، والمعنی تکون سببا لحصول حاجتی فالاسناد مجازی۔

بعض نسخوں میں لفظ تقضی صیغہ معروف کے ساتھ یعنی یا رسول اللہ آپ میری ضرورت پوری کریں۔

اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف ضرورت پوری کرنے کی نسبت مجازی ہے، یعنی حاجت پوری کرنے والا تو در اصل اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن چونکہ آپ اس ضرورت کے پورا کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ

ہیں۔ اس لئے ہم آپ سے ہی ضرورت پوری کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ جیسے بارش کے موسم میں سبزہ اگانے والا تو حقیقۃً پروردگار ہے لیکن مجازاً لوگ یہ بولتے ہیں کہ موسم بہار نے سبزہ اگایا۔

یہ خاص آپ کے سوال کا جواب ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے حاجت پوری کرنے کی درخواست جائز ہوئی۔

(۳) کبھی رسول اللہ ﷺ سے آپ کی وفات کے بعد بھی آپ سے اسی طرح درخواست اور طلب کرتا ہے۔ جیسے آپ کی حیات مبارک میں آپ سے مانگا اور سوال کیا جاتا تھا۔ یہ بھی در اصل توسل ہی ہے۔

حضرت امام بیہقی نے حضرت اعمش اور انہوں نے ابو صالح اور انہوں نے مالک الدار سے روایت کی جس کو ابن ابی نے صحیح سند کے ذریعہ مالک الدار سے روایت کیا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں سخت قحط پڑا، اس وقت رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر ایک شخص آیا اور عرض کی یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے استسقا فرمائیے کہ آپ کی امت ہلاک ہو رہی ہے۔ تو اس کے خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا عمر کو خبر کر دو بارش آ رہی ہے۔

سیف نے فتوح میں تحریر کیا کہ حضور ﷺ سے یہ درخواست کرنے والے اور آپ کو خواب میں دیکھنے والے حضرت بلال ابن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (وفاء الوفا جلد چہارم ص ۱۳۷۴)

اس روایت سے یہ امر ثابت ہے کہ حضور ﷺ عالم برزخ میں ہیں اس وقت حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے ان کو اس دنیا سے پکارا کہ آپ ہمارے لئے استسقاء فرمائیے۔ عالم برزخ سے رسول اللہ ﷺ کا امت کے لئے دعا کرنا محال نہیں اور حضرت بلال کی فریاد آپ نے برزخ سے سن لی۔ یہ تو اسی حدیث سے ثابت ہوا تو حضور ﷺ سے استقا یا کسی اور چیز کا سوال جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں جاری تھا ویسے بعد وفات بھی جائز وحلال ہے۔

(۴) امام حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ حافظ ابو زرعہ اور امام بخاری دونوں کے استاد ہیں۔ آپ اپنی شہرہ آفاق کتاب 'مصنف ابن شیبہ' میں فرماتے ہیں: مجھ سے ابو مالک احمر نے بیان کیا۔ ان سے اسامہ نے، اور اسامہ سے امام ابن صالح نے، انہوں نے مجاہد سے اور انہوں نے ابن عباس سے کہ جب تم میں سے کسی کو سفر میں کوئی زحمت درپیش ہو تو پکارے۔ اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ (مصنف جلد دہم ص ۲۹)

اس حدیث کو حضرت ابن حجر مکی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد جلد یکم ص ۱۳۲ پر نقل کر کے فرمایا: اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں یعنی حدیث صحیح ہے اور امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر جلد ۱۷ ص ۱۱۶ میں حسین

ابن اسحاق تستری سے، انہوں نے احمد ابن یحیی صوتی سے، انہوں نے عبدالرحمان ابن سہل سے انہوں نے عبداللہ سے انہوں نے زید ابن علی سے اور انہوں نے عقبہ ابن غزوان سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جب سفر میں تمہاری کوئی چیز کھو جائے۔ اور تم کو کسی مددگار کی ضرورت ہو اور وہاں کوئی ساتھی اور انیس نہ ہو تو پکارے: یا عباد الله اعینونی یا عباد الله اعینونی یا عباد الله اعینونی ،یا عباد الله اعینونی ۔تو اللہ کے کچھ بندے ہیں جن کو تم نہیں دیکھ رہے ہو۔

اس حدیث کا تجربہ کیا گیا تو یہ حدیث صحیح تر ہے۔

اس حدیث پر ابن حجر ہیتمی نے تبصرہ فرمایا اس حدیث کے بعض راوی کچھ ضعیف ہیں لیکن بعض علما نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور خود صاحب مجمع الزوائد وابن حجر نے اسی حدیث کو ابویعلی اور طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تم میں سے کسی کا جانور کسی ویرانے میں گم ہو جائے تو کہے۔ "یا عباد الله رجسوا" اے اللہ کے بندوں اسے روکو۔ تو اللہ کے کچھ بندے زمین میں حاضر رہتے ہیں جو اسے روک لیتے ہیں۔ (وفیہ معروف ابن عنان ضعیف)

یہ حدیثیں، امام جزری نے اپنی مشہور کتاب 'حصن حصین' میں نقل کیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام طبرانی نے عتبہ ابن غزوان سے نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ بعض علمائے ثقات نے اس کی توثیق کی کہ یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس کی ضرورت ہے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث آزمودہ ہے کامیابی اس دعا کے ساتھ ہے ان باتوں کا ذکر میرک شاہ دہلوی نے بھی کیا ہے۔

ندائے غیر اللہ اور غیر رسول اللہ میں ۔ یہ تین حدیثیں ہیں جن میں الفاظ کی کمی بیشی اور جزئی اختلاف ہیں لیکن بنیادی مضمون سب کا ایک ہی ہے۔ کہ سفر میں کچھ زحمت ہو تو اللہ کے نظر نہ آنے والے بندوں کو پکارا جائے وہ مشکل دور کر دیں گے۔

ائمہ حدیث میں کسی نے اس حدیث کے رواۃ کو ثقہ بتایا، کسی نے حدیث کو حسن کہا اور علماء ومشائخ دونوں ہی گروہ اس حدیث کو آزمودہ اور مجرب ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ کچھ حضرات مسافروں کو اس کی ترغیب دے رہے ہیں کہ اہل سفر کو اس کی ضرورت ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ بکری کی بات بڑی باقوت ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر سے آج تک کے علماء حق حضور ﷺ سے استمداد واستعانت اور دعا وندا جائز سمجھ رہے ہیں اور اسی پر عمل درآمد ہے۔

اب کچھ فقہ کے جزئیات اور حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب رد المحتار المعروف بہ شامی کے مصنف علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زیادی فرماتے ہیں: انسان کی کوئی چیز جب گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ملا دے تو کسی بلند مقام پر قبلہ رو کھڑا ہو۔ اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور سید عالم ﷺ کی روح کو نذر کرے اور سیدی احمد ابن علوان رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کا ثواب ہدیہ کرے۔ پھر یہ دعا پڑھے:

یا سیدی احمد ابن علوان رد علی ضالتی و الا ننزعنك من دیوان الاولیاء۔

تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس کی گمشدہ چیز لوٹا دے گا۔

جھوری نے کچھ اضافہ بھی کیا ہے اور لکھا ہے اور ایسے ہی شرح منہج داؤدی میں ہے۔

(کتاب مذکور جلد سوم ص ۳۲۴)

(۱) اس تحریر سے ظاہر ہے کہ گمشدہ چیز پانے کے لئے ایصال ثواب کے بعد سید احمد ابن علوان کو پکارنا جائز اور حصول گمشدہ کے لئے مفید ہے۔

(۲) اس دعا میں گمشدہ چیز کے لوٹانے کی درخواست بھی کرنا چاہئے۔

(۳) اس عمل کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اپنے اس مقبول بندے کی برکت سے وہ گمشدہ چیز حاصل کرادے گا۔

یہ تمام امور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحسن اور معمول بہا تھے۔ تبھی تو ان کو اپنی اس شہرہ آفاق تصنیف میں درج کیا اور اس پر کوئی جرح اور تنقید نہ فرمائی۔ یہ ان کی طرف سے اس عمل کے جائز ہونے کی سند ہے۔

(۶) فقہ حنفی کی مستند کتب فقہ اور فتاوی مثلاً قانون شریعت، بہار شریعت، فتاوی رضویہ، جامعہ ازہر کے شیخ القراء امام ابوالحسن نورالدین ابن جزیری لخمی متوفی ۶۴۳ نے اپنی کتاب بہجۃ الاسرار میں، شیخ محقق علی الاطلاق مولانا عبدالحق محدث دہلوی جن کو بارگاہ رسالت سے ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت اور تعلیم وتدریس کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اپنی کتاب زبدۃ الآثار میں نماز صلاۃ الاسرار کا طریقہ خود حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

من صلی رکعتین بعد المغرب و یقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة سورة الاخلاص احدی عشرة مرة ثم یصلی علی رسول الله ﷺ بعد السلام ثم یتوجه الی العراق احدی عشرة خطوة و یذکر اسمی و یذکر حاجته فانها تقضی۔

جو شخص نماز مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھے جس کی ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے پھر سلام پھیر کے رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجے عراق کی سمت گیارہ قدم چلے میرا نام پکارے تو اس کی ضرورت پوری کی جائے گی۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے امام عبد اللہ یافعی، حضرت ملا علی قاری، سیدی عبدالوہاب متقی مکی، مولانا شیخ وجیہ الدین گجراتی، شیخ محمد غوث گوالیاری، ابو المعالی محمد مسلمی، سید حمزہ عشی قادری، امام شمس الدین ابن الجزری، شیخ عبد القادر مصری وغیر ائمہ اعلام کا ذکر کیا۔

جن میں سے کسی نے اس نماز کی اجازت دوسروں کو عطا کی، کسی نے اس کی اجازت اپنے بزرگ سے حاصل کی، کسی نے اس کی روایت کی، اور کسی نے مشائخ سلسلہ قادریہ کا معمول بتایا، یہ کئی صدیوں پر پھیلے ہوئے عالم اسلام کے علما و مشائخ وائمہ اعلام ہیں جو علی الاعلان حضور سیدی عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارنے اور ان سے اپنی ضرورت کا ذکر کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اگر آدمی کی کھلی آنکھیں بند نہ ہوں تو یہی ایک روایت کافی ہے۔ اخیر میں ہم تاریخ مدینہ سے کچھ ایسے علمائے دین وائمہ محدثین کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اپنی مصیبت کی گھڑی میں قبر انور پر حاضر ہو کر استغاثہ اور سرکار سے فریاد کی اور فوراً مقصد بر آوری ہوئی۔

محمد ابن منکدر بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے میرے والد کے پاس اسی دینار ودیعت اور امانت رکھے۔ اور والد سے کہا کہ کوئی ضرورت پڑے تو آپ ان کو اس میں خرچ کر سکتے ہیں۔ مجھے تو جہاد سے لوٹنے کے بعد اس کی ضرورت ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ شخص لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ سوء اتفاق اس وقت کساد بازاری سے لوگ فاقہ کشی اور مشقت میں مبتلا ہوئے میرے والد نے ضرورت مند بندوں پر وہ رقم خرچ کر ڈالی۔

اتفاقاً وہ شخص جلد ہی واپس آیا اور اپنی رقم واپس مانگی والد صاحب نے اس سے صبح آنے کو کہا اور خود رات مسجد میں گذاری، کبھی قبر انور کے پاس جاتے اور کبھی ممبر اقدس کے پاس۔ اسی طرح صبح کے قریب تک حضور ﷺ سے فریاد کرتے رہے۔ اسی حالت میں صبح کے دھند میں کوئی شخص آیا اور کہا اے ابو محمد یہ لو۔ اور ایک تھیلی دیکر چلا گیا۔ والد نے دیکھا اس میں اسی دینار تھے۔ صبح کو وہ شخص آیا تو آپ نے اس کے پیسے واپس کر دیئے۔

حضرت محمد ابن منکدر ابن عبد اللہ ابن ہدیر یمنی صحابی رسول ﷺ تو نہیں۔ لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور یہ واقعہ عہد صحابہ کا ہے۔ کیسا ایمان، کس درجہ بھروسہ اور یقین ہے حضور ﷺ کی عطاد

بخشش پر کہ جیب بالکل خالی ہے پھر مطالبہ کرنے والے سے نہ الجھتے ہیں، نہ قحط کی تنگدستی کی معذرت کرتے ہیں، مطالبہ کی ادائے گی میں کسی تاخیر اور مہلت کے خواستگار نہیں، پورے اطمینان کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں اور کیوں نہ ہو۔

واللہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہونچیں گے — اتنا بھی تو ہو کوئی جو یاد کرے دل سے

(۲) امام ابو بکر ابن المقری فرماتے ہیں:

میں اور طبرانی اور ابو شیخ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے حرم شریف میں تھے اور ہم پر ایک کیفیت طاری تھی اور ہم میں بھوک کا اثر غالب تھا۔ پورے دن ہم نے کچھ نہیں کھایا اور رات بھی اسی حالت میں گذرنے والی تھی تو میں حضور ﷺ کے مزار پاک پر حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ سخت بھوک لگی ہے۔ یہ کہہ کر میں اپنے ہمراہوں کے پاس آیا تو ہمارے ساتھی ابو القاسم طبرانی بولے یہیں بیٹھو تا آں کہ رزق میسر آئے یا موت نصیب ہو۔ ابو بکر کہتے ہیں: میں اور ابو شیخ تو کھڑے ہو گئے اور طبرانی باب علوی کی طرف گھور رہے تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ہم نے دروازہ کھولا تو ایک علوی اپنے دو غلاموں کے ساتھ آئے۔ غلاموں کے ہاتھ میں دو بڑے بڑے تھیلے تھے۔ جس میں کافی سے زیادہ کھانا تھا، ہم سب نے بیٹھ کر خوب کھایا اور خیال ہوا کہ بقیہ کھانا غلام لے جائے گا جب ہم فارغ ہو چکے تو علوی نے ہم سے کہا کہ شاید آپ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تھی۔ میں سویا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں ہدایت کی کہ حرم رسالت میں ٹھہرے مسافروں کو کچھ پہونچا آؤ۔ یہ واقعہ اندازہ ہے کہ تیسری چوتھی صدی ہجری کا ہے کہ حافظ ابو القاسم طبرانی کا عہد ۳۶۰ھ ہے۔

(۳) ابن جلا فرماتے ہیں میں مدینہ پاک میں فاقہ کرتے ہوئے حاضر ہوا، میں نے تربت اقدس پر حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں۔ اور وہیں بیٹھا بیٹھا میں اونگھ گیا۔ خواب میں حضور ﷺ تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں ایک روٹی تھمادی میں بھوکا تو تھا ہی خواب میں روٹی کھانے لگا ابھی آدھی روٹی کھائی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی میں یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ بقیہ آدھی بچی ہوئی میرے ہاتھ میں تھی۔ شاید یہ اس لئے کہ جو کچھ گذرا خواب وخیال نہ سمجھنا۔ تم نے حقیقۃً روٹی کھائی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ بقیہ آدھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"من رانی فقد رأی الحق فان الشیطان لا یتمثل بی" (صحیح البخاری: ۳۱۸/۴)

جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے سچ مچ مجھے دیکھا کہ شیطان میرا ہم شکل بن کر خواب میں بھی کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتا"۔

(۴) حضرت ابوالخیر اقطع فرماتے ہیں کہ میں مدینۃ النبی ﷺ میں حاضر ہوا، بھوک کی یہ حالت تھی کہ کوئی چیز چکھنے کو بھی نہیں ملی تھی۔ میں روضہ انور پر حاضر ہوا آپ کو اور حضرات شیخین کریمین کو سلام عرض کیا اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ کا مہمان ہوں اور مزار اقدس سے تھوڑی دور ہٹ کر لیٹ رہا۔ تو میں نے خواب میں حضور ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ عنہما اور مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ میری طرف آرہے ہیں، حضرت علی نے آگے بڑھ کر مجھ سے فرمایا: اٹھو حضور تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے اٹھ کر آپ کی پیشانی اقدس کو بوسہ دیا۔ حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ میں نے حالت خواب ہی میں آدھی روٹی کھائی اور جگنے کے بعد آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

(۵) ابوعبداللہ محمد ابن ابی زرعہ صوفی بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد اور ابی عبداللہ حنیف کے ساتھ مکہ شریف حاضر ہوا۔ وہیں فاقہ کشی کی حالت طاری ہوئی۔ اسی حال میں ہم مدینہ شریف پہونچے اور وہاں بھی فاقہ کشی سے نجات نہ ملی۔ رات میں بھی ہم بھوکے رہے۔ میرا بچپن کا وقت تھا۔ بھوک کی برداشت کی طاقت مجھے نہیں تھی میں اٹھ کر حضور والا کے پاس جاتا اور بھوک کی شکایت کرتا وہ مجھے لیکر حضور کریم ﷺ کے احاطہ مزار کے پاس آئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں آج کی رات آپکا مہمان ہوں اور دہن وآنکھ بند کر کے مراقبہ میں بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد مراقبہ سے سر اٹھایا۔ تھوڑی دیر روئے پھر ہنسنے لگے پوچھا گیا کیا بات ہے۔ بولے میں نے سرکار کو دیکھا کہ تشریف لائے اور میرے ہاتھ میں درہم رکھ کر چلے گئے۔ ہم انہیں درہموں سے اپنی ضرورت پوری کرتے اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ ہم اپنے وطن شیراز تک انہیں خرچ کرتے رہے۔ (وفاء الوفاء جلد چہارم ص ۱۳۷۹)

حقیقت یہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لگ بھگ ساتویں صدی تک اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہ تھا پورا عالم بلانکیر اس کا قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء اور صلحا کے وسیلہ سے دعا مانگنا یا خود ان مقبولان بارگاہ الٰہی سے یہ سمجھ کر سوال کرنا کہ دینے والا تو اللہ ہی ہے مگر اس نے ان بندگان خواص کو اپنے انعامات کی تقسیم پر مقرر کر رکھا ہے، جائز و مشروع ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (حجۃ الاسلام) فرماتے ہیں:

"من يستمد به في حياته يستمد به بعد وفاته"

جس سے زندگی میں مدد طلب کرنا جائز ہے اس کی وفات کے بعد بھی اس سے مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ (لمعات جلد اول ص ۶۳۳) و (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۷۱۵) علامہ ابن شہاب نے حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس مضمون کی تائید نقل کی ہے۔

(عنایۃ القاضی جلد ہشتم ص ۳۱۳)

لیکن ۶۶۱ ہجری میں تقی الدین احمد ابن تیمیہ پیدا ہوئے اور اپنے عہد میں جمہور اسلام کے خلاف اپنے تفردات کا انبار لگا دیا اور مسئلہ توسل کا سرے سے انکار کر دیا۔ غیر اللہ سے مستقل مانگنے کی بات تو الگ رہی ان کے نزدیک اس طرح دعا مانگنا بھی ناجائز و ممنوع ہے کہ یارب العالمین رسول اللہ ﷺ کی جاہ اور ان کی منزلت کے واسطے ہماری دعا قبول فرما۔ محمد جاد الحق جامع ازہر کے شیخ کے نام سے ایک کتاب مسمی بہ "جاد الحق" شائع ہوئی جو اس قسم کے مختلف فیہ مسائل پر جامع ازہر کے نکتہ فکر کی ترجمان ہے، اس کے ص ۸۲ پر تحریر ہے:

ان كان المراد بسبب ذاته او بسبب منزلته من الله وجاهه عنده فهذا هو الذي الخلاف حوله بين العلماء ففريق ينكره فان الجاه لا يعطى الشفاعة و على راس هذا الفرقة ابن تيمية وقد الف في ذلك رسالة حاول فيها ان يرد ما جاء عن الصحابة في جوازه اما بالطعن في سنده بالضعف او الوقف على الصحابة او على من ليس قوله و فعله حجة و اما بالتاويل"

اگر قائل کی یہ مراد ہے کہ مثلاً رسول اللہ ﷺ کی ذات کی وجہ سے یا ان کے درجے اور مرتبے کے سبب جو انہیں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاصل ہے تو اس مسئلہ پر علماء میں اختلاف ہے ایک فرقہ یہ کہہ کر اس کا انکار کرتا ہے۔ جاہ و منزلت سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا۔ اس گروہ کے سرے پر ابن تیمیہ کھڑے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس میں ان کا مقصد ان دلائل کی تردید ہے جو اس امر کے جواز میں صحابہ سے ثابت ہیں اور اس کے لئے ان کے پاس مندرجہ ذیل باتیں ہیں۔

یہ روایت ضعیف ہے یہ اثر صحابہ پر موقوف ہے۔ یہ ایسے شخص کا قول ہے جس کا قول و فعل شرع میں دلیل نہیں۔ یا روایت و شہادت کو اس کے ظاہر سے پھیرنا ہے۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ منکرین کے سرگروہ ابن تیمیہ ہیں جو عہد رسالت سے تقریباً سات سو سال بعد پیدا ہوئے۔ جس کے دم سے انکار توسل کی بدعت نے جنم لیا۔ ابن تیمیہ وہ بزرگ ہیں جن کی روایتوں اور جمہور کے خلاف تفردات سے عالم اسلام میں بڑا ہیجان برپا ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں بار بار مباحثہ اور مناظرہ ہوا انہیں اپنے قول سے رجوع کرنا پڑا۔ اس پر بھی اپنے خیالات کے اظہار سے باز نہ آئے تو گورنمنٹ کی طرف سے انہیں فتوی جاری کرنے پر روک لگانی پڑی۔ انجام کار جیل جانا پڑا۔ اس وقت کے معظم وجلیل علماء دین حضرت علامہ تقی الدین سبکی اور ان کے علاوہ پورے عالم اسلام کے مقتدر علماء کرام نے ان کی تردید میں کتب و رسائل تحریر کئے، اور عوام نے انہیں رد کر دیا۔ اور تقریباً چار سو سال تک فتنہ سوتا رہا۔ ۱۱۰۵ھ میں مسیلمہ کذاب کے مولد اور اسی کے خمیر سے فتنوں کی سرزمین نجد میں محمد ابن عبد الوہاب پیدا ہوئے اور ان کے والد اور خاندان کے دیگر افراد صحیح العقیدہ سنی اور فروع میں امام احمد ابن حنبل

کے تابع تھے، اور محترم علماء ملت اسلامیہ میں شمار ہوتے تھے۔ شیخ نے تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے غرض سے مدینہ شریف اور بصرہ وغیرہ بھی گئے مگروہ جو کسی نے کہا ہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر

جو ازل سے تہی قسمت بنائے گئے انہیں کامل ترین رہنماؤں سے کچھ فائدہ نہیں۔ دیکھئے آب حیوان کے چشمہ تک حضرت خضر سکندر کو لے گئے مگروہ پیاسا لوٹا۔

شیخ ابن عبدالوہاب کی طبیعت پر رنگ چڑھا تو دوسخت ترین غیر مقلد علما کا جو پوری طرح ابن تیمیہ کے معتقد تھے اور اس کے فاسد نظریات کے داعی اور امین تھے۔ ایک حیات محمد سندھی، دوسرے محمد ابو یوسف مجمعی نجدی، چونکہ شیخ کا مقصد اصلی بھی جزیرۃ العرب میں سیاسی اقتدار حاصل کرنا بالخصوص حرمین طیبین پر غلبہ حاصل کرنا تھا۔ جس کے لئے وہاں پر برسر اقتدار مسلمانوں سے جنگ کے علاوہ کوئی سبیل نہ تھی۔ اور شیخ کے لٹریچر میں ابن عبدالوہاب کو امید کی کرن نظر آئی کہ انہوں نے بھی اپنے عہد میں بزور شمشیر مسلمانوں کو موحد بنانا چاہا تھا۔ مگر وہ اپنی جدوجہد میں اس لئے کامیاب نہ ہوسکے کہ ان کے ساتھ قابل بھروسہ عسکری قوت نہ تھی۔

ابن عبدالوہاب نے بھی اپنے متبعین کے علاوہ جملہ اہل اسلام کو مشرک قرار دیا۔ اور سب کے جان و مال، عزت وآبرو کو حلال قرار دیا اور اپنی ان کوششوں کو جہاد قرار دیا۔ اور اپنی اس تجویز کو نافذ العمل کرنے کے لئے امیر درعیہ محمد ابن سعود سے معاہدہ کیا۔ اور ابن عبدالوہاب کے قلم اور ابن سعود کی تلوار نے ملک جزیرۃ العرب اور حرمین طیبین میں، کربلا معلی اور طائف وغیرہ میں قتل وغارت گری، لوٹ پاٹ اور ان کے حرم میں وہ تباہی مچائی کہ الامان والحفیظ۔! پورا عالم اسلام بلبلا اٹھا۔ اس وقت بھی عالم اسلام کے علماء کرام نے ان کی شقاوتوں اور ان کی بربریتوں اور گمراہیوں کے خلاف کتابیں لکھیں۔ اور آج بھی خود ان کے حمایتی لوگ بھی وہاں جاکر مقابر اور مساجد کی حالت دیکھتے ہیں تو بلبلا اٹھتے ہیں۔

تمام عالم اسلام کے لگ بھگ چالیس علمائے کرام نے ان کے رد میں کتب ورسائل تحریر کئے اور علامہ ابن عابدین شامی نے ان کی خارجیت پر مہر لگادی وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ردالمحتار میں تحریر فرماتے ہیں: "کما وقع فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین و کانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون و ان من خالف اعتقادهم مشرکون و استباحوا بذلك قتل اهل السنة و قتل علمائهم حتی کسر الله شوکتهم و خرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین ومأتین

والف۔ (کتاب الجهاد: ۶/۳۱۷)

ہمارے زمانے میں (محمد ابن) عبدالوہاب کے متبعین سے جیسا واقع ہوا جو نجد سے نکلے حرمین شریفین پر غالب ہوگئے۔ اپنی نسبت حنبلیوں کی طرف کرتے تھے لیکن ان کا اعتقاد یہی تھا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان سے اعتقاد میں مختلف ہو وہ مشرک ہے۔ انہوں نے اہل سنت وجماعت اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کی آبادیوں کو ویران کردیا۔ اہل اسلام کے لشکروں کو ان پر غالب کیا یہ ۱۲۳۳ھ میں ہوا۔

اور ادھر ۱۱۹۳ھ میں ہندوستان کے دارالسلطنت دہلی کے مشہور علمی گھرانہ شاہ ولی اللہ میں ایک من چلے عالم مولوی محمد اسماعیل دہلوی پیدا ہوئے۔ ابتداء علماء کی تربیت میں انہوں نے پرورش پائی اور علم انہوں نے خاندانی بزرگوں سے حاصل کیا۔ مگر عقیدہ انہوں نے ابن عبدالوہاب کی کتابوں سے حاصل کیا اور ہندوستان میں غیر مقلدیت کا بیج بویا۔ ہندوستان کے سیاسی حالات بھی کچھ ایسے افراتفری کے تھے کہ مغل اسلامی حکومت سمٹ کر قلعہ دہلی تک محدود ہوگئی تھی۔ اس لئے وہ ایسے من چلے حضرات کی گوشمالی پر قادر نہ تھے۔ اور انگریزی اقتدار جو ہر طرف سے دہلی کے گرد جمع ہوچکا تھا اسے ایسے فتنہ پروروں کی ضرورت بھی تھی جو مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کرجائے، وہ مولوی اسماعیل صاحب اور ان کے ہمراہیوں کے مؤید ہوں۔

حضرت مولانا زید صاحب سجادہ نشین خانقاہ مظہری دہلی فرماتے ہیں:

محمد ابن عبدالوہاب کا وہ مختصر رسالہ (جو اس کے جملہ خیالات وعقائد کا نچوڑ تھا) ۱۲۲۱ھ میں تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گیا تھا۔ ہندوستان میں پہونچا۔ اور مولوی محمد اسماعیل نے جزوی ردوبدل کے ساتھ تقویۃ الایمان کے نام سے اس کو شائع کیا اور مشہور کیا۔ (مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان ص ۲۱)

یہ رسالہ تقویۃ الایمان محمد ابن عبدالوہاب کے مختصر رسالہ کا ہی اردو ایڈیشن ہے اور انہیں گمراہیوں اور بدزبانیوں کا ترجمان ہے جو ابن عبدالوہاب کی تحریر اور شیخ ابن تیمیہ کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ اسماعیل صاحب نے دلی سے ہی اپنی تحریک کی ابتدا کی اور پورے شہر میں مسلمانوں میں آگ لگ گئی جس کی انتہا ایک مناظرہ پر ہوئی۔ میدان مناظرہ سے مولوی اسماعیل تو بھاگ نکلے البتہ ان کے حمایتی مولوی عبدالحی صاحب نے زچ ہوکر تمام مسائل پر جمہور اہل اسلام کی تائید کی اور نوابوں کی طرف سے دہلوی صاحب کی تقریر پر روک لگ گئی۔

مگر یہ دین کے لئے اپنے ہمراہیوں اور اپنے پیر سید احمد رائے بریلوی کے ہمراہ پورے

ہندوستان میں گھومے اور وعظ وتقریر کرکے آئندہ منصوبوں کے لئے حمایتی فوج تیار کرتے رہے اور سرمایہ کی تدبیریں بھی ہوتی رہیں۔ جب انتظامات کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہوگیا تو انگریز بہادر کی چھتر چھایہ میں ہندوستان کے مغرب کے خطہ پشاور اور اسکے اطراف کے مسلمان رؤسا پر حملہ کیا۔ ابتداء کچھ کامیابی ہوئی البتہ یہ امر نہایت افسوس ناک ہے کہ ان توحید پرستوں نے اپنی یلغار کا رخ دشمنان اسلام کے بجائے مسلمانوں کی طرف کیا، جس کے نتیجہ میں نامرادی کی موت مارے گئے۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصد مسئلہ توسل کی تاریخ بیان کرنا تھا کہ ظہور اسلام سے لگ بھگ سات سو سال تک یہ مسئلہ بلانکیر جمہور اسلام میں رائج تھا۔ کیونکہ قرآن عظیم نے مسلمانوں کو اس کا حکم دیا اور صحابہ کرام نے مدت العمر اس پر عمل کیا اور اس کو مقبولان بارگاہ الٰہی کا محبوب مشغلہ بنایا، خود رسول کریم نے اپنے نام کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانے کا حکم دیا۔ اور صحابہ کرام نے مدت العمر اس پر عمل کیا اور اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین علماء ومشائخ اور شہداء وصالحین نے اس کو اپنا معمول بنایا۔ تقریباً سات سو سال کے بعد ابن تیمیہ نام کے ایک عالم نے اس کے خلاف شورش برپا کی جس کی تردید میں اس وقت کے علمائے کرام نے پچاسوں کتابیں تحریر کیں اور عوام وحکومت نے انہیں رد کیا۔ آخر میں نامرادی کی موت مرے۔ اس کے چار سو سال بعد خطہ نجد کے محمد ابن عبد الوہاب نے خاص قلب اسلام میں فتنہ کو جگایا اور انگریزوں کی ریشہ دوانی اور پشت پناہی کے ذریعہ غلبہ حاصل کیا۔ دیگر اہل اسلام کا غالب حصہ آج تک ان پر نفرتیں کررہا ہے۔

ہمارے ہندوستان کے ایک من چلے عالم مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے بھی ٹھیک انہیں خطوط پر اپنی تحریک کی بنیاد رکھی۔ مالی اور عسکری قوت حاصل کی لیکن ان کا آفتاب حیات بھی پشاور کی پہاڑیوں میں غروب ہوگیا اور امت میں آزاد طبعوں کے لئے فتنہ چھوڑ گیا۔

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ انکار توسل کی بدعت ایک حادث فتنہ ہے جو جمہوریت اسلامیہ کے خلاف بھڑکایا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو ۲۲ر جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

ہندہ نے اپنے شوہر زید کے پاس ایک خط لکھا جس میں یہ بھی لکھا کہ ہندہ آپ کی صحت کے لئے احمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں دعا کررہی ہوں کہ خالق کائنات جل جلالہ اور معلم کائنات ﷺ آپ کو صحت وزندگی عطا فرمائیں، خط کشیدہ عبارتوں کو بغور پڑھیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ اس فقرے کے لکھنے سے ہندہ کافرہ ہوئی یا گنہگار؟ اور اس کے بعد جو مجامعت ہوئی وہ حرام ہوئی یا

ہوئی یا حلال؟ اور اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ حرامی ہوگا یا حلالی؟ اگر ہندہ کافرہ ہوئی تو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے طریقے بھی فرمائیں۔

المستفتی، جاوید اختر اعظم گڈھ

الجواب

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بلانے کو اپنا بلانا قرار دیا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور ﷺ نے ان کو پکارا نماز ختم کرکے وہ آپ کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے پوچھا کیوں دیر لگائی، انھوں نے عذر پیش کیا کہ نماز میں تھا آپ نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا کہ فرماتا ہے:

﴿یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم﴾ (الانفال:۲۴) اے ایمان والو اللہ اور رسول جب بلائیں فوراً حاضر ہو۔ دیکھئے عام مسلمانوں میں سے کس نے اللہ تعالیٰ کی آواز سنی ہے ہم کو پکارنے اور بلانے والے تو رسول اللہ ﷺ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللہ﴾ (النساء:۸۰) جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کو اپنی بارگاہ کہا ارشاد الٰہی ہے

﴿فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول﴾ (النساء:۵۹)۔

پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور رجوع کرو۔ دیکھئے اس آیت میں ایک ہی حضور ہے جس کی نسبت اللہ ورسول دونوں کی طرف کی گئی ہے۔ مسجد نبوی بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کا دربار بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بھی ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ دنیا میں ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور بندے نبی ہی کیوں نہ ہوں مجازی مالک ہیں۔ مگر نسبت تو دونوں ہی کی طرف ہوتی ہے۔

ھندہ نے مذکورہ بالا عبارت میں یہی کہا ہے کہ بارگاہ رسول بارگاہ الٰہی ہے۔

پس یہ نہ کفر ہے نہ شرک، نہ یہ کہنے سے عورت نکاح سے نکلی، نہ اس حالت کی وطی سے بچوں کے نسب میں کچھ فرق آیا۔ آگے کی عبارت میں وہ یوں دعا کررہی ہے کہ اللہ ورسول آپ کو شفا دے۔ دعا کا یہ مضمون بھی ایک حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ ایک نابینا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور نابینائی کی شکایت کی آپ نے انہیں دعاء کی تلقین فرمائی کہ دو رکعت نماز پڑھ کر یوں دعاء مانگو " اللھم انی اسئلك واتوجه اليك بنبينا محمد ﷺ نبی الرحمة يا محمد! انی اتوجه بك الی ربی فتقضی لی حاجتی "(معجم الكبير للطبرانی:۹/۳۰) یا اللہ میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں اے محمد ﷺ میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں کہ میری یہ ضرورت

آپ پوری کریں (بیماری دور کریں) ایک اور دوسری روایت میں ہے کہ تا کہ میری ضرورت پوری کی جائے انہوں نے اس پر عمل کیا تو ان کی نابینائی جاتی رہی۔ دیکھئے اس حدیث مبارک میں دعا کے وقت اللہ اور رسول دونوں کو ہی خطاب کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن عظیم میں مالدار کرنے کی نسبت دونوں طرف کی گئی ﴿أَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ [التوبة: ۷۴] ان کو اللہ ورسول نے مالدار کیا۔ تو ھندہ نے بھی اللہ اور رسول دونوں سے شفاء کی درخواست کی تو یہ کیوں کفر ہوگا۔ رہ گئی یہ بات کی اس عبارت میں ھندہ نے رسول اللہ ﷺ کو خدا کا شریک گردانا یہ ھندہ کے خلاف بدگمانی ہے کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دی ہے ورنہ عام طور سے ایسی دعاؤں کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ آپ خدا سے دعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ شفا دے۔ ہاں چونکہ اس قسم کی عبارت سے لوگوں کو غلط فہمی بلکہ بدگمانی ہو سکتی ہے اس لئے ھندہ کو یہ سمجھا دیا جائے کہ ایسی عبارت نہ لکھے نہ بولے جس سے غلط فہمی کا امکان بھی ہو حدیث شریف میں " اتقوا مواضع التهم " تہمت کی جگہ سے بچو واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ

ندائے یارسول اللہ کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

کوئی شخص اس طرح کہتا ہو یا عقیدہ رکھتا ہو اور لکھ کر لوگوں کو دیکر اس کی اشاعت بھی کرتا ہو کہ حضور ﷺ کو یا محمد کہکر پکارنا حرام ہے۔ قرآن شریف میں ہے ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ (الحجرات: ۴) اب رہی یہ بات کہ ہمارے سنی حضرات جو کم علم ہیں بات بات میں یا محمد کہہ کر پکارتے ہیں، ان سب کے لئے باعث گناہ ہوگا حالانکہ بہت سی جگہ بزرگوں نے یا محمد کہہ کر پکارا بھی ہے۔ مندرجہ بالا آیت یا محمد پکارنا ثابت کرتی ہے۔ اور موزوں دلیل ہے؟ یا محمد کہہ کر پکارنا حرام بتانے والے ایسے عقیدہ رکھنے والے کو از روئے شریعت کیا کہیں گے۔ اور اس کے لئے کیا حکم ہے۔ جواب باصواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا

حسن اللہ جام نگر

الجواب

قرآن شریف کی اس آیت سے ندائے یا محمد کی حرمت پر استدلال کا مقصد اگر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا دیگر انبیائے کرام کو مطلقاً پکارنا حرام ہے۔ خواہ کسی حال میں یا کسی طریقے سے جیسا بیشتر مانعین

ندائے غیر اللہ کا خیال ہے تو یہ بالکل غلط اور سیاق قرآن کریم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قرآن کا حکم تکلیف مالا یطاق ہوگا۔ تفسیر مہائمی شریف میں ہے: "إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ ای یدعون ولو من غير جهر " جو لوگ آپ کو پکارتے ہیں اگرچہ جس طرح آپس میں چیخ کر ایک دوسرے کو پکارتے ہیں ویسے نہ پکاریں۔ اس تفسیر کی روشنی میں متدل کے بیان کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ حضور کو بلند آواز سے پکاریں یا پست آواز سے ہر طرح پکارنا ممنوع ہے۔ پھر انبیاء کو کوئی خطاب کس طرح کرے گا۔ اور بے خطاب استفادہ کیسے ہوگا۔ پھر یہ طرفہ تماشہ ہے کہ بقول مانعین، قرآن مجید ایک طرف تو ندائے غیر اللہ کو سختی سے منع کر رہا ہے۔ اور دوسری جگہ بغیر کسی انکار کے امتیوں کے اس قسم کے خطاب کو نقل فرماتا ہے مثلا: ﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ﴾ (البقرة: ۶۱) ترجمہ: اور بنی اسرائیل نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے: ﴿إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ أَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ﴾ (المائدة: ۱۱۲)۔ اور حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا آپ کا رب ہم پر ایک دستر خوان اتار سکتا ہے۔ دیکھئے ان آیات میں امتیوں نے حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ پکارا اور قرآن مجید نے اس کو نقل فرمایا اور کوئی رد نہ فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اس سے پہلے کی آیت جس میں یہ حکم بتایا گیا ہے اس طرح ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ (الحجرات: ۲) اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو باتیں کرتے ہو بلند آواز سے حضور کے لئے نہ کرو کہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اعمال اکارت کئے جائیں اور تم کو یہ پتہ نہ چلے۔ اس آیت کی تفسیر میں مدارک شریف (تفسیر نسفی) میں ہے: " لا تقولوا له يا محمد ايا احمد! وخاطبوه با لنبوة والسكينة والتعظيم۔ (۲۰۲/۴) حضور کو یا محمد یا احمد کہکر خطاب نہ کرو۔ یا نبی اللہ! یا رسول اللہ! کہہ کر سکینہ ووقار کے ساتھ پکارو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پکارنے کی مطلق ممانعت نہیں۔ بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو جس طرح پکارتے ہیں اس طرح پکارنا منع ہے۔ یا نبی اللہ! کہہ کر یا رسول اللہ! کہہ کر پکارا جا سکتا ہے۔ اور اگر کہیں حضور نے نام لے کر پکارنے کی تلقین کی ہو وہاں نام لے کر بھی جیسا کہ احادیث کریمہ سے ثابت ہے: " عن ابى بكر قال هل انا وما لى الا لك يا رسول الله (رواہ احمد فی مسندہ صحیح) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اور میرا مال آپ ہی کے لئے ہیں یا رسول اللہ ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے اس طرح فریاد کی: "يا مالك الناس ويا ديان العرب رواه الطحاوى فى معانى الاثار " ابن ماجہ نے تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: " فقلنا يا

رسول الله ان من تو بتی ان انخلع من مالي صدقة الیٰ الله والی رسوله" یارسول اللہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے علیحدہ ہو جاؤں یہ صدقہ راہ خدا اور رضائے رسول اللہ کے لئے ہے۔ (نسائی) ابن ماجہ، ترمذی، ابن خزیمہ، طبرانی اور بیہقی نے روایت کی اور حاکم نے بشرط مسلم وبخاری صحیح کہا، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمائی: "یا محمد انی اتو جه بك الیٰ ربی فتقضی لی حاجتی (المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۰/۹) یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں متوجہ ہوتا ہوں کہ آپ میری حاجت پوری فرمادیں۔ اور خود تشہد میں ہر مسلمان " ایها النبی " کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتا ہے۔ الغرض بکثرت احادیث صحیحہ سے یہ بات حد شہرت تک پہونچ گئی ہے کہ صحابہ کرام نے اخیر دم تک رسول اللہ ﷺ کو پکارا اور حضور نے سنا اور انکار نہ فرمایا بلکہ بسا اوقات خطاب کی تلقین فرمائی تو آیت مبحوث عنہا کا یہ مطلب کیسے ہوسکتا ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ قصہ اس طرح ہے کہ کچھ لوگ قوم بنو تمیم کے حضور کی خدمت میں دوپہر اس وقت آئے کہ آپ قیلولہ فرمارہے تھے۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ کے بیدار ہونے کا انتظار نہ کیا، آپ کی ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس جاکر بلند آواز سے آپ کو پکارنے لگے۔

تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ حجرات کی یہ ابتدائی تین آیتیں اتاریں، جس میں حضور ﷺ کی بارگاہ کے ادب بتائے کہ ان کی بارگاہ میں نرم گفتاری، نرم خوئی، انتہائی عجز وانکساری اور فروتنی کا طریقہ اختیار کرو۔

ان لوگوں کی تعریف بیان فرمائی جو آپ سے ہم کلامی کے وقت ان سارے آداب و رسوم کا خیال رکھتے تھے۔ اور ان نوواردوں کو سخت تنبیہ فرمائی۔ جن لوگوں نے آپ کا نام لیکر چیخ چیخ کر پکارا تھا:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یہ ساری تفصیلات مدارک التنزیل، خازن شریف اور دیگر تفسیروں میں مذکور ہیں۔

اور اس آیت سے عدم استدلال ندا کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پکارا تو جاسکتا ہے لیکن آپ کے پاک نام کے ساتھ نہیں۔ بلکہ ان اوصاف کریم کے ساتھ تو صحیح ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ حضور ﷺ کو نام نامی کے ساتھ پکارنا شرعاً منع ہے۔ مگر جن مقامات پر حضور نے تلقین فرمائی ہے۔

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۸؍جمادی الثانی ۸۷ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب آتے ہیں یہاں پر ان کے مرید ہیں ہم چند آدمیوں نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ یارسول اللہ کہنا ہم مسلمانوں کے نزدیک جائز اور درست ہے، آپ کے نزدیک کیسا ہے تو مولوی صاحب نے کہا کہ اگر جذبات محبت میں اس نے کہا تو کوئی مضائقہ نہیں مگر حاضر وناظر تصور کر کے کہنے والا مشرک ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں میں بہت خلفشار ہے۔ لہٰذا علمائے کرام ومفتیان عظام کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اس مسئلہ کا صحیح اور واضح طور پر جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

مسلمانان نوسی گونڈہ

الجواب

بعطائے الٰہی رسول اللہ ﷺ کو حاضر وناظر جاننا جائز اور موافق شرع ہے۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيْراً﴾ (الفتح:۸) اے رسول ہم نے آپ کو حاضر وناظر، بشارت دینے والا، ڈرسنانے والا بنایا۔ آج کل حضور ﷺ کے اس وصف جمیل کے منکر وہابی گمراہ ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ہی ہو تو اس مولوی سے بچنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے: " ایا کم و ایا هم لا یضلونکم ولا یفتنونکم " (صحیح مسلم۔ المقدمة: ۴۸/۱) اپنے کو ان سے بچاؤ کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈالیں گمراہ نہ کردیں۔ اسی طرح آپ کو پکارنا شرع شریف سے ثابت ہے اور سنت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۱۴؍شوال ۱۳۸۱ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۳۔۴) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان عظام مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ

(۱) جیسا کہ لوگ کہتے ہیں یا اللہ یا محمد تو یا محمد کہنا کیسا ہے؟

(۲) اور اصحاب کو بالخصوص صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یار رسول کہنا کیسا ہے اور یہ شعر کیسا ہے؟

یہی ہجرت کی راتوں سے صدا آئی تھی بن ٹھن کر ❁ ❁ کوئی صدیق سا میرے نبی کا یار کیا ہوگا

قرآن وحدیث کی روشنی میں "بینوا توجروا

المستفتی، نجم الھدیٰ ازہری متعلم مدرسہ شمس العلوم گھوسی مئو

الجواب

یا محمد سے متعلق ایک سوال تو غیر مقلد اور دیوبندی حضرات اُٹھاتے رہتے ہیں کہ یہ ندائے غیر

اللہ ہے۔اور غیر اللہ کو حرف یا کے ساتھ پکارنا ناجائز و منع ہے بلکہ بعض بے باک تو شرک تک کہہ دیتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ غیر اللہ کو حرف ندا کے ساتھ پکارنا شرعاً منع نہیں۔حضور ﷺ نے خود ایک نابینا کو ایک دعا تعلیم فرمائی جس میں ارشاد ہوا یا محمد انی اتوجه بك الی ربی " (معجم) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بارہا دور دراز سے حضور ﷺ کو ندا دی حضرت امام غزی تمرتاشی کے فتاویٰ میں ھو النداء فلہ معنی لمنعه۔اس مسئلہ کی پوری تفصیل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے رسالہ" انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ "میں ملاحظہ کی جائے، کئی سال ہوئے ہمارا بھی ایک رسالہ "الشاہد" اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ندائے غیر اللہ جائز ہونے کی صورت میں حضور ﷺ کا نام مبارک لے کر ندا جیسے یا محمد یا حضور ﷺ کے دوسرے اسمائے مبارک مثلاً یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا رحمة للعالمین یا خاتم النبیین ﷺ کے ساتھ ندا کی جائے تو اس مسئلہ کے بارے میں قرآن عظیم میں یہ حکم آیا ﴿لا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضاً ﴾ (النور:٦٣) رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مت پکارو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔تمام تفسیروں میں ہے بان تقولوا یا محمد بل قولوا یا نبی اللہ یا رسول اللہ فی لین و تواضع یعنی یا محمد آپ کا نام لیکر مت پکارو، یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر نرمی اور تواضع سے پکارو۔اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ ششم میں فرماتے ہیں کہ ایک بات یاد رہے کہ حضور اقدس ﷺ کا نام پاک لیکر ندا نہ چاہئے۔بلکہ اس کی جگہ یا رسول اللہ ہو۔اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جبرائیل امین نے (علیہ السلام)، بعض صحابہ نے (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) اور بہت سے بزرگوں نے اور خود اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "احمد ابنگر" کہہ کر آپ کو پکارا۔اس کا کیا جواب ہے تو امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے کئی جواب دیے، وہ فرماتے ہیں: انه لم یکن آمن بعد، انه باقٍ علی جفاء الجاهلية، لعله كان قبل النهي عن المخاطبة عليه السلام بذلك، لعله لم يبلغه جس نے نام لے کر خطاب کیا مسلمان ہی نہ رہا ہو (۲) مسلمان تو رہا ہو مگر اس میں ایام جہالت کے اثرات اور عادتیں باقی رہی ہوں (۳) ممکن ہے ادب شناس مسلمان ہی نے حضور ﷺ کو اس طرح پکارا ہو۔مگر اس وقت تک اس طرح پکارنے کی ممانعت نہ اتری ہو (۴) ممانعت اتر چکی ہو مگر اس صحابی کو اس کا علم نہ ہو۔بزرگوں کے خطاب کے سلسلہ میں اعلیٰ حضرت فتاویٰ جلد نہم میں فرماتے ہیں بعض اشعار اکابر میں یہ لفظ واقع ہوا ان کی طرف سے عذر یہی ہے کہ اس وقت اس حدیث پر اطلاع نہ پائی تھی۔جبرئیل امین علیہ السلام کے خطاب کا جواب یہ ہوسکتا ہے

ممانعت کا حکم صرف انسانوں کے لئے ہو جیسا کہ لا تجعلوا اور کدعاء بعد کم سے تبادر ہے۔اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو "احمدا" کا لفظ منقول ہوا جواب یہ ہے کہ علم ذات کے ساتھ خطاب کی ممانعت ہے۔علم صفات کے ساتھ نہیں، یا رسول اللہ یا نبی اللہ تو آپ کے اسمائے صفاتی میں سے ہیں ان کے ساتھ تو ندا کا حکم بھی ہے اس طرح لفظ احمد بھی حضور ﷺ کا اسم صفت ہے اس لئے یہ ممانعت کے حکم میں نہیں، اسی طرح اگر دعا میں کہیں یا محمد کا لفظ وارد ہو تو وہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہوگا۔

صاحب مطالع المسرات امام فاسی فرماتے ہیں: احمد ومحمد واشتهرهذا الثاني من بين الاسمين اشتهارا كثيراً وخص به كلمة التوحيد - وقال بعضهم هذا الاسم المبارك هو اشهر هذه الاسماء بين العلمين وألذ ها سماعاً عند جميع السامعين واشوقها الى الصلوة والسلام على سيد المرسلين وهو مقدم عن المصنف فى الذكر وهو اسم على ذاته و قال تعالىٰ محمد رسول الله ۔

آپ کے نام محمد و احمد میں سے محمد ہی سب سے زیادہ مشہور ہے اور کلمہ توحید میں بھی یہی اسم مبارک ہے۔بعض علماء نے فرمایا یہ نام مبارک سب ناموں میں مشہور، کانوں کو سب سے زیادہ بھلا لگنے والا، درود و سلام پر ابھارنے والا ہے۔صاحب دلائل الخیرات کے نزدیک یہ سب ناموں پر مقدم اور آپ کا علم ذات ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿محمد رسول الله﴾[] محمد اللہ کے رسول ہیں۔

اور صاحب نسیم الریاض امام خفاجی فرماتے ہیں۔وندائه ﷺ باسمه انما يحرم اذا كان بحضرته واذا لم يكن اوفى الدعاء ماثوراً كان امتثال الدعاء هو كمال الادب - وما يخفى ان هذا مقيد بمافيه استخفاف فلو اقتضته حال لم يحرم كما فى حال الحرب والمحادلة۔

حضور ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ ندا اس وقت حرام ہے کہ آپ کی بارگاہ میں جب آپ موجود ہوں تو کوئی آپ کو نام لے کر مخاطب کرے اور غیبوبت میں پکارنا یا دعاء ماثورہ میں امتثال امر کے طور پر پکارنا منع نہیں، اصل یہ ہے کہ اس طرح سے پکارنا جس سے آپ کی جناب میں استخفاف ظاہر ہو حرام ہے اور اگر ایسی حالت نہ ہو جیسے کی جنگ کی ہولنا کی میں آپ کے نام کا نعرہ لگانا اس میں کوئی حرج نہیں۔

الغرض اصل حکم ممانعت کا ہی ہے اس کے خلاف کسی شخصیت کا عمل ہمارے لئے سند نہ ہوگا بلکہ اس کی مناسب تاویل کی جائیگی۔

(۲) اصحاب نبی کو یاران نبی کہنا جائز ہے اردو کی مشہور لغت میں صحابی کے معنی ہی "دوست" اور اصحاب رسول" کو یاران محمد ﷺ لکھا ہے اور اس لفظ کے بولنے سے ذہن کا تبادر اصحاب رسول کی

طرف ہی ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۹ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ

(۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

بخیریت، ماہنامہ اشرفیہ کے شمارہ فروری ۱۹۹۲ء میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی ایک عبارت سے (مدیر اشرفیہ کے کہنے کے مطابق) حضور اقدس ﷺ کو نام نامی کے ساتھ پکارنے کا جواز مترشح ہو رہا تھا اس لئے شمارہ مذکور میں۔ ضروری تصحیح کے عنوان سے اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یا محمد۔ یا احمد۔ کہہ کر حضور اقدس ﷺ کو پکارنا ناجائز ہے آپ سے دریافت ہے کہ کیا از روئے حکم شرع حضور اقدس ﷺ کو نام نامی کے ساتھ پکارنا ناجائز ہے۔ براہ کرم دلائل کی روشنی میں حکم شرع سے آگاہ فرمائیں

والسلام مع الاحترام، احقر محمد فضل الرحمٰن مصباحی

نوٹ: جشن صد سالہ حضور مفتی اعظم علیہ الرحمہ جس کا انعقاد رضا اکیڈمی بمبی نے کیا تھا میں بھی اس میں مدعو تھا، ٹائی کے سلسلہ میں ایک فتوی اسٹیج پر گشت کرنے لگا۔ بہت سے علماء کرام کے دستخط ہو چکے تھے۔ میں بھی اسٹیج پر تھا، جب میرے پاس دستخط کے لئے آیا تو میں نے حسب ذیل نوٹ لگا دیا۔ میں پورے ہوش وحواس اور یقین کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ اس سلسلہ میں دار العلوم اشرفیہ کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ سے پوچھا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ اب ٹائی محض فیشن کے طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے "من تشبہ بقوم فھو منھم" (ابو داود: ۳۱۴/۴، ابن ماجہ: ۱۱۹۲/۲) کا حکم عائد نہیں ہوگا۔ شاید دو ایک لفظ میں ادل بدل ہو ورنہ پوری ہی عبارت تحریر کر کے میں نے دستخط کئے تھے اور مجھے اچھی طرح حافظ جی مرحوم کی بات یاد ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں بھی جوابا روشنی ڈالنے کی زحمت فرمائیں۔

الجواب

مکرمی جناب ڈاکٹر مولانا صاحب سلام مسنون

گرامی نامہ رمضان شریف میں گھر پر موصول ہوا۔ وہاں میرے پاس ضروری کتابیں نہ تھیں اور خرابی صحت کے ساتھ روزہ کی وجہ سے میں کچھ کر نہ سکا۔ اس لئے تاخیر پر معذرت خواہ ہوں، مسئلہ نداء میں تو متعدد کتابوں میں یکساں ہی احکام ہیں نمونۃً چند کتابوں کی عبارات نقل کر دی ہیں۔ اس لئے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حکم ممانعت کا ہی ہے اور جہاں کہیں اس کے خلاف پایا گیا علماء نے تاویل کی یا قائل کی لاعلمی کو اس کا سبب بتایا۔ یا جہاں خود (احادیث میں) سرکار سے ایسے کلمے وارد ہوئے اس کو روایت اور حکایت کے طور پر ہی بولنے کی اجازت دی۔ دوسرے مسئلے میں اعلیٰحضرت کے چار فتاوی نقل کرا کے بھیج رہا ہوں

تاکہ آپ خود ہی اس مسئلے میں غور فرمائیں میں تو یہ سمجھا ہوں کہ مشابہت مطلقاً ممنوع نہیں۔

صرف شعار میں مشابہت ممنوع ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

شعار کی تین قسمیں ہیں: (۱) شعار کفر (۲) شعار کفار (۳) شعار فساق

اگر کسی قوم کو محبوب ومرغوب اور پسندیدہ جان کر ان کی مشابہت کی نیت سے ان کا شعار اختیار کرے تو شعار کفر اختیار کرے یا شعار کفار دونوں ہی کفر ہے۔ اور شعار فساق بدعت ہے۔

اور ضرورت شرعی ہو تو کسی میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت شرعی کی تفصیل فتاوی مرسلہ میں دیکھی جا سکتی ہے اور بلا ضرورت شرعی صرف دنیاوی فائدے کی غرض سے ان کا شعار اختیار کیا جائے اور ان سے مشابہت پیدا کی جائے تو شعار کفر کا اختیار کافر بنا دے گا۔ اور شعار کفار کا اختیار حرام ہوگا۔ اور شعار فسق بدعت۔

اور مشابہت کا قصد نہ ہو یونہی یہ چیزیں استعمال کر لی ہوں تب بھی ان کا حکم وہی ہوگا جو ضرورت والی صورت میں ذکر کیا گیا۔ اب ایک بحث اور رہ جاتی ہے کہ کون کون سی چیزیں کس قسم کے شعار کے دائرے میں آتی ہیں۔

تو اعلیٰ حضرت کے کلام سے زنار، قشقہ، چٹیا، کا شعار کفر ہونا ظاہر ہے۔ صلیب اور مجوسیوں کی کوئی مخصوص ٹوپی بھی اسی میں داخل ہے۔ شعار کفار یا فساق کے بارے میں آپ یہ قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ ان کی شعاریت بہت مقام اور زمانہ کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ متقدمین میں یہودیوں کی مخصوص چادر طیلسان اور قاضی ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے راہبوں کا کیل دار جوتا اور اعلیٰحضرت کی تحقیق میں ہندوستانی دھوتی ایسی ہی اشیاء ہیں کہ اب ان کی شعاریت باقی نہیں رہی، لہذا ان کا استعمال اس جہت سے ممنوع نہ ہوگا۔ انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ اور پتلون کو اعلیٰحضرت نے اپنے عہد کے اعتبار سے شعار کفر گردانا ہے، صحیح ہے کہ آپ کے عہد میں ایسا ہی رہا ہو۔ لیکن آپ نے دھوتی کے شعار کفر نہ ہونے کے جو دلائل دیئے ہیں وہ فی الوقت کوٹ پتلون کہ اب اسکو سب علی الاعلان پہنتے ہیں وہ خاص کسی قوم کی علامت نہ رہا۔

ٹائی کا معاملہ ذرا مبہم ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ ٹائی شعار کفر ہے یا شعار کفار، میں نے کہیں دیکھا تو نہیں مگر سنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مزعومہ سولی کی نقل میں عیسائی گلے کا پھندا اس طرح لگائے رکھتے ہیں تو صلیب کی طرح ہی شعار کفر ہوگی۔ اور اعلیٰحضرت نے کوٹ پتلون اور ٹائی کو ایک ہی صف میں شمار کیا ہے اور فرمایا جو بات کفار اور بد مذہبان اشرار یا فساق فجار کا شعار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹائی

کوٹ پتلون کی طرح شعار کفار ہے شعار کفر نہیں ۔اگر ٹائی شعار کفر ہو تو کیا شعار کفر پر بھی زمانہ اور فیشن کے تغیر اور تبدل کا اثر پڑ سکتا ہے؟ اور اگر شعار کفار ہو تو یہ امر بحث طلب ہے کہ ٹائی کوٹ پتلون کی طرح ہمارے بیان کی روشنی میں اور دھوتی کی طرح اعلیٰحضرت کی تحقیق کی روشنی میں اس کی شعاریت بھی ختم ہوگئی ہے یا نہیں کیونکہ ٹائی کے استعمال میں ابھی وہ عموم نہیں آیا ہے جو مذکورہ بالا چیزوں میں ہے۔ٹائی ابھی صرف انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں مخصوص ہے۔اور بہر تقدیر اتنا تو طے ہے کہ یہ مومنین صالحین کا لباس نہیں اس لئے اس سے پرہیز اولیٰ ہے۔اس مسئلہ پر تبادلہ خیال کی ضرورت ہے مگر ہمارے یہاں صرف دستخط کرانے کا رواج ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مؤ، یکم ذوالقعدہ ۱۲ھ

سنت وبدعت کا بیان

(۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اہل سنت وجماعت کی تعریف کیا ہے؟۔

الجواب

نحمده ونصلى على رسوله الكريم

امابعد

جمہور اہل اسلام جن کو خود حضور سید عالم ﷺ نے "سواد اعظم" کے لقب سے نوازا اور ان کی اتباع اور پیروی کی سخت تاکید فرمائی اور مخالفت پر سخت وعید سنائی۔

عن ابن عمر رضى الله قال النبى ﷺ :اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فى النار رواه ابن ماجه من حديث انس ۔ (مشکوۃ ص ۳۰)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا سواد اعظم کی پیروی کرو اس لئے کہ جو ان سے علیحدہ ہوا جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اس فرقہ ناجیہ نے عہد تبع تابعین میں جب معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقے مسلمانوں میں بھی ہوگئے تو ان سے خود کو ممتاز کرنے کے لئے اپنا نام اہل سنت وجماعت رکھا۔علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

فاشتغل هو ومن تبعه بابطال راء المعتزلة و اثبات ما ورد به السنة و مضى عليه الجماعة فسموا اهل السنة والجماعة۔ (شرح عقائد ص ۶)

تو علامہ ابوالحسن اشعری اور ان کے شاگردوں نے معتزلہ کی گمراہیوں کو باطل کرنے میں حدیث

وسنت کے مسائل ثابت کرنے میں اپنی پوری ہمت صرف کی اور جماعت اہل اسلام نے انہیں مسائل پر عمل در آمد جاری رکھا تو ان کو اہل سنت وجماعت کے نام سے پکارا گیا۔

اس سواد اعظم کی ایک دینی تاریخ اور روایت رہی ہے کہ عہد رسالت کے بعد سے ہی بعض ایسے امور جو اپنی ہیئت کذائی کے ساتھ عہد رسالت میں موجود نہ تھے اور وہ امور بذات خود کسی شرعی حکم کے مصادم یا معارض نہ تھے بلکہ ان سے احکام شرعیہ کی تائید اور اعانت ہوتی تھی۔ایسے امور کو اگر کسی نے رواج دیا اور سواد اعظم نے اسے قبول کر لیا تو وہ بھی اسلامی احکام اور مذہبی شعائر میں شامل ہو جاتے تھے۔اور اس سے انکار اور اس سے اختلاف گمراہوں کی علامت بن جاتا تھا ذیل میں ہم مسائل کی چند مثالیں تحریر کرتے ہیں۔

(۱) حضور ﷺ نے اپنی مبارک زندگی میں رات کی نوافل تہجد آٹھ رکعت سے زیادہ رمضان شریف یا غیر رمضان شریف میں کبھی نہیں پڑھی۔تراویح کے نام سے کوئی نماز نہ پڑھی۔وہی آٹھ رکعت جو آپکا معمول تھا صرف ایک رمضان میں صرف تین دن جماعت سے پڑھیں وہ بھی حضور ﷺ نے اس کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔آپ حسب معمول نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام از خود بے کسی اذن واطلاع آپ کے پیچھے آکر صف در صف کھڑے ہوگئے۔اس کے بعد آپ نے اسے حکما بند کر دیا۔ البتہ رمضان شریف میں نوافل پڑھنے کی آپ ﷺ تاکید فرماتے تھے لیکن مشکوۃ شریف ص ۱۱۵ پر ہے:

"حضرت عبدالرحمٰن ابن عبدالقاری سے روایت ہے کہ میں ایک رات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا تو لوگ متفرق گروہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔کوئی تنہا پڑھتا تھا اور کوئی چند آدمیوں کے ساتھ باجماعت، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔اگر میں ان سب لوگوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیتا تو بہتر ہوتا۔پھر آپ نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا اور ان سب لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں جمع کر دیا۔پھر ایک رات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا اور لوگ حضرت عمر کے حکم کے مطابق مقررہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔حضرت عمر نے لوگوں کو ایک ساتھ پڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا" یہ اچھی بدعت ہے"۔اور جو لوگ اس نماز کو پچھلی رات میں پڑھتے ہیں وہ افضل ہیں اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا"۔

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں عمدۃ القاری جلد ۱۱ ص ۱۲۶ پر فرماتے ہیں:

"حضرت عمر نے اس نماز باجماعت کو بدعت قرار دیا" کیونکہ یہ نماز اس طرح حضور ﷺ نے نہ

پڑھی اور نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ عہد ابوبکر میں تھی“

اور اسی کے چند سطر بعد فرماتے ہیں:

وقیل عشرون رکعة و حکی الترمذی عن اکثر اهل العلم فانه روی عن عمر وعلی وغیرهما من الصحابة و هو قول اصحابنا الحنفیة“۔

یہ نماز بیس رکعت پڑھی جاتی تھی۔ امام ترمذی نے اسی کو اکثر اہل علم سے روایت کیا، یہی حضرت عمر و علی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور یہی احناف کا بھی قول ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف کی رات میں نفل پڑھنے والوں کو ایک امام کے پیچھے جمع کرنا اور رکعات کی تعداد آٹھ کے بجائے بیس مقرر کرنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے عہد کی ایجاد ہے اور اس کے بعد سے آج تک سواد اعظم نے اسی پر عمل درآمد جاری رکھا۔

اس عمل خیر کا انکار شیعوں نے کیا جن کو صحابہ کرام بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دلی کدورت ہے اور موجودہ زمانہ میں ایک نو پیدا فرقہ غیر مقلدین نے اس بہانہ سے کیا کہ حضور ﷺ سے تو آٹھ رکعت ہی ثابت ہیں۔ بیس تو عہد فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقرر کردہ ہیں۔ تو اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی متابعت پر اصرار کرتا ہے تو اس پر کیا اعتراض؟ میں عرض کروں گا کہ آپ نے حضور ﷺ کی حدیث فعلی پر اصرار کر کے ان کی حدیث قولی کا خلاف اور اس سے انکار کیا اور اپنے انکار سے گمراہ شیعوں کی تائید کی۔ حدیث قولی تو آپ کو یاد ہی ہوگی۔ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین۔ اور آپ سنت خلفائے راشدین کے تارک اور منکر ہیں۔

واضح ہو کہ ہندوستان کے غیر مقلد صاحبان کو آٹھ رکعت پر اصرار ہے اور ان کی عربی حکومت سعودیہ عربیہ کے اہتمام میں حرمین شریفین میں اول شب میں بیس رکعت اور نصف شب کے بعد احیاء لیل کے نام سے مزید آٹھ رکعت باجماعت حرم رسول اللہ ﷺ میں ہم نے ہوتے ہوئے مشاہدہ کیا ہے۔

(۲) ایسی ہی نو ایجاد نماز جمعہ کی پہلی اذان بھی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۴ر میں ہے:

عن سائب ابن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر و عمر فلما کان عثمان ذکر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء قال ابو عبد الله الزوراء موضع بالسوق بالمدینة“

حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے لئے اذان اول اس وقت

ہوتی کہ امام منبر پر خطبہ کے لئے بیٹھتا۔ حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانوں میں ایسا ہی دستور رہا۔ حضرت عثمان غنی خلیفہ ہوئے اور آبادی بڑھ گئی تو آپ نے تیسری اذان مقام زوراء پر اضافہ فرمائی جو مدینہ شریف کے بازار میں ایک جگہ تھی۔

راوی نے اس زائد اذان کو تیسری اضافہ کے لحاظ سے کہا کہ پہلے جمعہ کے لئے صرف دو اعلان اذان و اقامت ہوتے، اب عثمان غنی نے ایک اذان اور بڑھا دی مگر یہ اضافہ خطبہ کی اذان سے بھی پہلے ہوا۔

حضرت امام عینی نے اپنی شرح عمدۃ القاری جلد سادس ص ۲۱۰ پر عبدالرحمٰن بن حمید سے روایت کی کہ اذان خطبہ عہد رسالت و زمانہ ابوبکر و عمر بلکہ حضرت عثمان کی خلافت کے بھی اکثر زمانہ تک امام کے منبر پر بیٹھتے وقت ہوتی رہی، خلافت عثمانی میں جب مدینہ کی آبادی بہت بڑھ گئی اور لوگ زیادہ ہو گئے تو امیر المومنین عثمان غنی نے یہ تیسری اذان اذان خطبہ سے بھی پہلے اضافہ فرمائی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل پر کسی نے نکتہ چینی بھی نہیں کی جبکہ سفر حج میں مقام منی میں آپ نے قصر کے بجائے چار رکعت پوری پڑھی تو بڑی نکتہ چینی ہوئی۔

سائب ابن یزید کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ”فثبت الامر علی ذلک“ تو معاملہ اسی پر قائم ہو گیا۔ امام عینی فرماتے ہیں: یعنی دو اذانوں اور ایک اقامت پر دستور قائم اور ثابت ہو گیا جیسا کہ آج بھی تمام ممالک اسلامیہ میں خلف وسلف کی اتباع میں ہو رہا ہے۔ (عینی ص ۲۱۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ اذان جدید جملہ اہل اسلام میں پسند کی گئی اور اسی پر سواد اعظم کا عمل درآمد ہوتا رہا اور ائمہ اسلام اس کو حادث اور بدعت بھی مانتے رہے۔ چنانچہ حسن نے اس کو حادث کہا اور ابن عمر نے بدعت فرمایا مگر عمل اس پر وہ بھی کرتے رہے۔ تو یہ بدعت حسنہ ہوئی اور آج بھی کوئی اسے ضلالت و گمراہی نہیں کہہ سکتا۔ جو ایسی حرکت کرے وہ خود گمراہ ہوگا۔ آج بھی سب اس کو نماز جمعہ کا بلاوا اور عبادت مانتے ہیں۔

(۳) زمانہ رسالت میں قرآن عظیم کی سورتیں اور آیات متفرق طور پر لوگوں کو یاد تھیں۔ تحریر میں بھی تھیں لیکن پورا قرآن عظیم مجموعی طور پر کسی صحیفہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں تحریراً ایک جگہ جمع ہوا مگر پورے عہد صحابہ تک قرآن عظیم میں نہ کوئی نقطہ تھا نہ حرکت۔ اور اسلام کی اشاعت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ نئی داخل ہونے والی قوموں کو اس کی تلاوت میں سخت زحمت ہوتی تھی تو ان کے لئے آسانی کے خیال سے اموی حکومت کے ایک ظالم و جابر، فاسق و فاجر گورنر نے جس کی گردن پر ہزاروں صحابہ و تابعین کا خون ناحق سوار تھا۔ عہد تابعین میں نقطے اور حرکتیں لگوائیں جس کا نام

حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔ خاص کتاب اللہ میں یہ نو ایجاد کام عہد تابعین میں ظاہر ہوا۔ تب سے آج تک پورے عالم اسلام میں اسی طرز تحریر کی پابندی کی جارہی ہے اور بلانکیر سارے کلمہ گو اسی کے موافق قرآن کی اشاعت کو اسلام کی خدمت اور کار ثواب سمجھتے ہیں۔

(۴) یونہی حضور سید عالم ﷺ اور عہد صحابہ میں مسجدوں میں محراب اور کنگوروں کا رواج نہیں تھا۔ صحابہ کرام کا دور بھی اس سے خالی تھا۔ تبع تابعین کے دور میں خلیفہ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ مدینہ شریف کے گورنر تھے ۸۹، سے ۹۳ھ تک تو اس زمانہ میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر جدید کے وقت محراب اور مناروں کا اضافہ کیا۔ کتاب وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفی میں ہے: عبد المعین انہوں نے عبداللہ ابن عباس سے راویت کیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے عہد تک مسجدوں میں محراب، منارے اور کنگورے نہ تھے حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محراب کنگورے اور منارے ایجاد کئے۔ (جلد سوم ص ۵۲۵)

ابن زبالہ اور یحیی نے محمد بن عمار عن جدہ وضاحت فرمائی کہ:

"عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد نبوی کی تعمیر جدید کے بعد چاروں گوشوں پر چار منارے تعمیر فرمائے۔"

یہ عمل بھی آج تک عالم اسلام کی تمام مسجدوں میں بلانکیر جاری وساری ہے بلکہ یہ چیزیں خاص مسجد کی علامت اور شعار قرار دی گئیں۔

(۵) یونہی سید عالم ﷺ کے عہد مبارک اور ان کے بعد بھی خطبات جمعہ وعیدین میں خلفائے راشدین یا عمین کریمین کے مبارک نام شامل نہیں کئے جاتے تھے۔ عہد فاروقی میں جب ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے گورنر تھے تو انہوں نے خطبہ میں پہلے عمر فاروق پھر ابوبکر رضی اللہ عنہما کا نام شامل کیا۔ اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا، معترض دربار خلافت میں بلایا گیا اس سے اعتراض کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا میرا اعتراض اس پر نہیں تھا کہ شیخین کا نام کیوں لیا گیا؟ میں نے کہا تھا حضرت ابوبکر کا نام پہلے ہونا چاہئے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور استغفار پڑھا۔

باقی یہ کہ عمین کریمین کے نام خطبہ میں کب شامل ہوئے اور کس نے شامل کیا اس کا کچھ پتہ نہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شامی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

بیشک یہ بات ثابت ہے کہ ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی امارت کے زمانہ میں حضرت صدیق سے قبل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا کرتے۔ تو ایک شخص نے تقدیم عمر پر

اعتراض کیا۔ معترض دربار خلافت میں بلایا گیا تو اس نے وضاحت کی کہ میں نے آپ کو حضرت صدیق پر مقدم کرنے پر اعتراض کیا تھا۔

اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "شمائم العنبر" میں نو ایجاد امور کی قسمیں گناتے ہوئے فرماتے ہیں:

(الرابع) العلم به اجمالا ا ن علمنا انه حادث و لانعلم متى احدث و من احدث فان كان حسنا داخلاً تحت قواعد الحسن فحسن على تفا وته من الاستحباب الى الوجوب حسب ما تقتضيه القواعد الشرعية وقد يطلق عليه المتوارث اذا تقا دم عهده كذكر العمين الكريمين فى الخطبة" (شمامہ ص ۱۲۷)

نو ایجاد امور میں چوتھی قسم وہ ہے کہ جس کا علم ہم کو اجمالا ہو۔ یعنی ہم یہ تو جانیں کہ یہ امر حادث ہے مگر یہ نہ جانیں کہ کب حادث ہوا اور کس نے ایجاد کیا۔ (حوادث کے قبول ورد کے بارے میں اصول یہ ہے کہ) ان کو قواعد شرع پر پیش کیا جائے گا اگر حسن ثابت ہو تو مستحب سے واجب تک اس کا درجہ ہے اور اس کی چوتھی قسم کو کبھی متوارث بھی کہتے ہیں۔ اس کی مثال خطبہ میں عمین کریمین کا ذکر ہے۔

مقام غور ہے کہ عمین شریفین کا ذکر کب سے خطبہ میں شامل ہوا اور کس نے شامل کیا معلوم نہیں مگر جمہور اہل اسلام کا حال یہ ہے کہ "ويندب ذكر خلفاء الراشدين والعمين"(ص ۵۴۷)

خلفائے راشدین اور دونوں چچاؤں کا ذکر خطبہ میں مستحب ہے۔ عالمگیری میں ہے: وينبغى ان تكون الخطبة الثانية: الحمد لله نحمده و نستعينه الخ۔ و ذكر الخلفاء الراشدين و العمين رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين مستحسن بذلك جرى التوارث كذا فى التجنيس"

(عالمگیری ص ۱۴۷)

اور شیخ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

سنا گیا کہ بلدۃ سامانیہ کے خطیب شہر نے عید قربان کے خطبہ میں خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر ترک کر دیا۔ اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو بھول اور نسیان کا عذر کرنے کے بجائے سرکشی سے پیش آیا اور کہا کہ کیا ہو گیا اگر خلفائے راشدین کے نام مذکور نہیں ہوئے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ذکر پاک اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سنت شکر اللہ سعیہم کے شعائر میں ضرور ہے ان کے ذکر پاک کو قصداً اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اس بے حقیقت خطیب نے

جو کشمیری ہونے کے ساتھ منسوب ہے اس خبث اور پلیدی کو کشمیر ہی کے بدعتیوں اور رافضیوں سے اخذ کیا ہوگا۔
(دفتر دوم حصہ اول ص ۹۸۰ مکتوب ۱۵)

(۶) سواد اعظم اہل سنت وجماعت عقائد میں متفق ہوتے ہوئے بھی جس طرح اعمال فرعیہ میں چار اماموں کے ماننے والے ہیں اسی طرح تصوف اور طریقت کے اعمال واشغال اور ذکر وفکر اور مراقبہ اور مجاہدہ۔ چلہ اور اربعینات میں بھی عموماً چار مشہور سلسلہائے طریقت کے مسترشد اور مرید ہیں۔ اور گو ذکر وفکر کی اصل تو شرع سے ثابت ہے مگر ان اعمال کی بجا آوری میں ایک سلسلہ دوسرے سلسلہ کے طور وطریق، نشست وبرخاست، قیود وشرائط وطرز ادائیگی اور ترتیب میں مختلف ہے۔

اور یہ تمام امور چوتھی صدی کے بعد ہی مشائخ طریقت نے اپنے اپنے مریدوں اور معتقدوں کے لئے مقرر کئے ہیں تو عہد رسالت بلکہ عہد تابعین وتبع تابعین تک بھی ان اعمال واشغال کی یہ متعین صورتیں۔ ان کے مخصوص نام اور خاص طریقہ ادا کا ظہور اور شیوع نہیں ہوا تھا۔ اور خیر القرون کے بعد ہی طریقت کے یہ سلسلے مشہور وارائج ہوئے اور پوری امت اجابت میں یہ ہیئت کذائی یہ عبادتیں مقبول ومعمول، اور ان پر عمل درآمد کرنے اور کرانے والے مشائخ کرام امت اجابت کا خلاصہ اور سرمایہ تصور کئے جانے لگے اور جمہور کی اس روش سے کٹ کر علیحدہ ہونے والے گمراہ اور بددین قرار دیئے گئے۔

جس کا جی چاہے مولوی اسماعیل اور سید احمد صاحبان کی "صراط مستقیم"، شاہ ولی اللہ صاحب کی "الانتباہ" اور حاجی امداد اللہ صاحب کی کتاب "ضیاء القلوب" دیکھ لے سب اسی قسم کے اعمال واشغال سے بھری پڑی ہیں یہ حضرات ہندوستان کے وہابیوں کے لئے بھی مستند اور موقر ہیں۔ ویسے تو جملہ سلسلہائے تصوف کے مشائخ نے جو اعاظم علمائے اسلام بھی ہیں۔ اپنے اپنے مریدوں اور طالبوں کے لئے ایسے اعمال واشغال ایجاد فرمائے ہیں اور یہ امور بلانکیر جمہور اہل اسلام میں رائج اور معمول ہیں۔

یہ چھ باتیں ہم نے نمونۃً ذکر کی ہیں۔ ورنہ اس سلسلہ میں شہادتوں اور مثالوں کی کمی نہیں۔ اس میں پہلی دوسری اور پانچویں کا جز حصہ تو عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایجاد کردہ امور میں سے ہیں۔ تیسری شہادت عہد تابعین کی ہے۔ چوتھا عمل خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز کا ہے جنہوں نے تابعین کا زمانہ پایا اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ پانچویں شہادت کا جز واخیر جس کے نہ تو موجد کا پتہ نہ زمانہ ایجاد کا علم مگر آج تک سواد اعظم کے سروں اور گردنوں پر بلند ہو کر اپنی بدعت حسنہ ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اور چھٹی شہادت تو خیر القرون کے تیسرے قرن کے بعد کی چیز ہے امت اجابت کی اکثریت نے اس کو خدارسی کا ذریعہ قرار دیا۔ ان شہادتوں سے مندرجہ ذیل امور بوضاحت ثابت ہوئے:

(۱) اسلام میں کسی نو ایجاد امر کے مقبول اور معمول ہونے کے لئے کسی عہد کی کوئی تخصیص نہیں کہ کب تک کی ایجادات مقبول ہوں گی اور اس کے بعد کی نہیں۔

(۲) اسی طرح موجد کے لئے بھی کوئی قید نہیں کہ فلاں قسم کے مسلمان کی ایجاد کردہ بات مقبول ہوں گی اور فلاں کی نہیں۔

(۳) اس امر کی بھی کوئی خصوصیت نہیں کہ دینی باتوں میں یہ اضافہ ممنوع اور بدعت اور دنیاوی امور میں یہ اضافہ بدعت نہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ اچھی چیز جب بھی ایجاد کی جائے جو بھی ایجاد کرے وہ طریقہ دین داری اور عبادت ہو یا معاملات دنیا، حسن اور اچھا ہو تو اچھا ہے۔ اور برا اور خلاف شرع ہو تو برا ہے۔ اور یہ حضور ﷺ کی مقدس حدیث کا مفاد اور خلاصہ ہے جسے صاحب مشکوۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کے حوالہ سے ص ۳۳ پر نقل فرمایا: قال رسول الله ﷺ من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شيئا۔ ومن سن فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اوزارهم شيئا۔

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اس کو اس کا ثواب ملے گا اور جتنے لوگوں نے اس کے بعد اس پر عمل کیا ان سب کا بھی ثواب اسے ملے گا۔ اور عمل کرنے والوں کا اجر کچھ کم نہ ہوگا۔ اور جس نے برا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو خود اپنے کئے کا عذاب تو ملے گا ہی اس کے بعد عمل کرنے والوں کا عذاب بھی اسے ملے گا۔ اور عمل کرنے والوں کے عذاب میں کچھ کمی بھی نہ ہوگی۔

اس مضمون کی اور حدیثیں بھی جو حضور ﷺ سے مروی ہیں سب میں آپ نے کلمہ "من" ارشاد فرمایا ہے جو عموم افراد کے لئے مطلق ہے۔ اس میں نہ تو عہد وزمانہ کی قید ہے۔ اور نہ موجد کے لئے خاص نوع کی۔ نہ ایجاد شدہ طریقہ کے لئے کسی خاص قسم کی۔ کہ از قسم عبادت نہ ہو اور از قسم معاملات ہو تو کوئی جرم نہیں۔ بلکہ حوادث اور نو ایجاد امور کے حسن وقبح (اچھائی وبرائی) کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جو نو ایجاد امر قوانین اسلام کے موافق ہو حسن ہے اور جو اس کے خلاف اور معارض ہو وہ گمراہی وضلالت ہے۔

(۱) روی البيهقی باسناده فی مناقب الشافعی۔ انه قال المحدثات ضربان احدهما ما احدث فما يخالف كتابا او سنة او اجماعا فهذه البدعة الضلالة و ما احدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا فهی محدثة غير مذمومة"۔

(۲) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں فرماتے ہیں:

قال القاضی: المعنی من احدث فی الاسلام رايا لم يكن له من الكتاب والسنة

سندا ظاهرا او خفيا او ملفوظا او مستنبطا فهو مردود"

(مرقاة المفاتيح :باب الاعتصام ـ والكتاب والسنة: ۱/۲۲۲)

اسلام میں جس نے کوئی نئی بات نکالی جس کی کتاب اللہ، سنت رسول میں کوئی ظاہر یا خفی ملفوظ یا مستنبط دلیل نہ ہو وہ مردود ہے۔

(۳) حضرت عز ابن عبد السلام القواعد میں تحریر فرماتے ہیں:

شریعت میں بدعت ایسی چیز کے ایجاد کو کہتے ہیں جو حضور پاک ﷺ کے زمانہ میں نہ رہی ہو۔ اور بدعت منقسم ہے پانچ قسم پر۔ واجب، حرام، مندوب، مکروہ، مباح۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو قواعد شرع پر پیش کیا جائے جو ایجاب کے دائرے میں آئے وہ واجب ہے اور جو کراہت وغیرہ کے دائرے میں آئے وہ مکروہ وغیرہ ہے۔

(۴) امام نووی، قاضی عیاض اور ابن اثیر وغیرہ سب اسی کی تائید کرتے ہیں اور یہی حضرت عمر وغیرہ صحابہ کرام سے گذرا کہ اسی کو بدعت بھی کہتے ہیں اور اسی کو حسن بھی کہتے ہیں۔

محفل میلاد شریف بھی ایک ایسا ہی کار ثواب ہے جو اپنی ہیئت موجودہ کے ساتھ عہد رسالت بلکہ صدیوں بعد تک موجود نہ تھا۔ مولوی سلیمان ندوی صاحب اپنی سیرت النبی جلد سوم ص ۶۶۴ میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالبا چوتھی صدی سے ہوا"

اس کی تائید امام نور الدین حلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ امام محقق ابوزرعہ عراقی رازی سے پوچھا گیا انعقاد مجلس مولود مستحب ہے یا مکروہ ہے؟ اس مسئلے میں کوئی حکم وارد ہے؟ یا ایسے لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے جن کی اقتدا کی جاسکتی ہے؟ تو حضرت ابوزرعہ نے جواب دیا کہ دعوت اور کھانا کھلانا تو ہر وقت مستحب ہے اگر اس کے ساتھ اس مہینہ میں نور نبوت کے ظہور کی مسرت اور شادمانی بھی شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ (اس معاملہ میں سلف صالحین کے عمل کی مجھے کچھ خبر نہیں) اور اس عمل کے بدعت ہونے سے اس کا مکروہ ہونا لازم نہیں۔ کتنی بدعتیں ہیں جو مستحب بلکہ واجب ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ چھٹی صدی ہجری کے اختتام سے قبل ہی یہ مبارک مجلس مقبول خاص وعام ہوگئی تھی۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جسے حافظ ابن کثیر اپنی کتاب بدایہ ونہایہ میں نقل کرتے ہیں:

"ابن دحیہ اعیان علماء میں تھے یہ اندلس سے چل کر شام آئے اور اربل پہونچے تو ۶۰۴ھ میں ملک المظفر کی خدمت میں میلاد کی پہلی کتاب لکھ کر پیش کی اور گراں قدر انعام پایا۔

اور تائید مزید ان تفاصیل سے بھی ہوتی ہے جس کو حافظ ابن کثیر اور ابن خلقان دونوں نے اپنی

تاریخ میں تحریر کیا۔ کہ اس مبارک مجلس کے موجد تو ملا محمد عمر موصلی ہیں۔ لیکن اس کو شہرت وکثرت کے ساتھ پورے عالم اسلام میں پھیلانے میں ملک مظفر الدین کوکبری سلطان کی مساعی جمیلہ کو پورا دخل ہے جو ۵۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۵۵۹ ہجری میں اپنے والد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے۔ لیکن اپنے اتالیق کی بدعہدی اور ریشہ دوانی کی وجہ سے اسے چھوڑ کر بغداد پھر موصل اور وہاں سے بھی الگ ہو کر صلاح الدین ایوبی کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔

۵۸۶ جری میں اپنے چھوٹے بھائی زین العابدین کے انتقال کے بعد جو اربل کے رئیس تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی اجازت سے ملک مظفر نے اپنا دار السلطنت بنایا۔ اور وہیں سال بسال انتہائی شان وشوکت سے میلاد شریف کی مجالس مقرر کرتا۔ جن کی شہرت پورے عالم میں پھیلی۔

(ابن کثیر ص ۱۳/۱۴۰ اور وفیات الداعیان ص ۲۹۰)

تو یہ کہنا بھی صحیح ہوا کہ چھٹی صدی کے اختتام تک ان مبارک جلسوں کا فروغ ہوا۔

لیکن جب حدیث کے الفاظ اور جمہور اعاظم علمائے اسلام کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نو ایجاد امور کے مقبول اور مردود ہونے میں اس کے زمانہ ایجاد اور موجد کی حیثیت عرفی کو کوئی دخل نہیں۔ دار ومدار اس امر کے حسن اور قبیح ہونے پر ہے اور اس کا فیصلہ اس امر کے موافق قواعد شرع ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔ تو یہ تنقیح بے فائدہ ہے، کہ یہ کب ایجاد ہوا اور کس نے ایجاد کیا؟

ہاں جن لوگوں نے اس سے ہٹ کر بدعت کو صرف ضلالت میں محدود کر دیا ہے اور اس کی تعریف میں زمانہ کی قید اور موجد کی اپنی برتری کا اضافہ کیا ہے وہ

(۱) نو ایجاد امور کے سلسلہ میں تاریخ اسلامی کے مذکورہ بالا تسلسل کی توجیہ کرنے سے قطعا عاجز ہیں۔

(۲) وہ اس تاریخ تسلسل پر پڑنے والے اعتراض کا جواب بھی نہیں دے پائے۔

(۳) ان کو بار بار بدعت کی تعریف بدلنی پڑی پھر بھی اعتراض باقی ہے۔

چنانچہ ہندوستان میں غیر مقلد وہابیوں کے امام ترجمان وہابیہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے بدعت کی تعریف یوں کی "جو امر عہد رسالت کے بعد ایجاد ہوا وہ بدعت ہے" اسی بنا پر انہوں نے تراویح کی بیس رکعتوں کو بدعت ضلالت قرار دیا۔ دوسرے الفاظ میں خلیفہ برحق عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدعتی وگمراہ کہا۔ لیکن ان کی اس جرأت رندانہ نے خود انہیں کے دین وایمان پر کفر وضلالت کی مہر لگادی تھی۔ اس لئے دیگر منکرین میلاد نے عہد صحابہ کو بھی عہد رسالت میں شامل کیا۔ اور بدعت کی تعریف میں اب یہ ترمیم ہوئی کہ جو امر عہد رسالت یا عہد صحابہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے۔ مگر اس

تردید پر بھی عقدہ حل نہ ہوا کہ عہد تابعین کی ایک بدعت کو کلمہ گویوں کی پوری جماعت بلا استثناء اپنے گلے کا ہار بنا چکی ہے۔اس لئے مانعین میلاد کو پھر ایک درجہ نیچے اترنا پڑا اور یہ تعریف کرنی پڑی کہ ”جو امر عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین کے بعد ایجاد ہوا وہ بدعت ہے“۔لیکن بنیاد کی اس کجی کو ثریا تک جانا تھا۔ مصیبت کا خاتمہ اب بھی کہاں ہوا؟ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ (تبع تابعین) کی بدعت محراب ومینار دنیا کی تمام مسجدوں کی زینت اور آج تک اسلامی عبادت خانوں کا شعار بنی ہوئی ہے۔اس منزل پر پہونچ کر آخری ترمیم ہوئی کہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہونے والے تمام امور بدعت اور گمراہی ہیں۔اور غیر مقلد وہابیوں نے اپنے نواب صدیق حسن صاحب کا اگلا ہوا لقمہ چبایا۔چنانچہ ان کے یہاں تقلید شخصی شرک اور بدعت ہے۔تو اس طور پر دوسری صدی ہجری کے بعد سے پوری امت مسلمہ جو باتعیین ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی مقلد ہے۔توحید سے ناآشنا اور شرک میں مبتلا ہے۔

اور دوسرا گروپ دیوبندی وہابیوں کا خیر القرون کے بعد تمام نوایجاد امور کو بدعت بھی کہتا ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید بھی کرتا ہے۔اور طرح طرح کی بدعتیں خود بھی ایجاد کئے ہوئے ہے اوران پر عمل بھی کرتا ہے مگر میلاد شریف قیام وفاتحہ وغیرہ کا بڑی شدت سے منکر بھی ہے۔

اور بدعت کی اس تعریف پر امام احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے اعتراضات قاہرہ الگ سے قائم ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

(۱) (مسئلہ جمع قرآن میں) زید ابن ثابت نے صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر اعتراض کیا کہ میں وہ کام کیسے کروں جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بدعت نکالنے کی ممانعت ہم لوگوں کے بعد آنے والوں کے لئے ہے۔ہمارا زمانہ تو خیر القرون کا زمانہ ہے بلکہ یہ جواب فرمایا کہ اگرچہ یہ کام حضور نے نہ کیا پر وہ کام اپنی ذات میں بھلائی کا ہے پس کیونکر منع ہو سکتا ہے۔

(۲) خیر القرون کے بعد کی ایجادات کو بدعت کہنے والے ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ کیا تم صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت میں زیادہ ہو کہ جو کچھ انہوں نے نہ کیا وہ کرتے ہو۔یہ اعتراض قابل تسلیم ہو تو ہم کہتے ہیں جس فعل کو رسول اللہ ﷺ صحابہ وتابعین نے نہ کیا اور تابعین کے زمانہ میں ہوا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے۔تو ہم تمہارا یہی اعتراض تم پر لوٹا کر کہتے ہیں اگر اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور تابعین بھی کرتے۔تبع تابعین کیا ان سے زیادہ اہتمام دین رکھتے ہیں کہ جو انہوں نے نہ کیا یہ کریں۔پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے نہ کیا اور تابعین نے کیا تو ان پر یہی اعتراض وارد ہوگا کہ یہ کام

بہتر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ضرور کرتے۔تابعین ان سے کچھ بڑھ کر ہوئے؟ یوں ہی جو نئی باتیں صحابہ نے کیں ان کے لئے بھی بقول تمہارے یہ کہا جا سکتا ہے کہ زہد وورع صدق وصفا میں کوشش کرو مگر رسول اللہ ﷺ کے کام پر اضافہ نہ کرو۔تو جس دلیل سے تم خیر القرون کے بعد والوں کے لئے ایجادات خیر کو بدعت وگمراہی کہتے ہو۔اسی دلیل سے صحابہ کرام کی نو ایجادات اشیاء بھی بدعت ہوں گی۔

(۳) تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ وصحابہ تابعین نے جو کار خیر نہ کیا وہ ہم خیر القرون کے بعد والوں کے لئے دلیل ممانعت ہے لیکن تبع تابعین کے لئے یہی عدم فعل دلیل اجازت ہے کہ تبع تابعین کا ایسا فعل بھی تمہارے نزدیک سنت میں داخل ہے۔تو تبع تابعین اور صحابہ اور رسول اللہ ﷺ سے بھی لڑوگے کہ ان کے نہ کئے ہوئے کو تو یہ کر سکتے ہیں اور یہ بھی نہ کریں تو سب کے لئے دروازہ بند۔گویا اصل شارع رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ تبع تابعین ہوئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

پس حقیقت یہی کہ بدعت کی تعریف میں منکرین نے جو کچھ کہا سرتا پا غلط اور بے بنیاد ہے۔حق اور مبنی بر حقیقت یہی امر ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔(۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیۂ

اور اس کی پہچان بھی وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اور عز ابن عبد السلام اور امام نووی وغیرہ ائمہ اعلام نے بیان فرمائی۔بلکہ اس تفصیل میں ائمہ نے جو کچھ فرمایا وہ احادیث کریمہ میں جو کچھ بیان ہوا اس کی توضیح وتشریح اور تفصیل ہے۔اس لئے اب ہم اس امر پر کتاب وسنت سے روشنی ڈال رہے ہیں کہ مجلس میلاد شریف کن اصول شرعیہ کے تحت مستحب اور مستحسن ہے۔اللہ تعالیٰ نے مختلف آیات و بینات میں اپنا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۱)﴿وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾۔(النحل:۱۱۴)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اگر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو۔اس پروردگار بے نیاز نے اپنے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۲)﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾[الاحزاب:۹]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

(۳)﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ﴾[ابراھیم:۵]۔لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ۔

(۴)﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾[یونس:۵۸]

اللہ تعالیٰ کے فضل ونعمت پر اظہار مسرت کرو۔

اور حضور ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی عظیم اور بے مثال نعمت ہیں۔آپ کے اسمائے گرامی میں سے

ایک اسم نعمۃ اللہ بھی ہے۔ اور لاریب کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پیدا فرما کر مسلمانوں بلکہ پورے عالم پر اپنا فضل واحسان فرمایا: تو آپ ﷺ کی ولادت پر خوشی منانا اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فلیفرحوا" کی بجا آوری ہے۔ اس کا ذکر اور چرچا کرنا ایام اللہ کی یاد دلانا اور اس کے انعامات کا تذکرہ ہے۔ اور اس موقع پر لوگوں کو کھانا کھلانا اور شیرینی تقسیم کرنا احسان واکرام ربانی کا شکر ادا کرنا ہے۔

(۵) رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ [الفتح: ۹] اے مسلمانو! رسول پاک ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرو اور یقیناً مجلس میلاد شریف سید عالم ﷺ کے تعظیم وتوقیر کا اعلیٰ مظاہرہ ہے۔ اسی طرح قرآن عظیم کی ان متفرق آیتوں میں مجالس میلاد مقدس کی جملہ تفاصیل کا ذکر ہے۔ اور انعقاد مجلس میلاد ان تمام آیات کی یکجا تعمیل ہے اور میلاد ان آیتوں کے عموم میں داخل ہے۔ یوں ہی امت کے ائمہ اعلام نے مختلف حدیثوں سے مجلس میلاد شریف کے جواز کا استنباط کیا ہے۔

(۱) امام ابن حجر عسقلانی بخاری شریف کی ایک حدیث کو انعقاد کے لئے دلیل میں پیش فرماتے ہیں کہ مجھ کو مولود شریف ثابت کرنے کے لئے ایک حدیث ہاتھ آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو عاشورہ کے دن یہودیوں کو روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو وہ بولے اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبویا اور موسیٰ کی نجات دی۔ ہم اس کے شکریہ میں اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہم تمہاری بہ نسبت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ نے خود اس دن روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اس حدیث سے انعام الٰہی کے دن پر شکریہ کا حکم ہوا۔ تو اس دن سے بہتر اور کونسا دن ہوگا جو نبی رحمت کی ولادت کا دن ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ خاص اس دن کو تلاش کیا جائے اور کوئی اس کا بھی لحاظ نہ کرے تو ربیع الاول کے پورے مہینہ میں جس دن چاہے مولود کرے اور ایک جماعت نے سال بھر کی اجازت دی ہے۔

(۲) حافظ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ مولود شریف کے لئے ایک دوسری اصل بھی موجود ہے۔ یہ حدیث ہے جس کو امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا حالانکہ آپ کے دادا آپ کے تولد کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کر چکے تھے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا ہے۔ تو آپ کا عقیقہ کرنا اس بات پر محمول ہے کہ آپ نے جانور ذبح کر کے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا۔

(۳) علامہ حافظ شمس الدین جزری نے اپنی کتاب "عرف التصوف" میں فرمایا۔

ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو اس سے دریافت کیا گیا کہ تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ دوزخ میں ہوں مگر ہر پیر کی رات کو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے اور میں اپنی انگلی کے پور کے برابر پانی اس سے چوس لیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثویبہ نے آپ ﷺ کے تولد کی خبر سنائی تو میں نے اس خوشخبری پر اس کو آزاد کر دیا۔ جب ابولہب جیسے کافر کو خوشخبری پر خوشی کرنے کا اجر دوزخ میں ملتا ہے تو آپ کی امت کے ایک مسلم موحد کو اس خوشی منانے کا کیا اجر ملے گا؟ حضرت شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی نے لکھا ہے کہ یہ بات پایہ صحت کو پہونچ گئی کہ دوزخ میں ہر پیر کو ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

(۴) یوم ولادت کو یوم عید قرار دینے کی تائید ایک چوتھی حدیث سے ہوتی ہے۔ یہود نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی کہ قرآن شریف میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر یہ آیت ہم یہود پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن عید مناتے۔ آپ نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ وہ بولے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳] آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جمعہ کے دن عرفات میں نازل فرمائی۔ (جہاں حج اور عید قرباں کا اجتماع ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے نزول کے دن کو اور اس کے بعد کے دن کو ہمارے لئے عید بنایا۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ آیت کے نزول کے دن کو یوم مسرت اور یوم عید قرار دینے کی یہودی رائے کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تردید نہیں کی اسی طرح کہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے کہ کسی اہم انعام الٰہی کے نزول کو یوم عید قرار دیا جائے۔ بلکہ تائید فرمائی کہ یہ دن ہمارے لئے یوم عید ہے۔ تو یوم عید میلاد النبی ﷺ عید کا دن ہونے کا اور زیادہ مستحق ہے۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ﴿رَبَّنَا أَنزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا﴾ [المائدة: ۱۱۴] اے پروردگار تو ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان اتار کہ ہم اور ہمارے اول وآخر کے لئے وہ دن یوم عید ہو۔ تو یہ ایک مستمر قانون الٰہی ہوا کہ نزول رحمت کا دن اگلی اور پچھلی پوری قوم کے لئے یوم عید قرار دیا جائے۔ اس لئے جمہور اہل اسلام میلاد النبی ﷺ کو عید مناتے ہیں۔

آؤ مل کر ہم منائیں جشن میلاد رسول
آج کے دن مالک خلد بریں پیدا ہوئے

اس لئے سواد اعظم جمہور اہل اسلام نے یہ مبارک مجلس منعقد کی اور آج تک پورے عالم اسلام میں یہ تقریب سعید منائی جارہی ہے۔

چنانچہ امام نووی کے استاذ شیخ ابو شامہ سن پیدائش ۵۹۹ھ وفات ۶۶۵ھ میں اپنی کتاب "الباعث علی انکار البدع" میں فرماتے ہیں کہ نو ایجاد امور میں سب سے اچھا وہ کام ہے جو ہمارے زمانہ میں ہو رہا ہے۔ کہ ہر سال یوم عید میلاد النبی ﷺ پر صدقات وخیرات اور اظہار فرح وسرور کرتے ہیں۔ کہ اس میں فقیروں کے ساتھ حسن سلوک اور آپ ﷺ کی محبت اور آپ کی تعظیم وتوقیر کے ساتھ آپ کی پیدائش کا شکریہ اور کافروں اور منافقوں کا دل جلانا ہے۔

سید محمد یحیی حسینی مدرس مدرسہ دار الحدیث فی الشام فرماتے ہیں: فان قرأة مولود الشریف والقیام عند زمن ولادته هو احسن ما سنه المسلمون فی سائر البلاد الاسلامیة و اجمعوا علیه۔

آپ کے مولود شریف کا پڑھنا اور ذکر ولادت کے قیام، یہ مسلمانوں کے نو ایجاد امور میں سے سب سے بہتر ہے۔ جسے جملہ بلاد اسلامیہ میں مسلمان کرتے ہیں۔ اور اس پر سب متفق ہیں۔

حضرت علامہ محمد یٰسین خباری مدرس مدرسہ حرم شریف فرماتے ہیں: تمام شہروں اور علاقوں میں مسلمانوں کا عرف یہ ہو گیا اور عرف احکام شرعیہ سے ہے۔ اس کے علاوہ سید جعفر برزنجی مفتی مسقط ومفتی بیروت، حضرت شیخ یوسف اہدل امام جلال الدین سیوطی اور بہت سارے علمائے اعلام نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ مجالس میلاد مقدس کا انعقاد تمام عالم اسلام میں مقتدایان دین کی تائید اور ہدایت سے ابتدائے ایجاد سے آج تک ہوتا آیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا: ایجاد میلاد کی پہلی روایت ۳۷۵ھ سے حساب لگایا جائے تو ۶۵۴ھ تک ۲۷۰ رسال ہوتے ہیں۔ (پونے تین صدی) اور دوسری روایت ۵۵۰ھ سے حساب لگایا جائے تو ۶۵۵ھ تک ۱۰۴ رسال یا مکمل ایک صدی بیت جانے کے بعد بھی تاریخ میں پورے عالم اسلام سے میلاد کے خلاف کوئی آواز اٹھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس لئے علماء اہلسنت میں سے کسی نے اس کو معروف کہا۔ کسی نے ماثور بتایا، کسی نے متفق علیہ یا مجمع علیہ قرار دیا۔ ساتویں صدی ہجری کے ابتدائی نصف کے بعد ۶۵۴ھ میں جناب تاج الدین صاحب فاکہانی ولادت پزیر ہوئے اور اس کے سات سال بعد ۶۶۱ھ میں ابن تیمیہ حرانی اس دار فانی میں وارد ہوئے۔ تو یہ دونوں صاحبان ہم عصر ہیں۔ ابن تیمیہ حرانی تو جمہور علمائے اسلام کے خلاف اپنے تفردات میں مشہور ومعروف ہیں اور انبیاء اولیا کی جناب میں زیادہ بے خوف

اور جری ہیں جمہور علما نے ان کی اس بے راہ روی کی مذمت کی اور ان کو راہ حق سے بھٹکا بتایا۔

باب میلاد میں فاکہانی صاحب بھی ان کے ہم خیال اور انہیں کی طرح اپنی بات بالا رکھنے کے لئے سارے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔

میں نے حضرت مولانا سید یحیی مکتبی کا منکرین میلاد کے سلسلے میں یہ قول پڑھا:

لایمنع هذا القیام الا فرقة الخوارج من اتباع عبد الوهاب النجدی المقتدی بابن تیمیة. (دقائق دمشق ص۸۲)

تو مجھے یاد آیا کہ شیخ جاد الحق شیخ ازہر نے اپنی کتاب بیان للناس میں تحریر فرمایا:

عام مسلمانوں کو زیارت قبور توسل الی غیر اللہ اور استمداد اولیا سے روکنے والے گروہ کے سرخیل ابن تیمیہ ہی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

و ان کان المراد بسبب ذاته و سبب منزلته و جاهه عنده تعالیٰ فهو الذی اهتم الخلاف حوله بین العلماء ففریق ینکرها و راس هذه الفرقة ابن تیمیه قد الف فیه رسالة حاول فیها ان یرد ما جاء أی من الصحابة فی جوازه اما بالطعن فی سنده بالضعف و اما الوقف علی الصحابة و علی من لیس قوله و فعله حجة او بالتاویل (بیان للناس ص۷۲)

غیر اللہ کے ساتھ توسل سے مراد اگر یہ ہے کہ صاحب وسیلہ کی ذات کا مرتبہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اس کی عزت کے واسطے سے مانگا جائے تو اس میں علما کا اختلاف ہے۔ ایک فریق ان کا رد کرتا ہے جس کے سردار ابن تیمیہ ہیں۔ انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ جس میں صحابہ کرام سے ثابت اس کے جواز کی روایتوں کو رد کیا ہے۔ کسی کی سند میں ضعف بتا کر، کسی کو موقوف علی الصحابۃ کہہ کر۔ کسی کو ایسے شخص کا قول بتا کر جس کا قول وفعل حجت نہیں۔ یا کہیں تاویل کر کے۔

تو مجھے تسلی ہو گئی کہ فاکہانی صاحب اور ابن تیمیہ صاحب دونوں ہی حضرات مسئلہ میلاد وقیام میں بھی ہم خیال ہیں۔ فاکہانی صاحب ابن تیمیہ کے مقابلے میں بیحد کم حیثیت بزرگ ہیں۔ اس لئے میلاد کے خلاف ساری خوشہ چینی ابن تیمیہ ہی سے کی ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ اس میلاد شریف کی کوئی اصل کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ یا صحابہ کرام یا اپنے بزرگوں کے عمل سے ثابت نہیں جن کی اقتدا کی جائے۔ یہ تو ایک ایسی بدعت ہے جسے پیٹو ؤں اور مکار لوگوں نے ایجاد کیا ہے۔ اس کے خلاف شرع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ احکام خمسہ واجب، مندوب، مباح، مکروہ، حرام، کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ فعل تین پہلے احکام کے ضمن میں نہیں آتا تو یہ مکروہ یا حرام

ہوا۔ تفصیل فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عمل فرض، سنت تو ہے نہیں۔ یہ بات تو میلادی حضرات بھی تسلیم کریں گے اور مستحب بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مستحب کی تعریف یہ ہے کہ شارع نے جس کا مطالبہ کیا ہو اس کے نہ کرنے پر ملامت نہ ہو۔ اور میلاد کا حکم نہ تو رسول اللہ ﷺ نے دیا نہ صحابہ نے نہ تبع تابعین نے تو یہ مستحب اور مندوب کیسے ہوگا۔

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ نو ایجاد فعل خیر کو بدعت ضلالت ثابت کرنے کے جوش میں فاکہانی صاحب نے مستحب کی اصطلاحی تعریف پڑھ لی مگر انہیں یہ نظر نہ آیا کہ ہر نو ایجاد بھلائی شارع علیہ السلام کو مطلوب ہے۔ جب ہی تو ارشاد فرمایا: "من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها" (مشکوۃ المصابیح ۱/۳۳) جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنا اور اس پر عمل کرنے والے کا ثواب ملے گا۔ کیا اس حدیث میں نئے طریقے کے خیر کی ایجاد کرنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے۔ تو اس پر ثواب کا وعدہ کیسے کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر نئے اچھے کام کی ایجاد بھی رسول اللہ ﷺ کی مطلوب اور مستحب ہے۔ یہاں دو باتیں قابل غور ہیں:

(۱) بقول صاحب کتاب "بیان للناس" مسئلہ استمداد وغیرہ میں پوری امت مسلمہ ایک طرف ہے اور جناب ابن تیمیہ ایک طرف کہ وہ اکیلے ہی سارے مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ اور فاکہانی صاحب بھی انہیں کے ہم عصر اور انہیں کے ہم خیال ہیں۔ اس لئے مسئلہ میلاد شریف میں بھی جمہور اہل اسلام کے خلاف آواز اٹھانے کا سہرا جناب ابن تیمیہ کے سر ہی بندھا ہے۔

(۲) اختلاف علما میں اس اختلاف کا اعتبار ہوتا ہے جو ہم چشموں اور ہم عصروں میں ہوں صدیوں کسی مسئلے میں پوری قوم متفق اور ایک رائے رہی ہو۔ اور سو دو سو سال کے بعد کوئی پیدا ہونے والا پوری قوم کی متفقہ رائے سے الگ اپنی کوئی رائے نکالے، اس کو اختلاف نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ مخالفت اور علیحدگی اور بے راہ روی کہی جائے گی۔ علامہ ابن نجیم، اشباہ ونظائر ص ۲۰۱ میں فرماتے ہیں: قضاء القاضی فی موضع الاختلاف جائز لا فی موضع الخلاف محل الاولی اذا کان فیه اختلاف السلف والثانی لیس فیه انما هو حادث۔

پس میلاد شریف کے مسئلہ میں ابن تیمیہ وغیرہ کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس کو مخالفت اور روگردانی کہا جائے گا۔ تو یہ ابن تیمیہ صاحب کی مخالفت اور روگردانی ہے کہ وہ کئی صدیوں کے بعد پیدا ہونے کے بعد بھی جمہور اہل اسلام کے خلاف صف آرا ہوئے۔

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو

(۲-۱۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ

(۱) سنت کسے کہتے ہیں؟

(۲) سنت کے کتنے درجے ہیں؟

(۳) سنت کی کتنی قسمیں ہیں؟

(۴) عید کے کیا معنی ہیں؟

(۵) تیوہار کسے کہتے ہیں؟

(۶) معنوی طور پر دونوں ایک ہیں یا فرق ہے؟ اگر فرق ہے تو کس چیز میں؟

(۷) حضور ﷺ کو صرف شہد اور حلوہ پسند تھا یا دوسری چیزیں بھی؟

(۸) بدعت کے کیا معنی ہیں؟

(۹) شرک کسے کہتے ہیں؟

(۱۰) کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء عظام رحمہم اللہ اجمعین اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کوئی فرمان سنت نبوی کا مقام حاصل کر سکتا ہے؟ اگر ہاں تو اس کی کیا دلیل ہے؟ بینوا وتوجروا

راقم: عبد السلام خان ناظم نشر واشاعت شاخ سنی جمعیۃ العلما موضع گلولی کالپی

الجواب

(۱) اسلام میں لفظ سنت کے مختلف اطلاقات ہیں۔ سائل کو معلوم نہیں کس سے غرض ہے اس قسم کے مبہم سوالات استفتاء کے لائق نہیں، بہر حال ہم چند کا ذکر کرتے ہیں:

"السنة تطلق علی قول الرسول وفعله و سکوته وعلی اقوال الصحابة وافعالهم"

(نور الانوار ص ۱۷۵)

اس میں حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سبھی کے قول وفعل اور حضور کے سکوت کو بھی سنت قرار دیا گیا۔

(۲) علمائے اصول حدیث میں ایک اطلاق اس سے بھی خاص ہے "ومن یشتغل بالسنة النبویة المحدث" (نخبۃ الفکر ص ۶) یہاں صرف حضور ﷺ کے قول وفعل کو سنت کہا گیا ہے۔

(۳) بعض اوقات سنت بول کر نماز مراد لی جاتی ہے۔ شرح السعادت ص ۱۱۸ میں ہے: "مراد بسنن زوائد نماز است غیر فرائض کہ روز وشب بطور وظیفہ می گذارند عامہ از مؤکدہ وغیر آں"۔

(۴) علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا ہے:

"ماکان فعله اولی من ترکه بلا منع الترک ان کان مما و اظب علیه الرسول ﷺ او الخلفاء الراشدون من بعده فسنة والا فمندوب ونفل والسنة نوعان سنة الهدیٰ وترکها یوجب الاساءة والکراهیة وسنة الزوائد وترکها لا یوجب ذلك ۔ اقول فلا فرق بین النفل و سنن الزوائد من حیث الحکم لأنه لا یکره ترک کل منهما" (کتاب الطهارة: ۱۹۶/۱)

یعنی جس کا کرنا بہتر ہو اور ترک پر ممانعت نہ ہو، پس ایسے فعل کو اگر حضور یا ان کے صحابہ نے مواظبت کے ساتھ کیا ہو تو یہ سنت ہے ورنہ مندوب اور نفل ہے۔ پھر سنت دو قسموں پر ہے سنت ہدیٰ اس کا ترک موجب اسائت اور کراہت ہے اور سنت زوائد جس کا ترک موجب اسائت وکراہت نہ ہو، حکم میں سنت زوائد اور نفل میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دونوں کا ترک مکروہ نہیں۔

(۵) سنت ہر اس امر دینی کو کہتے ہیں جو شرع کے مخالف نہ ہو، چاہے اس کا موجد کوئی ہو۔

حدیقہ ندیہ میں ہے:

"قال من سن سنة حسنة فسمی المبتدع للحسن سنة فادخله النبی ﷺ فی السنة فقوله ﷺ ان من ابتدأ سنة حسنة الی یوم الدین و ان هم ماجور علیها مع العاملین لها بدوامها فیدخل فی سنة کل حدث"۔

پس سنت کی کوئی ایسی تعریف جو ان سب اطلاقات کو شامل ہو، مشکل ہے۔

اور اگر سائل کی مراد مشروعات کے بارے میں سوال ہو تو ایک عام تعریف وہی جو صاحب حدیقہ ندیہ نے تحریر فرمائی اور اس کا ذکر علامہ شامی نے فرمایا "ان السنة هی طریقة مسلوکة فی الدین" یہ اطلاق ایسا عام ہے کہ فرض واجب سنت موکدہ وزوائد اور نوافل سب کو شامل ہے۔

(۳/۲) سنت کے اطلاقات اور اس کی بعض حیثیت کے کچھ احکام (جن کو سائل غالباً درجہ سے تعبیر کرسکا ہے) کی طرف پہلے جو اشارہ ہو گیا ہے کہ سنن زوائد ونفل میں ترجیح مشکل ہے۔ مثلاً ایک سنت پہلے دائیں پیر میں جوتا پہننا ہے۔ حج نفل یہاں نفل کا مرتبہ سنت سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح بہت سی جگہ سنت کا درجہ نفل سے بڑا ہو گا یوں ترک مکروہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

(۶/۵/۴) عید عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور تہوار ہندی کا، عربی میں عید ہر مسرت کے اجتماع کو کہتے ہیں مرقات شرح مشکوۃ میں ہے: "کل اجتماع للسرور فهو عند العرب عید" (باب الصلوة علی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ۷۴۴/۲)

اس کے معنی میں تیوہار بھی اس کا ہم معنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسلام اور دیگر مذاہب میں فرق یہ

ہے کہ اس نے اس مسرت کے موقع پر بھی شریعت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ اور دیگر ادیان والے مسرت کی مستی میں شدنی ناشدنی کسی کی تخصیص نہیں سمجھتے سبھی کی اجازت دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ مطلقاً ہر اجتماع عید نہیں بلکہ وہ اجتماع جو اظہار خوشی کے لئے کیا جائے۔

پس حدیث "لا تجعلوا قبری عیدا (ابو داود. باب فی تحریم المدینة: ۲۱۸/۲) ہے۔ عرس وغیرہ اجتماعات کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا، اس اجتماع کی غرض اظہار مسرت ہی نہیں بلکہ ایصال ثواب اور حصول فیض وغیرہ اغراض صحیحہ۔ ہاں جو لوگ صرف لہو ولعب کی غرض سے وہاں حاضر ہوں ان کے لئے یہ حاضری ضرور منع ہو گی۔ علاوہ بریں یہ حدیث خود مجمل ہے۔ جس کی علماء حدیث نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں:

لا تجعلوا قبری مظهر عید یوم لهو و سرور وزینة حال الزیارة خلاف ذلك۔

"ویجوز ان یکون اسما من الاعتیاد یعنی لا تجعلوا قبری محل اعتیاد فانه یؤدی الی سوء الادب و ارتفاع الحشمة۔

وقال الطیبی قیل یحتمل ان یکون المراد الحث علی کثرة زیارته ای لا یجعل قبری کالعید الذی لایأتی فی العام الا مرتین" (کتاب الصلوة۔ باب الصلوة علی النبی ﷺ وفضلها: ۷۴۴/۱)

(۱) یعنی میری قبر پر عید کا میلا عید کی طرح مت لگاؤ۔

(۲) میری قبر کو تفریح گاہ مت بناؤ۔

(۳) عید کی طرح ایک بار زیارت کے لئے مت آؤ۔

(۴) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مطلقاً زیارت کی ممانعت کرتی ہے، پس ان متضاد تاویلوں کی موجودگی میں حدیث پر عمل کس طرح ہو گا اس کے برخلاف یقین کے ساتھ زیارت قبور کی صریح حدیث مروی ہے:

"انه ﷺ یاتی قبور شهداء أحد عند راس کل حول"

حضور ﷺ ہر سال کے سے شہداء احد کے مزار کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے۔ (ابو داود) (المصنف لعبد الرزاق: ۵۷۳/۳، التفسیر للقرطبی: ۳۱۲/۹)

(۷) بیشک حضور کو شہد اور حلوہ کے سوا اور چیزیں بھی پسند تھیں۔ لیکن اگر کوئی شخص میٹھا پسند کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ حضور کی سنت تو اس کو یہ الزام نہیں دیا جاسکتا کہ اور بھی حضور کی سنتیں ہیں تم اس پر کیوں نہیں عمل کرتے ہو اگر ان پر عمل نہ کرتے ہو تو اس پر بھی عمل نہ کرو کہ یہ ایک نیک کام سے روکنا ہے۔ اور

سنت زوائد سے جس کا مطلب ہے کہ اگر آپ سنت کی نیت سے کریں گے تو ثواب ہوگا اور باقی کے نہ کرنے پر کوئی عذاب نہیں۔

(۸) بدعت شریعت میں ہر اس ایجاد کو کہیں گے جس کی اصل شریعت میں موجود نہ ہو۔ یا جو کسی سنت کے متصادم ہو۔ حدیث شریف میں ہے: "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد"

(مکشوة المصابیح ۔ باب الا عتصام بالکتاب والسنة: ۱/۱۴۳)

(صحیح البخاری (فتح الباری) ۵/۳۰۱)۔ مسلم ۔ کتاب الأقضیة: ۳/۱۳۴۳)

یا بالفاظ دیگر بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں، سیئہ اور حسنہ۔

حدیث شریف میں ہے:

"من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شيء ومن سن سنة سیئة کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من غیران ینقص من اوزارهم شيء (مشکوة المصابیح ۱/۳۳)، سیئہ وہ جو اپنی اصل میں مخالف شرع ہو اور حسنہ وہ کہ مخالف شرع نہ ہو۔

(۹) الوہیت اور استحقاق عبادت میں کسی کو خدا کا شریک کرنا شرک ہے۔ شرح عقائد میں ہے

"الاشراك هو اثبات الشریك فی الالوهیة بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام" (باب احتجاج المعتزلة والردعلیهم: ۹۴)

(۱۰) اگر سائل کی مراد یہ ہے کہ سنت نبوی ﷺ کسی طرح عمل کی اصل بن سکتی ہے یا نہیں؟ تو ہم پہلے سوال کے جواب میں کہہ چکے ہیں "السنة تطلق علی قول الرسول الخ" خود سرکار کی حدیث اس پر شاہد ہے "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین و اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم" (مشکوة المصابیح ۔ کتاب الفضائل والشمائل: ۲/۴۸۹) اور کوئی دوسرا مطلب ہو تو سائل واضح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۱۴ ذی قعدہ ۹۴ھ

الجواب صحیح: عبدالعزیز عفی عنہ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

تقلید کا بیان

(۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(الف) زید نے یہ کہا کہ میں ہندہ بنت عمرو نام کی فلانی لڑکی سے نکاح کروں گا کسی عورت سے ہرگز نکاح نہیں کروں گا جب جب میں کسی عورت سے نکاح کروں خواہ میں خود کروں یا میرا وکیل کرے اس عورت کو جس سے میرا نکاح ہو جو کہ غیر ہندہ مذکورہ ہو تو تین طلاقیں۔ اب زید ہندہ مذکورہ سے نکاح نہیں کر رہا ہے بلکہ خالدہ بنت بکر سے کرنا چاہتا ہے کیا مذہب حنفیہ میں اب کوئی گنجائش ہے کہ زید خالدہ بنت بکر سے نکاح کر سکے اگر مفتی بہ قول نہیں ہے تو کیا کسی غیر مفتی بہ قول میں گنجائش ہے اگر ہو تو اس غیر مفتی بہ قول پر زید عمل کر سکتا ہے اگر ان میں سے کسی قول پر گنجائش نہ ہو تو زید جو کہ حنفی المذہب ہے اس معاملہ میں اگر حنفی مذہب پر عمل کرتا ہے تو گمان غالب ہے کہ اس کی زندگی مکدر ہو جائے اور وہ محرمات کا مرتکب ہو جائے گا اگر وہ اس معاملہ میں مذہب شافعی پر عمل کرتا ہے تو اس کی زندگی سنبھل جائے گی اور وہ ان محرمات کے ارتکاب سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں وقوع طلاق کی شرط ملک یا اضافۃ الی الملک ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں صرف ملک ہے لہٰذا ان کے یہاں طلاق نہیں پڑے گی کیا زید ایسی صورت میں اس معاملہ میں مذہب شافعی پر عمل کر سکتا ہے اگر نہیں تو زید اس غرض سے حنفیت کو ترک کر دے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی تقلید کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ مدلل بیان فرمایا جائے۔

الجواب

کسی عامی کا اپنی دنیاوی غرض کے لئے اپنا مذہب چھوڑنا شرعا ممنوع ہے۔ شامی میں ہے:

" اذا کان ارتحاله لالغرض محمود شرعاً دخل فی النار فانه حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفة خطب الی رجل من اصحاب الحدیث فی عهد ابی بکر الجوزجانی فأبی الا أن یترك مذهبه فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیه عند الانحطاط و نحو ذلك فجاءه فزوجه"

ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف دنیاوی غرض کے لئے ارتحال قابل ملامت جرم ہے، کہتے ہیں ابوبکر جوزجانی کے زمانہ میں کسی حنفی نے کسی صاحب حدیث کی لڑکی کا پیغام دیا انہوں نے کہا میرا مسلک قبول کرلو، تب اسنے اپنا مذہب بدل دیا اور شادی کرلی۔

شیخ سے کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ نزع کے وقت اس کا ایمان نہ چلا جائے کہ اس نے اس مذہب کے ساتھ استخفاف کیا جس کو حق سمجھتا تھا وہ بھی دنیا کے لئے۔

آپ نے جس حنفی مسئلہ سے تعرض کیا ہے اس کا بڑا آسان حل حنفی مسئلہ سے ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۸۵ھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۲-۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) بغرض امامت و موذنی مذہب کی تبدیلی جائز ہے یا حرام۔ مقلد امام اعظم کو بغرض امامت امام شافعی کا مقلد بن جانا، شافعی کو اذان کی خدمت کے واسطے حنفی مقلد بننا درست ہے یا نہیں؟

(۲) ائمہ اربعہ کے مقلدوں میں سے کسی مقلد کو اپنا امام چھوڑ کر کسی امام کی از ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تقلید کرسکتا ہے کہ نہیں؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک کی کتب معتبرہ اور مفتی بہ قول اور عربی عبارت اور اس کے ترجمہ کے ساتھ تشریح اور تفصیل مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ رب کریم آپ کو دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین بحق سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

کیا کسی مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ مقلد کو اس پر جبر کیا جائے۔ کہ وہ اپنے امام کی تقلید کو چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید کرے۔ اور جبر کرنے والا گنہگار رہوگا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی حکیم عبداللہ موذن مسجد احناف قصبہ سنکھی شور ضلع رتناگیری

الجواب

(۱-۲) اپنے اغراض میں کسی غرض کے لئے کسی مقلد کا اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر دوسرے امام کی تقلید (جب کہ سوال میں اذان و امامت کی ملازمت کا ذکر ہے) ناجائز اور اس کا مرتکب مستحق سزا ہے۔

شامی میں ہے: "قال فی القنیة لیس للعامی ان یتحول من مذہب الیٰ مذہب ویستوی فیه الحنفی والشافعی" عام آدمی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرے حنفی ہو یا شافعی۔ درمختار میں ہے: "ارتحل الی مذہب شافعی یعزر" جو حنفی مذہب بدل کر شافعی ہوگیا اس کو سزا دی جائے گی۔ اس کے حاشیہ شامی میں ہے: "اذا کان ارتحاله لا لغرض محمود فی الشرع کما فی التاتارخانیه" یہ تبدیلی مذہب جب دنیوی اغراض کے ماتحت ہو تو یہ حکم ہے۔

اسی شامی میں چند سطروں کے بعد ہے: "انتقال غیره من غیر دلیل لما یرغب من غرض الدنیا و شهوتها فهو مذموم الاثم المستوجب للتادیب والتعزیر لارتکابه المنکر فی الدین واستخفافه بدینه و مذهبه" (شامی ۳/۱۹۳) عامی کا بغیر دلیل کے صرف دنیاوی فائدہ کی خاطر مذہب

بدلنا برا ہے۔ اور اس کا مرتکب مجرم قابل سزا ہے۔ کیونکہ اس نے غیر شرعی حرکت کی اور اپنے دین و مذہب کا مذاق اڑایا۔

(۳) پہلے دو نمبروں کے جواب سے اس کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ جب مذہب بدلنا جرم ہے تو اس جرم پر مجبور کرنے والا کتنا بڑا مجرم و گنہگار رہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴-۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

(۱) داڑھی ایک مشت سے زیادہ بڑھانے میں کیا قباحت ہے اور ناجائز ہونے کا کوئی مدلل ثبوت ہو تو کتاب کا حوالہ نمبر جواب میں مرحمت فرمائیں۔

(۲) چاروں مذہبوں سے جس نے ہٹ کر پانچویں خصلت کو اختیار کیا وہ گمراہ ہوا یا کافر۔ البتہ مذکورہ پانچویں راستے سے نہ اسلامیت پائی جاتی اور نہ کفرانیت پائی جاتی مذکورہ نوعیت آخر کیا ہوسکتی ہے۔

الجواب

(۱) داڑھی ایک مشت سے زائد رکھنے کی شریعت میں کوئی مخالفت نہیں کم رکھنا البتہ منع ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت نے فتاوی رضویہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان چار مذہبوں سے الگ اور کوئی راستہ اختیار کرنے والا گمراہ ہے۔ اگر کفر کا راستہ اختیار کریگا تو کافر بھی ہوجائے گا۔

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۳ر رجب ۱۷ھ

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہندہ کی شادی زید سے ہوئی تقریباً ایک ہفتہ رہ کر ہندہ میکے واپس گئی کچھ دنوں کے بعد آپسی رنجش ہوگئی جس سے ہندہ کو بھیجنے سے گھر والوں نے منع کردیا کافی زمانہ ہوگیا سسرال ہندہ کو نہ بھیجا کچھ دنوں کے بعد زید کو بذریعہ پولس پکڑ کر جبراً کافی زدوکوب کرکے سفید کاغذ پہ دستخط کروالیا اور بعد میں اس کاغذ پہ طلاق نامہ لکھ کر مشہور کردیا کہ طلاق ہوگئی اور مفتی صاحب سے یہاں دارالعلوم اسحاقیہ سے فتویٰ بھی حاصل کرلیا اور قبلہ مفتی صاحب نے فتویٰ بھی دیا کہ اگر جبراً طلاق لیجائے ہوجائے گی اور ہدایہ جلد دوم کا حوالہ دیا۔

تو سوال یہ ہے کہ اگر جبراً کافی سختی کرکے طلاق نامہ لکھوایا اور طلاق پڑگئی تو پھر قانون شریعت اور بہار شریعت میں تو ایسا ہے کہ زبان اور دل سے اقرار نہ کرے صرف لکھدے تو طلاق نہ ہوگی اور ہم نے سنا ہے کہ جان جارہی ہو یا پیاس کی شدت سے دم نکل رہا ہو تو اتنی مقدار میں جس سے جان بچ سکتی ہے شراب پی سکتا

ہے اور سور کا گوشت کھا سکتا ہے شرعی مجبوری سے ایسا کر سکتا ہے تو وہ بھی تو مجبوری تھی پھر کیسے طلاق ہوگئی۔
دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں خلاصہ تحریر فرمائیں۔
اور ہندہ کی شادی بھی ہوگئی دوسری جگہ اگر طلاق نہیں ہوئی ہو تو ہندہ کی شادی میں جو لوگ شریک ہوئے ان کے لئے کیا حکم ہے جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔ بینوا توجروا
المستفتی محمد صدیق قریشی

الجواب

آج کل عموماً جتنے مفتی صاحبان ہیں ہم ہوں یا کوئی دوسرا ہم لوگ اپنی عقل اور اجتہاد سے کسی سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہم لوگ مفتی ناقل ہیں پہلے کے ائمہ اور مشائخ کتابوں میں جس سوال کا جواب لکھ گئے ہیں ہم وہی بتائیں گے اور سائل کو اسی پر عمل کرنے کا حکم دیں گے چاہے ہماری ناقص عقل کے خلاف پڑے یا سائل کی مرضی کے خلاف ہو۔ آپ نے جان بچانے کی شرعی مجبوری پر اپنی مجبوری کو قیاس کر کے ہم کو جو سمجھانے کی کوشش کی ہے اس کا حال سنئے جان بچانے کے لئے شریعت نے حرام کھانے پینے کی اجازت دی اس کا یہ مطلب ہے کہ جان بچانے کے لئے حرام کھا پی لیں تو یہ فعل جو عام حالات میں گناہ تھا اب گناہ نہ ہوگا، یہ مطلب نہیں کہ کھانا پینا کھانا پینا ہی نہیں، بے وقوف سے بھی بے وقوف آدمی بھی یہ نہیں کہہ سکتا، سب اس کو کھانا ہی کہیں گے اور مانیں گے اور جسم کے اندر اس کھانے کا اثر بھی ہوگا کہ جسم میں قوت آجائے گی اور آپ کی جان بچ جائے گی۔

اسی طرح طلاق بھی اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اگر آپ خواہ مخواہ بے گناہ عورت کو بلا ضرورت طلاق دیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے سخت ناراض ہوگا اور اگر کسی نے زبردستی آپ سے طلاق لے لی تو اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض نہ ہوگا جس طرح مجبوراً حرام کھانے پینے سے آپ گناہ سے بچ گئے اسی طرح یہاں بھی آپ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ گئے یہ مطلب نہیں کہ طلاق ہی نہیں پڑے گی۔

بلکہ جس طرح حرام کھانے کو ساری دنیا کھانا ہی کہتی ہے اور جس طرح اس کا اثر کھانے والے کے جسم میں ظاہر ہوتا ہے اسی طرح اس مجبوری کی طلاق کو بھی طلاق ہی کہا جائے گا اسی طرح اس کا اثر بھی عورت پر پڑے گا کہ وہ شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی تو آپ نے جان بچانے کی طلاق کا کتنا غلط قیاس کیا اور ہم کو غلط سمجھایا اس لئے آپ کو اس مسئلہ میں اپنے دماغ پر زیادہ زور لگانے کی ضرورت نہیں، آپ تو یہ دیکھیں کہ کتابوں میں کیا لکھا ہے تو کتابوں میں تو دونوں ہی مسئلے لکھے ہیں ہدایہ والا بھی اور قانون شریعت اور بہار شریعت والا بھی، نا معلوم آپ نے آدھا ہی مسئلہ کیوں لکھا ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ بھی شرط نہیں کہ خوشی سے طلاق دی جائے بلکہ اکراہ شرعی کی صورت میں بھی طلاق صحیح ہو جائے گی" (بہار شریعت ص ۷)

کسی نے شوہر کو طلاق نامہ لکھنے پر مجبور کیا اس نے لکھ دیا مگر نہ دل میں ارادہ ہے اور نہ زبان سے لفظ طلاق کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ (بہار شریعت ص ۱۸)

ان دونوں عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جبراً طلاق دلانے کی صورت کا دارومدار شوہر کے زبان سے طلاق کے الفاظ کہنے پر ہے اگر مار پیٹ کر جان کا خوف دلا کر زبان سے عورت کے لئے طلاق کے الفاظ کہلائے تو طلاق واقع ہوگئی، شوہر نے تحریر لکھی ہو یا نہ لکھی ہو اور زبان سے طلاق کے الفاظ نہ کہے تو طلاق واقع نہ ہوئی چاہے جان کے خوف یا زبردستی نشانی انگوٹھا ہی لگوالی ہو اب آپ اپنے مسئلہ کو اسی پر منطبق کیجئے آپ یہ تو لکھتے ہیں کہ صرف نشانی انگوٹھا لیا مگر سوال میں یہ درج نہیں کہ زبان سے عورت کے لئے طلاق کے الفاظ کہلوائے یا نہیں اگر زبان سے وہ الفاظ کہلوائے گئے ہوں تو تحریر یا نشانی انگوٹھا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو طلاق پڑ گئی اور جودھپور کا فتوی صحیح ہے اور اس عورت کا دوسرا نکاح پڑھوانے والوں پر شرعاً کوئی جرم نہیں ہاں اگر مرد بے گناہ ہے اور اس کی طرف سے عورت پر کوئی زیادتی نہ ہو تو شوہر پر جبر وزیادتی کرنے اور کرانے والے ضرور ظلم کے مجرم اور حقوق عبد میں گرفتار ہیں؛ اور اگر شوہر عورت پر ظلم وزیادتی کرتا رہا ہو شرارۃً طلاق نہ دیتا رہا ہو تو جبراً چھٹکارا حاصل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کے لئے جبر کی حالت میں بھی طلاق کے الفاظ نہ کہے ہوں تو جبر کرنے والوں کا نشانی انگوٹھا لینا لاحاصل، طلاق نامہ کا مضمون اس پر لکھوانا بیکار، طلاق واقع نہ ہوئی اور جودھپور کا فتوی بھی غلط اور عورت کی دوسری جگہ شادی ناجائز عورت اور دوسرے مرد پر لازم ہے کہ فوراً الگ ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۷۔۱۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اور بکر دونوں امام اعظم کے مقلد ہیں، بکر کہتا ہے کہ حنفیوں کی نماز شافعیوں کے پیچھے ہو جاتی ہے اس لئے کہ چاروں امام برحق ہیں لیکن امام اعظم افضل ہیں اور زید شدت سے اس کی مخالفت کرتا ہے کہ مطلقاً حنفیوں کی نماز شافعیوں کے پیچھے نہیں ہوتی خواہ وہ سنی المذہب ہو، دیوبندی المذہب ہو،
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ
(۱) کس کا قول صحیح ہے؟
(۲) کون سی کتاب ہے جس میں یہ درج ہے کہ حنفیوں کی نماز شافعیوں کے پیچھے نہیں ہوتی۔

(۳) کیا یہ صرف شافعیوں کے لئے خاص ہے یا دیگر اماموں کے مقلدین کے پیچھے بھی حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی۔ مثلاً مالک وحنبل۔

(۴) کیا مصلحت کے پیش نظر اور فتنہ وفساد کے ڈر سے شافعیوں کے پیچھے حنفیوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے گی یا نہیں بصورت نفی اس کی کیا صورت ہوگی۔

(۵) اس طرح انکل پچو مسائل بتانے والوں پر ازروئے شرع کیا حکم وارد ہوگا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی: محمد شاہد رضا مصباحی

الجواب

فتاوی رضویہ جلد۳ ص ۲۵۵ پر ہے:

(۱) ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد کی امامت یا متابعت خواہ چاروں اماموں میں سے کوئی ایک امام ہو یعنی شافعی، حنفی امام کے پیچھے یا حنفی شافعی امام کے پیچھے یا حنبلی حنفی کے یا حنفی حنبلی کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟۔

(۲) اگر حنفی کا شافعی امام بنے تو کیا یہ ضروری ہے کہ حنفی کی خاطر رفع یدین یا آمین ترک کردے یا یہ کہ ہر شخص امام ہو یا مقتدی اپنے اپنے امام کی پیروی کریں۔

الجواب: اگر معلوم ہو کہ اس وقت امام میں وہ باتیں ہوں جس کے سبب میرے مذہب میں اس کی طہارت یا نماز فاسد ہے تو اقتدا حرام اور نماز فاسد وباطل ہے اور اگر اس وقت خاص حال معلوم نہیں مگر معلوم ہے کہ یہ امام میرے مذہب کے فرائض وشرائط کی احتیاط نہیں کرتا۔ تو اس کی اقتدا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ اور اگر معلوم ہے کہ میرے مذہب کی بھی رعایت واحتیاط کرتا ہے۔ یا معلوم ہو کہ اس نماز خاص میں رعایت کئے ہوئے ہے تو اس کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے جب کہ سنی صحیح العقیدہ ہو نہ غیر مقلد کہ اپنے آپ کو شافعی ظاہر کرے اور اگر کچھ نہیں معلوم ہو تو اس کی اقتداء مکروہ تنزیہی ہے۔

ہر شخص اپنے امام کی پیروی کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) فتاوی رضویہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ زید اور بکر دونوں غلطی پر ہیں، کیونکہ نہ یہ صحیح ہے کہ ایک امام کے پیچھے دوسرے کے مقلد کی نماز بہر حال صحیح ہے، نہ یہ صحیح ہے کہ مطلقاً اقتدا صحیح نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ ایک کتاب فتاوی رضویہ ہوئی،

(۲) اس کے علاوہ عربی زبان کی بہت سی کتابوں میں یہ مسائل ہیں مگر ہمارے علماء کی یہ مجبوری ہے کہ آج کل کورس کی بھی کتابیں نہیں پڑھتے اور اندھیرے میں تلوار چلاتے ہیں۔

(۳) یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ چہار امام میں ایک دوسرے کے مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے میں بھی تفصیل ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ گمراہ وبددین کی اقتداء جائز نہیں، دیوبندی ہو یا غیر مقلد۔ حنفی ہو یا شافعی یا کوئی اور۔

(۴) نماز سیاست نہیں ہے کہ اس میں مصلحت کی گنجائش ہو، آج بے نمازیوں کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو اگر آپ گمراہوں کے پیچھے نماز نہ پڑھیں تو کیا قیامت پھٹ پڑے گی۔ جہاں ایسی مجبوری ہو کہ گمراہوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے پر فساد کا ڈر ہو۔ وہاں سے ہجرت کر کے کسی ایسے امن کی جگہ چلا جائے جہاں آپ اپنی نماز تو صحیح پڑھ سکیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ﴾[النساء: ۹۷]

(۵) جاہل انکل پچو اس لئے اڑاتے ہیں کہ ہمارے آج کل کے علماء کرام اردو کی مشہور اور متداول کتاب میں بھی اپنی ضرورت کا مسئلہ تلاش نہیں کر پاتے اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

تخلیق عالم کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

حضرت علامہ محمد نور بخش کی تصنیف کردہ (سیرت رسول عربی) جس کی تصدیق حضرت علامہ محمد ریحان رضا خان صاحب قدس سرہ نے کی ہے مذکورہ بالا کتاب میں مذکور ہے کہ جس طرح رسول کریم ﷺ کا نور منبع انوار الانبیاء تھا اسی طرح آپ کے جسم مطہر کا مادہ بھی لطیف ترین اشیاء تھا چنانچہ حضرت کعب احبار سے منقول ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پیدا کرنا چاہا تو جبرئیل کو حکم دیا کہ سفید مٹی لاؤ پس حضرت جبرئیل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضرت کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دمکتی اٹھالائے پھر وہ مشت خاک سفید بہشت سے چشمہ تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہوگئی جس کی بڑی شعاع تھی بعد ازاں فرشتے اسے لیکر عرش وکرسی کے گرد اور آسمان اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ کو (روح انور و مادہ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کی پشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا الخ) پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے وہ نور حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک آ گیا۔

جواب طلب امر اینکہ رسول پاک ﷺ کا نور جو کہ حضرت آمنہ تک منتقل ہوا وہ تو مٹی سے ہے اب اگر یہ حدیث کہ " اول ماخلق اللہ نوری" کیسی ہے اور یہ نور جو کہ حدیث میں مذکور ہے یہ رسول اکرم تک کیسے منتقل ہو، اور اگر یہ نور بالکل وہی نور ہے جو حضرت جبرئیل کے مٹی سے ہوا تو پھر حضرت جبرئیل ودوسرے فرشتہ نور رسول اکرم ﷺ کے نور سے پہلے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں بالتفصیل مسائل کو واضح کرکے جواب عنایت فرمائیں فقط والسلام۔

المستفتی، سید حفیظ الرحمٰن۔ قصبہ گولا مدنا پور (بنگال)

الجواب

آدمی ابھی عالم خلق کی حقیقت بالکلیہ دریافت نہ کرسکا تو عالم امر کی حقیقت کیا معلوم ہوگی ایسے بھی سائل کو سیرت رسول عربی کی عبارت سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے نور بخش صاحب آپ کے نور اطہر کو اور مادہ انور دونوں کو الگ حقیقتیں مان رہے ہیں نور کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے "یا جابر ان اللہ خلق نور نبیك قبل الاشیاء کلھا من نورہ" (کشف الخفاء:۱/۳۱۰)
مادہ اقدس کی ترتیب کا بیان حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے وہی مٹی سے بنا۔ تو جو سب سے پہلے مخلوق ہوا وہ آپ کا نور ہے۔ اور جس کی ترتیب وتطہیر آدم سے قبل ہوئی وہ مادہ نورانی ہے۔ جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا جسد بنا اور اس کی پیشانی میں سرکار کا نور رکھا گیا حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی یا پشت مبارک میں آپ کے نور کے ودیعت رکھنے کو تو سبھی بیان کرتے ہیں، آپ کا مادہ مبارک بھی ودیعت رکھا گیا اس کی کوئی روایت نظر سے نہیں گذری اگر وہ بھی سرشت آدم میں ودیعت ہو تو کیا بعید ہے اور آپ نے روایت سے جو سمجھا کہ حضور کا نور وہی مٹی ہے جسے حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے کہ اس مٹی سے تو آدم کا پتلہ بنا۔ اور حضور کا نور جو اول مخلوقات ہے وہ پیشانی آدم میں ودیعت کیا گیا۔ اور بالفرض وہی مٹی نور بنی ہو تو جبرئیل اسے لائے ہی تو تھے، انھوں نے اس کو عدم سے وجود تو نہیں بخشا تھا، تو پھر وہی مٹی جو حضور ﷺ کی اصل ہے کیوں کر جبرئیل سے پہلے نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کو بنایا اس کے بعد ساری کائنات کو۔ اعلیٰ حضرت کا شعر ہے:

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا — نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصل عالم مادہ ایجاد خلقت کا — یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

واللہ تعالیٰ اعلم — عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ
اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے۔ خالق کے لئے عالم کا ہونا ضروری ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق ہے تو کل کائنات کا عالم۔ کل موجبہ کلیہ کا سور ہے جو افراد کے تعین کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا علم متناہی ہو جائے گا۔ حالانکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی لامحدود ہے۔ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی، عبید رضا محمد سلمان خاں قادری ہندی غفرلہ، مقام چھپوروا پوسٹ لوکھوا ضلع بلرامپور

الجواب

جو الفاظ انسانی ضروریات کی تکمیل اور بول چال کے لئے وجود میں آئے یا آدمی نے بنائے۔ ان کے مقابلے میں معانی بھی ایسے ہی مقرر ہوئے۔ جو انسان کی ذات وصفات پر راس آئیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے معانی ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن آدمیوں کی لغت میں ان الفاظ کے ذخیروں کے علاوہ کچھ نہیں۔ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ ایسے مواقع پر الفاظ تو وہی بولے گئے جو انسانی لغت میں تھے۔ لیکن معانی وہ مراد لئے گئے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔
مثلاً قرآن میں آیا: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ [البقرة:۱۱۵]
جدھر رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہوا: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [المائدة:٦٤]
بلکہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں۔
اور قرآن شریف میں ہی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشورىٰ:۱۱]
اللہ تعالیٰ جیسی کوئی شی نہیں۔
تو اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور چہرہ ہمارے ہاتھ اور چہرہ کے طرح کیسے ہوسکتا ہے۔ اس لئے ائمہ متقدمین فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ چہرے وغیرہ اعضاء کا جو قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ اس سے ہمارے جیسا ہاتھ چہرہ یا اعضاء مراد نہیں، ایسا ہاتھ چہرہ واعضاء مراد ہیں جو اس کی شان کے لائق ہیں اور اس کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں، کچھ علمائے کرام اس کی تاویل کرتے ہیں۔ جو عام انسانوں کی عقل سے قریب ہوتی جیسے آیت مذکورہ بالا میں ید سے مراد اس کی رحمت اور بخشش ہے کہ وہ سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور چہرہ سے مراد اس کی رضا اور خوشنودی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق نماز میں جدھر رخ کرے اسی سمت سے اللہ راضی ہے۔

اگر آپ قرآن شریف پڑھیں تو قدم قدم پر آپ کو ایسی مثالیں ملیں گی۔ ہم لوگ جلالین شریف پڑھ رہے تھے۔ تو آیت مبارکہ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (البقرة:۱۴۸)

اللہ تعالیٰ ہر شی پر قادر ہے۔

صاحب جلالین نے تفسیر میں کل شئ کے آگے 'شاء ہ' کا اضافہ کیا ہے۔ حضرت حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سوال کیا کہ مفسر نے لفظ شئ کے آگے 'شاء ہ' کیوں بڑھایا ہے، پھر خود ہی فرمایا: آیت کا ترجمہ تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے، اور قادر ہونے کا مطلب تو یہی ہے کہ چاہے مارے چاہے جلائے۔ باقی رکھے یا فنا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بھی شی ہے۔

شرح عقائد میں ہے: "الشیئ عندنا ھو الموجود" شی ہمارے نزدیک موجود کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ تو موجود حقیقی ہے۔

تو کیا آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ خود کو بھی مار سکتا اور جلا سکتا۔ یا فنا کرسکتا اور باقی رکھ سکتا ہے۔ یہ معنی تو غلط بلکہ کفر ہوئے۔ تو مفسر نے لفظ شاء ہ بڑھا کر یہ بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق صرف انہیں اشیاء کے ساتھ ہے جو اس کی مشیت میں داخل ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں صرف ممکنات داخل ہیں واجب اور محال نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو واجب الوجود ہے تو یہ اس کی قدرت میں داخل نہیں، تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خود اس کی ذات کا استثناء استثنائے عقلی ہے۔

ہندوستان کے وہابیہ اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے تو کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جھوٹ داخل ہے۔ اس لئے جھوٹ بول سکتا ہے۔ ہاں بولے گا نہیں۔ حالانکہ جھوٹ عیب اور نقص ہے اور اللہ تعالیٰ عیب سے پاک ہے یہ اس کی ذات کے لئے محال ہے۔

یہی معاملہ لفظ "کل" کا بھی ہے۔ ہماری ذات وصفات کیلئے بولا جائے تو متناہی مراد ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو معنی کل یعنی غیر متناہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۷ر ذوالقعدہ ۱۴۱۹ھ

مناقب کا بیان

(۱۲-۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ جنت میں سب سے پہلے عورتوں میں لکڑہارے کی بیوی جائے گی اور بکر کہتا

ہے کہ حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جائیں گی۔ زید کے کہنے میں صداقت ہے یا بکر کے کہنے میں۔ تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کی تکلیف کریں، نوازش ہوگی۔

(۲) زید کہتا ہے کہ یہ بازار میں جناب سیدہ کی کہانی یا دس بیویوں کی مل رہی ہے اسکو عورتیں سنتی ہیں کیا یہ من گڑھت ہے؟ کیا سنانا جائز ہے؟۔

(۳) زید تعویذ گنڈے کرتا ہے اور اجرت بھی لیتا ہے جب کوئی اہل ہنود اس کے پاس آتا ہے تو اس کے لئے بھی قرآن کریم کا تعویذ دیتا ہے۔ مسلمان ہو یا ہندو قرآن کا لفظ یا تعویذ ہی دیتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟۔

(۴) نماز کی حالت میں نیت توڑ کر سانپ یا بچھو یا کسی موذی جانور کو مارنا کیسا ہے نیت توڑی جائے یا نہیں ہے؟۔

(۵) مسجدوں میں جو صفیں ہوتی ہیں اس صف پر اپنا کپڑا جیسے رومال بچھا کر پڑھنا کیسا ہے؟

(۶) دور جہالت میں صحابہ کرام کیا تھے؟ انکے فعل کیا رہے؟ پرستش کس کی کرتے تھے؟ ایک نے مجھ سے دلی میں کہا کہ شراب بھی پیا کرتے تھے، تفصیل کے ساتھ مطلع کریں، نوازش ہوگی

(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کے بارے میں ہمیں اپنا کیا عقیدہ رکھنا چاہئے، کافر تھے یا مسلمان؟ یا حضرت علی کی طرف کو دیکھتے ہوئے کیا کریں؟ مطلع کریں نوازش ہوگی؟

(۸) زید فلاں مسجد میں نماز پڑھاتا ہے، کئی سال ہوگئے نماز پڑھاتے ہوئے زید ایک دفعہ لھو ولعب یعنی ایک رات کمر ڈانس دیکھ کر آیا اور اس کے لوگ بھی شاہد ہیں زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۹) زید کے پیچھے بکر فلاں فلاں لوگ نماز پڑھتے ہیں کبھی زید کو اچھا کہتے ہیں کبھی برا کہتے ہیں اچھا یا برا کہنا امام کو مقتدی کے لئے کیسا ہے؟ مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۱۰) سفر کی حالت میں مسافر اگر امام بن جائے اور ظہر نماز چار رکعت پڑھائے دو پر سلام پھیرے تو اس پر کیا حکم ہے دو پر ہی سلام پھیر دے یا چار ہی پڑھائے۔ نوازش ہوگی۔

(۱۱) کیا محمد ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں حضرت آدم سے دو چیزوں میں بڑھا ہوا ہوں۔ وہ دو چیزیں کون سی ہیں، بہر حال تفصیل سے بیان فرمائیں۔

(۱۲) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے منھ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ حرام فرمادیا اور پھر شہد آپ نے کھایا حلال فرمادیا اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان فرمائیں نوازش ہوگی۔ ان سب مسئلوں کو پوری تفصیل سے مع کتب دلائل احادیث، فقہ اور قرآن مقدس کا حوالہ دیکر سمجھائیں اور ہماری اصلاح فرمائیں حضرت

یہاں پر شدید اختلاف ہے۔ بینوا توجروا

ہمارا پتہ: مولانا محمد مختار اشرف محلہ دیپا سرائے چوک سنبھل ضلع مراد آباد پن کوڈ: ۲۴۴۳۰۲

الجواب

(۱) ترمذی شریف میں ہے: "انا اول من يحرك حلق الجنة فيفتح الله لی ومعی فقراء المسلمين" (تفسير در منثور: ۲/۲۳۰، تفسير ابن كثير: ۲/۳۷۵، سنن الدارمی)

سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے اسے کھولے گا اور میرے ساتھ فقرائے اہل اسلام ہوں گے۔

مسلم شریف میں ہے: عن انس قال: قال رسول الله ﷺ آتی باب الجنة فاستفتح فيقول الخازن من انت فاقول محمد (ﷺ) فيقول بك امرت ان لا افتح لا حد قبلك"

(مسلم شریف بحوالہ مرعاۃ شرح مشکوۃ جلد ۵ رص ۳۵۸)

قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو مالک جنت رضوان کہے گا آپ کون ہیں میں فرماؤں گا محمد تو وہ کہے گا مجھے آپ ہی کے لئے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے قبل کسی کے لئے نہ کھولوں۔

امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں ابونعیم کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل کی "میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور میرے بعد سب سے پہلے میرے پاس حضرت فاطمہ داخل ہوں گی۔

اور اس مضمون کی اور بھی حدیثیں ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پورے عالم میں سب سے قبل حضور سید عالم ﷺ اور تمام امتوں میں سب سے قبل امت محمد ﷺ داخل ہوگی۔ امت کے افراد میں بھی اپنے فرق مراتب کے اعتبار سے دخول جنت میں تقدم وتاخر ہوگا جیسا کہ ابونعیم کی حدیث سے حضور کے فورا بعد حضرت خاتون جنت کے دخول کی خبر ہے۔ اور سب سے پہلی حدیث میں اپنے ساتھ فقرائے امت کے داخل ہونے کی بشارت بھی دی ہے۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے امت محمد ﷺ کا جو گروہ جنت میں جائے گا اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہوگا اور وہ بلا حساب جائے گا۔ لیکن خاص کر لکڑہارے کی عورت کے بارے میں احادیث مبارکہ میں کوئی تصریح نظر سے نہیں گذری۔

بازار میں نیاز نامہ جعفر صادق، دس بیویوں کی کہانی اور جناب سیدہ کی کہانی وغیرہ بے سروپا داستانیں ملتی ہیں ان میں بالخصوص نیاز نامہ جعفر صادق میں اس قسم کی کہانیاں لکڑہارے ہی کی طرف منسوب کرکے بیان کی گئی ہیں۔ جن کے بارے میں بہار شریعت میں ہے، کونڈے کے متعلق ایک کتاب بھی

ہے جس کا نام داستان عجیب ہے اس میں جو لکھا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں، نہ وہ پڑھی جائے۔ ہمارے نزدیک بقیہ کتابوں کا بھی یہی حکم ہے۔

(۳) بہار شریعت میں ہے۔ بہت سے لوگ تعویذ کا معاوضہ لیتے ہیں یہ جائز ہے عامل حضرات نے قرآنی آیات کے نقوش اس لئے بنائے ہیں کہ ان کے استعمال میں آیات مبارکہ کے ساتھ بے حرمتی نہ ہو اگر کسی مجبوری سے آیات قرآنی ہی لکھتا ہو تو اسکو باقاعدہ موم جامہ کرکے دینا چاہئے تاکہ اسکو پاک و ناپاک بھی کوئی استعمال کرسکیں اجرت نہ لینا افضل ہے۔

(۴) عالمگیری میں ہے کہ سانپ بچھو سامنے سے گزریں اور ایذا دینے کا خوف ہو تو اسکو مارنے کیلئے نماز توڑنے کی اجازت ہے۔

(۵) سب سے افضل زمین پر نماز پڑھنا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ترب وجهك"

(سنن الترمذی: باب ما جاء فی كراهية النفخ فی الصلاة: ۱/۳۹۲)

اسکے بعد چٹائی پر

حدیث شریف میں: "ناولينی الخمرة"

اسکے بعد فرش پر

حدیث شریف میں ہے "صلیٰ انس ابن مالك علی فراشه"

چٹائی کے اوپر رومال بچھا کر نماز پڑھنے سے نماز ہوجائے گی مگر افضل کا حال آپ کو معلوم ہو چکا۔

فقہ کی کتابوں میں ہے: "الاصل فی الاشياء الاباحة"

(۶) دور جہالت اسلام سے قبل کے وقت کو کہتے ہیں جب شریعت کے احکام تھے نہیں اس وقت عام طور سے لوگ بت پرستی کرتے تھے، شراب پیتے تھے، بلکہ شراب تو اسلام کی اشاعت کے بعد بہت دنوں تک ممنوع نہ تھی پہلے شراب پیکر نماز پڑھنے سے روکا گیا پھر مطلقا شراب کی حرمت کا حکم اترا۔

(۷) یہ ایسا مسئلہ نہیں کہ آپ اس کے لئے مسئلہ پوچھیں اگر زندگی بھر اس مسئلہ سے بے علم رہیں تو قیامت میں آپ سے اس بارے میں سوال نہ ہوگا۔ واقعہ یہی ہے کہ انکا خاتمہ کفر پر ہوا۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ العزیز کی سبع سنابل میں حضرت علی کا یہ مقولہ مروی ہے "ان عملك الضال قد مات"

(۸) بر تقدیر صدق مستفتی زید نے فسق کیا، اگر اس سے توبہ کرے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں حدیث شریف میں ہے: "التائب من الذنب كمن لا ذنب له"

(۹) اگر امام فی الحقیقت اچھا ہے اور لوگ جو اسکو برا کہتے ہیں تو یہ الزام تراشی اور کذب ہے گناہ

اور فسق ہے لیکن یہ ایک علیحدہ گناہ ہے نماز سے اس پر اثر نہیں پڑیگا نماز انکی ہو جائے گی۔

اور امام صاحب واقعی برے ہیں اور مرتکب کبیرہ ہیں تو انکے پیچھے نماز مکروہ ہے چاہے برائی کرنے والے ہوں یا برائی کرنے والے نہ ہوں، سب کی نماز مکروہ ہے البتہ برائی کرنے والے انکی بے ضرورت عیب جوئی کرینگے تو یہ غیبت ہوگی اور یہ انکا ایک الگ گناہ ہوگا۔

(۱۰) مسافر نے اگر چار رکعت والی نماز چار رکعت پڑھی اور دو رکعت پر قعدہ کیا تو اسکی نماز ہوگئی لیکن گناہ گار رہا کہ اسکو واجب ہے کہ دو ہی رکعت پڑھے اور مقتدی بعد والی رکعت میں اسکی اقتدا کرے تو اسکی نماز باطل ہو جائے گی (فتاویٰ رضویہ)

(۱۱) ایسے مبہم سوال کا جواب مشکل ہے کم از کم کتاب کا حوالہ دینا ضروری تھا۔

(۱۲) روایتوں میں بعض اوقات کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزانہ نماز عصر کے بعد اپنی کسی بیوی کے پاس جاتے تھے اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں شہد پیش کرتی تھیں جسے حضور تناول فرماتے آپ کی دوسری دو بی بیوں نے مشورہ کیا کہ حضور میرے پاس آئیں تو میں کہوں کہ منہ سے مغافیر (ایک گوند) کی مہک آرہی ہے اور تمہارے پاس آئیں تو تم کہو کہ مہک آرہی ہے چنانچہ ان لوگوں نے حضور سے عرض کی آپ نے فرمایا میں نے تو وہ گوند نہیں چبائی مگر فلاں کے پاس شہد پیا ہے، تو یہ بولیں کہ ہوسکتا ہے شہد کی مکھیوں نے مغافیر چوس کر شہد جمع کیا ہو، منشاء ان کا یہ تھا کہ حضور ﷺ ان بیوی کے یہاں اتنی دیر نہ ٹھہریں، اس پر حضور نے فرمایا کہ اچھا اب میں شہد نہیں کھاؤنگا، کیونکہ حضور کو اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ انکی کسی چیز سے کسی کو وحشت نہ ہو۔ اس پر قرآن شریف کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ [التحریم: ۱] اے نبی ﷺ آپ بیویوں کی خوشنودی کیلئے اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲؍ جمادی الآخر ۱۴۱۰ھ

(۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید نے دوران تقریر قوم وملت سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ پاک نے ہم انسانوں و متیوں کو فرشتوں سے افضل بنایا ہے۔ چاہیں تو ان سے آگے بڑھ جائیں لیکن ایسا نہیں کرتے تو اس پر بکر نے فتوی عائد کیا کہ یہ کلام جو زید نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے افضل انسان کو بنایا ہے یہ کفریہ کلام ہے۔ اب سامعین وواعظین پر توبہ لازم تجدید ایمان وکلمہ پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ سب کافر ہو جائیں گے۔ تو اب قول زید پر کیا حکم نافذ ہوگا کیا یہ کفریہ کلام ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلی

وضاحت فرمائیں۔ فقط والسلام . آپکا نیاز مند: حافظ غلام محمد رضا براف جان آسام

الجواب

شرح عقائد میں ہے: رسل البشر افضل من رسل الملائكة و رسل الملائكة افضل من عامة البشر و عامة البشر افضل من عامة الملائكة

(باب رسول البشر افضل من رسل الملائكة: ۱۶۶)

بشر میں جو رسول ہیں وہ فرشتوں کے رسولوں پر افضل ہیں۔ فرشتوں میں جو رسول ہیں وہ عام بشر سے افضل ہیں۔ اور عام بشر عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ صاحب خیالی لکھتے ہیں: المراد بالعوام ماسوى الرسل من الاتقياء و المومنين واما العصاة فلا يفضلون على الملائكة اصلا۔

عام مومنین سے مراد متقی مسلمان ہیں گنہگار مسلمانوں کو فرشتوں پر فضیلت نہیں۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں: و لا خفاء ان هذه المسئلة ظنية يكتفى فيها بالادلة الظنية

(باب رسل البشر افضل من رسول الملائكة: ۱۶۷)

فضیلت کا مسئلہ اجتہادی ہے اور اجتہادی مسائل میں کسی پہلو پر کفر کا فتوی دینا جہالت ہے اور جاہل کو فتوی دینا حرام ہے۔ اس لئے بکر کو چاہئے کہ زید اور ان سامعین سے معافی مانگے۔ اور اپنے اس فتوی کفر سے توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو ۱۲؍ ربیع الاخری ۱۴۲۳ھ

(۱۴-۱۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ حسب ذیل میں کہ

(۱) قطب کسے کہتے ہیں؟

(۲) قطب کی شناخت کیا ہے؟

(۳) کیا شریعت کے نزدیک کوئی قطب ایسا بھی ہوسکتا ہے جس پر احکام شریعت معاف ہو جائیں؟

(۳) بعض لوگ خلاف شرع کام کرتے ہیں مثلاً نماز کا نہ پڑھنا، روزہ کا نہ رکھنا وغیرہ، ہم عوام انھیں قطب سمجھتی ہے تو ایسے شخص کو قطب کہنا کیسا ہے؟

(۵) نماز جمعہ باجماعت قائم کرنے کے لئے کونسی شرط شریعت نے مقرر کی ہے؟

محمد قیام الدین۔ کاٹھ نرواں مئو

الجواب

قطب، ابدال، اوتاد، نجباء، نقباء، صوفیہ کی اصطلاح میں مختلف مدارج کے اولیاء کے القاب

ہیں۔ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب حادی للفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۲۵۲ میں امام یافعی کی کتاب المعتقد سے نقل فرماتے ہیں:

"الصالحون كثير فمخالطون للعوام لاصلاح الناس فى دينهم ودنياهم والنجباء فى العدد اقل منهم والنقباء فى العدد اقل منهم وهم مخالطون للخواص والابدال فى العدد اقل منهم نازلون فى الامصار العظام لايكون فى المصر الا الواحد بعد الواحد فطوبى لاهل بلدة كان فيها اثنان منهم والاوتاد واحد باليمن وواحد بالشام وواحد بالمشرق وواحد بالمغرب والله سبحانه يدير القطب فى آفاق الاربعة من اركان الدنيا كدوران الفلك فى افق السماء قد سرّيت احوال القطب وهو الغوث عن العامة والخاصة غيرة من الحق عليه غير أنه يرىٰ عالما كجاهل ابله كفطن تار كا آخذاً قريباً بعيداً عسراً آمناً حذراً۔"

اللہ تعالیٰ ک نیک بندوں کی تعداد بہت ہے جو عوام ہیں لوگوں کی اصلاح کے لئے ملے جلے رہتے ہیں دین اور دنیا ہر معاملہ میں، اور نجباء عدد میں صالحین سے کم ہیں، اور نقباء ان سے بھی کم ہیں اور یہ خواص میں ملے جلے رہتے ہیں، اور ابدال تعداد میں ان سے کم ہیں، بڑے شہروں میں رہتے ہیں، ایک وقت میں ایک شہر میں ایک ہی ہوتے ہیں اور کہیں بیک وقت دو ہو جائیں تو یہ شہر والوں کی خوش قسمتی ہے، اور اوتاد میں سے ایک یمن میں اور ایک شام میں اور ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قطب کو پورے عالم میں آنے جانے کی اس قدر قدرت دیتا ہے جیسے آسمان دنیا کے تمام آفاق پر سایہ فگن ہے، قطب اور غوث ایک ہی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے احوال و مراتب کو عوام و خواص سے پردہ میں رکھتا ہے، وہ عالم، جاہل، دانا، غیر دانا، سبھی طبقات میں ہو سکتے ہیں، اوتاد کے احوال و مراتب خواص پر ظاہر ہوتے ہیں اور ابدال کے احوال خواص اور عارفین پر منکشف ہوتے ہیں لیکن یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔

حضرت امام سیوطی نے عمر بن خطاب، علی ابن ابی طالب، انس ابن مالک، حذیفہ ابن یمان، عبادۃ ابن صامت، ابن عباس، ابن عمر، ابن مسعود، عوف ابن مالک، معاذ بن جبل، واثلہ ابن الاسقع، ابو سعید خدری، ابو ہریرۃ، ابو درداء، ام سلمہ، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیسوں حدیثیں بھی روایت کی۔ جن میں مختلف قسم کے اولیاء کرام کی تعداد ذکر کی گئی ہے اور ان کو ابدال کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ غوث و قطب ابدال و اوتاد وغیرہ درجات اولیائے کرام میں ہیں جن میں سے بعض کی معرفت خواص کو ہوتی ہے اور بعض کی معرفت خواص و عوام دونوں کی بس سے

باہر ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر کرم فرمائے اور ان کی معرفت کرا دے تو نہ یہ عوام کو حق پہونچتا ہے کہ اٹکل پچھو جسکو چاہیں قطب کہنے لگیں اور نہ ہم کو یہ حق پہونچتا ہے کہ ہم یوں ہی اس کا انکار کرنے لگیں کیونکہ ہمارے پاس براہ راست کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم قطب کا امتحان کر کے فیصلہ کر سکیں کہ فلاں قطب ہے یا نہیں کہ یہ مشہور بات تو آپ نے سنی ہوگی "ولی را ولی می شناسد" الغرض کون قطب ہے اور کون نہیں یہ دین کا کوئی ایسا بنیادی مسئلہ نہیں کہ اس کے لئے کوئی تنازعہ کھڑا کیا جائے۔

یہاں تک آپ کے دو سوالوں کا جواب ہو گیا تیسرے اور چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ کتنا ہی بڑا خدارسیدہ ہو جب تک اس کے حواس بجا ہیں اس سے شرع کی تکلیف معاف نہیں اور شریعت کی اتباع کے بغیر طریقت کا حصول ناممکن ہے،

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

لیکن صوفیائے کرام میں ایک الگ گروہ مجذوبوں کا ہوتا ہے جن پر سکر کی کیفیت طاری رہتی ہے اور انہیں اپنا ہوش نہیں رہتا ایسے لوگ دائرے تکلیف سے باہر ہوتے ہیں جیسے مجنون و پاگل تو ایسے لوگ اپنے افعال و اقوال میں معذور ہونگے لیکن ایسے لوگوں کے سپرد رشد و ہدایت نہیں، بلکہ عقلاء کی رشد و ہدایت سالکین سے متعلق ہے تو عوام کو نہ تو ہر پاگل دیوانے کو ولی کہنا چاہئے نہ شرع سے آزاد و بے قید لوگوں کے پیچھے لگنا چاہئے۔

(۵) فقہ حنفی میں جمعہ کیلئے چھ شرطیں ہیں ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو جمعہ ہوگا ہی نہیں۔

(۱) شہر اور متعلقات شہر آج کل کی اصطلاح میں اس کو پرگنہ یا تحصیل کہا جاتا ہے۔

(۲) بادشاہ اسلام یا اس کا نائب اور وہ نہ ہو تو عامۃ المسلمین کی اجازت و اتفاق سے قیام جمعہ۔

(۳) وقت ظہر۔ (۴) خطبہ۔ (۵) جماعت یعنی امام کے علاوہ کم سے کم تین آدمی ہونا۔

(۶) اذن عام کہ نماز سے کسی کو روکا نہ جائے جو چاہے آکر پڑھے۔

بہار شریعت جلد چہارم صفحہ ۹۳ تا ۹۹۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۸ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

(۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ھذا میں کہ

ایک آدمی اپنے آپ کو سنی کہتا ہے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے بیعت ہے اور اسی سلسلہ کی خلافت اپنے مرشد سے حاصل کی ہے اور مرید بھی بناتا ہے اور ساتھ میں امامت بھی کرتا ہے اور اپنی تقریروں میں یہ کہتا ہے کہ مرتبہ میں حضرت سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا و سندنا غوث

الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑے ہیں اور جو بھی فیض ہے وہ سب سلسلہ نقشبندیہ میں ہی ہے وہ دوسرے سلاسل میں نہیں ہے اور جتنی سنتوں کی پابندی سلسلہ نقشبندیہ میں ہے دوسرے سلسلوں میں نہیں ہے اور مزید یہ کہتا ہے کہ جب غوث الاعظم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کو بلا کر کہا کہ اب تک جتنے بھی اولیاء تھے وہ سب مجھ سے ولایت حاصل کرتے لیکن میری وفات کے بعد جو بھی ولی ہونگے وہ تم سے ولایت حاصل کریں گے تو کیا جب غوث الاعظم حیات تھے تب مجدد الف ثانی موجود تھے یا بعد میں۔ اور یہ کہتا ہے کہ امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان صرف ایک مولوی تھے ولی نہ تھے اور آپ کی محبت سنی ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے، اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف تھے تو کیا واقعی اس کا یہ قول درست ہے اور یہ اعلیٰ حضرت کی نعت وسلام اپنی مواعظوں میں پڑھنے نہیں دیتا ہے بل کہ دوسرے شاعر کی نعت وسلام پڑھواتا ہے اور پھر بھی خود کو سنی کہتا ہے، لھذا آپ برائے کرم تفصیلی خلاصہ فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت نے مجدد الف ثانی کے بارے میں کیا فرمایا ہے اور ایسے آدمی کا مرشد بننا کیسا ہے اور جتنے اس کے مرید ہو گئے ہیں ان کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے اور اس کی اقتداء میں سنی آدمی کی نماز ہو جائیگی اور اعلیٰ حضرت کی محبت سنی ہونے کے لئے کتنی ضروری ہے برائے کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی، احقر غلام دستگیر ابن سلیمان نوازی گجرات

الجواب

تصوف کے سلسلوں میں سے ہر سلسلہ کے مرید کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے سلسلہ اور اس کے بزرگوں سے حسن اعتقاد رکھے اور ان کی فضیلت وبزرگی کا قائل ہو اور اس کو آدمی ظاہر بھی کر سکتا ہے مگر اس طرح نہیں کہ اس سے دوسرے سلسلہ یا اس کے بزرگوں کی غیر مقبولیت ظاہر ہو، یہ سخت بے توفیقی اور محرومی ہے، ہم کیا اور ہماری پہنچ کیا۔ کہ بزرگان دین واولیائے کاملین کے درجات کا فیصلہ کریں کہ فلاں اعلیٰ درجہ کا بزرگ ہے اور فلاں نیچے درجہ کا بزرگ ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [آل عمران: ۷۳] فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اس آیت کریمہ سے مسلمانوں کو دو ہدایتیں ہوئیں ایک یہ کہ جب دلیل معقول سے ایک کی فضیلت ثابت ہو تو اس میں اپنے نفس کے خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت یا شاگردی یا مریدی کو دخل نہ دے۔

(فتاویٰ رضویہ نہم ص ۱۳۱/۱)

سوال میں جن صاحب کا ذکر کیا گیا وہ تو اس سے بھی چار ہاتھ آگے بڑھ گئے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی غوث پاک پر ثابت کرنے کیلئے جھوٹی روایت گڑھ لی کہ جب غوث الاعظم کی وفات کا وقت قریب آیا تب حضرت مجدد الف ثانی کو بلایا اور کہا کہ اب تک" الخ۔

حالانکہ حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔

اور حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ میں ہوئی۔

(حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ۲۲/)

ان دونوں بزرگوں میں ۴۱۰ سال کا فاصلہ ہے، معلوم نہیں حضرت غوث پاک نے مجدد صاحب کو ان کے پیدا ہونے سے ۴۱۰ سال پہلے کہاں سے بلایا اور چار سو سال کے بیچ میں جو اولیائے کرام ہوئے ان کو مجدد صاحب نے کس طرح یہ درجہ دیا جب کہ خود ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے، ولایت کا درجہ پانا تو بعد کی بات ہے اور جب غوث پاک نے حضرت مجدد صاحب کو بلا کر لوگوں کو ولایت بخشنے کا درجہ دیا تو درجہ دینے والا بڑا ہوا یا درجہ پانے والا۔ ہر بات کا عقلی ونقلی ثبوت آپ ان صاحب سے دریافت کریں۔ اب سنئے کہ حضرت غوث پاک کی حضرت مجدد صاحب نے کتنی تعریف کی ہے ان کی فضیلت کا اقرار کیا اور ان کے احسان مند ہوئے، فرماتے ہیں: عروج شاں از اکثر اولیاء بلند واقع شدہ است در جانب نزول تا مقام روح فرود آمد کہ از عالم اسباب برتر است۔

(مکتوب نمبر ۲۱۶، بحوالہ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین صفحہ ۱۴۳)

آپ کا عروج اکثر اولیاء سے بلند ہے اور نزول مقام روح تک ہی ہے جو عالم اسباب سے بلند ہے۔

عروج ونزول ولایت کے دو مقام ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ دونوں مقامات میں آپ اکثر اولیاء سے بلند ہیں۔ اسی صفحہ پر آپ کا یہ بیان بھی قابل غور ہے واصلان ذات اقل قلیل اند، از اکثر اولیاء اللہ غوث الثقلین قطب ربانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز باین دولت ممتاز اند و دریں مقام شان خاص دارند کہ اولیاء دیگر ازاں خصوصیت کم بہرہ دارند (رسالہ غیبیہ) دریں عروج اخیر کہ عروج در مقامات اصل ست مدد از روحانیت غوث اعظم قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاقدس وبہ قوت تصرف ازاں مقامات گزرانیدہ بہ اصل الاصول واصل کردند از آن عالم بایں عالم باز گردانیدند۔ (مجموعہ سبع سنابل صفحہ ۴، بحوالہ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین صفحہ ۱۴۳) اللہ تعالیٰ کی ذات سے واصل اولیاء کی تعداد بہت کم ہے۔ اکابر اولیاء میں غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اس دولت سے ممتاز ہیں اور اس

مقام میں ایک خاص شان رکھتے ہیں کہ دوسرے اولیاء اس خصوصیت سے کم حصہ رکھتے ہیں۔ اس درجہ اخیر میں کہ یہی مقامات عروج میں اصل ہے مجھے غوث الثقلین محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی سے بڑی مدد ملی انھوں نے اپنی قوت وتصرف سے مجھے ان مقامات سے گزار کر اصول الاصول تک پہنچایا اور دوبارہ وہاں سے اس عالم میں لوٹایا۔

حضرت غوث العالم کے متعلق حضرت مجدد صاحب کے اس فرمان کو پڑھئے اور آپ کے رتبۂ عالی کا اندازہ کیجئے کہ اپنے وصال کے چار سو سال بعد بھی آپ کی روحانیت نے حضرت مجدد صاحب کو اس مرتبۂ عالی تک پہنچایا اور یہ بے باک کہہ رہا ہے کہ حضرت غوث پاک نے اپنے وصال کے وقت حضرت مجدد کو بلا کر کہہ دیا اب میرے بعد آپ لوگوں کو ولایت دیں گے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اسی طرح اس شخص کا یہ کہنا کہ سنت کی جتنی پابندی اس سلسلہ میں ہے دوسرے سلسلوں میں نہیں غلط اور بے ثبوت ہے حضرت سعدی شیرازی علیہ الرحمہ جو ایک بلند پایہ صوفی ہیں فرماتے ہیں۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

سعدی یہ مت سمجھنا کہ اہل صفا کا راستہ حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر چلا جا سکتا ہے۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب نفحات الانس کے حاشیہ میں اولیاء کرام کا یہ قول نقل کیا "من لاحظ له فی الشریعة لاحظ له فی الطریقة" جس کا شریعت میں کوئی حصہ نہیں اس کا طریقت میں کوئی حصہ نہیں۔ حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کے حالات میں ہے: قصد ابو یزید البسطامی قدس اللہ تعالیٰ روحہ بعض من وصف بالولایة فلما رآہ فی مسجدہ قصد ینتظر خروجه فخرج الرجل ورمی بزاقه تجاہ قبلة فانصرف ابو یزید ولم یسلم علیه وقال ھذا رجل غیر مامون علی ادب من آداب الشریعة فکیف یکون امینا علی اسرار الحق ۔ وشخصے برائے زیارت شیخ ابو سعید قدس اللہ تعالیٰ روحہ در مسجد در آمد نخست پائے چپ در مسجد نہاد شیخ او را گفت باز گرد ہر کہ درخانہ دوست درآمدن ادب نہ داند ما را نشاید کہ باو صحبت داریم۔

سلسلہ طفوریہ کے شیخ حضرت بایزید بسطامی نے ایک شخص کی ولایت کا شہرہ سنا ان کی ملاقات کو گئے وہ مسجد میں تھے مسجد کے باہر نکلے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک دیا حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے بغیر واپس ہو گئے اور فرمایا جو شریعت کے ایک ادب کی حفاظت نہ کر سکا وہ اللہ کے بھید کا امین کیسے ہوگا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ایک شخص ایک مسجد میں ملاقات کے لئے آیا اور مسجد میں پہلے بایاں قدم رکھ کر اندر داخل ہوا آپ نے اسے واپس فرما دیا اور فرمایا جو شخص دوست کے گھر میں آنے کا سلیقہ

نہیں رکھتا ہماری ملاقات کے لائق نہیں۔

یہ حضرات اولیائے متقدمین سے ہیں لیکن ان کی سنت کی پابندی دیکھئے! معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام سنت کی پیروی ضروری قرار دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو ماننے والے علماء حرمین شریفین تو اعلیٰ حضرت کی محبت کو سنیت کی علامت قرار دیتے تھے اور ہندوستان سے حج کے لئے جانے والوں کو اسی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور آپ کے امام صاحب کو ان سے نفرت ہے۔ آپ ان کے سامنے مولوی اشرف علی تھانوی، محمد قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی کے اقوال کریہہ پیش کیجئے اور ان کے بارے میں علمائے حرمین شریفین کے احکام کتاب مستطاب حسام الحرمین میں دکھائیے اور خود ان سے ان لوگوں کا حکم پوچھئے اگر ان پر شرعی حکم لگانے سے پرہیز کریں، تردد وانکار میں مبتلا ہوں تو سمجھ لیجئے کہ وہ جھوٹے سنی ہیں اور ان کو امامت سے علیحدہ کیجئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۷؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

(۲۰-۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) حضرت سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مکتوبات شریف کے تیسرے جوہر میں آپ کے کمال واخلاق کے بیان میں مرقوم ہے: آپ کا خمیر بقیہ طینت محمدیہ سے کیا گیا ہے۔

(۲) آپ قیوم اول یعنی آپ کی ذات بابرکت باعث قیام عالمیان ہے۔

(۳) آپ مجموعہ قطب مدار باعث بقائے جان عالم وقطب ارشاد باعث بقائے ایمان عالم ہیں۔

(۴) آپ ہی کے سلسلہ میں قیامت تک قطب مدار وارشاد ہوا کریں گے۔

(۵) آپ مقام سابقین اولین پر پہونچے جو اصحاب یمین سے بھی آگے ہیں۔

(۶) آپ نے بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا۔

(۷) آپ کو اسرار مقطعات قرآن عطا کئے گئے۔

ان سوالات کے علاوہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مرید کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شیطان لعین آپ کے پاس آیا تو آپ نے ابلیس لعین کو پہچان لیا اور فرمایا کہ اے مردود میں تجھ کو دنیا میں اتنا ذلیل ظاہر کرونگا جتنا تو فی الحال ہے اس سے بھی زیادہ۔ شیطان نے کہا آپ حضرات میری بدنامی نہ کرائیں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت تک آپ کے سلسلہ نقشبندیہ کے مریدین کو بحالت نزع کچھ نقصان نہ کرونگا اور نہ ان کا ایمان برباد کرونگا۔

لہذا مذکورہ واقعہ درست وصحیح ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں اور حضرت سیدنا مجدد الف ثانی کے پاس کعبہ معظمہ آیا اس کے کچھ نشانات ہیں اور آپ کی درگاہ کے پاس زمزم کا کنواں ہے اس میں آب زمزم موجود ہے یہ کیسے ہوا ہے؟ سلسلہ نقشبندیہ کے کچھ پیر و مریدین کہتے ہیں کہ ان باتوں سے آپ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے حضرت غوث اعظم پر کیونکہ بغداد شریف میں اس کے کچھ نشانات نہیں ہیں۔ اور اگر صرف اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا نے یہ کہا ہے کہ

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف　　کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا

یہ صرف عقیدت کی بنا پر کہا ہے، اس طرح سے کہتے ہیں۔

لہذا برائے کرم جلد جواب باصواب سے مطلع فرمائیں اور مذکورہ اختلافات دور فرمائیں۔ بینوا توجروا

سید احمد شاہ بخاری قادری ٹھکانہ مدرسہ غریب نواز بمقام ساپچالی تعلقہ بھچاؤ ضلع کچھ گجرات

الجواب

یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے کہ آدمی اپنی عاقبت کے سدھار اور ایمان وعمل کی درستی کو چھوڑ کر ان اولیائے کرام اور خاصان پروردگار کی عظمتوں کے تقابل اور ان کے درجات کی ٹلنا میں لگا رہے جن کے مقامات کی معرفت ہر خاص وعام کے بس میں نہیں۔ اور صدیاں بیت چکیں کہ وہ اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنے مراتب کے لحاظ سے قرب الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن اور لذت یاب ہیں، اور غور کیا جائے تو یہ بھی حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت شان کی ایک بڑی دلیل ہے کہ بہت سے اولیائے کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متبعین اور ان کی محبت کے دعویدار اپنے سلسلہ کے شیخ کی عظمت بتانے کے لئے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو نشانہ بناتے ہیں کہ ہمارے فلاں بزرگ غوث اعظم سے بھی بڑے ہیں گویا کہ حضور غوث اعظم کی بزرگی ان سب کے نزدیک ایک مسلمہ امر ہے جبھی تو آپ کی ذات والاصفات کو معیار قرار دیتے ہیں اور کیوں نہ ہو آپ خود فرماتے ہیں:

افلت شموس الاولین و شمسنا　　ابدا علی افق الاعلی لا تغرب

پہلے بزرگوں کے آفتاب ڈوب گئے اور میرا سورج ہمیشہ بلندیوں کے افق پر چمکتا رہے گا۔

چنانچہ شیخ احمد ابن ابو الحسن رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مریدین نے اپنے شیخ کے قطب الاقطاب اور غوث الثقلین ہونے کا دعوی کیا ہے بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت پیران پیر نے حضرت رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے رد میں ایک رسالہ (طرد الافاعی من حمی الرفاعی) تحریر فرمایا ہے۔ اور سنا گیا کہ حضرت بدیع الدین مدار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر

حاضری دینے والوں سے ان کے حاضر باش الجھتے ہیں کہ تم ہمارے مدار العلمین کو بڑے پیر صاحب سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں؟

اسی طرح اولیائے متاخرین میں حضرت مجدد صاحب کے بہت سے متبعین مجدد صاحب کو حضرت غوث پاک سے بڑھاتے ہیں جیسا کہ آپ کے سوال سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (البقرة:۱۳۴)

یہ قومیں ہیں جو گذر چکی ہیں ان کے لئے وہ جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا تم سے ان کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا۔

تو چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے اعمال وخیال کی درستگی میں لگے رہیں نہ ایسے سوالات میں الجھیں جن کے بارے میں قبر وحشر میں کہیں سوال نہ ہوگا۔ آپ کو بھی میری یہی نصیحت ہے کہ ان لاحاصل بحثوں میں نہ پڑیں اپنے شیخ سے سب سے زیادہ حسن عقیدت رکھیں اور انہیں اپنے کشف اور کشود کار کا کفیل جانیں۔

سوال میں ذکر کی ہوئی باتوں کا اجمالی جواب بھی ہے اور تفصیلی جواب بھی۔ اجمالی جواب تو یہ ہے کہ مذکورہ باتوں سے استدلال جب صحیح ہوتا کہ خود حضرت مجدد صاحب نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہوتا اور جب خود مجدد علیہ الرحمہ حضور غوث پاک کی فضیلت کا اعتراف کر رہے ہیں تو ہم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے فرمان کو رد کر کے ان کو قرائن وعلامات کی بنیاد پر غوث پاک پر بڑھائیں، ثبوت ملاحظہ ہو۔

حضرت مجدد صاحب کے نسبی اور نسبتی فرزند زید فاروقی سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ ان باتوں کے جواب میں کہ "حضرت مجدد صاحب تمام اولیا سے افضل ہیں حتی کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی برتر ہیں" حضرت مجدد کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

اگر مولی جل شانہ کی تقدیس اور تزکیہ کا معاملہ نہ ہوتا میں اکابر کے مکشوفات کے سامنے کیا زبان ہلاتا، میں ان کی نعمت کے خرمن کا ایک ادنی خوشہ چیں اور ان کے خوانہائے کرم کا جوٹھا اٹھانے والا ہوں انہوں نے گوناگوں نوازشوں سے میری تربیت اور طرح طرح کے احسانات سے میری پرورش کی ہے۔

(حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص۸۰،۱۴۲)

اور حضرت غوث پاک کے بارے میں حضرت مجدد کا قول نقل کرتے ہیں:

حضرات مشائخ کرام میں وہ پاک نہاد جن کو افراد کہتے ہیں، وہ واصلان ذات ہیں، نہایت قلیل

ہیں۔ اکابر صحابہ واہل بیت اطہار میں ائمہ اثنیٰ عشر اس دولت سے فائز ہیں، اور اکابر اولیا میں حضرت غوث الثقلین قطب ربانی عبدالقادر جیلانی اس دولت سے ممتاز ہیں۔ اور اس مقام پر آپ کی نرالی شان ہے، دیگر اولیا اس دولت سے کم بہرہ ور ہیں۔ (مجموعہ رسائل قلمی ص ۱۶۷)

مزید حضرت مجدد کے رسالہ مبدء ومعاد سے نقل کرتے ہیں:

اس عروج اخیر میں جو کہ مقامات اصل کا عروج ہے حضرت غوث اعظم کی روحانیت اور آپ کی قوت تصرف نے ان مقامات سے گذار کر اصل الاصول تک میرا وصول کرایا۔ اور وہاں سے عالم میں واپس لوٹایا۔ (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۱۴۴)

حضرت مجدد صاحب کے ان بیانات کو آپ بار بار پڑھیے، اس میں تصریح ہے کہ میں تو اولیائے کبار کے خوان کرام کا زلہ خوار رہا اور ان کا پروردہ ہوں۔ اور خصوصیت کے ساتھ حضرت غوث اعظم کے بارے میں تو صاف صاف اعتراف ہے کہ مقام فردیت میں ان کی نرالی شان ہے۔ اور یہ اقرار کیا ہے کہ مقام اصل الاصول تک میں انہیں کی روحانیت کے تصرف سے پہونچا ہوں۔ اور اپنے قلم سے ان کو غوث الثقلین اور قطب ربانی لکھا ہے۔ کیا حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ ثقلین سے باہر ہیں، تو آپ نے ان کو اپنا غوث بھی تسلیم کیا ہے۔ حضرت مجدد صاحب حضور غوث پاک کے انتقال کے کم وبیش چار سو سال بعد پیدا ہوئے۔ اس کے بعد کس کے پاس خبر آئی کہ غوث پاک سے وہ رتبہ لے کر حضرت مجدد صاحب کو دے دیا گیا ہے۔ بلکہ ان کو ان پر ترقی دی گئی۔ مشہور صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ اپنی کتاب نزہۃ النظر میں فرماتے ہیں:

لقد بلغنی عن الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی الله تعالیٰ عنه لما ترك الخلافة لما فيها من الفتنة والأذية عوضه الله سبحانه وتعالیٰ القطبية الكبرى فيه و فی نسله وكان رضی الله تعالیٰ عنه القطب الاكبر و سیدنا الشیخ عبد القادر الجیلانی هو قطب الاوسط و المهدی خاتم الاقطاب۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۲، ص ۱۴۵)

مجھے اکابر سے یہ خبر پہونچی کہ جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتنہ وآفات کی وجہ سے خلافت چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلہ میں انہیں اور ان کی اولاد میں قطبیت کبری کا درجہ دیا تو آپ قطب اکبر ہوئے اور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قطب اوسط ہوئے اور حضرت امام مہدی خاتم الاقطاب ہوں گے۔

ان شہادتوں کے مقابلہ میں ان بے تمیزوں کی حقیقت کیا ہے، جن کو آپ کے یہاں مجددی لوگ حضرت مجدد کو غوث اعظم پر فضیلت کی دلیل قرار دیتے ہیں۔

مثلاً ان کا یہ کہنا کہ آپ کا خمیر بقیہ طینت محمدیہ علیہ السلام سے کیا گیا ہے۔ اولا ہمارے پاس حضرت مجدد صاحب قدس سرہ کے مکاتیب کی جلدیں نہیں ہیں کہ ہم آپ کی عبارت کا مقابلہ کرتے آپ نے نام بھی کتاب کے تیسرے جوہر کا لکھا ہے جبکہ آپ کے مکتوبات کو دفتر سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مدعی حضرات اپنے مدعی کے اس حصہ کو ثابت کریں کہ مجدد صاحب کے خمیر کی تیاری کیسے بقیہ طینت محمدیہ سے ہوئی یہ بات کس نے کہی، کیوں کہ طینت اور طین کا ذکر تو تخلیق آدم علیہ السلام کے سلسلہ میں ہے اور انسانوں کو خاکی کہنے کی وجہ بھی یہی بتائی گئی ہے۔ جلالین شریف میں آیت: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ﴾[غافر:٦٧] کی تفسیر میں بتخليق ابيكم آدم منه (تفسير سورة غافر:٦٧) رسول اللہ ﷺ کے لئے تو حدیث شریف میں نور محمدی کا ذکر آیا ہے:

يا جابر ان الله خلق نور نبيك من نوره قبل الاشياء كلها۔ (كشف الخفا: ٣١٠)

پس حضور ﷺ کی بقیہ طینت سے حضرت مجدد کے خمیر کی تیاری کا کیا مطلب ہوگا، اگر یہ کہا جاتا کہ آدم علیہ السلام کے خمیر کے بقیہ سے مجدد صاحب کا خمیر بنا تو ایک بات بھی ہوتی۔

پھر دعوی کے دوسرے جز کو بھی کہ ''اس فاضل مٹی سے بننے والا حضرت غوث سے افضل ہوتا ہے'' ثابت کرنا مدعیان افضلیت ہی کی ذمہ داری ہوگی۔ اور بے چون وچرا مدعیان افضلیت کی تحقیق مان بھی لی جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ جو آپ کی طینت مبارکہ کے فضلہ سے پیدا ہوتا ہو اس کی تو یہ فضیلت تو جس کو حضور ﷺ خود اپنا جز اور بعض کہیں اس کی فضیلت کیا ہوگی، حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سید نجیب الطرفین ہیں حضرات حسنین کو آپ نے اپنا جز اور حصہ بتایا تو لامحالہ غوث پاک جو حضور کی ذات کا جز اور بعض ہیں تو آپ کے خمیر کی فاضل مٹی سے بنے ہوئے انسان سے ان کو افضل ہونا چاہئے۔

(۳) آپ قیوم اول ہیں۔ ضرور مجدد صاحب نے اپنے قیوم اول ہونے کا دعوی کیا ہے، لیکن یہ دعوی بھی آپ کے غوث پاک سے افضل ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اس لفظ میں آپ کی ذات پر اطلاق سے یہ اعتراض پیدا ہوا کہ لفظ قیوم تو لفظ قدوس اور رحمٰن کی طرح اللہ تعالیٰ کے مخصوص اسماء میں سے ہے کسی دوسرے پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں۔ فقہ کی مشہور کتاب مجمع الانہر میں ہے:

اذا اطلق على المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق جل و علی نحو القدوس و القيوم و الرحمن و غيرها يكفر۔

اللہ کے مخصوص اسما مثلاً قیوم، قدوس، رحمٰن کو کسی مخلوق کے لئے بولنا کفر ہے۔

اس اعتراض کا جواب جناب زید فاروقی نے اپنی کتاب ''حضرت مجدد اور ان کے ناقدین'' میں

اس طرح دیا ہے، کہ حضرت مجدد کے تجویز کردہ نام پر بعض لوگ لاحول واستغفار پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسمیہ سوءادب کو متضمن ہے۔کوئی ان سے پوچھے کہ سننے والے کو "سمیع" دیکھنے والے کو "بصیر" علم والے کو "علیم" حکمت والے کو "حکیم" کہتے ہیں تو بے ادبی کا احساس کیوں نہیں ہوتا اور "قیوم" میں یہ احساس کیوں ہوا؟ کیا شریعت میں اس نام کی تخصیص آئی ہے۔

جوبات شیخ اکبر اور مجدد نے کہی اور تمام مشائخ نے کہی اگر فرق ہے تو صرف نام میں فرق ہے۔

کسی نے غوث نام رکھا، کسی نے قطب الاقطاب، کسی نے قطب مدار، کوئی مشکل کشا کہتا ہے، کوئی کرتا دھرتا، کوئی قیوم، حضرت سیدنا عبد القادر غوث کہلائے، حضرت شاہ نقشبند مشکل کشا، حضرت مجدد قیوم، منصب ایک ہے نام مختلف۔ (حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۶۶)

اس طویل اقتباس میں صاف تصریح ہے کہ غوث قطب اور قیوم میں الفاظ کا اختلاف ہے منصب اور مرتبہ کے اعتبار سے ایک چیز ہے یعنی جس کو غوث کہتے ہیں وہی قیوم بھی ہے، تو اولا تو اس لفظ کے اطلاق میں ہی بحث ہے کہ یہ جائز ہے یا نا جائز؟ اور بر تقدیر جواز قیوم اور غوث ایک ہی ہیں، پھر قیوم کے غوث پر افضل ہونے کی بات کہاں سے نکلی۔

آپ مجموعہ قطب مدار وقطب ارشاد ہیں، حضرت زید کی تصریح گذر چکی، قطب المدار اور غوث وغیرہ الفاظ ایک ہی مرتبہ کی تعبیریں ہیں اور حضرت مجدد صاحب کی تصریح سے گذرا کہ حضرت شیخ عبد القادر غوث الثقلین ہیں اور مقام فردیت میں آپ کی شان نرالی ہے تو مجددی ہونے کے ناطے ان حضرات کو اپنے شیخ کے ارشادات پر عمل کرنا چاہئے اور مقام غوثیت وقطبیت اور فردیت اور بقول شیخ مجدد قیومیت میں بھی ان کی نرالی شان ہی ماننی چاہئے۔

(۴) قیامت تک آپ کے ہی سلسلہ میں قطب مدار اور ارشاد ہوا کریں گے۔ یہ بے اصل بات ہے جس کا بار ثبوت مدعیوں پر ہے، ہم نے تو حضرت ملا علی قاری کی تحریر پیش کردی ہے کہ وہ مہدی ہوں گے، ﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: ۱۱۱)

(۵) آپ مقام سابقین اولین پر پہونچے، حضرت مجدد صاحب کی ترقی تصوف کے کن مدارج تک ہوئی ہمیں اس کی تفصیل سے کوئی بحث نہیں، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ مجدد صاحب کی ترقیات کی جو آخری حد ہے جسے وہ اصل الاصول تک پہونچنا کہتے ہیں جب آپ وہاں پہونچے تو حضرت غوث الثقلین کو وہاں نرالی شان سے موجود پایا اور اس احسان کو آپ نہ بھولے کہ حضرت مجدد صاحب کو یہ درجات غوث اعظم کی روحانیت اور ان کے تصرفات سے ملے، ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ [المومنون: ۱۴]

ایک حدیث شریف میں ہے: ما من مولود الا قد ذرء علیه من تراب حفرته۔

(حلیۃ الاولیاء: ۲/۲۸۰)

کوئی بچہ نہیں پیدا ہوتا جس پر کہ اس کی قبر کی مٹی نہ چھڑکی گئی ہو،

اس لحاظ سے بھی حضور کے خمیر سے حضرت مجدد کے بننے کا دعوی صحیح نہیں کہ حضرت مجدد کی قبر سرہند میں ہے۔ تو ان کے نطفہ میں اس کی مٹی ملائی گئی ہوگی نہ کہ مدینہ منورہ اور روضہ انور کی ورنہ ان کی قبر بھی وہیں ہوتی۔

(۶) آپ نے بے واسطہ اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا: پارہ ۲۵ رسورہ شوریٰ شریف کی آیت ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾ [الشوریٰ: ۵۱]

اللہ تعالیٰ انسانوں سے تین طرح سے کلام کرتا ہے:

(۱) فرشتہ بھیج کر اس کے ذریعے اور واسطے سے۔

(۲) فرشتہ کے واسطے کے بغیر بندہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے مگر اس کو دیکھتا نہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر کلام کرتے تھے۔

(۳) یا بطور وحی کے اور یہ کلام بھی بے واسطہ ملک ہی ہے۔ تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ دل میں الفاظ ومعانی کے ساتھ مرتب کلام ڈال دیا جائے اس کو القا بھی کہا جاتا ہے یا صرف خیال دل میں ڈال دیا جائے اس کو الہام کہتے ہیں۔

ان صورتوں میں سے صرف الہام اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا حصہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

لم یبق من النبوة الا المبشرات قالوا: و ما المبشرات؟ قال الرویا الصالحة

(صحیح البخاری۔ کتاب التعبیر، مشکوۃ المصابیح، کتاب الرویا: ۲/۲۱۹)

حضور ﷺ نے فرمایا نبوت میں سے مبشرات ہی باقی رہ گئے ہیں، لوگوں نے پھر پوچھا مبشرات کیا ہیں آپ نے فرمایا اچھے خواب۔

حضرت امام منذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بیداری میں بھی الہام ہوتا ہے۔ ان حقیقة الرویا خلق الله فی قلب النائم اعتقادات و هو سبحانه یفعل ما یشاء لا یمنعه نوم و یقظة۔

رویا کی حقیقت اہل سنت وجماعت کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں کوئی خیال پیدا فرمائے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے خواب یا بیداری اس کو اس سے روک نہیں سکتے۔ مطلب یہ کہ یہ بات بیداری میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرام پر الہام بے واسطہ ملک ہوتا ہے اور اس دولت سے خواب یا بیداری میں اولیائے کرام نوازے جاتے ہیں، حضرت مجدد پر بھی اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا تو اس میں غوث اعظم پر افضل ہونے کی کیا بات ہے؟ کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غوث اعظم پر کبھی کوئی الہام نہ فرمایا۔

(۷) آپ کو اسرار مقطعات قرآنی عطا کئے گئے تھے۔ مقطعات قرآنی کا دوسرا نام متشابہات ہے۔ حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف تصنیف نور الانوار میں فرماتے ہیں:

المتشابه على نوعين نوع لا يعلم معناه اصلا كا لمقطعات فى اوائل السور مثل الم ، حم. (مبحث المتشابه: ۹۷،۹۸)

متشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اس کے معنی کا بالکل پتہ نہیں جیسے قرآن کی سورتوں کے شروع میں الفاظ الم، حم وغیرہ۔

اور قرآن عظیم میں متشابہات کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ [آل عمران:۷]

اللہ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس میں کچھ محکم آیتیں ہیں، یہ کتاب کی اصل ہیں اور متشابہ تو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ کی تلاش میں رہتے ہیں حالانکہ اس کی تاویل اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے کہ دونوں ہی ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں نور الانوار و تفسیرات احمدیہ میں ہے:

و حكمه اعتقاد الحقية قبل القيامة اى الاعتقاد ان المراد به حق وان لم نعلمه قبل يوم القيامة و اما بعد يوم القيامة فيصير مكشوفا لكل احد ان شاء الله تعالىٰ وهذا فى حق الامة اما فى حق النبى ﷺ فكان معلوما وهذا عندنا وقال الشافعى و عامة المعتزلة ان العلماء الراسخين ايضا يعلمون تاويله۔ (مبحث المتشابہ: ۹۷)

متشابہات کا حکم یہ ہے کہ اس کا حق ہونا تسلیم کیا جائے یعنی یہ مانا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف

کے جو معنی مراد لئے وہ حق اور صحیح ہے اگرچہ ہمیں قیامت سے قبل ان کے معانی کا علم نہ ہو۔ قیامت کے بعد ان شاء اللہ بھی جان جائیں گے۔ لاعلمی کا یہ اعتقاد امت کے بارے میں ہونا چاہئے رسول اللہ ﷺ تو ان کے مخاطب ہیں اس لئے انہیں ان الفاظ کے معنی مراد ضرور معلوم ہیں۔

یہ علمائے احناف اور جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے، حضرت امام شافعی اور عام معتزلہ کا کہنا یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی مراد راسخین فی العلم بھی جانتے ہیں، علمائے احناف کے نزدیک مخلوقات میں رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کو ان کا علم نہیں وہ امتیوں میں سے کسی کے لئے اس علم کے قائل نہیں بلکہ اس کی تلاش میں بھٹکنے والوں کو راہ میں بھٹکے ہوئے قرار دیتے ہیں۔ اور جو لوگ راسخین فی العلم کو بھی اس کا عالم مانتے ہیں وہ بھی راسخین فی العلم کے لئے اس کو عام مانتے ہیں، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کوئی خصوصیت نہیں قرار دیتے ہیں تو اس کے حصول کی بنیاد پر حضرت مجدد صاحب کو غوث پاک سے افضل ماننا بھی محتاج دلیل ہے صرف اتنی بات سے ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کہ وہ مقطعات کا علم رکھتے ہیں

(۷) یہ روایت بظاہر قرآن و حدیث کے خلاف ہے، قرآن عظیم میں ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حضور اعلان کیا: ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ. اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ (الحجر: ۳۹)

اے رب اس کی قسم کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں انہیں زمین میں بھلاوے دونگا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کرونگا مگر جو ان میں سے تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (ان پر شیطان کا وسوسہ اور اس کا مکر نہ چلے گا) (ترجمہ رضویہ، تفسیر خزائن)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اپنا مکر تو شیطان سب پر چلائے گا البتہ مخلص پر اس کا مکر نہ چلے گا، اس میں بھی مریدین حضرت مجدد کی کوئی خصوصیت نہیں۔ تو بظاہر یہ وعدہ بھی آیت مبارکہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے حضرت مجدد صاحب سے کہا کہ میں آپ کے مریدوں کو گمراہ نہ کرونگا کہ اعلان تو وہ سب کو گمراہ کرنے کا کر چکا ہے۔ اور وعدہ کیا بھی ہو تو یہ جھوٹا وعدہ ہے کہ اس جھوٹے کا کیا اعتبار؟

حدیث شریف میں ہے:

ان الشيطان يجرى من الانسان مجرى الدم (متفق عليه) (صحيح البخارى - كتاب بدء الخلق (فتح البارى ۶/۳۳۶، بحواله مشكوة المصابيح: ۱/۳۰) - شیطان انسان کے جسم میں خون کی جگہ دوڑ رہا ہے۔

شیخ محقق نے اس کی شرح لمعات میں فرمایا: المقصود تمكنه من اغواء الانسان تمكنا تاما۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان انسانوں کے بہکانے پر پورا قابو رکھتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے: ما منکم من احد الا وقد وکل به قرينه من الجن وقرينه من الملئكة قالوا: و اياك يا رسول الله؟ قال :و اياى، لكن الله اعانني عليه فاسلم فلا يأمرنى الا بخير۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان: ۱/۳۰)

ہر آدمی پر گمراہی کے لئے شیطان اور ہدایت کے لئے فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں، صحابہ نے عرض کی آپ کے لئے بھی ایسا ہی ہے تو آپ نے فرمایا: ہاں، مگر میرا شیطان میرے تابع فرمان ہے تو مجھے سوائے اچھی بات کے اور کچھ نہیں کہتا۔

اس حدیث سے بھی یہ ظاہر ہے کہ اغوائے شیطان تو سب کے لئے ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے چنے ہوئے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے اغواء سے محفوظ رکھتا ہے، اور ایسے بندے انبیا و اولیا اور ان کے متبعین میں سے کوئی بھی ہو سکتے ہیں، کچھ حضرت مجدد کی خصوصیت ہی نہیں، خود حضرت غوث پاک نے بھی اپنے مریدوں سے فرمایا:

مریدی لا تخف الله ربی عطانی رفعة نلت المعالی

میرے مرید خوف نہ کھا میرے پروردگار نے مجھے ایسی رفعتیں دی ہیں کہ میں نے بلندیاں پائیں۔

(۸) ان نمبروں میں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے بقیہ نمبروں کی طرح ان کی تصدیق بھی حضرت مجدد صاحب کے تذکروں سے نہ ہو سکی، ایک مجددی صاحب جن کے پاس ایسی کتابوں کا خاصہ ذخیرہ ہے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی کسی ایسی تحریری روایت سے لاعلمی ظاہر کی صرف یہ بتایا کہ ہاں لوگوں کی زبانی یہ سنا۔ تاہم ہم کو اس سے انکار نہیں قدیم بزرگوں کے تذکروں میں ایسا ذکر ہے کہ کعبہ شریف ان کی زیارت یا استقبال کو گیا اور کتب فقہ سے بھی اس کی تائید دستیاب ہوتی ہے۔ حضرت علامہ شامی بحر الرائق کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

الكعبة اذا رفعت عن مكانها لزيارة اصحاب الكرامة ففى تلك الحالة جازت صلوة المتوجهين الى ارضها۔ (حاشيه ابن عابدين باب شروط الصلوة: ۲/۱۱۰)

کعبہ شریف جب کسی ولی اللہ کی زیارت کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ جائے اس حالت میں کعبہ شریف کی زمین کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے والوں کی نماز جائز ہے۔

تو عین ممکن ہے کہ حضرت مجدد صاحب کی زیارت کو بھی کعبہ آیا ہو۔ لیکن اس کو حضرت مجدد کی ایسی کرامت سمجھنا جس کی وجہ سے آپ حضور غوث الثقلین سے افضل ہو گئے ہوں صحیح نہیں۔

صاحب بحرالرائق علامہ نجیم مصری علیہ الرحمہ نے ۹۷۰ھ میں وفات پائی اور حضرت مجدد صاحب ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجدد صاحب کی ولادت سے پہلے بھی ایسے اصحاب کرامت اولیا اللہ گزرے ہیں جن کی اس کرامت کا چرچا تھا، تو سوال میں درج کی ہوئی اس نکتہ آفرینی کا تقاضہ یہ ہوگا کہ ایسے تمام اولیاء اللہ حضور غوث پاک سے افضل ہوں اور حضرت مجدد صاحب کے برابر، اور جب آپ کے پاس کوئی تاریخی ثبوت حضرت مجدد صاحب کے پاس کعبہ کے آنے کا نہیں، تو آپ کو کیا حق ہے کہ حضرت غوث پاک کے لئے اعلیٰ حضرت کے شعر کو آپ عقیدت پر محمول کریں۔ آپ کی روایت کو خوش عقیدگی میں پختہ کیوں نہ قرار دیا جائے اور سرہند شریف میں بنی ہوئی علامتوں کو آپ جیسے ہی کسی خوش عقیدہ کی خوش عقیدگی کا ثمرہ کیوں نہ قرار دیا جائے۔ خصوصا اس صورت میں کہ حضرت زید نے حضرت حسن احمد ولد محمد باری ابن عبید اللہ ابن محمد معصوم ابن حضرت مجدد کی تصنیف روضہ قیومیہ کو ایسی خوش کن باطل باتیں جن کی کوئی اساس نہ ہو، کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

کچھوچھہ ضلع فیض آباد حضرت مخدوم اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف کے چہار جانب وسیع و عریض تالاب ہے اور بیچ میں ٹیلہ پر آپ کا مزار شریف ہے۔ مزار پر آنے جانے کے لئے خشکی کا راستہ ہے اس تالاب کو نیر شریف کہتے ہیں، اس کے بارے میں بھی یہی مشہور ہے کہ حضرت مخدوم کے ہمراہی اور آپ کے فیض یافتہ بزرگان دین نے بزور کرامت "طے مسافت" مکہ مکرمہ سے زمزم شریف لا کر اس پورے تالاب کو بھرا تھا جو آج تک خشک نہیں ہوا، یعنی نیر شریف کا پانی بھی زمزم شریف یا اس کا آمیزہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت مخدوم اشرف صاحب بھی حضرت مجدد کے زمزم کے کنویں والے وصف خصوصی میں ان کے برابر اور فضیلت میں ان کے شریک ہوئے ہیں۔

المختصر اس قسم کی خوش اعتقادیوں میں وقت صرف کرنے اور ان کے لئے فتنہ فساد اور اختلاف وشقاق پیدا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان بزرگوں نے خدارسی کی راہ میں جو اپنا نقش قدم چھوڑا ہے، اس پر چلنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۳ر جمادی الاولی ۱۷ھ

(۲۸-۳۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) زید کہتا ہے کہ فرشتوں کے اندر عشق پایا جاتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ فرشتوں کے اندر اگر عشق ومحبت پائی جاتی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام جب حضور رحمت عالم ﷺ کے ساتھ معراج میں تشریف لے جا رہے تھے تو سدرہ پر پہونچ کر کیوں معروضہ پیش کیا؟ اگر جبرئیل علیہ السلام کے اندر عشق ومحبت ہوتی تو

جبرئیل جلنے کا عذر نہ کرتے بلکہ چل دیتے چاہے جل ہی جاتے جیسا کہ حضرت صفوراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی نے کہا تھا کہ اے موسیٰ میں ان آنکھوں کو دیکھوں گی جن آنکھوں نے رب کا جلوہ دیکھا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری آنکھوں سے آنکھ نہ ملانا ورنہ تمہاری آنکھ ختم ہو جائے گی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تنبیہ کے باوجود وہ اپنی چاہت سے دست بردار نہ ہوئیں۔اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ عشق ومحبت سیکھنا ہے تو جبرئیل سے پوچھو اس کا جواب مع عبارت تحریر فرمائیں کہ زید وبکر پر کیا حکم ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ حضور ﷺ سید الانبیاء اور حضور غوث پاک سید الاولیاء ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ ولایت حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہے۔تو آیا حضرت غوث پاک تمامی انبیاء کے سید ہوئے اس لئے کہ غوث پاک سید الاولیاء ہیں تو زید پر کیا حکم ہے توبہ کا یا اور کچھ؟ اور ولایت کہاں سے شروع ہے یہ بھی جواب سے نوازیں اور جو حکم ہے اس کو تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

(۳) یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نمرود کی آگ میں ڈالے جارہے تھے تو عقل ابھی سوچ رہی تھی، غور وفکر کر رہی تھی، کانپ رہی تھی اور عشق نے چھلانگ لگادی، عقل وعشق کی تشریح فرمائیں اور اس شعر کی بھی تشریح فرمائیں۔

ع بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق ☆☆ ☆ عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

حضور سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو بہت جلد جواب سے نوازیں گے نوازش ہوگی۔

المستفتی، نور الحسن نوری گورکھپوری دار العلوم غوثیہ تیغیہ رسول آباد سلطانپور

الجواب

(۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مبارک ومحترم کتاب احیاء العلوم شریف جلد چہارم میں رقم طراز ہیں:"المحبة عبارة عن ميل الطبع الى شئ ملذ فان تاكد ذلك الميل وقوى سمى عشقا"

لذت بخشنے والی چیز کی طرف طبیعت کے جھکاؤ کا نام محبت ہے اور ایسی کیفیت جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو عشق کہلاتی ہے۔اور انہیں کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو میلان طبع خواہشات نفسانی کی وجہ سے ہو وہ نفسانی محبت کہلاتی ہے اور جو قلب وروح کے تقاضے سے ہو اس کو روحانی اور قلبی کہتے ہیں۔فرشتے شہوت بطن وشکم سے پاک ہیں اس لئے محبت کی وہ قسم جسے نفسانی کہا جاتا ہے وہ اس سے بلاشبہ پاک ہیں لیکن روحانی محبت یہ ضرور فرشتوں میں پائی جاتی ہے۔

اس کا ثبوت مندرجہ ذیل حدیث شریف اور اس کی شرح میں ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان الله اذا احب عبدا دعا جبرئيل فقال: انی احب فلانا فاحبه، قال فيحبه جبرئيل، ثم ينادی فی السماء فيقول: ان الله يحب فلانا فاحبوه، فيحبه اهل السماء ثم يوضع له القبول فی الارض۔

(مشکوۃ شریف ص ۴۲۵)

حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے اے جبرئیل میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر تو وہ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے اے فرشتو تم سب بھی اس سے محبت کرو تو فرشتے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور زمین والوں کے دل میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"حب جبرئيل والملائكة يحتمل وجهين احدهما: استغفارهم له وثناؤهم عليه ودعاء هم له، وثانيهما ان محبتهم على ظاهرها المعروفة من المخلوقين، و هو ميل القلب اليه واشتياقه الى لقائه "(۳۱۳۲/۸)

فرشتے اور جبرئیل بھی اس بندہ خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں، اس محبت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح انسان ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں کہ فرشتوں کا دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان کو اس بندے سے ملاقات کا شوق ہوتا ہے۔رہ گیا بکر کا یہ کہنا کہ جبرئیل کو اگر محبت ہوتی سدرہ سے آگے جانے کا عذر نہ کرتے تو بکر اگر مسلمان ہے تو اس سے پوچھئے کہ تجھے رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے یا نہیں اگر کہے کہ محبت نہیں ہے تو کہئے کہ اپنے اسلام کی خبر لو اور اگر کہے کہ محبت ہے اور ہر مسلمان کو اپنے رسول سے محبت ہونا ہی چاہئے تو اس سے کہئے کہ اف جھوٹے دعویدار جبرئیل علیہ السلام تو ایک دفعہ سدرہ سے اوپر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیکر تیرے نزدیک محبت سے خالی ہو گئے اور تو زبان سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور ہندوستان میں پڑا ہوا ہے تجھ کو دعویٰ محبت کر کے مدینہ شریف چھوڑ کر یہاں پڑے رہنے کا کیا حق ہے۔دیکھو اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاشق رسول مشہور ہیں لیکن زندگی میں نہ حضور ﷺ سے ملے نہ حضور کو دیکھا۔معلوم ہوا کہ کوئی آدمی کسی وجہ سے محبوب کا ساتھ نہ دے اور اس سے دور ہو جائے تو یہ مطلب نہیں کہ اس کو محبت ہی نہیں ہے۔حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو حضور ﷺ کے ساتھ

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی محبت کی یوں شہادت دیتے ہیں:

بے لقائے یاران کو چین آجاتا اگر   بار بار آتے نہ یوں جبریل سدرہ چھوڑ کر

یہ اسی محبت وعشق کا بیان ہے جس کو امام غزالی نے عشق فرمایا ہے۔ زوجۂ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو روایت لکھی ہے اسکا کوئی حوالہ تو آپ نے دیا نہیں ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے حضرت صفورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک فضیلت ثابت ہوتی ہے لیکن اس کو سند بنا کر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی محبت کا انکار کرنا ایک غلط طریقہ ہے۔ جس طرح ایک دوا کا اثر ہر ایک پر یکساں نہیں ہوتا اسی طرح جذبۂ محبت کا ظہور بھی سب پر ایک ہی طرح کا نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا بندہ عبادت وریاضت کرتے کرتے درجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جن بندوں پر اپنا فضل خاص فرماتا ہے تو ان کو درجۂ ولایت سے آگے اور اوپر نبوت کا درجہ دیدیتا ہے یہ مطلب ہے ہر نبی کے درجۂ نبوت پر مستقر ہونے سے پہلے ولی ہونے کا، تو جو نبی ہے وہ ولی بھی ہے اور جو سید الانبیاء ہے وہ سب نبیوں سے بھی اوپر ہے، تو قاعدے سے یہ خیال آنا چاہئے کہ جو نبیوں کا سردار ہے وہ اولیاء کا بھی سردار ہے یہ غلط خیال دل میں کیسے سمایا کہ جو ولیوں کا سردار ہے وہ نبیوں کا بھی سردار ہے، آخر دنیا میں بھی تو ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ آدمی بی۔اے کرنے کے بعد ایم اے ہوتا ہے۔ تو جتنے ایم اے ہیں سب بی اے بھی ہیں۔ لیکن کیا کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ جو بی اے میں سب سے ٹاپ ہو وہ ایم اے والوں میں بھی ٹاپ ہو، اس بیچارے نے ایم اے کیا ہی نہیں تو ان میں ٹاپ کیسے ہوگا تو ہر نبی ولی ہے اور سید الاولیاء غوث پاک صرف ولی، تو وہ صرف اولیاء کے سردار ہیں نبی ہیں ہی نہیں تو جو نبی بھی ہے اس کے سردار کیسے ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا کرے۔

(۳) ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عشق ایک جذبہ ہے جو انجام نہیں سوچتا اور عقل ہر چیز کا آگا پیچھا سوچتی ہے کہیں کہیں عقل اور عشق دونوں کا تقاضا ایک ہی ہوتا ہے لیکن بہت سی جگہوں پر عقل کچھ کہتی ہے اور جذبہ کچھ اور کہتا ہے۔ تو وہاں آدمی کی عقل کہیں جذبے پر غالب آجاتی ہے۔ تو آدمی عقل کے موافق کام کرگزرتا ہے اور کہیں جذبہ عقل پر غالب آجاتا ہے آدمی اس کے موافق کام کرتا ہے۔ لیکن واقعہ کے اعتبار سے نہ ہر جگہ محض عقل کی پیروی درست ہے اور نہ صرف جذبے کی موقعہ سے دونوں کی اتباع چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اگر عقل کا مشورہ قبول کرکے آگ میں کودنے سے انکار کردیتے تو غلط ہوتا یہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں انجام کی پرواہ کئے بغیر جذبۂ عشق کی بات مانی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں گلزار کا انعام دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

فضائل کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو مدعی مولویت ہے شب برات کے مسئلے میں یہ چھاپتا ہے۔

(الف) یہ وہ مبارک رات ہے جس میں حسب بیان رسول اکرم ﷺ خداوند قدوس آسمان اول سے ندا فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے آسمان اول سے ندا فرمانے کو حسب بیان رسول ﷺ کا تابع بنا شرعا جائز ہوگا۔

(ب) یہ وہ مبارک رات ہے جس میں سرور کائنات ﷺ شہداء کے مزارات پر تشریف لیجاتے تھے۔ یہی وہ مبارک رات ہے جس میں اپنے گناہوں سے برأت طلب کرتے اور سال بھر کے برکات وانعامات حاصل کرتے تھے۔

ان چیزوں میں یہ پوچھنا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی طرف گناہ ہونے کی نسبت کرنا عصمت انبیاء علیہم السلام اور خصائص آنحضرت ﷺ کے بنیادی عقیدہ کو مجروح تو نہیں کرتا ہے اور گناہوں کی یہ منسوبیت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب شرعا کس حکم میں آتی ہے براہ کرم مدلل ومشرح جواب ارسال ہو۔ بینوا توجروا

محمد ظہیر کلکتہ

الجواب

اصل میں یہ دونوں ٹکڑے دو حدیثوں کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلی حدیث مشکوٰۃ شریف: باب التحریض علی قیام اللیل میں ان الفاظ سے ہے۔ ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الاخر يقول : من يدعونى فاستجيب له (۱/۲۳۲)،، الخ اور دوسری حدیث غنیۃ الطالبین میں فضائل شعبان میں ہے۔" اعترفت لك بالذنب ظلمت نفسى فاغفرلى انه لا يغفر الذنوب الا انت ،،۔ پس اصل حدیث میں ان الفاظ کا اطلاق ناجائز نہیں تو ترجمے میں حکایت کے موقع پر ناجائز نہیں ہوگا۔ جو تاویل اصل الفاظ حدیث میں کی جائیگی وہی ان کے ترجمے میں بھی۔ ہاں چونکہ عام لوگوں میں اس سے غلط فہمی ہو جانے کا خطرہ ہے اس لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ   الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہماری جماعت کی سالانہ رپورٹ شائع ہوتی ہے۔اس کی ابتداء میں اس طرح کا مضمون لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے، اور رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کرام اہل سنت عظام کے فضل سے اور حضرت پیران پیر دستگیر غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے صدقہ میں۔ ہمارا یہ سال خیر وخوبی سے گذرا، یہ رپورٹ مجلس میں پڑھی گئی تو ایک ممبر زید نے اعتراض کیا اور کہا کہ اس رپورٹ میں سے غوث اعظم کا نام مٹادو۔اس نام سے عوام میں مخالفت ہے۔اگر یہ نام لکھا جائے گا تو لوگ گمراہ ہوجائیں گے۔جب اس پر رائے شماری ہوئی تو زید تنہا ہی مخالفت میں رہ گیا۔تو وہ میٹنگ چھوڑ کر باہر گیا۔اور کچھ دفعتہ کے بعد واپس آکر کہا کہ میری مخالفت میٹنگ بک میں لکھ لیجئے۔اب بکر زید کی حمایت کر رہا ہے۔ بانگ دہل کہہ رہا ہے کہ زید سنیت سے خارج نہیں ہوا۔اور اولیاء اللہ کو نہ ماننے والا ابھی سنی ہے۔ان باتوں پر زید اور بکر کی حمایت عمر کر رہا ہے۔
لہٰذا قرآن پاک اور حدیث شریف اور فقہ کی روشنی میں فتویٰ دیکر عوام کو گمراہی سے بچائیں۔

جان محمد ذکریا ساکن بمبئی

الجواب

رپورٹ کا مضمون بالکل حق ہے۔زید کا اعتراض سراسر غلط اور بدعقیدگی پر مبنی ہے۔قرآن مجید میں خداوند قدوس نے اولیاء کرام کی تعریف فرمائی ہے۔مسلمانوں کے قلوب میں اولیاء کرام کی عظمت بٹھائی۔ارشاد فرمایا: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[یونس:۶۲] آگاہ ہوجاؤ خبردار ہوجاؤ، اللہ کے جتنے ولی ہیں ان کو کوئی خوف اور ڈر نہیں: نہ وہ غمگین ہوں گے، اولیاء اللہ کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ان کی عداوت اللہ تعالیٰ کی عداوت ہے۔حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:" من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب"(البخاری فی الصحیح(فتح الباری)۳۴۰/۱۱)

ارشاد الٰہی ہے: جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔خصوصا سید الاولیا حضور غوث پاک محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اولیا کے سردار ہیں۔سرتاج ہیں محی الدین ہیں۔ان سے دشمنی خداوند تعالیٰ سے کھلی لڑائی ہے۔لہٰذا زید کے الفاظ مذکورہ فی سوال سخت گمراہی ہیں۔دوسری حدیث میں فرمایا:" ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم"(صحیح البخاری، کتاب الجھاد باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب:۷۰۸/۲) یعنی تمہیں اللہ والوں کے صدقہ میں ہی رزق دیا جاتا ہے۔اور تمہاری مدد انہیں کے صدقہ میں کی جاتی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ رپورٹ کا مضمون مذکور فی سوال یقیناً صحیح

ہے قرآن وحدیث کے موافق ہے۔جو اس کی مخالفت کرتا ہے ہرگز سنی نہیں اس کی حمایت ہرگز جائز نہیں زید کو اپنے اس قول سے توبہ کرنی چاہئے۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، ۱۶؍رجمادی الاخریٰ ۸۹ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ

(۳۔۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ

(۱) فیضان سنت کے سرورق پر سرکار ﷺ کے نعل اقدس کی شبیہ بنی ہوئی ہے اور پھر اس کے نیچے آیت قرآن واحادیث مبارکہ کے مضامین تحریر کئے گئے ہیں ارشاد فرمایا جائے ایسی کتاب جس میں قرآن کی آیتیں احادیث اور نعت کے اشعار تحریر ہوں اس کتاب کے سرورق پر نعل اقدس کی شبیہ بنانا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) مولانا الیاس قادری صاحب نے ایک کتابچہ تصنیف فرمایا ہے جس میں انہوں نے لکھا کہ راہ خدا میں نکلنے والے کو ایک نماز کے بدلے میں انچاس کڑور نمازوں کا ثواب ملتا ہے، اس فضیلت کے بیان میں انہوں نے دو حدیثوں کے حوالے سے استدلال فرمایا ہے، ارشاد فرمایا جائے کہ یہ کہاں تک صحیح ہے برائے کرم از روئے شرع مذکور بالا مسائل کے جوابات عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی، محمد نعیم الدین قادری رضوی

الجواب

(۱) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاوٰی رضویہ کتاب الکراھیۃ میں تحریر فرماتے ہیں اسی طرح طبقۃً فطبقۃً شرقاً غرباً عجماً عرباً علمائے دین وائمہ معتمدین نعل مطہر حضور سید البشر علیہ افضل السلام واکمل الصلوۃ کے نقشے کاغذوں پر بناتے کتابوں پر تحریر فرماتے آئے اور بسم اللہ شریف اس پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں (نقشہ نعل کو نعل مقدس پر قیاس کرنا صحیح نہیں) اعمال کا مدار نیت پر ہے"

(۲) اللہ تعالیٰ اپنے کس بندے کے کس عمل خیر سے راضی ہو کر کتنا اجر وثواب عطا فرمادے اس کی کوئی حد ونہایت نہیں ہے ایک نماز کا ثواب انچاس کڑور بتانے والوں نے ایک متعین مقدار لکھی، قرآن میں تو اللہ تعالیٰ نے بے حساب اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے ارشاد الٰہی ہے ﴿وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾(البقرۃ:۲۶۱) اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیگا اضافہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع ہے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جن کے اجر میں اضافہ فرمائے گا۔

دوسری آیت میں ہے: ﴿مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا

كَثِيرَةً وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾(البقرة:۲۴۵)

جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قرض حسن دے (خرچ کرے) تو اللہ تعالیٰ اس میں بے شمار گنا اضافہ فرماتا ہے۔مدارک شریف میں ہے "لایعلم کنهها الاالله (۱/۱۴۷)" اس اضافہ کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔احادیث کریمہ میں دیگر اعمال خیر کے لئے بھی محیر العقول اجر وثواب کا بیان آیا ہے۔متفق علیہ حدیث ہے:" من اتبع جنازة مسلم ایماناً واحتساباً و کان معه حتی یصلی علیها ویفرغ من دفنها فانه یرجع من الأجر بقیراطین کل قیراط مثل احد" (بخاری شریف: ۱/۳۱) جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ میں ایمان کیساتھ طلب ثواب کی نیت سے شریک ہوا اور نماز ودفن میں شریک رہا تو دو قیراط ثواب لیکر لوٹا ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔خیال فرمایئے! کئی میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا احد کا خوبصورت اور بلندو بالا پہاڑ اربوں ٹن پتھر کا مجموعہ ہوگا، نماز جنازہ اور کفن دفن کا یہ صلہ حیرتناک ہے یا نہیں۔اگر کوئی شخص اعداد کی کثرت کا شائق ہو تو کسی آرکیٹکٹ کی خدمت حاصل کرے اور پورے احد کی پیائش کر کے اس کا رقبہ پھر اس پر پتھروں کے اس غیر معمولی ڈھیر کے وزن کا تخمینہ تیار کرائے اور ٹنوں کو من میں پھیلائے اور اس کا سیر بنائے تو کھرب اور سنکھوں تک اعداد پہونچیں گے اور اس پس منظر میں آپ اونچاس کڑور کا عدد رکھیں گے تو آپ کو یہ عدد قلیل اور تھوڑا نظر آئیگا،ایسی حدیثیں موضوع (جھوٹی) نہ ہوں تو فضائل میں علماء نے ان کو مقبول رکھا ہے اور مسلمانوں کو عمل خیر کی رغبت دلانے کے لئے ان کی تعلیم واشاعت کی ہے مگر اس قسم کی احادیث سنکر طرفین میں سے کسی کو غلط تاثر میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔مثلاً ثواب کی کثرت دیکھ کر بشارت حاصل کرنیوالے گھمنڈ میں ہوں کہ ہم نے تو اتنا ثواب کمالیا اب ہم کو کیا پرواہ۔یا عقل پرست حیرت میں پڑیں کہ اتنے معمولی کام کا یہ اجر وثواب یہ تو عقل سے بعید بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجائیں کیوں کہ جہاں قرآن میں غیر معمولی اضافے کی بات ہے وہیں یہ بھی فرمایا گیا ہے "لمن یشاء" یہ اضافہ اسی کے لئے ہوگا جس کے لئے خدائے تعالیٰ کی مرضی ہوگی اور اگر ایک طرف فرمایا گیا "واسع فضله" اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع ہے پس یہ بھی ہے علیم لمن یستحقه وہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کا مستحق ہے۔اس کو آپ ایک مثال سے سمجھیں تفسیر مدارک شریف میں ہے کہ دواؤں کی جو تاثیر طبیبوں نے بیان کی ہے ہوسکتا ہے کہ ان کو اسکا علم تجربہ سے ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نبی کی تعلیم سے ہو۔ہم کہتے ہیں کہ حقیقت حال جو کچھ بھی ہو، دواؤں میں وہ خصوصیات پیدا فرمادی ہیں سب کا ذکر مطلق ہے بخار کی یہ دوا ہے اس سے کھانسی دور ہوتی ہے، یہ دماغ کی تقویت کی ضامن ہے اور اس سے دل کی صحت حاصل ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ اور اس سے یہ

بھی سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص بھی ان دواؤں کو استعمال کرے گا اسے متعلقہ فائدہ حاصل ہوگا اور لوگ اسی لئے ان دواؤں کو استعمال بھی کرتے ہیں لیکن واقع میں کتنے مریض ہیں جو ان دواؤں کا موعود فائدہ اٹھاتے ہیں، آپ کو ہر جگہ ہزاروں مریض شکایت کرتے ملیں گے ہم کو تو اس دوا سے کچھ فائدہ ہی نہیں ہوا اور ہم کو تو اس دوا نے نقصان پہونچایا، تو کیا ان دواؤں کی تاثیر کے بیان میں غلط بیانی سے کام لیا گیا تھا؟ ہرگز نہیں!

دواؤں کی تاثیر مسلم ہے لیکن فائدہ نہ ہونے کی وجہ کہیں بد پرہیزی ہوگی، کہیں دواؤں کا غلط استعمال ہوگا اور کہیں دواؤں کو مناسب بدرقہ کے ساتھ استعمال نہ کرنا ہوگا کہیں خود مریض کی قوت ارادی کا ضعف ہوگا۔

اسی طرح ان اعمال خیر کی مذکورہ تاثیرات اور اجر وثواب بھی مسلم ہیں لیکن اس کے حصول میں کہیں بندے کی بد پرہیزی حائل ہوگی۔حدیث شریف میں ہے:" مامن امرأ مسلم تحضره الصلوة مکتوبة فیحسن وضوئها وخشوعها ورکوعها الاکانت کفارة لما قبلها من الذنوب مالم یوت کبیرة "(مشکوة المصابیح، کتاب الطهارة: ۱/۷۲) جس مسلمان کو فرض نماز کا وقت ملا اور اس نے اچھی طرح وضو کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے بشرطیکہ گناہ کبیرہ نہ کرتا ہو تو نیکیاں اونچاس کرور نہیں اونچاس ارب ہی جمع کرلی ہوں لیکن جب کبیرہ سے پرہیز کے بغیر اس کا فائدہ نہیں تو کثرت ثواب پر کیا اترانا۔قرآن عظیم میں ہے:﴿إن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾[النساء:۳۱] کبائر سے پرہیز کروگے تب تمہارے گناہ معاف ہوں گے۔غلط طریقہ استعمال کی صورت یہ کہ نمازیں تو پڑھیں مگر مقصد اخلاص نہیں ہے ریاکاری اور دکھاوا منظور ہے تو پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے کہ اللہ تعالیٰ ریاکاری کی عبادت قبول نہیں کرتا۔احادیث کریمہ میں تمام اعمال خیر کے قبول وحسن وثواب کیلئے اخلاص کی شرط اور ریاکاری سے اجتناب کا حکم ہے۔ارشاد نبوی ہے:" من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه" (مشکوۃ شریف کتاب الصوم صفحہ ۱۷۳) جس نے رمضان میں ایمان اور طلب ثواب کیلئے روزہ رکھا اور قیام اللیل کیا اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔قرآن عظیم میں ہے﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾[البينة:۵] دین میں اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاص ہی دین قیم ہے۔اور حدیث شریف میں ہے:"من صلی برائی فقد اشرک ومن تصدق برائی فقد اشرک (مشکوۃ شریف باب

الریاء والسمعہ صفحہ ۴۰۰) جس نے نمائش کیلئے نماز پڑھی تو شرک (خفی) کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ کیا تو شرک (خفی) کیا۔

نیت کے فساد کی طرح عبادت کے قبول اور عدم قبول میں تقدیر کا بھی بڑی دخل ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:" ان الرجل یعمل بعمل اھل الجنہ فیما یبد وللناس وھو من اھل النار وان الرجل لیعمل بعمل اھل النار فیما یبدو للناس وھو من اھل الجنہ" (بخاری شریف ۴۰۶) آدمی دیکھنے میں جنتیوں کا عمل کرتا ہے لیکن وہ جہنمیوں میں ہوتا ہے اور بظاہر جہنمیوں کا عمل کرتا ہے اور دراصل جنتی ہوتا ہے۔

یعنی جنت کا عمل کرنیوالے پر نوشتۂ تقدیر غالب آتا ہے تو انجام برا ہوتا ہے جہنمیوں کے عمل پر خاتمہ ہوتا ہے، غلط عمل کرنیوالے پر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے تو اخیر میں توبہ نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرماتا ہے۔

الغرض! اسلام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امیدی کو کفر بتایا گیا ہے اور نیکیوں پر اترانے کو گمراہی۔ جہاں یہ حکم ہے ﴿لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ﴾[الزمر:۵۳] وہیں یہ بھی فرمایا ہے ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾[لقمان:۳۳]

تو نفس مسئلہ میں ان حضرات کی تائید کے ساتھ ہماری گذارش ہے کہ یہ حکم مطلق نہیں ہے مشیت الٰہی کے ساتھ مقید ہے اور آداب و شرائط نیز پرہیز و اخلاص نیت کے ساتھ محدود و محصور ہے۔

پھر احادیث کریمہ سے مطلوبہ مراد کے اخذ کا طریقہ بھی پسندیدہ نہیں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد سے گمراہ فرقوں کا یہ طریقہ رہا کہ احادیث کریمہ اور آیات متبرکہ کی غلط تاویل اور اس کو غلط محمل پر حمل کر کے اپنی مطلب برآری کرتے ہیں، مثلاً بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل ہوا " کان ابن عمر یراھم شرار الخلق وقال انھم اطلقو الی آیات نزلت فی الکفار فاحملوھا علی المسلمین (بخاری شریف مطبع احمد صفحہ ۱۰۲۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خارجیوں کو بدتر جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیتیں کفار کے حق میں نازل ہوئیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

وہابیوں پر بھی یہی اعتراض ہے کہ ان لوگوں نے آیتوں اور حدیثوں کو جو مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں مسلمانوں کے حق میں لاڈھالا۔ استاذ العلماء حضرت مولٰنا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور کتاب اطیب البیان میں فرمایا: اس غضب کو تو دیکھئے کہ ان تمام ایمانی اور قرآنی

عقیدوں پر مسلمان کو مشرک ٹھہرایا اور دھوکہ دینے کے لئے آیت ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾[یوسف:۱۰۶] لکھ دی جو مشرکین اور بت پرستوں اور یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار کے حق میں نازل ہوئی تھی یہ خوارج کا طریقہ ہے (صفحہ ۴۷) اسی طرح مودودی صاحب پر بھی اعتراض ہے کہ انہوں نے قرآنی الفاظ واصطلاحات کے معنی اپنی طرف سے متعین کر کے ان سے اپنے مفید مطلب نتائج اخذ کئے ہیں اور آج کے مسلمانوں کے اعمال وافعال کو جاہلیت مسلمہ قرار دیتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں تبلیغی جماعت بھی یہی تکنیک استعمال کر رہی ہے کہ اپنے تبلیغی دوروں کو انبیاء ومرسلین کا کام بتاتی ہے اور اس کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور سرایا کی احادیث نقل کر کے اس کو جماعت کا نام دیتی ہے، قرون اولیٰ کی جہاد کی جد و جہد کو تبلیغی دوروں پر ڈھالتی ہے کہ حضور ﷺ یا صحابہ کے زمانے میں فلاں موقع پر جماعت جارہی تھی۔

ایک نماز کا ثواب اونچاس کروڑ بیان کرنے والوں نے بھی لگ بھگ وہی ترکیب استعمال کی ہے کیونکہ جس حدیث شریف کو بنیاد بنایا گیا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں " من ارسل نفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبع مائۃ درھم ومن غزیٰ بنفسہ فی سبیل اللہ وانفق فی وجہ ذلک فلہ بکل درھم سبع مائۃ الف درھم " (مشکوۃ المصابیح۔ کتاب الجہاد:۹۲/۲، سنن ابن ماجہ:۹۲۲/۲) اور ترجمہ بھی یہ کیا گیا جو راہ خدا میں جہاد کرے اور راہ خدا میں خرچ کرے جسکا مطلب یہ ہوا کہ غزوہ و جہاد کرتے ہوئے روپیہ خرچ کرنیکی صورت میں ایک درہم کا ثواب سات لاکھ درم ہے مگر جب حدیث شریف کی تشریح کی گئی تو غزوہ کا لفظ چھوڑ دیا گیا ہے اور حدیث مبارکہ کو مطلقاً راہ خدا میں نکل کر خرچ کرنے والوں کے لئے عام کر دیا پھر راہ خدا میں نکلنے کا مطلب اپنے محلّہ کی مسجد میں گھر سے نکل کر فیضان سنت سننے کے لئے جانے والے پر منطبق کیا گیا ہے اس طرح غازیان اسلام کا ثواب دعوت اسلامی کے ورکروں کو الاٹ ہو گیا۔

توجیہ کی گئی کہ نمازی مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور ترمذی شریف کی حدیث میں طالب علم کو بھی مجاہد فی سبیل اللہ کہا گیا ہے اور دعوت اسلامی کے اجتماعات میں کتاب فیضان سنت پڑھی جاتی ہے تو اس کے تمام شرکا قاری ہوں کہ سامع طالب علم ہوئے اور طالب علم ہوئے تو مجاہد ہوئے اس کے لئے محلّہ کی مسجد میں جانا بھی گھر سے نکلنا ہوا تو دعوت اسلامی کے ممبران مجاہد پہلے ہو چکے تھے اب اللہ کے راستے میں نکلنے والے بھی ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے والے مجاہد کے ایک درم کا بدلہ سات لاکھ اور نماز وروزہ ذکر وغیرہ اعمال وخرچ کرنے کا بدلہ سات سو گنا ہے تو لیجئے ایک رکعت کا ثواب اونچاس کروڑ ہو گیا ہم کو یہ

استدلال دیکھ کر ایک شعر یاد آیا

؎ مگس کو باغ میں جانے نہ دینا — کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

شاعر نے بھی اسی مضمون کو باندھا ہے کہ شہد کی مکھی باغ میں جائے گی تو شہد چوسیگی اس سے موم نکلے گا تو موم بتی بنے گی اور موم بتی ہوگی تو جلائی بھی جائیگی موم بتی جلے گی تو پروانے آئیں گے جلیں گے اس طرح شہد کی مکھی کا پھول کا رس چوسنا بلکہ صرف باغ جانا ہی خون ناحق کا سبب ہوگا۔

یہاں ہم مولوی الیاس صاحب کی اس دیانت داری کی تعریف کریں گے کہ انہوں نے ارکان دعوت اسلامی کو جہاد کے ثواب کا اہل ثابت کرنے کے لئے تاویلات اور مجازات کا طویل راستہ اختیار کیا اور دیو بندی تبلیغ کی طرح صاف تحریف نہیں کی کہ غزوات کے سفر کے لئے کہیں کہ جماعت جا رہی ہے اور تبلیغی ورکروں کو ڈائرکٹ مجاہدوں کا ثواب تقسیم کرنے لگیں۔

مگر بات ابھی ختم نہیں ہوئی

(۱) فی سبیل اللہ کا لفظ آیت صدقہ میں وارد ہوا ہے ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (التوبۃ: ۶۰)

زکوۃ فقراء و مساکین اور زکوۃ وصول کرنے والوں اور موٴلفۃ القلوب اور گردن چھڑانے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور مسافرین کے لئے ہے۔

فی سبیل اللہ کی چار تفسیریں مروی ہیں ”فی سبیل اللہ ھو منقطع الغزاۃ – وقیل الحاج – وقیل طلبۃ العلم وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبیل الخیرات (در المختار جلد دوم صفحہ ۶۱) ضرورت مند غازی ضرورت مند حاجی ضرورت مند طالب علم اور بدائع کی تفسیر کے موافق تمام نیکیوں میں جدو جہد کرنے والا بھی ہوا۔

(۲) پہلی حدیث مشکوۃ شریف میں بھی مروی ہے اس میں تو صریح ہے کہ جس نے جہاد میں خرچ بھیج دیا ہر درم پر سات سو درم ملیں گے اور جس نے خود شریک جہاد ہو کر خرچ کیا اسکو بھی وہی سات سو ملیں گے اور وہی اس حدیث پاک کا مفہوم بھی ہے جو مشکوۃ شریف کتاب الجہاد فصل دوم میں خرم بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ راہ خدا میں خرچ کرنے والے کو ایک درم کا سات سو گنا تک ملے گا تو ان روایتوں کی روشنی میں ثواب کا حساب بہت کم ہو جائیگا یعنی لاکھوں میں ہی رہ جائیگا البتہ شیخ محقق نے لکھا ہے کہ ایک نسخہ میں سات سو کے بجائے سات سو ہزار ہے۔

(۳) ابوداؤد شریف کی حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ صلاۃ و صیام اور ذکر اور خرچ فی سبیل

اللہ پر سات سو گنا زائد ہوتے ہیں جس کی بنا پر اونچاس کڑور نمازوں کا حساب لگایا گیا ہے اس کے راویوں میں دو حضرات ضعیف ہیں، زبان ابن قائد اور سہیل بن معاذ۔ تو ایسی حدیث تو احکام حلال و حرام میں مقبول ہی نہیں ہاں باب فضائل میں مقبول ہے۔ اعمال حسنہ پر مقررہ ثواب ملنے کی کیفیت اور ایک نماز کے اونچاس کروڑ نمازوں کے برابر ثواب پر استدلال کی کیفیت ہم نے ذکر کر دی یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ اس کے ردو قدح میں وقت صرف کیا جائے، نہ اس تحریر سے ہمارا مقصد تحریک دعوت اسلامی پر ردو قدح کرنا ہے، کیوں کہ ہم کو اس تحریک کے بارے میں تفصیلی معلومات ہی نہیں، ہاں یہ عرض کرنا ہے کہ آیات و احادیث سے مسائل کے اخذ و استنباط کے لئے عمیق دینی بصیرت، رسوخ فی العلم اور ژرف نگاہی کی ضرورت ہوتی ہے، ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ نومبر ۱۹۹۴ء

(۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں مفتیان دین مسائل ذیل میں کہ

مقام ابراہیم جنتی پتھر ہے یا دنیوی؟ حدیث و قرآن کی روشنی میں جواب سے اطلاع دیں فقط والسلام

المستفتی، محمد ثاقب حسین

الجواب

حدیث شریف میں ہے: ”ان الرکن والمقام یاقوتتان من یاقوت الجنۃ طمس اللہ نورھما“ (سنن الترمذی، کتاب الحج: ۲/۲۴۸) اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم دونوں جنتی پتھر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) زید یہ پوچھ رہا ہے کہ شب برات کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور کیونکر ہوئی۔

(۲) چرم قربانی کی رقم مکتب میں خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں؟۔ اس کا جواب مدلل دیں، عین کرم ہوگا۔

واحد القادری دیوریا

الجواب

شب برات کے دن کی اہمیت بندوں کے متعلق سالانہ فیصلے، رحمت الٰہی کا نزول، دن کا روزہ، شب بیداری، قبرستان کی حاضری، کثرت نوافل یہ ساری چیزیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔

قرآن عظیم میں ہے: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ . فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ (الدخان: ۴)

تفسیر روح البیان میں ہے: "قال بعض المفسرین المراد من اللیلة المبارکة لیلة النصف من شعبان" (تفسیر سورة الدخان: ٨/٤٤٧)

حدیث شریف میں ہے: "ان اللہ ینزل لیلة النصف من شعبان الی سماء الدنیا"

دوسری حدیث میں ہے: "ان اللہ یغفر لجمیع المسلمین فی تلك اللیلة الا الکاهن" الخ

تیسری حدیث میں ہے: "اذا کان لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها وصوموا نهارها فان اللہ ینزل فیها لغروب الشمس الی سماء الدنیافیقول الامستغفر فاغفرله الا مسترزق فارزقه الا مبتلی فاعافیه الاسائل فاعطیه الا کذا حتی یطلع الفجر"

(الدر المنثور-تفسیر سورة الدخان: ٥/٧٤١)

چوتھی حدیث میں ہے: "فقدت رسول اللہ ﷺ ذات لیلة، فخرجت اطلبه، فاذا هو بالبقیع رافعا راسه الی السماء، فقال ان اللہ عزوجل ینزل لیلة النصف من شعبان الی سماء الدنیا،فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب-(الدر المنثور-تفسیر سورة الدخان: ٥/٧٤١)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ شب برات کی ابتدا خود حضور ﷺ نے فرمائی۔ دیگر تفصیلات از قسم حلوہ وچراغاں وغیرہ دراصل ان امور میں یہ بات اہم نہیں کہ کب شروع ہوئیں اور کس نے ابتداء کی۔ اہم بات یہ ہے کہ فعل خلاف شرع تو نہیں اگر خلاف شرع نہیں تو کوئی اس کی ایجاد کرے جائز ودرست ہوگا۔ اس اصول کے پیش نظر ہم کو اتنا معلوم ہوا کہ اہل اسلام نے حسب ذیل روایت کی روشنی میں اس دن مردوں کے ثواب کے لئے اچھے اچھے کھانے پکانے کی عادت ڈالی۔

فی خزانة الروایة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما یقول اذا کان یوم الجمعة او یوم عاشوراء او لیلة النصف من شعبان تاتی ارواح الاموات یقومون علی ابواب بیوتهم فیقولون هل من احد یترحمنا" جب یوم جمعہ یا یوم عاشورہ یا شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو روحیں اپنے گھر آتی ہیں دروازے پر کھڑے ہو کر یہ کہتی ہیں کہ کوئی ہماری یاد کرنے والا ہے کوئی ہم پر رحم کرنے والا ہے۔ چنانچہ انہیں حدیثوں سے ان موقعوں پر اہل اسلام ایصال ثواب کرتے ہیں۔

(۲) چرم قربانی کی رقم صدقات نافلہ میں سے ہے، اس لئے اس کے لئے تملیک شرط نہیں تو دینی مکاتب کے مدرسین کی تنخواہ اور تعمیر میں خرچ ہو سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۲؍محرم ۹۰

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

کتاب الشتی

اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید
اللّٰھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید

قرآن سے متعلق احکام

(۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

جن انبیائے کرام کے نام کا ذکر قرآن عظیم میں ہے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب العقائد میں پچیس اور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین صاحب نے اپنی کتاب نورانی تعلیم حصہ چہارم میں پچیس لکھا ہے۔ لیکن رضا اکیڈمی والوں نے چھبیس انبیائے کرام کے نام کو اردو اخبار روزنامہ سہارا میں شائع کیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن مجید میں کتنے انبیاء کے نام ذکر ہیں۔ معہ حوالہ کتب تحریر کریں۔ محمد منور حسین اسلامیہ بک ڈپو سولا مارکیٹ جگدیش پور سلطانپور

۲۹؍ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۲؍فروری ۲۰۰۲ء

الجواب

یہ صحیح ہے کہ علمائے کرام نے قرآن شریف میں نام کے ساتھ مذکور انبیا کی تعداد پچیس لکھی ہے۔ لیکن یہ معہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا تھا۔ اور اعلیٰ حضرت نے فتاوی رضویہ جلد ششم ص؍۶۱، پر ان کی تعداد چھبیس لکھی ہے۔ پچیس تو وہی جن کا حوالہ آپ نے دیا۔ اور چھبیسویں رسول حضرت عزیر علیہ السلام۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾[التوبة: ۳۰] سورہ توبہ، پارہ دس) یہودیوں نے کہا حضرت عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لڑکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۹؍ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

(۲) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

قرآن کا ترجمہ دوسری زبان میں بلا متن شائع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے کہ قرآن کا ترجمہ بلا متن شائع کرنا مذہب دشمنی ہے۔ اس سے مذہب پر بہت زیادہ برا اثر پڑے گا۔ قرآن کے اندر تحریف شروع ہو جائیگی۔ جس طرح توراۃ، انجیل کے اندر اس کے ماننے والوں نے تحریف کی اسی طرح قرآن میں لوگوں کو موقع مل جائے گا۔ وہ سلسلہ جو حفاظ کا قرآن کے اندر جاری ہے منقطع ہو جائے گا۔ کسی حالت میں جائز اور درست نہیں۔ قطعاً حرام ہے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ بلا متن شائع کرنا جائز و درست ہے۔ اسلئے کہ وہ نفس قرآن نہیں بلکہ ترجمۂ قرآن ہے۔ بلکہ اسکے ذریعے تبلیغ میں آسانیاں پیدا ہو جائیگی۔ دوسرے بلا متن ترجمۂ قرآن کے عدم جواز کے بارے میں نہ کوئی نص ہے نہ کوئی اقوال ائمہ جس سے ممانعت قرار دی جائے۔ لہذا اس کے بارے میں احکام بدلائل قاہرہ عقلاً ونقلاً مع عبارت وحوالہ کتب تحریر

فرمایا جاوے۔ سائل سید مصطفیٰ حسین متعلم مدرسہ لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور مدراس،

الجواب

قرآن عظیم کو اسی شکل وصورت پر باقی رکھنا جیسا حضور ﷺ سے مروی ہوا شریعت کا حتمی حکم ہے۔ اور اسکو ہر قسم کی تبدیلی اور تلبیس سے پاک رکھنا شارع کا منشاء ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں جب احادیث کریمہ اور آیات قرآنی دونوں کی تحریر میں التباس کا خطرہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "لاتکتبوا، ومن کتب عنی غیر القران فلیمحه" (مجمع الزوائد للهیتمی: ۱/۱۵۱) امام نووی فرماتے ہیں: "کان النهی حین خیف اختلاط بالقرآن" یہ تو وہ صورت تھی کہ قرآن اور غیر قرآن میں التباس کا خطرہ تھا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب قرآن ہی میں مختلف قرأتوں کی وجہ سے التباس واختلاط کا خطرہ تھا اور اسکی وجہ سے لوگوں میں فساد واختلاف کا ڈر تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ نے تمام صحابہ کی رائے سے بقیہ تمام نسخوں کو تلف کرنے اور تمام امت کو مصحف صدیقی پر جمع فرمانے کا قطعی حکم صادر فرمایا۔ بخاری شریف میں ہے: "ان حذيفة بن اليمان قدم على عثمان، وكان يغازى اهل الشام فى فتح أرمينية واذربيجان مع اهل العراق، فافزع حذيفة اختلافهم فى القراة، فقال حذيفة لعثمان يا امير المومنين، أدرك هذه الامة قبل ان يختلفوا فى الكتاب اختلاف اليهود والنصارى: فارسل عثمان الى حفصة أن أرسلى الينا بالمصحف ننسخها فى المصاحف ثم نردها اليك، فأرسلت بها حفصة الى عثمان، فأمر زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام، فنسخوها فى المصاحف۔ وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة، اذااختلفتم انتم وزيد بن ثابت فى شيء من القرآن فاكتبه بلسان قريش فانمانزل بلسانهم. فارسل الى كل ناحية بمصحف عما نسخوا وامر بما سواه من القران فى كل صحيفة او مصحف ان يحرق (كتاب فضائل القرآن: ۴۹۸۷)"

عینی شرح بخاری میں ہے: "قال حذيفة ان اهل الشام يقرؤن بقرأة أبى ابن كعب فيأتون بما لم يسمع أهل العراق وأهل العراق يقرؤن بقرأة عبد الله ابن مسعود فيأتون بما لم يسمع اهل الشام فيكفر بعضهم بعضا"

دیکھئے اختلاف قرآن پر حضرت حذیفہ کو اختلاف یہود ونصاری کا خطرہ پیدا ہوا اور اسی بنیاد پر کہ باہم ایک دوسرے قرآن مختلط ہو کر التباس واختلاف قرآن کا باعث نہ ہوں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ

عنہ نے تمام امت کو مصحف صدیقی پر جمع فرمایا۔ حد یہ ہے کہ علمائے امت نے قرآن عظیم کے رسم الخط میں اسی لئے تبدیلی گوارا نہ فرمائی کہ قرآن عظیم ہر قسم کے تغیر والتباس سے پاک رہے۔

اتقان میں ہے: "قال الامام احمد: يحرم مخالف خط مصحف عثمان فى واو أو ياء أو ألف أوغير ذلك. قال اشهب: سئل مالك: هل يكتب المصحف على ما احدثه الناس من الهجاء قال: لا، الا على الكتابة الاولىٰ. ثم قال: ولا مخالف له من علماء الامة. (الاتقان فى علوم القرآن، النوع السابع والعشرون من مرسوم الخط وآداب كتابته: صفحه ۱۶۳)

اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ قرآن عظیم کا ترجمہ بلامتن شائع ہونے کے بعد عوام الناس اس پر اسطرح بھروسہ کرنے لگیں گے کہ جیسے اردو بخاری شریف وغیرہ، اور عجب نہیں کہ آگے چل کر یہ اردو قرآن مجید اصلی عربی کلام الٰہی کے ساتھ التباس وغلط فہمی کا ذریعہ بنے پھر اصل کے ساتھ رہنے سے اصل کے مقابلے کے ڈر سے ترجموں میں غلطی کا امکان بھی کم جبکہ ترجمہ میں کھلی آزادی ہے، اسلئے اسکو علیحدہ شائع نہ کرنا ہی شرعی حکم ہے۔ در مختار میں ہے: "تجوز كتابة آية او آيتين بالفارسية لا اكثر" اسکے حاشیہ شامی میں فتح القدیر سے اس میں کافی کے حوالہ سے ہے: "ان يكتب مصحفا بها يمنع وان فعل آية او آيتين لا"۔ یہ سوال بے معنی ہے کہ قرآن عظیم وحدیث میں اسکی ممانعت نہیں، قرآن وحدیث میں قرآن عظیم کو ہر قسم کے التباس وغلط فہمی سے بچانے کا حکم ہے۔ پس جس صورت میں التباس وغلط فہمی کا اندیشہ قوی ہو ممنوع ہوگی۔ واللہ تعالی اعلم

عبد المنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ ۲۵ر محرم ۸۳ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ   الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ

(۳-۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) قرآن کریم کے اندر جو بھی حکم آیا ہے اس کا طریقہ حضور اکرم ﷺ سردار مدینہ نے بتایا ہے کہ نہیں؟۔

(۲) قرآن عظیم کے اندر: ﴿ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً ﴾ [الاحزاب: ۵۶] کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ سردار مدینہ نے اس کے پڑھنے کا کوئی طریقہ بتایا ہے کہ نہیں۔ اگر بتایا ہے تو کس طرح؟۔

(۳) شریعت پاک کے اصول اور قوانین کے ہوتے ہوئے اگر کسی فرد بشر نے اپنی جانب سے

کوئی طریقہ گھٹا بڑھا کر اس کے اندر رائج کیا تو اس کے ماننے والے پر کیا حکم عائد ہوتا ہے اور رائج کرنے والے کے واسطے کیا حکم ہے؟۔ بینوا توجروا احقر عبدالمنان فردوسی کٹید رپاڑہ کٹک، ۲۴؍ مارچ ۱۹۶۸ء

الجواب

(۱) فقہائے اسلام نے احکام قرآن کی بیسوں قسمیں قرار دی ہیں جیسے خاص عام وغیرہ۔ ان سے بعض قسمیں اپنی غایت ضرورت کی وجہ سے بیان کا احتمال ہی نہیں رکھتیں۔ نورالانوار میں ہے: " ولا یحتمل البیان لکونه بیناً " اور کچھ قسموں کا بیان اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اب شرع کی جانب سے ان کے بیان کی امید منقطع ہوچکی ہے۔ اسی میں ہے: " اما المتشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة المراد عنه " اور بعض قسمیں بیان کو قبول کرتی ہیں، اس میں مجمل کے بیان میں ہے:" و حکمه اعتقاد الحقية فی ما هو المراد والتوقف فیه الی ان یتبین ببیان المجمل "(مبحث المجمل:۹۶) مطلب یہ ہے کہ قرآن کے ہر حکم کا طریقہ بتانا رسول اللہ ﷺ پر ضروری نہیں مجمل احکام کی تفصیل ضرور رسول اللہ ﷺ نے کی لیکن جو احکام مجمل نہ تھے خود بین اور واضح تھے جیسے خاص و عام وغیرہ ان کو بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں نہ حضور ﷺ نے ان کے لئے بیان قرآنی سے الگ کوئی طریقہ مقرر فرمایا۔ اس کو مثالوں سے سمجھئے۔ قرآن کریم کا ایک حکم ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ [البقرة:۴۳] نماز قائم کرو، لغت میں صلوۃ کے معنی دعا ہیں اب یہ معلوم نہیں کہ دعاء سے کون سی دعاء مراد ہے۔ تو اس کا تفصیلی بیان کچھ قرآن اور کچھ رسول اللہ ﷺ کی زبانی احادیث کریمہ کی شکل میں اور کچھ خود حضور نے اپنے عمل سے واضح فرمایا اور ساری تفصیلات ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن خود اسی نماز کے ایک رکن سجدہ کو قرآن عظیم نے لفظ "السجود" سے بیان فرمایا۔ سجدہ کے معنی بالکل واضح ہیں: " وضع الجبهة علی الارض " پیشانی زمین پر رکھنا۔ تو علماء فرماتے ہیں کہ اس کے لئے اب کسی بیان کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کوئی شخص سجدہ کے لئے کچھ قید لگائے مثلاً یہ کہ پانچ منٹ تک پیشانی زمین پر رکھو تو سجدہ ہوگا تو اضافہ تسلیم نہ کیا جائے گا۔

(۲) ہمارے اوپر والے بیان سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ قرآن کے بعض احکام خود اتنے واضح اور صاف ہوتے ہیں کہ حضور نے الگ سے ان کے لئے کوئی طریقہ نہیں بتایا انہیں احکام میں سے ایک حکم مطلق ہوتا ہے۔ نورالانوار میں مطلق کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:" المطلق هو المعترض للذات دون الصفات نفیاً او اثباتاً " مطلق وہ ہے جس کی صرف ذات کا بیان ہو اس کی صفات (مثلاً کس طرح ہو کیسے ہو کس وقت ہو وغیرہ وغیرہ) کا بالکل ذکر نہ ہو نہ نفی کے طور پر نہ اثبات کے طور پر۔ مطلق کا حکم یہ ہے:" المطلق اذا امکن العمل باطلاقه فالزیادة علیه بخبر الواحد والقیاس لایجوز مثله

قوله تعالی - فاغسلوا وجوهکم فالمامور به هو الغسل علی الاطلاق فلا یزاد علیه " النية والترتیب والموالاة والتسمیة بالخبر " (مبحث المطلق) مطلق باقی رکھ کر عمل ممکن ہو تو اس میں کوئی قید خبر واحد یا قیاس سے نہیں لگائی جا سکتی، مثلاً وضو میں صرف چہرہ دھونے کا حکم ہے تو چہرہ جس طرح دھوئے حکم قرآن پر عمل ہو جائے گا۔ کوئی کہے کہ بسم اللہ پڑھے بغیر یا نیت کئے بغیر دھویا تو عمل صحیح نہیں وہ غلط کہتا ہے۔ پس اس بیان کی روشنی میں آیت: ﴿وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ [الاحزاب:۵۶] پر غور کیجئے کہ قرآن نے مطلقاً سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے بیٹھنے کھڑے ہونے یا کسی وقت کی کوئی قید نہیں لگائی جو شخص اس قسم کی قید لگائے اور بعض صورت کو جائز اور بعض کو ناجائز قرار دے تو اصول بالا کی روشنی میں غلط کہہ رہا ہے جب تک کوئی حدیث متواتر یا مشہور نہ پیش کرے جس میں صاف صاف ہو کہ سلام بیٹھ کر ہی پڑھنا جائز ہے کھڑے ہو کر یا نماز کے بعد ناجائز ہے۔ ایسی حدیث کوئی ہے ہی نہیں لہٰذا سلام کھڑے ہو کر پڑھنا حکم قرآنی کے عین مطابق ہوگا۔

(۳) اگر کسی نے ایسا عمل ایجاد کیا جو قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو تو اس کو ثواب ملے گا اور قیامت تک جو اس پر عمل کرے سب کا ثواب اس کو ملے گا۔ حدیث شریف میں ہے: " من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها " (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ: ۸۸/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

الجواب صحیح عبدالعزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید کہتا ہے کہ سمندر ایک ہے اس کا پانی کھارا ہے۔ اس میں ایک قطرہ پانی میٹھا نہیں ہے۔ اللہ تعالی کہتا ہے کہ میں نے سمندر کو کھارا کر دیا۔ عمر کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے کلام میں دو سمندروں کا ذکر فرمایا ہے اور کھارا میٹھا کا ذکر کیا ہے۔ جس کے ثبوت میں پانچ آیتیں ہیں جن میں دو سمندروں کا ثبوت اور کھارا میٹھا کا ذکر ہے۔ فدوی ان پانچ آیتوں کو لکھ کر معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ان آیتوں سے دو دریاؤں کا کھارا اور میٹھا ہونا اور مل کر بہنا ثابت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

(۱) ﴿لا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُباً﴾ [الکهف: ۶۰]

(۲) ﴿وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخاً وَحِجْراً مَحْجُوراً﴾ [الفرقان:۵۳]

(۳) ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾

[فاطر:۱۲]

(٤) ﴿وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزاً﴾ [النمل:٦١]

(٥) ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ [الرحمن:۱۹]

اگر ثابت ہے تو کھاری کہنے والا موافق آیت کلام پاک کے صحیح الفاظ سے انکار کرنے والا ہوگا تو کلام کے صحیح معنیٰ سے انکار کرنے والا کیا ہوگا۔ اس کے لئے سمجھانے پر شریعت کا کیا حکم صادر ہوگا۔

نوٹ:۔ آیت (۱) ﴿حَتّٰى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ سے دریاؤں کا ملنا معلوم ہوتا ہے۔ آیت (۲) میں جو میٹھا شیریں اور شور وتلخ کا ذکر ہے۔ آیا یہ دونوں دریا علیحدہ علیحدہ رواں ہیں یا مل کر جاری ہیں، اگر علیحدہ ہیں تو آیت (۴) ﴿وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزاً﴾ کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ جو دونوں دریاؤں کے درمیان قدرت نے پردہ کا ذکر کیا ہے اسی طرح آیت (۳) ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ﴾ دو ہونا اور میٹھا شور کا ذکر ہے۔ نیز سورۂ رحمٰن کی آیت میں دو دریاؤں کا مل کر جاری ہونا اور پردہ کا حائل ہونا معلوم ہوتا ہے کہ دو دریا تین مل کر بہتے ہیں اور دونوں کے درمیان پردہ حائل ہے اور ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کر سکتے یہ پروردگار عالم کی قدرت کاملہ او رحکمت بالغہ کا بین ثبوت اور کھلی نشانیاں ہیں اس کو محض اپنی خداداد عقل اور سمجھ اور علمی معلومات کی بنا پر جو ٹوٹا پھوٹا سمجھ میں آیا ہے پیش خدمت کر کے اصلاح دونوں آدمیوں کی مقصود ہے۔

السائل:۔ حافظ کمال الدین موضع جوسلہ ڈاکخانہ بجرڈیہہ بنارس ۱۶ را کتوبر ۱۹۶۱ء

الجواب

آیت (۱) میں "بحرین" سے مراد مفسرین کے نزدیک بحیرہ فارس وروم ہیں۔ اس آیت کو کھاری اور میٹھے سے بحث نہیں کہ دونوں کا پانی کھاری ہے۔ دوسری آیت میں دو قول مروی ہیں "بحرین" سے مراد وہ دریا جو زمین پر بہتے ہیں اور سمندر جو زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہے، اور برزخ سے مراد زمین کہ سمندر کو دریا پر غالب آنے سے اور دریا کو سمندر پر چڑھ دوڑنے سے روکے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ دریا کا پانی میٹھا اور سمندر کا کھاری ہے۔ دوسرا قول یہ کہ "بحرین" سے مراد وہی دریا اور سمندر ہیں لیکن حاجز کا مطلب یہ ہے کہ جب دریا سمندر میں جا کر گرتا ہے تو میلوں تک سمندر میں اس کی دھار گھسی چلی جاتی ہے لیکن سمندر کا پانی اس پر غالب نہیں آتا۔ اور اتنی دور جہاں تک اس پانی کا بہاؤ زور دیتا ہے وہ پانی میٹھا ہی رہتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بحرین سے مراد خلیج فارس اور روم کہ یہ دونوں بحر محیط میں ملے ہیں۔ لیکن اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ یہ دونوں کھاری ہیں۔ آیت (۴) میں ملنے کا کوئی ذکر نہیں اور بحرین کی تفسیر گذر گئی

کہ خشکی کے دریا اور سمندر مراد ہیں۔ دراصل عربی میں بحر سمندر اور دریا دونوں کو کہتے ہیں۔ منجد میں ہے: "البحر: الماء الملح و كل نهر كبير" (المنجد:۷۳) آیت (۵) میں بحرین سے مراد ایک قول میں بحیرہ فارس اور روم، دوسرا قول دریا اور سمندر۔ تیسرا قول ایک دریا جو آسمان میں ہے اور ایک جو زمین میں ہے اور اہل تصوف نے بحرین سے مراد دل کی مختلف وارداتوں کو قرار دیا ہے۔ ایک بات یہ بھی ممکن ہے کہ زمین کے چپے چپے کو آدمی نے نہ دیکھ مارا ہے نہ سمندر کا کونہ کونہ چھان ڈالا۔ اسی لئے اگر کسی لامعلوم حصہ زمین پر ہی ایسے دو دریا ہوں جو باہم مل کر چلتے ہوں اور ایک شیریں اور ایک کھاری۔ اور جو شخص موجودہ معلومات کی بنا پر سمندر کو کھاری کہہ رہا ہے اس پر کوئی الزام نہیں نہ اس سے قرآن کی مخالفت لازم آتی ہے۔ خود قرآن کی آیت کا مفہوم مفسرین نے ایک سے زیادہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سمندر کے پانی کو کھاری بھی مانتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ۲۴ ر محرم ۱۳۸۳ھ

الجواب صحیح عبد العزیز عفی عنہ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارک پور

(۷۔۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ان مسائل میں کہ

(۱) زید نے "مَا عَنِتُّم" کا ترجمہ لکھا "جو تمہیں مشقت میں ڈالے" ہمارے یہاں کے طلبہ کہتے ہیں اس مترجم نے "ما" کو موصول بتایا ہے اور فعل "عنت" کو متعدی قرار دیا ہے اور ضمیر "تم" کو مفعول جبکہ ہمارے علم کے مطابق "ما" مصدریہ ہے، فعل عنت لازم ہے اور ضمیر "تم" فاعل ہے۔ آپ تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مستند علماء کے کتنے اقوال ہیں اور ہمارے سمجھے ہوئے کی کوئی دلیل ہے یا نہیں، زید کا کیا ہوا ترجمہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) بعض لوگوں نے مولینا اختر رضا خاں بریلوی کے حوالہ سے بتایا کہ نبوت کا معنیٰ اطلاع علی الغیب ہے، زید کہتا ہے کہ مولینا اختر رضا کی یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر مطلع علی الغیب نبی ہو، جب کہ تحقیق یہ ہے کہ ہر نبی تو مطلع علی الغیب ہے مگر ہر مطلع علی الغیب نبی نہیں جیسا کہ اکابر اولیائے کرام؟

(۳) مسجد میں بلند آواز سے تقریر کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

المستفتی، فرید الدین اشرفی سیفی رامپور

الجواب

(۱) ترجمہ رضویہ ہے: "جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے" جس سے سائل (یعنی طلبہ)

کے ترجمہ کی تائید ہوتی ہے۔جلالین شریف میں ہے: " عنتم ای عنتکم ای مشقتکم و لقائکم المکروہ " (جلالین:۲۰۷) اسی کے حاشیہ کمالین میں ہے "عنتکم یشیرالی ان ما مصدریة وھو مرفوع علی انه فاعل " یہ تحریر بھی سائل کے ہی حق میں ہے۔مدارک شریف میں ہے: ﴿عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ شدید علیه شاق (لکونه بعضا منکم) عنتکم ولقائکم المکروہ" (مدارک شریف:۱۸۹/۲) یہ بھی معنیٰ لازم کو ہی متعین فرما رہے ہیں۔

منجد میں ہے " عنت عنتاً وقع فی امر شاق "اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجرد ہے لازم ہی آتا ہے۔

روح المعانی میں ہے: ﴿عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ای یشق علیه علیه الصلوۃ والسلام مشقتکم "(تفسیر سورۃ التوبة:۸۳/۷) تفسیروں میں کوئی اور معنی مرقوم نہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سائل کی بات ہی ٹھیک ہے۔

(۲) حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفاء شریف میں فرمایا۔ النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب ۔ نبوت غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب فرماتے ہیں ۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو نبی کے خطاب سے پکارا "یاایھا النبی "اور نبی کا معنی ہے خبر دینے والا، اگر اس سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار، ریڈیو، خط، تار بھیجنے والا نبی ہو جائے گا۔معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل ہے، اسی عبارت سے اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا۔رسول اللہ ﷺ جس غیب کی خبر دے سکتے ہیں وہ اولیاء کے بس سے باہر ہے۔اس لئے وہ نبی نہیں ۔دوسری بات یہ ہے کہ اولیاء کا غیب پیغمبر خدا ﷺ کے واسطہ سے ہی ہوتا ہے، اس لئے دراصل وہ غیب رسول اللہ ﷺ کا غیب ہی ہوا۔اور تیسرا جواب یہ ہے کہ وجہ تسمیہ علت تامہ نہیں ہوتی کہ جہاں جہاں اس وجہ کا وجود ہو سب جگہ وہ لفظ بولا جائے۔

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں: الصلاۃ فی اللغة الغالبة الدعاء و لذا سمی صلاۃ و قیل ھی مشتقة من: صلیت العود علی النار: اذا قومته۔ و قیل الصلوۃ مشتقة من: الصلوین وذلك لان المصلی یحرك صلویه في الرکوع والسجود ۔(عمدۃ القاری، کتاب الصلوۃ:۲۳۷/۳) صلاۃ کے معنی لغت میں دعا ہے اور نماز میں دعا ہوتی ہے اسلئے نماز کا نام صلوٰۃ ہوا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ "صلیت العود علی النار" سے مشتق ہے یعنی

لکڑی کو آگ پر گرم کر کے اسے سیدھا کرنا، چونکہ نماز میں بھی استقامت کا اور درستگی کا حکم ہے اسلئے نماز کو صلاۃ کہا گیا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صلاۃ "الصلوین" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "کولہے" چونکہ نماز میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، نمازی کے کولہے ہلتے ہیں اس لئے اس کا نام نماز ہے۔

اب زید صاحب کی نکتہ آفرینی تسلیم کی جائے تو لازم آئے گا کہ ہر دعا نماز ہو جائے، اسی طرح کوئی لکڑی سیدھی کرے یا لوہا سیدھا کرے تو کہا جائے نماز پڑھ رہا ہے، اور لطف تو یہ ہے کہ ہر ہچکیا نمازی ہو جائے گا۔کہ ناچ میں کمر ہلانے اور کولھا مٹکانے ہی کا عمل ہوتا ہے، مگر ایسا کوئی نہیں کہتا کیونکہ وجہ تسمیہ علت تامہ نہیں ہوتی، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نماز میں تینوں باتیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جہاں یہ باتیں پائی جائیں وہ نماز ہو جائے گی، اسی طرح آپ نے اعلام علمائے امت سے سن لیا کہ نبی کے معنی میں غیب داخل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو غیب کی خبر دے وہ نبی ہو جائے۔

(۳) قبل نماز یا بعد نماز ایسے وقت میں بیان کیا جائے کہ لوگ سننے کے لئے فارغ ہوں اور نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے (فتاویٰ رضویہ سوم صفحہ ۶۳) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۹ ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ

(۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ

آج کل جو نشان قدم رسول اللہ ﷺ عام طور سے بہت سے مقدس مقامات پر پایا جاتا ہے کیا یہ حقیقت ہے یا افتراء واختراع؟، اگر یہ حقیقت ہے تو جلالین شریف کے محشی کا یہ قول بضمن آیت ﴿مَقَامُ اِبْرَاهِیْمَ﴾[آل عمران:۹۷] (حاشیہ نمبر۳) کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔قول محشی: "فعلم منه ان الذین یشھرون فی البلدان ھذا اثر قدم نبینا ﷺ کا ذبون لا یعبأ بقولھم لان الخاصة ما یوجد فی الشیء ولا یوجد فی غیرہ فافھم ولا تبتدع انتھی " چوں کہ علمائے کرام سے نشان قدم کی اس طرح مخالفت سنی نہیں، اس لئے ذہن اس عبارت کے پڑھنے سے حد سے زیادہ بوجھل اور غایت درجہ منتشر ہو گیا ہے۔ براہ کرم جلد از جلد راہ صواب کی رہنمائی فرما کر خلجان کو دور فرمائیں۔

نیز عموماً جو مدارس میں چندہ کرنے والے کو 50% پچاس فیصدی دیا جاتا ہے اس میں شرع مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اطمینان بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی، صغیر اختر مصباحی رام پوری مدرسہ اشرفیہ ضمیر العلوم محلہ کھیڑا ہندو پورہ سنبھل مرادآباد (یوپی)

الجواب

ہم نے آپ کی توجہ دلانے پر مختلف تفاسیر کا مطالعہ کیا تا کہ مذکورہ حاشیہ کی سندی حیثیت کا پتہ

چلے، تو امام طبری نے اپنی تفسیر میں مقام ابراھیم کی مختلف تفسیریں نقل کی ہیں اور سب نے ترجیح اسی قول کو دی کہ وہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی ہے جو آج تک مقام ابراہیم کے نام سے موسوم ہے، ان پر پڑے ہوئے پیروں کے نشان کے بارے میں قتادہ روایت کرتے ہیں: "ولقد ذكر لنا بعض من رأى اثر عقبه واصابعه فيه فمازالت هذه الامة يمسحونه حتى اخلولق وانمحى" (تفسیر طبری جلد اول صفحہ ۵۸۶) اس روایت کی روشنی میں صاحب مدارک کے حوالہ سے محشی جلالین کی یہ تشریح بے وزن ہو جاتی ہے "ولبقائه دون سائر آيات الانبياء عليهم السلام آية لا براهيم خاصة" کہ حسب روایت قتادہ وہ آثار تو کب کے مٹ چکے ہیں۔

صاحب تفسیر نیشاپوری مقام ابراہیم کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرتے ہیں، حضرت ابراھیم علیہ السلام کے نشان قدم والے پتھر کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں "والقول بان مقام ابراهيم الحجر الذى فيه أثر قدم ابراهيم اولىٰ لان هذا الاسم فى العرب مختص بذلك الموضع يعرفه المكى وغيره ولان الحجر صار تحت قدميه فى رطوبة الطين حتى غاصت فيه رجليه، ذلك من اظهر الدلائل علىٰ صنع الله تعالى واعجاز ابراهيم وكان اشد اختصاصاً به فاطلاق مقام ابراهيم عليه اولى " (نیشاپوری جلد اول صفحہ ۳۹۶) اس عبارت کو بھی محشی کے اس قول سے کوئی علاقہ نہیں کہ پتھر میں نشان قدم باقی رہنا حضرت ابراھیم علیہ السلام کا خاصہ ہے، دوسرے انبیاء کا نہیں کیونکہ علامہ نیشاپوری تو یہ فرماتے ہیں کہ اس پتھر کو حضرت ابراھیم کی ذات سے خصوصیت ہے، اس لئے اسی پتھر کو مقام براھیم سمجھنا چاہئے، یہ نہیں کہتے ہیں کہ کسی اور نبی کو یہ معجزہ نہیں دیا گیا۔ گویا نیشاپوری نے اس پتھر کو ابراھیم علیہ السلام کی ذات کے ساتھ خاص بتایا اور محشی نے پتھر میں نشان پڑنے والے معجزہ کو ابراھیم علیہ السلام کے ساتھ خاص بتایا۔ الغرض نیشاپوری سے بھی محشی کی تائید نہیں ہوئی۔ صاحب روح المعانی علامہ آلوسی نے نشان قدم والا قول لیا۔ مزید فرماتے ہیں: " لان اثر القدمين فى الصخرة الصماء آية . وغوصهما فيها الى الكعبين آية. والانه بعض هذاالنوع دون بعض آية. وابقائه على ممر الزمان آية . وحفظه من الاعداء آية " (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۱۱) اس سے طبری کے برخلاف یہ پتہ چلا کہ نشان کا اثر آج تک باقی ہے۔ لیکن یہ مضمون کہ یہ معجزہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی خصوصیت ہے سوائے مدارک اور کشاف کے کہیں نہیں ملتا۔ زمخشری صاحب کشاف معتزلی ہیں اور خصوصیت ہونے کا قول بے سند کہہ رہے ہیں اور مدارک ایک طرح سے کشاف ہی کا خلاصہ ہے اور اس مسئلہ کا تعلق باب عقائد سے ہے۔ عقیدہ کے ثبوت کے لئے ایسی بے سند روایت کیسے مستند ہو سکتی ہے؟

جب کہ سیرت کی کتابوں میں یہ تحریر ہے: " ومنها انه ﷺ كان اذا مشى فى الصخر غاصت قدماه فيه كما هو مشهور قديما وحديثاً على الالسنة ونطق به الشعراء فى المنظوم والبلغاء فى منثورهم ۔ (مواھب لدنیہ جلد اول صفحہ ۳۹۷) اور حاشیہ کا وہ ٹکڑا جو آپ نے سوال میں نقل کیا ہے وہ محشی کا صرف ایجاد بندہ ہے، اس کا ہم کو تو کہیں پتہ و نشان ملا نہیں اس لئے اس کو منچلے کی جرأت رندانہ سمجھیں۔

(۲) زکوۃ کی رقم مدارس کے لیئے کمیشن پر وصول کرنے کے بارے میں معلوم ہوا کہ مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اس کو ناجائز کہتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ قفیز طحان کے حکم میں ہے۔ ہدایہ میں ہے:

" ومن دفع الى حائك غزلا لينسجه بالنصف فله اجر مثله وكذا اذا ستاجر حمارا حمل عليه ملحا بقفيز منه فالا جارة فاسدة لانه جعل الاجر بعض ما يخرج من عمله فيصير فى معنى قفيز الطحان وقد نهى النبى ﷺ ۔

اور میری نظر سے مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی کے صدر المدرسین حضرت مولینا غلام یزدانی صاحب گھوسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک فتویٰ گذرا ہے جس میں آپ نے اس کو ضرورۃ جائز قرار دیا تھا کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مدارس کی تعلیم اور دین کی تبلیغ بند ہو جائیگی اور اگر طرفین اس معاملہ میں تھوڑی سی احتیاط کر لیں تو یہ معاملہ بے دغدغہ جائز ہونا چاہئے یعنی ارکان مدرسہ سفراء سے معاملات طے کرتے وقت یہ صاف صاف کہہ لیں کہ وصولی کی رقم کے علاوہ رقم سے اجرت دی جائیگی اگرچہ اجرت متعین کرتے وقت فیصدی کے حساب سے معاملہ کریں اور سفرا صاحبان وصولی کے بعد پوری رقم مدرسہ میں جمع کر دیں تو اب یہ قفیز طحان والا معاملہ نہ ہوگا۔ رہ گیا یہ سوال کہ اس صورت میں "اجرة ماخرج من عمله" والی قباحت ختم ہے لیکن ابھی وصولی ہوئی نہیں تو اجرت مجہول ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں ابتداء اجرت ضرور مجہول ہے لیکن انتہاءً متعین ہے کیونکہ جب پوری وصولی مکمل ہو چکی ہے تو اس کی فیصد اجرت بھی متعین ہو گئی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم صفحہ ۱۸۳) پر اعلیحضرت نے پرائیویٹ فنڈ کی رقم اجیر کے لئے جائز ہونے کی یہی صورت بتائی ہے۔ ایک شبہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومتیں اپنے عاملین کے ذریعہ جو مال زکوۃ وصول کراتی ہیں اس میں محصلین کا استحقاق قرآن عظیم سے ثابت ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا﴾ [التوبة: ۶۰] وہ ایک دوسرا معاملہ ہے جس کو اجرت اور فیصد کمیشن والے معاملہ سے تعلق نہیں۔ بحر الرائق میں ہے:

" والعامل من نصبه الامام لياخذ الصدقات من التجار. قالوا: وانما ينصب ليأمن التجار من اللصوص ويحميهم منهم فيستفاد منه انه لا بد ان يكون قادراً على الحماية لان

الجباية بالحماية والساعي وهو الذي يسعى في القبائل ليأخذ صدقة المواشي في اماكنها وحاصله ان مال الزكاة نوعان: ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمر به التاجر على العاشر. وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة في مواضعها. اما الظاهر فللامام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الأخذ للآية ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ [التوبة: ۱۰۳] ولجعله للعاملين عليها حقا فلو لم يكن للامام مطالبتهم لم يكن له وجه. ولا شك ان السوائم تحتاج الى الحماية لانها تكون في البراري بحماية السلطان وغيرها من الاموال اذا اخرجه في السفر احتاج الى الحماية بخلاف الاموال الباطنة اذا لم يخرجها مالكها من المصر لفقد هذا المعنى۔ (بحر الرائق۔ کتاب الزكاة: باب العاشر. ۴۰۳/۲)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عامل، ساعی اور عشار گورمنٹ اسلامی کی طرف سے ایک عہدیدار ہوتا ہے اجیر نہیں ہوتا، اس کو تاجروں اور صاحب اموال کی حفاظت اور نگہداشت کی قدرت ہونی چاہئے اور یہ کہ ان کو اموال ظاہرہ سے وصولی کا حق ہے، اموال باطنہ سے وصولی کا حق نہیں۔ ایسے لوگوں کو بطور وظیفہ جو رقم دی جاتی ہے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل تشریح ہے:

فيعطى ما يكفيه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وايابهم مادام المال باقيا الا اذا استغرقت كفايته الزكاة فلا يزاد على النصف لان التنصيف عين الانصاف ومايأخذه العامل صدقة فلا تحل العمالة لهاشمي وانما حلت للغني مع حرمة الصدقة عليه لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لا يمنع من تناولها عند الحاجة كابن السبيل والتحقيق ان فيه شبهاً بالاجرة وشبهاً بالصدقة فللاول يحل للغني والثاني لا يحل للهاشمي ويسقط الواجب عن ارباب الاموال لو هلك المال في يده لان يده كيد الامام۔

(بحر الرائق: باب المصرف: ۴۲۱/۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عاملین کا معاملہ آجرین سے علیحدہ ہے، آجرین اپنی اجرت پہلے طے کرتے ہیں اور عاملین کیلئے امام مقرر کرتا ہے، یعنی وصولی کے بعد ان کے کام اور وقت کے لحاظ سے معاوضہ اپنی صواب دید کے موافق دیتا ہے۔ نصف دینے کا حکم اس صورت میں ہے کہ ان کی وصولی سے واجبی اخراجات بڑھ جائیں جب کہ اجرت پر وصولی میں کتنے موانع ہیں، اس لئے اس کو عاملین پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۷ ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ

(۱۱-۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسائل ذیل میں کہ

(۱) زید کا کہنا ہے کہ جب شاگرد استاذ کو قرآن سنائے تو اعوذ باللہ نہ پڑھے، زید کا کہنا صحیح ہے یا باطل؟

(۲) زید کا کہنا ہے کہ مسجدوں کو سجانا یا چراغاں کرنا یا بارہ وفات ربیع الاول کے مہینے میں روشن کرنا فضول خرچی ہے یہ یہود ونصاریٰ کی سنت ہے یہ زید کا کہنا حق ہے یا باطل؟

(۳) خطبہ پڑھنے سے پہلے بلند آواز سے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟۔

(۴) زید کا کہنا ہے کہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کا بندہ کہنا جائز ہے تو زید کا کہنا صحیح ہے یا غلط؟

(۵) عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفےٰ، عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) زکوۃ صدقہ فطرہ کا پیسہ مسجد میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۷) میلاد عرس فاتحہ وغیرہ میں جب ختم شریف پڑھا جاتا ہے "ما کان محمد" کی جگہ پر انگوٹھے چومنا جائز ہے یا نہیں؟

(۸) جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا کرانا درست ہے یا نہیں؟

(۹) قبر پر اذان دینا درست ہے یا نہیں؟

(۱۰) زید اپنے پیر کے پاس حاضر رہتا ہے، نماز نہیں پڑھتا ہے پیر کا تصور رکھتا ہے خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگتا ہے، کیا یہ زید کا عقیدہ درست ہے یا نہیں؟ المستفتی، محمد ادریس مراد پور شاہجہاں پور

الجواب

(۱) زید کا کہنا غلط ہے۔ کیونکہ قرآن عظیم میں ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ (النحل: ۹۸) جب قرآن مجید پڑھنا ہو تو اعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھا کرو، بہار شریعت میں غنیہ کے حوالہ سے ہے: شروع تلاوت میں اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید نے ایک واجب سے روکا مسئلہ معلوم نہ ہو تو فتویٰ دینا حرام ہے۔

(۲) زید غلط کہتا ہے۔ ابن شاہین محقق محدث نے حضرت ابواسحٰق ہمدانی سے روایت کیا:

" خرج علي ابن ابي طالب في اول ليلقمن رمضان والقناديل تزهو وكتاب الله يتلى فقال نور الله لك يا ابن الخطاب في قبرك كما نورت مساجد الله بالقرآن " دوسری روایت میں ہے " كما نورت علينا مساجدنا "

(کنز العمال للمتقی: ۲۰۷۴۹، الجامع الصغیر للسیوطی: ۱۰/۱)

رمضان شریف کی پہلی رات حضرت علی مسجد میں آئے تو دیکھا کہ قندیلیں لہلہا رہی ہیں اور قرآن

شریف پڑھا جارہا ہے، آپ نے فرمایا اے عمر (فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو منور کرے جیسا آپ نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا اس سے معلوم ہوا کہ خاص دنوں اور خاص جگہوں پر اللہ کے دین اور مقامات متبرکہ کی تعظیم واظہار مسرت کے لئے روشنی کرنا یہود ونصاریٰ کا نہیں عمر وعلی اور صحابہ کرام کی سنت ہے، اس پر اعتراض جاہلوں اور وہابیوں کا کام۔ اپنے گھروں میں مرکری لالٹین لگواتے ہیں تب اسراف نظر نہیں آتا، شادیوں میں کوٹھیوں کو بقعۂ نور بنادیتے ہیں تب اسراف نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ تو تعظیم اور اظہار مسرت کے طور پر جلانا جائز ہے اور ریاکاری اور فخر ومباہات کیلئے ہو تو منع ہے۔

(۳) اعوذ باللہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ خاص ہے، خطبہ کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنے کا حدیث شریف میں حکم ہے۔

(۴) جائز ہے۔ قرآن شریف میں ہے ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا﴾ (الزمر:۵۳) یارسول اللہ آپ کہئے اے میرے بندو جنہوں نے حد سے تجاوز کیا الخ۔

(۵) جائز ہے، عبد کا معنیٰ غلام ہوئے۔

(۶) درست نہیں۔ عالمگیری میں اس کو منع کیا ہے۔

(۷) اذان میں لفظ محمد پر انگوٹھا چومنا چوم کر آنکھوں سے لگانا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، دوسرے مواقع پر نام نامی کے ساتھ یہ ادب برتا جائے تو حرج نہیں۔

(۸) اصل حکم تو یہ ہے کہ جنازہ کیساتھ موت پر غور وفکر کرتے ہوئے جائیں مگر آج کل تمام لوگ اِدھر اُدھر کی بے کار باتیں کرتے ہوئے جنازہ میں شریک ہوتے ہیں تو اس سے بچانے کیلئے ذکر میں مصروف رکھا جائے تو اچھا ہے۔

(۹) درست ہے۔ پوری تفصیل ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' نامی کتاب میں دیکھیں۔

(۱۰) نماز چھوڑنا حرام، پیر کا تصور اللہ تعالیٰ کی طرف لو لگانے کے لئے کیا جاتا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کا خیال چھوڑانے کیلئے ایسا تصور کرے اور پیر سے اس طرح مانگے کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں اپنے پیر سے مانگتا ہوں تو یہ تو شرک وکفر تک ہوسکتا ہے لیکن کسی پر الزام لگانے سے پہلے اس سے تحقیق کر لینا چاہئے بدگمانی بری چیز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ

(۲۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اوراق کلام اللہ شریف کے بوسیدہ ٹکڑوں کو جلائے اور جلوائے اور بہتر سمجھے اور اس

کی حمایت میں امام جامع مسجد کہے کہ جلانا درست ہے، ایسے اشخاص کے بارے میں شرع کا حکم کیا ہے جواب عطا فرمایا جائے کرم ہوگا۔ المستفتی، محمد شمس الدین شمسی بنارس

الجواب

فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف ثانی میں ہے ''مصحف کریم کا جلانا جائز نہیں، نص علیہ فی در المختار بلکہ حفاظت کی جگہ دفن کیا جائے جہاں پاؤں نہ پڑے مسئلہ معلوم ہونے کے بعد جو جلانے پر اصرار کرے اور جلانے والوں کی تائید کرے سب ناجائز خلاف شرع کام کرنے والے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۹ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

(۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مدنی میاں صاحب کی تحریر کردہ تقریر بعنوان۔ ﴿قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (الشوری:۲۳)۔ ایک معلم نے بارہ ربیع الاول شریف کے موقع پر یہ آیت پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ اے رسول آپ کہدیں کہ میں تم سے کوئی سوال نہیں کرتا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ مگر یہ کہ اہل بیت (قربیٰ) سے محبت کرو۔

وضاحت کرتے ہوئے معلم نے دوران تقریر یہ بھی کہا۔ کہ اے رسول آپ اپنی رسالت کا اجر ایمان والوں سے مانگ لو۔ رسول نے اپنی رسالت کا اجر اہل بیت (قربیٰ) کی محبت مانگا۔ اور جب امت اہل بیت کی محبت میں گرفتار ہوجائے گی تو رسول کا مقصد اسلام کے بارے میں جو ہے وہ حاصل ہوجائے گا۔ ایک نام نہاد مولوی نے بھرے مجمع میں بعد تقریر اس معلم کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول نے اہل بیت کی محبت کا اجر نہیں مانگا۔ اہل بیت سے محبت کرنا ضروری نہیں۔ جس کو محبت کرنا ہوگا خود ہی کرے گا۔

اب حضور والا اس مولوی کے بارے میں کیا رائے دے رہے ہیں، اس مولوی کا ایمان کیسا ہے؟ اس کے پیچھے نماز کیسی ہے جائز ہے یا ناجائز؟ شرع شریف کی روشنی میں حوالہ دیجئے۔ عین نوازش ہوگی، بینوا توجروا المستفتی محمد الیاس احمد قریشی قادری

الجواب

آیت مبارکہ ﴿قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (الشوری:۲۳) کی دو تفسیریں مروی ہیں۔ ایک تو بخاری شریف میں بایں الفاظ مروی:

عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما انه سئل عن قوله ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ [الشوریٰ:۲۳] فقال سعید بن جبیر قربی ال محمد ﷺ فقال ابن عباس عجلت. ان النبی ﷺ

لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا مابینی وبینکم من القرابة ـ

(تفسیر سورۃ الشوریٰ:۳/۲۶۰)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾[الشوریٰ:۲۳] کی تفسیر پوچھی گئی تو ان کے بولنے سے قبل حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول پڑے کہ " قربی " تو آل محمد ہیں، اس پر ابن عباس نے فرمایا: تم نے جلدی کردی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی رشتہ داری قریش کے تمام خاندانوں میں تھی تو آپ نے فرمایا کہ میری قرابت داری کا خیال رکھو۔

(بخاری شریف جلد۲ص۷۱۳، رشیدیہ)

کتب تفاسیر میں مزید تشریح ملی۔ قل یا محمد لهؤلاء المشرکین من کفار قریش لا اسئلکم علی هذا البلاغ والنصح لکم مالا تعطونیه وانما اطلب منکم ان تکفوا شرکم عنی وتذرونی ابلغ رسالات ربی ان لم تنصرونی فلاتؤذونی ممابینی وبینکم من القرابة ـ

(تفسیر ابن کثیر ج۴ص۱۴۰)

یعنی اے محمد آپ مشرکین قریش سے فرمادیجئے کہ میں اس ہدایت اور خیر خواہی پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا بس یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی برائی روک رکھو تا کہ میں اپنے رب کا پیغام بے روک ٹوک پہنچا سکوں۔ میری مدد نہیں کرتے تو اذیت بھی نہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان رشتہ داری ہے۔ (اس کا تو خیال رکھو)

دوسری تفسیر یہ مروی ہے: لا اسئلکم علیه اجرا الا هذا وهو ان تودوا اهل قرابتی ـ وروی انه لما نزلت قیل: یارسول الله من قرابتك هؤلاء الذین وجبت علینا من مودتهم؟ قال: علی وفاطمة وابناهما ـ (مدارک جلد۴ص۱۲۹)

میں تم سے یہی اجر چاہتا ہوں کہ میرے اہل قرابت سے محبت کرو۔ آیت اتری تو لوگوں نے پوچھا آپ کے اہل قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی۔ آپ نے فرمایا: علی، فاطمہ اوران کے دونوں لڑکے۔

اس لئے طالب علم کا یہ کہنا کہ محبت میں گرفتار ہوجاؤ گے تو رسول کا مقصد اسلام کے بارے میں حاصل ہوجائے گا صحیح نہیں۔ کیونکہ رسول کی بعثت کا صرف یہ مقصد نہیں تھا بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد اس سے بہت وسیع تھا۔

اور جب آیت کی یہ دونوں تفسیریں ہیں تو آیت محبت اہل بیت پر قطعی الدلالۃ نہیں رہی، اس لئے

مولوی صاحب نے "ضروری نہیں" کا اگر یہ مطلب لیا کہ فرض نہیں تو ان پر گرفت نہیں۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اہل بیت سے محبت نہیں کرنا چاہئے تو گمراہی ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

کہ بے شمار حدیثوں میں اہل بیت سے محبت کرنے کا حکم ہے۔

مسلم شریف میں زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے:

اذکرکم الله فی اهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی ـ

(مشکوۃ شریف ص ۵۶۸، صحیح مسلم ۲/۱۸۷۳۔ کتاب فضائل الصحابة)

اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے: انی ترکت فیکم ماان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی (ترمذی:۵/۱۲۱)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ جب تک ان کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ مشکوۃ شریف

انه ﷺ قال لعلی وفاطمة والحسن والحسین انا حرب لمن حاربهم وسلم لمن سلمهم ـ(سنن ترمذی:۵/۶۱۵، مشکوۃ المصابیح:۲/۵۱٤)

میری اس سے جنگ ہے، جس نے علی فاطمہ حسن وحسین سے جنگ کی اور اس سے صلح ہے، جس نے ان سے صلح کی۔

علماء فرماتے ہیں جو اہل بیت سے محبت نہ رکھے وہ خارجی ہے۔ (بہار شریعت ج۱ص۷۷)

اور اگر ضروری نہیں کا مطلب یہ ہے کہ محبت کرو تب بھی کوئی حرج نہیں اور نہ کرو تب بھی کوئی حرج نہیں تو یہ بہت بڑی محرومی بلکہ گمراہی ہے۔ ایسے آدمی کو امام ہرگز نہیں بنانا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ ۱۳/ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص معوذتین یعنی " قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس" کے قرآن میں سے ہونے کا انکار کرے تو اس پر کفر کا فتوی عائد ہوگا یا نہیں؟ اگر عائد ہوگا تو فتاوی عالمگیری جلد ثانی ص ۲۸۳ مطبع مجیدی کانپور کی اس عبارت: "اذا انکر رجل کون المعوذتین من القرآن لا یکفر .قال بعض المتاخرین یکفر لانعقاد الاجماع بعد الصدر الاول ، کا کیا جواب ہوگا؟ (کیا مطلب ہوگا؟)

پھر اگر مذکورہ دونوں سورتوں کے قرآن میں سے ہونے کے بارے میں اجماع صدر اول کے

بعد ہوا تو پھر قرآن کی مذکورہ سورتیں منقول متواتر کہاں رہیں۔ کیونکہ منقول متواتر کے لئے حکم ہے کہ اس کا آخر اول کی طرح اور اول آخر کی طرح ہو اور اوسط طرفین کی طرح ہو جیسا کہ نورالانوار مطبع مجیدی کانپور ص ۱۷۶ میں ہے: و یدوم ھذا الحد فیکون آخرہ کأولہ و أولہ کآخرہ و أوسطہ کطرفیہ فلو لم یکن فی الأول کذلک کان آحاد الأصل فسمی مشھوراً۔(باب اقسام السنۃ)

قرآن وحدیث سے مذکورہ عبارت کا حل فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد سکندر اعظم نعیمی غفرلہ القوی خادم جامعہ اسلامیہ اہل سنت خلیل العلوم رائے ستی سنبھل مراد آباد

الجواب

معوذتین کے قرآن عظیم کے جز ہونے کا مسئلہ دو پہلو رکھتا ہے ایک کا تعلق خبر وروایت سے ہے کہ اس کا ثبوت اتنے راویوں سے ہے یا نہیں جن کا کذب پر جمع ہونا محال ہو۔

اگر مطلوبہ راویوں سے اس کا ثبوت ہو گیا تو ان سورتوں کا قرآن کا جز ہونا خبر متواتر سے ثابت اور اس کا انکار جز متواتر کا انکار جو شرعا کفر ہے چاہے جو کرے جب کرے۔

اور دوسرے پہلو کا تعلق علم اصول فقہ سے ہے کہ قرن اول یعنی عہد صحابہ میں ہی تمام علمائے صحابہ بالاتفاق ان کو قرآن کا جز مانتے رہے کسی ایک صحابی سے بھی اس کا انکار ثابت نہیں تو معوذتین کی قرآنیت اجماعی ہوگی اور جن کے نزدیک اجماع کا انکار کفر ہے وہ ان سورتوں کی قرآنیت کے انکار پر اس کی تکفیر کریں گے اور کسی ایک صحابی سے بھی اس کا انکار ثابت ہو تو اجماع ثابت نہ ہوگا اور اس کا منکر کوئی بھی ہو اور کبھی بھی ہو کافر نہیں کہا جائے گا۔

یہ تو ان دونوں پہلوں کے فنی تقاضوں کا بیان ہوا اب ہم صورت مسئولہ کی واقعی حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو اس وقت دنیا میں جتنے مسلمہ قرآنی نسخے ہیں سب میں یہ دونوں سورتیں ہیں اور قرآن کا جز ہی مانی جاتی ہیں اور اس دعوی کے ساتھ کہ اس کا حرف حرف رسول اللہ ﷺ سے ہم تک متواتر طریقہ سے ثابت ہے جب کہ کتابوں میں چند روایتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ان سورتوں کو قرآن شریف کا جز نہیں مانتے تھے اور نہ اپنے مصحف میں لکھتے تھے۔

تو ان کا اور ان کے جیسا قول کرنے والے کا کیا حکم ہوگا؟ آیا ان سورتوں کو خبر متواتر سے قرآن کا جز مان لیا جائے اور منکرین کو خبر متواتر کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر کہا جائے تو عبداللہ ابن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی پر کفر کا الزام آتا ہے، معاذ اللہ۔

یا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول روایتوں کا اعتبار کر کے ان سورتوں کو خبر متواتر سے

قرآن کا جز نہ ماننے والوں کو کافر نہ کہا جائے کہ ان کی جزئیت پر اجماع نہ ہوا تو یہ خبر متواتر سے ثابت نہیں ہے۔ اس جواب سے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ الزام کفر۔ سے پاک تو ضرور ہو جاتے ہیں لیکن قرآن مجید کی صحت وروایت کے بارے میں پوری امت کا جو بنیادی عقیدہ ہے وہ پاش پاش ہو جاتا ہے کہ معوذتین کو قرآن مانا جاتا ہے حالانکہ ان کا قرآن ہونا اجماع سے ثابت نہ روایت متواترہ سے۔ اس شبہ کے جواب میں علمائے اسلام کا ایک بڑا گروہ بلکہ تقریبا پورا عالم اسلام یہ کہتا ہے کہ بیشک قرآن پاک کا ہر لفظ متواتر ہے اور یہ سورتیں قرآن کا جز ہی ہیں اور ان کا قرآن ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے جس کی بین دلیل پوری دنیا کے یہ لکھو کھا مصاحف اور حضور ﷺ سے آج تک کے اربہا ارب مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کا یہ بیان کہ بلاشبہ یہ وہی قرآن ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دیا، اس چودہ سو سال میں اس میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں آیا۔

قرآن عظیم کی دس متواتر قرأتیں ہیں جس میں سے پانچ قرأتیں حضرت عبداللہ بن مسعود کے واسطے سے ہیں، ان سب میں قرآن میں یہ دونوں سورتیں جز ہو کر شامل مانی گئی ہیں تو خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی راویوں کے پانچ سلسلے ہیں جو سب متواتر ہیں اور ان کی جزئیت کے شاہد عدل ہیں اس لئے جواب ان سورتوں کی قرآنیت کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے رہ گئے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ وہ اس لئے کافر نہیں ہوں گے کہ

(۱) ان کی طرف اس قول کی نسبت ہی غلط ہے۔ کہ وہ معوذتین کے قرآن کا جز ہونے کے منکر تھے۔

(۲) پہلے وہ انکار تو کرتے تھے مگر انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔

(۳) انہوں نے ان سورتوں کی قرآنیت کا انکار نہیں کیا، وہ صرف یہ کہتے تھے کہ انہیں مصحف میں نہ لکھا جائے۔

(۴) انکار کی روایتیں سب احاد ہیں اور جزء قرآن ہونے کی روایت متواتر اور متواتر کے مقابلے میں روایت احاد کا اعتبار نہیں، اس لئے اس مسئلہ کا صرف ایک ہی رخ ہے کہ ان سورتوں کا قرآن ہونا متواتر ہے اور یہ رخ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ انکار کرتے تھے، نا قابل اعتبار ہے۔ یہ چوتھا جواب علامہ الوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں شرح مواقف کے حوالہ سے لکھا ہے، ہمارے نزدیک یہ جواب نہایت عمدہ ہے کیونکہ تمام شبہات کی بنا یہ روایت انکار ہے اور جب یہ خود بے اعتبار ہو گئی تو ان تمام شبہات کا اعتبار خود ہی ختم ہو گیا۔ اب ہم اس سلسلہ کے فتاوی کے طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

فقیہ النفس امام قاضی خان اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں: من زعم ان معوذتین لیستا من

القرآن ،ذکر فی النوازل انه لا یکون کافرا۔ (قاضی خاں اول ص ۴۶۸)

اس عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ نہ تو ظاہر الروایۃ کا ہے نہ مسائل نوادر کا ہے بلکہ تیسرے درجہ واقعات ونوازل کا ہے جو ایسے بزرگوں کے اجتہاد کا ثمرہ ہے جو صاحبین یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ان کی وفات کا سن ۳۷۳ سے ۳۹۳ تک تحریر ہے فوائد ۲۲۰/حضرت عثمان غنی کے عہد سے لگ بھگ ساڑھے تین سو سال تک تو یہ مسئلہ پیدا ہوا نہ اسے سوچنے کی ضرورت محسوس ہوئی صاحب نوازل نے یہ مسئلہ لکھا اور عدم تکفیر کا فتویٰ دیا۔

عالمگیری کے مصنفین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے فتاویٰ ظہیریہ کے حوالہ سے یہ مسئلہ تحریر کیا اور تصریح کی کہ حکم تکفیر کا بھی ہے اور مکفرین کی دلیل یہ ہے کہ عہد عثمان غنی میں اس پر اجماع ہو چکا ہے ان سورتوں کی قرآنیت کا انکار اجماع قطعی کا انکار ہوگا اور کفر ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اجماع موخر اختلاف مقدم کا رافع نہیں۔

اس لئے انکار اجماع کی بنیاد پر تکفیر صحیح نہیں عدم تکفیر ہی صحیح ہوگی۔ صاحب فتاویٰ بزازیہ نے اجماع منعقد ہونے نہ ہونے پر کئی پہلو سے کلام کیا اور بحث اسی پر تمام کی کہ اجماع متحقق ہے تو معوذتین کی قرآنیت کا منکر کافر ہے (بزازیہ جلد ۶ ص ۳۴۲)

صاحب فتح الباری حضرت ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

ابتدا میں اجماع مقرر نہیں تھا لیکن بعد میں اجماع منعقد ہو گیا۔

ایسے اجماع کا یہی حکم ہے کہ اب کوئی انکار کرے تو کافر ہوگا جیسے مسئلہ زکوۃ میں ابتداء منکرین کے ساتھ جہاد سے بہت صحابہ کو انکار تھا بعد میں جب سب اس مسئلہ میں متفق ہو گئے تو زکوۃ کی فرضیت اجماعی ہو گئی اب اگر کوئی زکوۃ کا انکار کرے ہم اس کی تکفیر کریں گے (فتح الباری جلد ۸ ص ۶۰۴)

اور اس کی تائید صاحب شرح شفا ملا علی قاری کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود انکار فرماتے تھے مگر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحف کو دیکھا اور ان میں معوذتین کو ثابت پایا تو اپنے قول سے رجوع کر لیا (شرح شفا جلد ثانی ۵۵۲)

صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: و یکفر ان انکر آیة القرآن او سخر بآیة منه الا المعوذتین ففی انکار هما اختلاف و الصحیح کفره و قیل لا۔ (جلد پنجم ص ۱۲۲)

یہاں تکفیر کی ہی تصحیح ہے۔ صاحب شفا حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری شق کا ذکر کئے بغیر فرمایا: قال محمد بن سحنون فیمن قال المعوذتان لیستا من القرآن کتاب الله یضرب

عنقه الا ان یتوب (شفا جلد ۲ ص ۵۵۱)

صاحب قواطع الاسلام علامہ ابن حجر مکی منکرین تکفیر کے انکار کے بعد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے اعتراض نقل کر کے حضرت امام نووی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی طرف انکار کی نسبت باطل ہے۔ (الاعلام ص ۳۵۲)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے انعقاد اجماع کے ذکر کے بغیر تکفیر کی یہ وجہ بتائی" قرآنية المعوذتين من ضروريات الدين كسائر القرآن و الضرورى لا تستمع فيه التاويل "

(حاشیہ شفا قلمی جلد دوم ص ۵۵۲) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۴؍شوال ۱۷ھ

(۲۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

مدینے شریف سے ایک چادر لائی گئی جس میں قرآن کریم کی آیات کڑھی ہوئی ہیں کچھ لوگوں نے اس کے بارے میں اعتراض کیا جو اس وقت جنازے پر اڑھائی گئی تھی کہ بلا وضو اس پر ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ برائے کرم حکم شریعت سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

اشفاق حسین صاحب ۱۷؍اکتوبر ۶۱ء

الجواب

قرآن شریف کو بے وضو چھونا جائز نہیں۔ لیکن اگر کسی چیز مثلا چادر وغیرہ پر آیات قرآنی لکھی ہوئی ہوں تو پوری چادر کو قرآن شریف نہ کہیں گے نہ اس کا چھونا حرام ہوگا۔ ہاں آیتوں پر بے وضو ہاتھ لگانا ضرور ناجائز ہے۔ لیکن اس وجہ سے چادر کا جنازہ پر ڈالنا منع نہ ہوگا کہ لوگ احتیاط کر کے باوضو جنازہ اٹھا سکتے ہیں یا اس طرح سے پکڑ سکتے ہیں کہ اس پر ہاتھ نہ لگے یوں ہی علماء نے کفن پر عہد نامہ لکھنے کی اجازت دی ہے۔ درمختار میں ہے: "کتب علی جبهة المیت أ و عمامته أو کفنه عهدنامه ترجی ان یغفر الله للمیت" (کتاب الصلوة مطلب فیما یکتب علی کفن المیت: ۱۴۶/۳)

اور کفن بھی تو جسم کے سارے حصہ پر ڈالا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس سے مقصد تبرک حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پیر پر ڈال کر اس کی توہین کرنے کی غرض سے نہیں ہوتی ہاں احتیاطا اس سے بھی بچنا اچھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۵؍شعبان ۸۲ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

(۲۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید کا قول یہ ہے کہ الفاظ تو قشر و پوست ہیں اور معانی مغز ولب تو اولوالالباب عقل والے وہ ہیں جو مغز والے ہیں ۔یعنی معانی ومقاصد کو سمجھتے ہیں اور وہ جو بے عقل ہیں صرف الفاظ پر جو ظاہر ہیں نظر کرتے ہیں اور معانی کو نظر انداز کردیتے ہیں آیات متشابہات کو تو دیکھتے ہیں اور آیات محکمات کو نظر انداز کردیتے ہیں۔

بلکہ آیات محکمات کو سمجھتے بھی نہیں ۔اس کی مثالیں تو بہت ہیں مگر اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف ایک مثال دیکھئے کہ شربت کو تو دیکھتے ہیں جو ظاہر ہے قشر و پوست ہے اور اس میں مخفی وپوشیدہ معنویت لب ومغز ہے اسے مطلقا نظر انداز کرتے ہیں تو کسی بشر میں کفر وطغیان ۔بلکہ خود شیطان پوشیدہ ہے۔

مثنوی شریف:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہ ہر دستے نباید داد دست

بہت شیطان بشریت کی شکل میں چھپے ہوتے ہیں تو ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے۔

از بروں مردوز دروں دیو لعیں

باہر سے آدمی اندر سے شیطان دیو اور کسی بشر میں ایمان ولایت علم حکمت نبوت خیر وبرکت ونور،

جسے حضرت مولانا روم فرماتے ہیں:

من ز قرآن مغز را برداشتم   استخواں پیش سگاں انداختم

ہم نے قرآن کا مغز (یعنی لب) لے لیا ہے اور ہڈیاں (الفاظ ظاہر لفظ) اہل ظواہر کتوں کے آگے ڈالدی ہیں۔

آیات محکمات مغز قرآن ہیں ﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ﴾[آل عمران:۷] وہ اصل کتاب ہیں اور آیات متشابہات قشر و پوست ظاہر پر دلالت کرتے ہیں تو اولوالالباب وعقلمند وصاحب مغز ولب (اصحاب معنی) نے آیات محکمات کو لے لیا ہے اور آیات متشابہات استخواں پیش سگاں ہیں۔

اب دریافت یہ ہے کہ ''استخواں پیش سگاں انداختم''، میں استخواں سے کیا مراد ہے؟ اگر الفاظ سے ظاہر لفظ مراد ہیں تو کیا آیات قرآنیہ کو ہڈی سے موسوم کرنا روا ہے؟ اور ہڈیاں کتوں کے آگے ڈال دینے کا فاعل کون ہے؟ ۔اور آیات متشابہات پیش سگاں ہیں کہنا کیسا ہے؟ اور قائل کے متعلق کیا حکم ہے اور اہل ظواہر سے کیا مراد ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

المستفتی: ذاکر حسین اشرفی

الجواب

آدمی کو اپنے دماغ پر ضرورت سے زیادہ زور دینا نہیں چاہئے ۔اور جس چیز سے اس کی خاص غرض وابستہ نہ ہو اس میں سر نہیں کھپانا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:"من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه "

(مسند امام احمد بن حنبل: ١/٥٣٦)

بے مقصد باتوں کو ترک کرنا آدمی کے اسلام کی خوبی ہے۔

زید صاحب کی غلطی یہ ہے کہ مغز ولب اور قشر و پوست کی تعبیر ایک دفعہ لفظ اور معنی سے کرتے ہیں اور اسی سانس میں قرآن کی آیات محکمات کو مغز اور آیات متشابہات کو قشر کہتے ہیں ۔حالانکہ ان دونوں تعبیروں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔اور خود زید کے بیان میں بہت سارے تضاد اور خلاف واقعہ امور ہیں مثلا۔

(۱) زید نے محکمات کو مغز قرآن اور متشابہات کو قشر و پوست اور ظاہر پر دلالت کرنے والا بتایا جب کہ تفسیروں میں محکم اور متشابہ کے کچھ اور معنی بتائے گئے ہیں۔

جلالین شریف میں ہے:

منه آیات محکمات هن ام الکتاب واضحات الدلالة واخر متشابهات لا تفهم معانیها ۔(تفسیر سورة آل عمران:۷)

آیات محکمات جو اصل کتاب ہیں یہ اپنے معانی پر دلالت کرنے میں واضح (ظاہر) ہیں اور دوسری قسم آیات کی متشابہات ہے ۔جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے تو متشابہات جس کو زید نے ظاہر بتایا وہی خفی اور نہ سمجھ میں آنے والی ہیں۔

(۲) زید صاحب الفاظ کو ظاہر کہکر چھوڑنے کی تلقین کرتے اور معانی کو اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں ۔حالانکہ بے لفظ کے معنی کی تفہیم کی صورت کیا ہوگی؟ اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں ۔نور الانوار اصول فقہ کی معتبر کتاب میں ہے:

القرآن اسم للنظم والمعنی جمیعا ۔(مبحث الکتاب:۱۱)

قرآن لفظ ومعنی دونوں کا نام ہے ۔تو رسول اللہ ﷺ تو الفاظ کو بھی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں اور زید صاحب الفاظ قرآن کو چھوڑنے کا۔

(۳) زید صاحب ایک طرف تو لفظ اور معنی کو قشر اور مغز بتا کر لفظ کو چھوڑنے اور معنی کے اختیار کرنے کی بات کرتے ہیں دوسری طرف محکم اور متشابہ کو مغز اور قشر بتا کر محکم کو پکڑنے اور متشابہ کو چھوڑنے کا

حکم دیتے۔اور حال یہ ہے کہ آیات محکم ومتشابہ دونوں میں ہی لفظ بھی ہیں اور معنی بھی ہیں۔تو دونوں کو ہی چھوڑنے اور پکڑنے دونوں طرح کا حکم دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۴) محکم ومتشابہ کی جو مثال آپ نے دی اس میں تو کمال ہی ہوگیا۔جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے میں نے کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ یہ لفظ متشابہ ہے اور اچھے برے انسان کو بشر کی معنویت قرار دیا۔حالانکہ یہ بشر کے معنی نہیں اس کی دو صفتیں ہیں۔اور جب زید صاحب کے نزدیک دونوں ہی اس کی معنویت ہیں تو کس کو پکڑا جائے۔اور کس کو چھوڑا جائے۔یا دونوں کو اختیار کیا جائے۔

الغرض شروع سے آخر تک ہم کو زید صاحب کا کلام مختل نظر آیا ہے بھلا ایسے صاحب کو ان مضامین پر دماغ کھپانے کی کیا ضرورت تھی؟اور آپ نے بھی اس پر جو اضافہ فرمایا ایسا ہی بے فائدہ ہے۔

فارسی کا جو شعر آپ نے لکھا ہے من ز قرآن الخ اس کے معنی ہمارے نزدیک ظاہر نہیں۔

شاعر کہتا ہے قرآن کی کچھ آیتوں کے چند مفاہیم ومطالب ہوتے ہیں ان میں سے بعض صحیح اور مراد مقصود الہی ہوتے ہیں اور بعض غلط مردود اور غیر مراد ہوتے ہیں۔ان میں سے صحیح اور مراد کا انتخاب توفیق ربانی سے اور ہدایت یافتہ لوگوں کا حصہ ہے شاعر اپنے بارے میں کہتا ہے کہ الحمد للہ میں نے توفیق ربانی سے اسی مقصود کی طرف ہدایت پالی ہے۔وہی قرآن کی اصل اور اس کا مغز ہے اور دوسرا مفہوم ومطلب جو مردود اور غیر مقصود ہے وہ کتوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔یہاں کتوں سے مراد طالبان دنیا ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:الدنیا جیفۃ والناس کلابھا۔

دنیا مردار ہے اور اس کے طلبگار لوگ کتے ہیں۔

فان کنت کلبا اکلت معھم والا اکلتك الکلاب۔(کشف الخفاء:۱/۴۹۳)

اگر تو کتا بنے تو ان کے ساتھ کھا سکتا ہے ورنہ وہ کتے تجھے ہی کھا جائیں گے۔

شعر میں نہ تو کلام کو ہڈی سے تشبیہ دی گئی ہے نہ اس کو کتوں کے آگے ڈالنے کی بات کی ہے بلکہ اہل دنیا قرآن کے غلط معنی پر جس طرح جنگ کرتے ہیں اس کو کتوں کے ہڈی پر لڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔اس کو اصطلاح معانی میں تشبیہ مرکب کہا جاتا ہے یہ مفرد کی مفرد سے تشبیہ نہیں کہ قائل کے بارے میں آپ کے سوالات پیدا ہوسکیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھی اپنے بتائے ہوئے مطلب کو ایک مثال سے واضح کریں۔

قرآن شریف میں ہے:﴿یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾(الفتح:۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔﴿اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(البقرۃ:۱۱۵)

جدھر رخ کرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔

آیت میں آئے ہوئے ید اللہ۔وجہ اللہ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ گوشت پوست ہڈی اور رنگ وروغن کا ایسا ہی ہاتھ اور چہرہ جیسا ہمارا ہاتھ اور چہرہ ہے۔لیکن قرآن کی دوسری آیت میں ہے۔

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔

اللہ کے جیسی دنیا کی کوئی شئ نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کا چہرہ اور ہاتھ ہمارے جیسا کیسے ہوسکتا ہے۔اس لئے یہ معنی مردود اور غیر مراد ہوئے اور اسی کو شاعر نے ہڈی کہا ہے۔اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور چہرہ تو ہے اور ہم کو یہ یقین ہے کہ ہماری طرح نہیں۔تو کیسا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ ہی اس کی حقیقت جانے یہ دوسرے معنی صحیح اور مراد ربی ہیں۔اور یہی تمام بزرگان دین۔سلف صالحین اور اولیاء کاملین کا مذہب ہے اسی کو شاعر نے اگر کہا ہے تو قرآن کا مغز کہا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے آیات قرآنی کے یہ اصلی معنی مراد لئے اور غلط اور باطل معنی غیر مراد اور غیر مقصود معنی اہل دنیا اور باطل پرستوں کے لڑنے جھگڑنے کے لئے چھوڑ دیئے کہ یہ اس غلط معنی پر ایسا ہی لڑتے جھگڑتے ہیں جیسے کتے ہڈی پر چنانچہ دنیا میں ایسے دنیا پرست کلمہ گو عالم کہلانے والے بھی گزرے ہیں جو اپنا وہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ان کو مجسمہ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ماننے والا کہتے ہیں یہ گمراہ اور بد مذہب ہیں۔کتابوں میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے ایک دفعہ کہیں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اسی طرح ہے جیسے میری یہ کرسی اور اس کے بوجھ سے وہ اسی طرح چڑ چڑ کرتا ہے جیسے میری یہ کرسی میرے بوجھ سے معاذ اللہ رب العالمین۔

اب اگر تشبیہ مفرد بھی مان لیجئے تو کیا خرابی ہے کہ کتا علمائے سوء اہل دنیا کو کہا گیا۔ہڈی اس غلط بات کو کہا گیا جس کو قرآن کا مطلب ومقصود کہکر انہوں نے بیان کیا اور مغز اس مطلب صحیح ومقصود کو کہا گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔وعلمہ اتم واحکم

عبد المنان اعظمی،شمس العلوم گھوسی مئو،۱۹؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

(۲۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

زید زبان عربی پر قادر نہیں بسبب ایں وہ ہندی میں قرآن عظیم خرید لایا تلاوت کے لئے اور صبح شام اسکی تلاوت بھی کرتا ہے لیکن لحن جلی اور لحن خفی اور مد اصلی اور فرعی کے امتیاز کی استطاعت نہیں رکھتا۔تو کیا وہ عنداللہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں مفصل ومدلل قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت

فرمائیں۔ المستفتی محمد اسلام علی مقام وپوسٹ بھوپت پور چوکی ضلع بہرائچ

الجواب

زندگی بھراس کوعربی رسم الخط پڑھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور قرآن شریف صحیح مخرج سے ادا کرنے کی جدوجہد کرنا چاہئے اس پر بھی وہ قادر نہ ہوتو وہ معذور ہے ورنہ مجرم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مؤ، ۲۳؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ

(۲۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

تحقیق طلب یہ ہے کہ کون صحیح ہے، شب اسراء یا شب اسری؟ عربی رسالوں میں لیلۃ اسراء ہی لکھا ہوا دیکھا ہے۔ افراتفری افراط تفریط کا مخفف ہے، افراط کے پہلے الف کو زیر ہے تو افراتفری ہی ہونا چاہئے۔ جو صحیح ہو لکھ دیں۔ المستفتی: آپ کا خادم محمد شفیع انصاری

الجواب

اردو کی مشہور اور معتبر لغت فرہنگ آصفیہ میں اس لفظ کو اسی طرح افراتفری لکھا ہے۔ اس لفظ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عربی لفظ افراط وتفریط سے بگڑ کر بنا ہے۔ اور بگڑنے کے بعد اب یہ اردو زبان کا لفظ ہے۔ اور افراتفری ہی صحیح۔ عربی میں تو اس لفظ کے معنی حد سے زیادہ اور حد سے کم ہے مگر اردو زبان میں اس لفظ کے معنی ہلچل و بدانتظامی وغیرہ لکھے ہیں۔

اردو زبان میں نقل ہوکر اس کے حروف بھی الٹ پلٹ ہوگئے اور معنی بھی بدل گئے۔ اسی معنی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ عوام کا محاورہ ہے۔ اور زبان کیلئے یہ ایک عام دستور ہے۔ کہ الغلط العام فصیح۔ کسی زبان میں عام طور سے جب کوئی لفظ غلط طور سے ہی بولا جانے لگے تو وہی فصیح ہوجاتا ہے تو اب یہ لفظ افراتفری بفتح الف ہی فصیح ہے۔ رہ گیا آپ کا یہ کہنا کہ جب یہ لفظ اصل میں افراط تھا تو قیاس چاہتا ہے کہ اردو ہونے کے بعد بھی مکسور رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ لفظ اب بھی عربی مانا جاتا ہوتو آپ کے قیاس کی گنجائش تھی لیکن اردو میں جب افراط وتفریط دونوں میں تصرف کر کے اس کو ایک لفظ بنادیا گیا۔ اور لفظ کے معنی بھی بدل دیئے گئے۔ تو عربی زبان کا وہ قاعدہ اور قیاس کہاں معتبر ہوگا۔ اب تو وہ اردو زبان کا ایک لفظ ہے جس کا پہلا حرف مفتوح ہے ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔

"اللغۃ لاتثبت بالقیاس"

لغت قیاس سے ثابت نہیں ہوتی اس کی سند تو اہل زبان کا استعمال ہے تو اردو زبان میں یہ لفظ مفتوح الالف ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح اسراء اور اسری دونوں ہے۔

قرآن شریف کی سورتوں کا نام جس طرح مضمون اور قصہ کی مناسبت سے رکھا گیا ہے اسی طرح سورہ کے اندر آئے ہوئے کسی لفظ کو بھی سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ جیسے۔ سورہ ق۔ سورہ قلم۔ سورہ قل۔ سورہ ناس وغیرہ، اسی کو اصطلاح میں تسمیۃ الکل بالجزء کہا جاتا ہے۔ قرآن شریف کی جو سورۃ مبارکہ ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾[بنی اسرائیل:۱] سے شروع ہوئی، چونکہ اس سورہ میں قوم بنی اسرائیل کا حال اور ان کے عروج وزوال کا قصہ بیان ہوا ہے، اس لئے مصاحف مروجہ میں اس سورہ کا نام، سورہ بنی اسرائیل تحریر ہے،

اس سورہ کی ابتدائی آیت میں چونکہ اسریٰ کا لفظ ہے اس لئے اس کا نام اس لفظ پر سورۃ اسریٰ بھی ہے۔ اور الاسراء لفظ اسری صیغہ ماضی غائب کا مصدر ہے۔ اس لئے اس سورہ کا نام سورۃ الاسراء بھی ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں سورۃ الاسراء نام تحریر کیا ہے۔ اسری کی تعبیر کے لئے فی الحال حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مصرعہ یاد آتا ہے۔

شب اسری کے دولہا پہ دائم درود۔ نوشہ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

یہاں اگر اسری کے بجائے اسراء پڑھا جائے تو شعر وزن سے گر جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مؤ، ۴؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

باب آداب تلاوت

(۱۔۶) **مسئلہ**: قرآن شریف کی تلاوت کرتے وقت لعاب لگا کر ورق کھولنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(۲) ایک انسان کو کسی جانور نے کھا ڈالا اسکو عذاب کہاں پر دیا جاوے گا اور اسکی قبر کہاں ہے؟

(۳) مزارات مقدسہ کا طواف جائز ہے یا نہیں؟

(۴) مزارات مقدسہ کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) مسجد کے اندر عمامہ کس طرح باندھنا جائز ہے بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر؟

(۶) بالغ ہونے کی کیا پہچان شریعت مطہرہ نے بتلائی ہے۔ جوابات مدلل بحوالہ کتب عنایت کیجئے گا۔ السائل۔ عبدالغفور مکان نمبر ۷۷؍۵۷ قلی بازار کانپور

الجواب

(۱) اس مسئلہ میں تلاش کے باوجود کوئی جزیہ نہیں نظر سے نہیں گزرا آیات قرآنی کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بضرورت ہوتو حرج نہیں ہاں خواہ مخواہ بلاضرورت اور عادۃ ہوتو اس عمل سے بچا

جائے کہ اوراق قرآن آلودہ ہو جائیں۔

(۲) جسکو جنگلی جانور نے کھالیا اسکا سوال وجواب اور عذاب قبر بھی اسی جانور کے پیٹ میں ہوگا قبر اس کی کہیں نہیں۔ شرح عقائد میں ہے:" ان الغریق فی الماء والماکول فی بطون الحیوانات والمصلوب فی الهواء یعذب و ان لم نطلع علیه ومن تامل فی عجائب ملکه و ملکوته وغرائب قدرته وجبروته لم یستبعد امثال ذلك فضلا عن الا ستحالة ۔"

(فصل عذاب القبر و ثوابه: ۱۱۲)

(۳) مزار کا طواف نا جائز ہے۔ مسلک متوسط میں ہے:"الطواف من مختصات الکعبة فیحرم حول قبور الاولیاء والانبیاء" ہاں تبرک کے لئے مزار کے گرد پھرنے میں کوئی حرج نہیں

(بہار شریعت)

(۴) حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔عن قیس بن سعد قلت انی اتیت الحیرة فرأ یتهم یسجدون لمرزبان فانت احق بان نسجد لك فقال لی ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد فقلت لا فقال لا تفعل ۔"

(۵) عمامہ کھڑے ہو کر باندھنا چاہئے (بہار شریعت) جائز دونوں طرح ہے کھڑے ہو کر باندھیں یا بیٹھ کر۔ مسجد کے اندر یا باہر کی کوئی تخصیص نہیں سب جگہ ہر طرح جائز ہے اور بہتر کھڑے ہو کر باندھنا ہے۔

(۶) لڑکوں میں احتلام، انزال اور یہ نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر اور لڑکیوں میں حیض، حمل، احتلام اور یہ سب نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر۔ ہدایہ میں ہے:"بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والا نزال اذا وطئی و بلوغ الجاریة بالحیض و الاحتلام و الحبل فان لم یوجد ذلك اذا تم للغلام و الجاریة خمس عشر سنة فقد بلغا" عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ الجواب صحیح عبد الرؤف غفرلہٗ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۵ر جمادی الاخرہ ۸۲ھ

بعض احادیث کی تحقیق

(۱) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

حدیث قدسی "لولاك لما خلقت الافلاك والارضین" کے حوالہ کی ضرورت پیش آگئی اس لئے کہ ایک پروفیسر صاحب نے اپنے مضمون میں مذکورہ حدیث پیش کی ہے، حوالہ کے لئے انہوں نے

گزارش کی ہے کہ تلاش کر کے لکھوا دیں۔ ناظم صاحب قبلہ نے مجھ سے کہا صحیحین وترمذی ومشکوۃ وغیرہ میں تلاش کیا مگر نہ مل سکی، شب میں نخبۃ الفکر کا مطالعہ کر رہا تھا جس صفحہ میں حدیث مرفوع کی تعریف میں "بل مالا یوجد له اسناد اصلا" کے حاشیہ پر ہے:"منها حدیث لولاك لما خلقت الخ قال الصنعانی موضوع" اس کو دیکھنے کے بعد صحاح ستہ میں ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے پھر بلا اسناد موضوع ہونے کے باوجود اتنی شہرت کی حامل کیوں ہوئی اور زمانہ موجودہ میں اکثر واعظین اپنے وعظ میں بھی مذکورہ حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ مولینا ابوالنور بشیر صاحب نے "آنا جانا نور کا" نامی کتاب میں بھی لکھی ہے امید کہ حضور حدیث مذکورہ کا حوالہ اور میرے شبہ کا ازالہ جلد تحریر فرما کر روانہ کردیں گے۔

الجواب

عزیز مکرم وعلیکم السلام

خط آپ کا ملا متعلقہ حدیث کے بارے میں تحقیق وتفتیش کے لئے میرے پاس یہاں گھوسی میں کوئی ذریعہ نہیں ہے، البتہ اعلیٰ حضرت کی کتاب مستطاب تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں یہ حدیث اور ان جیسی حدیثوں کا سراغ اور ان پر کہاں کہاں بحث مل سکتی ہے ان باتوں کا سراغ لگ سکتا ہے۔ میں تجلی الیقین سے وہ حصہ نقل کر کے آپ کے پاس روانہ کر رہا ہوں آپ متعلقہ کتابوں میں اگر فراہم ہو سکتی ہوں تو ان کی تحقیق کریں اور مجھے بھی اس پر مطلع کریں۔ عرصہ سے میرا خیال ہے کہ اس قسم کی حدیثوں پر ایک مضمون لکھوں اب تک کی معلومات کے پیش نظر میرا اپنا یہ خیال ہے کہ حدیث کی روایت کرنے والوں اور ان پر تنقید کرنے والوں دونوں ہی کی طرف سے بے اعتدالیاں ہوئی ہیں، یعنی محدثین کرام کی باب فضائل میں سہل پسندی کے نتیجہ میں نہایت مخدوش قسم کی حدیثیں اور روایتیں جگہ پا گئیں تو دوسری طرف تھوڑے تھوڑے بہانے سے حدیثوں پر وضع اور تکذیب کا الزام عائد کیا گیا۔ ان بے اعتدالیوں کے سلسلہ میں ابن جوزی اور ابن تیمیہ وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں محدثین کے یہاں ایک لفظ "غریب بهذا اللفظ" یا "موضوع بهذا اللفظ" بھی ہے کہ خاص یہ الفاظ تو سند صحیح کے ساتھ مروی نہیں اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ اس معنی میں بھی صحیح حدیث نہیں۔ صنعانی کا حدیث کو "مالا یوجد له سند" کہنا باعتبار لفظ کے ہی ہے کہ "لولاك لما خلقت الافلاك" والی حدیث کی اس لفظ کے ساتھ سند نہیں ہے باقی دوسرے الفاظ میں یہ حدیث متعدد طریقوں سے مروی ہے جیسا کہ منسلکہ تحریر سے ظاہر ہے۔ خود حدیث "اول ماخلق الله نوری" کا یہی معاملہ ہے، سلیمان ندوی وغیرہ نے اس کی سخت تردید کی ہے بلکہ موضوع تک بتایا ہے اور امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوسرے الفاظ میں حضرت جابر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کی اور اس کی تصحیح کی۔ ابتدائی الفاظ اس کے یہ ہیں۔

یا جابر ان اللہ خلق نور نبیك قبل الاشیاء کلھا۔ (کشف الخفا:۱/۳۱۰

(۱) حاکم، بیہقی، طبرانی، آجری، ابونعیم، ابن عساکر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

یا آدم و لولا محمد ماخلقتك وفی روایة عند الحاکم فقال اللہ تعالیٰ: صدقت یاآدم! انہ لا حب الخلق الی اما اذ سئلتنی بحقہ فقد غفرت لك و لو لا محمد ماغفرت وما خلقتك۔(المستدرك للحاکم ۲/۶۱۵) حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

قال صحیح الاسناد واقرہ علیہ ابن امیر الحاج فی الحلیة والسبکی فی شفاء السقام اقول والذی عندی انہ لاینزل عن درجة الحسن۔ (تجلی الیقین ص۳۹)

(۲) حاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ لو لامحمد ماخلقت ادم ولا الجنة ولا النار قال صحیح الاسناد واقرہ علیہ السبکی فی شفاء السقام والسراج البلقینی فی فتاواہ وکذا جزم بصحتہ العلامة ابن حجر فی افضل القری۔ اقول: قد صرح المحقق ابن الھمام فی باب الاحرام من الفتح القدیر ان الاقدام علی التحسین فرع معرفة حالا وعینا قلت فکیف بالتصحیح وانت تعلم ان من یعلم حجة علی من لایعلم۔
(الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ ۱/۱۳۷)

(۳) ابن عساکر عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك ماخلقت الدنیا۔ (تجلی ص۴۲)

(٤) دیلمی عن ابن عباس عن رسول اللہ ﷺ قال اتانی جبرئیل فقال ان اللہ یقول لولاك ماخلقت الجنة ولولاك ماخلقت النار۔ (تجلی ص۴۲)

(۵) امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں:

ھذا نور نبی من ذریتك اسمہ فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاہ ما خلقت سماءً ولا ارضاً۔ (تجلی ۴۸)

(۶) امام ابن منیع وعلامہ غزنی سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے:

ان اللہ تعالیٰ قال لنبیہ من اجلك اسطح البطحاء واموج الموج وارفع السماء واجعل الثواب والعقاب۔ تجلی ص۴۸ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

(۲۔۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

برائے مہربانی نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کریمہ کو مفصل طور پر بحوالہ سیاق وسباق واضح فرمائیں جو ذیل میں درج ہیں، عین نوازش ہوگی۔

(۱) وہ حدیث شریف جس میں حضور ﷺ کے نجدیوں کے حق میں دعا نہ فرمانے کا ذکر ہے۔

(۲) وہ حدیث پاک جس میں یہ واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ حضرت عیسی علیہ السلام کی قبر انور کے پاس سے گذرے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت عیسی علیہ السلام اپنی قبر انور میں کھڑے ہوئے نماز ادا کر رہے ہیں۔

(۳) وہ حدیث جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خواب کا ذکر ہے کہ ”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ آسمان میں دو چمکتے ستارے نکلے ہیں اور انہیں ایک سانپ کھا گیا۔

اس خواب کا ذکر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رسول اکرم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری اولاد میری اولاد کو کھا جائے گی۔ اور اس وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شادی نہ کرنے کا ارادہ کرلیا، مگر مرض خاص نے شادی کے لئے مجبور کر دیا۔

(۴) وہ حدیث مقدس جس میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ رہیں گے اور ان کی ضروریات کی ساری چیزیں وہاں (یعنی قبر میں) موجود رہیں گی۔ (آپ نے مجھ سے مبارکپور میں دوران گفتگو اس حدیث کو سنایا تھا)

(۵) کس جماعت مخالف کے کس عالم نے یہ لکھا ہے کہ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ) نبی کریم ﷺ مر کر مٹی میں مل گئے، ختم ہو گئے، فنا ہو گئے۔

برائے مہربانی اس مصنف کا نام اور اس کتاب سے آگاہ کریں۔

(۶) میرے ایک ساتھی نے اعتراض کیا ”یہاں آپ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور فلاں کے پیچھے پڑھی جائے، لیکن حج کے لئے جاتے ہیں تو کس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟

یہاں ایسے لوگوں کے پیچھے پڑھنا ناجائز اور وہاں ایسے لوگوں کے پیچھے پڑھنا جائز ہو جاتا ہے۔ آپ کے پیچھے ہر کوئی پڑھ لے اور آپ کسی کے پیچھے نہ پڑھیں، یہ کیا ہے؟

الجواب

(۱) پہلی حدیث شریف بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۴۱ار میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بخاری شریف جلد ثانی میں بھی یہ حدیث صفحہ ۱۰۵۱ پر انہی سے روایت ہے۔ الفاظ اس کے یہ ہیں:

قال: اللهم بارك لنا في شامنا وفي يمننا قالوا: وفي نجدنا، قال: اللهم بارك لنا في شامنا وفي يمننا. قالوا: وفي نجدنا، قال في الثالث: هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان.

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دعا فرمائی یا اللہ ہمارے شام میں برکت دے اور ہمارے یمن میں برکت دے، تو لوگوں نے کہا اور ہمارے نجد میں، تو آپ نے دوبارہ وہی دعا فرمائی، لوگوں نے پھر نجد کے لئے دعا کی درخواست کی، تو آپ ﷺ نے تیسری بار فرمایا نجد سے زلزلے اور فتنے پیدا ہوں گے، اور وہاں شیطان کی سینگھ نکلے گی۔

حضرت علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ جو ابن عبد الوہاب کے زمانہ میں ملک شام کے مفتی اعظم تھے، فرماتے ہیں:

كما وقع في زماننا في اتباع (ابن) عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين كانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون اباحوا بذلك قتل اهل السنة و علمائهم۔ (شامی جلد سوم ص ۳۰۹)

جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ابن عبد الوہاب کے ماننے والوں سے واقع ہوا، وہ لوگ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر قبضہ کرلیا، اپنی نسبت حنبلیوں کی طرف کرتے لیکن ان کا مذہب یہ تھا کہ جو ان کے اعتقاد کے خلاف ہو وہ مشرک ہے، اور مسلمان صرف وہی لوگ ہیں اور انہوں نے اہل سنت و جماعت اور ان کے علما کے قتل کو حلال جانا۔

آج کل کی مشہور اور متداول لغت "المنجد" میں ہے:

نجد هضبة صحراوية في قلب المملكة السعودية ذات زراعة ونخيل وتمرونمية المواشي كانت النجد المهد الاول لدعوة الوهابية و فيها نشاء البيت السعودي.

(منجد الاعلام ص ۷۰۶)

نجد ایسا پہاڑی علاقہ ہے جو صحرا میں دور تک پھیلا ہے سعودی حکومت کے بیچ میں، زراعت کے کھیت اور کھجوروں کے باغات اور مویشیوں کے نشو ونما کا علاقہ ہے، محمد ابن عبد الوہاب کی دعوت تبلیغ کا

پہلا گہوارہ یہ نجد ہی ہے اور وہیں سے آل سعود کو فروغ بھی ہوا ہے۔

(۲) قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں نہیں ہے، یہ واقعہ حضرت موسی علیہ السلام کا ہے، اس حدیث شریف کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا: ان النبي ﷺ ليلة اسرى مربموسى عليه السلام و هو يصلي في قبره.

(فتاوی حدیثیہ امام سیوطی جلد دوم صفحہ ۱۴۱)

دوسری حدیث شریف حضرت ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اس کے الفاظ بھی یہی ہیں: ان النبي ﷺ مر بقبر موسى عليه السلام و هوقائم يصلي في قبره. (فتاوی حدیثیہ امام سیوطی جلد دوم صفحہ ۱۴۱)

رسول اللہ ﷺ معراج کی رات حضرت موسی علیہ السلام کی قبر سے گذرے تو انہیں اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح جلد دوم ص ۱۰۵۵ پر یہ حدیث شریف بیان کی:

أن ابن قال: قال رسول الله ﷺ بينما انا نائم رأيتني اطوف بالكعبة فاذا رجل آدم سبط الشعر بين رجلين ينطف راسه ماء فقلت من هذا؟ فقالوا: ابن مريم۔

حضور ﷺ نے فرمایا میں سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں تو ایک آدمی کو دیکھا جو گیہواں رنگ کے ہیں بالکل سیدھے بال والے ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا ہے، یا پانی بہہ رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں تو مجھے بتایا کہ حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسی علیہ السلام کے نماز پڑھنے کی وہ حدیث ہے جو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی ہے:

و قد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذاً موسىٰ رجل ضرب جعد من رجال ازد شنوءة واذاً عيسى ابن مريم قائم يصلي واذاً ابراهيم قائم يصلي أشبه الناس به صاحبكم.

(حاوی للفتاوی جلد ص ۱۴۸)

میں نے اپنے کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا تو حضرت موسی علیہ السلام درمیانی قد گھنگھریالے بال گویا قبیلہ ازد کے کوئی آدمی ہیں، اور حضرت عیسی علیہ السلام کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں، اور میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔

(۳) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب اور حضور ﷺ کی تعبیر کا جو آپ نے حوالہ پوچھا ہے، وہ ہم کو کسی مستند کتاب میں نہیں ملا۔ میرے خیال میں یہ کسی کی من گڑھت کہانی ہے جو کسی نے گڑھی ہے، بچپن میں ہم نے بھی جاہلوں کی زبانی سنا تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا جنتی کے کندھے پر جہنمی سوار ہے، یہ بات اس طرح جھوٹ ہے کہ سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ۱۰ھ میں پردہ فرمایا اور یزید کی پیدائش ۲۶ھ میں ہوئی۔ (بدایہ ونہایہ ابن اثیر جلد ۷ صفحہ)

تو جو شخص حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے سولہ سال بعد پیدا ہوا اس کو حضور ﷺ نے کب امیر معاویہ کے کاندھے پر دیکھا، اور کب اس کو جہنمی بتایا۔

آپ کا بیان کردہ واقعہ بھی ایسا ہی عقل ونقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، نقل کا حال تو ہم اوپر بتا چکے کہ ہم نے اس کے لئے تاریخ "الکبیر دمشق" دیکھی، بدایہ ونہایہ کو دیکھا، طبقات ابن سعد کو دیکھا آئندہ بھی تلاش جاری رکھیں گے۔ عقلا اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ نے اپنی زندگی میں چار شادیاں کیں۔ اور ان سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ تو شادی کی مجبوری کا عارضہ تو ایک شادی کے بعد ہی ختم ہو گیا، تین مزید شادیوں کی کیوں ضرورت پڑی؟ تو یہ روایت بھی ہم کو سابقہ روایت کی طرح زیب داستان کے لئے ہی معلوم ہوتی ہے۔

اور ان روایتوں کی کوئی ضرورت ہے ہی نہیں جب کہ حضور ﷺ سے دوسری صحیح حدیثیں مروی ہیں جن میں یزید کی بداعمالیوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے، امام بخاری نے حضور ﷺ کی یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

هلكة امتى على يدى غلمة من قريش. (مشکوۃ شریف ص ۴۶۲)

میری امت کی بربادی قریش کے نوعمر لڑکوں کے ہاتھ ہوگی۔

صاحب بدایہ ونہایہ لکھتے ہیں کہ یزید ۶۰ھ میں تخت حکومت پر بیٹھا، اس وقت اس کی عمر کل چونتیس برس کی تھی۔ (بدایہ ونہایہ ص ۷/ ص ۱۰۰)

بلاشبہ یہ عمر نوخیز نا تجربہ کاری اور الہڑپن کی ہے۔ جس کو حدیث شریف میں غلمة سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں اس میں یزید اور عبدالملک ابن مروان وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: حفظت من رسول الله ﷺ وعائين فاما احد هما فبثثته فيكم و اما الأخر فلوبثثته

قطع هذا البلعوم اى مجرى الطعام. (مشکوۃ شریف ص ۳۳)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو ظرف (دو قسمیں) حاصل کیں۔ ایک کو تو تم لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرے کو بیان کروں تو میری گردن کاٹ دی جائے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ارادبه اخبار الفتن و فساد الدين علىٰ يد اغيلمة من قريش فكان ابوهريرة يكنى عن بعض و لا يصرح به خوفا على نفسه كقوله اعوذ بالله من رأس الستين و امارة الصبيان يشير الى امارة يزيد بن معاوية لانها كانت سنة ستين.

حضرت ابو ہریرہ علم کی دوسری قسم سے فتنوں کی خبریں اور قریش کے نوعمروں کے ہاتھ سے دین کے فساد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تو ابو ہریرہ بعض امور کی طرف اشارہ و کنایہ کرتے تھے، اور اپنی ذات پر خوف کی وجہ سے تصریح نہیں کرتے تھے۔ جیسے ان کی یہ دعا: یا اللہ میں ۶۰ھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور لونڈوں کی حکومت سے۔ ان الفاظ سے وہ یزید کی سلطنت کی طرف اشارہ کرتے تھے، کہ اس کی تخت نشینی ۶۰ھ میں ہی ہوئی تھی۔

(۴) یہ حدیث شریف ضرور میں نے آپ سے بیان کی ہوگی، اس کو صاحب مشکوۃ نے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی اور بیہقی کے حوالہ سے اوس ابن اوس کی روایت سے نقل کیا۔

(مشکوۃ شریف باب الجمعہ صفحہ ۱۲۰)

قال رسول الله ﷺ ان من أفضل أيامكم يوم الجمعة فيه خلق آدم و فيه قبض و فيه النفخة و فيه الصعقة فأكثروا عليّ من الصلاة فيه فان صلاتكم معروضة على. قالوا: يا رسول الله ! ﷺ و كيف تعرض صلاتنا عليك و قد أرمت. قال: يقولون: بليت. قال: ان الله حرم على الارض أجساد الأنبياء.

حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اور اسی دن اتنی زور دار چیخ ہوگی کہ سب جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ تو اس دن مجھ پر زیادہ درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے، لوگوں نے کہا بھلا ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا اور آپ تو بوسیدہ ہو گئے ہوں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کو حرام کر دیا ہے تو مٹی انبیا کے جسم کو نہیں کھا سکتی۔

دوسری حدیث شریف اسی مشکوۃ کے صفحہ ۱۲۱ پر ابن ماجہ کے حوالہ سے ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ اکثروا الصلوة علی یوم الجمعة فانه مشهود یشهده الملٰئکة وان احدا لم یصل علی الاعرضت علی صلوته حتی یفرغ منها قال قلت و بعدالموت قال: ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیا فنبی الله حی یرزق.

حضور ﷺ فرماتے ہیں جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو، اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور تم میں سے جو بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اس کا سلام مجھے پہونچتا ہے۔ وہ جیسے ہی درود پڑھ کر فارغ ہوا ویسے ہی وہ درود مجھے پہونچ جاتا ہے، راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی اور موت کے بعد کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا جسم مٹی پر حرام کردیا ہے۔ وہ انہیں کھا نہیں سکتی اور اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ الفاظ حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ رزق حسی (محسوس) ملتا ہے۔

(۵) یہ ناپاک جملہ مولوی اسمعیل دہلوی نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" کے صفحہ ۹۲ پر لکھا ہے۔

(۶) آپ کو ایسے بے علم اور کم فہم آدمیوں سے الجھنا ہی نہیں چاہئے جو دینی مسئلہ کو دنیوی مسئلہ پر قیاس کرے، جس کے نزدیک امامت اور اقتدا، شادی اور بیاہ کے نیوتہ کی طرح ہو کہ ہم نے تمہاری لڑکی کی شادی میں اتنے روپے دیئے تو تم بھی ہماری لڑکی کی شادی میں اتنا ہی دو۔ امامت اور اقتدا والے ادلے بدلے کا سودا نہیں کہ تم ہمارے پیچھے نماز پڑھتے ہو تو بدلے میں ہم بھی تمہاری اقتدا کریں۔ بلکہ یہ تو شریعت کے مقرر کردہ احکام ہیں کہ کون امام بن سکتا ہے اور کس کو مقتدی بنکر پیروی کرنی چاہئے۔ مثلا: زید عمر صحیح العقیدہ سنی مسلمان ہیں مگر زید قرآن بھی نہیں پڑھ سکتا اور عمر قرآن صحیح پڑھتا ہے اور مسائل نماز وطہارت سے آگاہ ہے۔ تو زید جب تک اس کی یہ حالت ہے مقتدی رہے گا اور عمر امامت کریگا۔ زید کو حق نہیں پہونچتا کہ کہے سالہا سال میں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھی ایک بار ہی سہی تم میرے پیچھے پڑھ لو۔ آپ اپنے اس معترض ساتھی سے پوچھئے کہ تمہارے یہاں یہ مسئلہ اسی طرح ہے یا نہیں؟ جب حقیقت یہ ہوئی تو اس کو مذاق میں نہ لانا چاہئے۔

اب آپ شریعت کا مسئلہ سنئے، عالمگیری جلد اول صفحہ ۸۴ میں ہے:

ان کان هوی لا یکفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع کراهة والا فلا۔ کسی آدمی کی گمراہی حد کفر کو نہ پہونچی ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، اور اگر اس کی گمراہی کفر تک پہونچ گئی ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہی نہیں ہوگی۔

شامی جلد اول صفحہ ۳۷۶ میں ہے:

المبتدع تکره امامته بکل حال بل مشی فی شرح المنیة ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم.

گمراہ کی امامت ہر حال میں مکروہ، اور شرح منیہ میں تصریح ہے کہ گمراہ کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

درمختار ص ۳۷۷ میں ہے: و ان کفر بها فلا یصح الاقتداء به اصلا۔ اور کسی وجہ سے اس کی تکفیر ہو تو اقتدا کسی طرح صحیح ہی نہیں، یہ دونوں کتابیں بریلی شریف اور دیوبند دونوں جگہ معتبر اور مستند ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہوا کہ گمراہ کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اور جس پر کفر کا فتوی ہو اس کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں۔

اب وہابی صاحبان کے بارے میں خانقاہ مرزا مظہر علیہ الرحمہ دہلی کے شیخ جناب زید صاحب کی شہادت ان کی کتاب اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان سے نقل کرتے ہیں کہ:

حرم شریف میں (۷ر محرم ۱۲۲۱ھ کو) ممبر کے پاس علمائے کرام کا اجتماع ہوا، خطیب ابوحامد نے منبر سے نجدیوں کی ملعون تحریر پڑھ کر سنائی اس کے جواب میں جو کچھ علمانے فرمایا میں نے (احمد کاتب) قلمبند کیا۔

جناب خطیب نے علمائے کرام، قاضیوں اور مفتیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ سب صاحبان نے ان کی تحریر سن لی اور ان کے عقائد سے آپ سب باخبر ہوگئے۔ اب آپ صاحبان ان کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ یہ سن کر مکہ مکرمہ کے کل علمائے کرام چاروں مذہب کے قاضی اور مفتی صاحبان اور حج کے لئے اطراف عالم سے آئے ہوئے علمائے کرام نے جو بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کے لئے ۱۰ رتاریخ کا انتظار کر رہے تھے بہ اتفاق نجدیوں کے کفر کا فتوی دیا۔ اور فیصلہ کیا کہ امیر مکہ پر لازم ہے کہ حرم سے نکل کر نجدیوں سے جہاد کرنے جائیں۔ (کتاب مذکور صفحہ ۲۰)

تب سے اب تک ۲۰۴ رسال کی مدت گذری نہ وہابی حضرات نے اپنے عقائد سے توبہ کی نہ عالم اسلام کے کسی عالم نے اپنے کفر کے فتوے سے رجوع کیا، پس اس شہادت اور عالمگیری اور شامی درمختار کے احکام کی روشنی میں جو شخص ان وہابیہ کے پیچھے نماز کو ناجائز کہتا ہے، صحیح کہتا ہے۔ اور یہاں اور وہاں کی تفریق نہیں کہیں بھی ایسے لوگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا وہ حق اور سچائی پر ہے۔ اور جو اس کے خلاف کرتا ہے وہ ناحق پر ہے اور خطا کار ہے۔

رہ گیا وہاں پڑھنے اور یہاں نہ پڑھنے کا طعنہ تو وہ عوام کالانعام کے اعتبار ہے تو آپ اپنے معترض ساتھی کو ان کے فرقے کے بے نمازیوں، شرابیوں، اور زانیوں کو دکھا کر پوچھئے یہ چیزیں تو آپ کے مذہب میں بھی حرام ہیں، پھر آپ کے ہم مذہب کیوں کرتے ہیں۔ اگر ان عوام کے ان افعال سے

اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تو عام سنیوں کی اس ناجائز اقتدا سے مذہب اہل سنت و جماعت پر کیا الزام، اور اگر خواص کے اعتبار سے الزام ہے تو بے شمار متصلب سنی ایسے بھی ہیں جو وہاں ان کی اقتدا نہیں کرتے، اور جیسا موقع ملتا ہے اپنی نماز الگ پڑھتے ہیں اور یہاں تو الگ پڑھتے ہی ہیں۔ الحمد للہ رب العلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۲۴؍ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ

(۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل کے متعلق

زید کا کہنا ہے کہ مھدی و عیسیٰ ابن مریم ایک ہی ذات کے نام ہیں یہ دو نام الگ الگ ذات کے نہیں ثبوت میں پیش کر رہا ہے " ولا المھدی الا عیسیٰ ابن مریم " ابن ماجہ باب شدۃ الزمان صفحہ ۲۵۷ مصری مطبع علیہ ۱۳۱۳ھ کنز العمال صفحہ ۱۸۶ ترجمہ: یعنی عیسیٰ ابن مریم کے سوا اور کوئی مھدی نہیں گویا کہ مسیح ہی مہدی ہیں اور حضرت محمد ﷺ کو معراج جسمانی نہیں روحانی ہوئی اور معراج صرف دو مرتبہ ہوئی ہے نیز اس کا مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب توڑینگے اور خنازیر ذبح کریں گے، خدمت با برکت میں عرض ہے کہ میرے خیال میں یہ اقوال غلط ہیں لیکن میرے پاس اسوقت تشفی بخش ثبوت کے لیے کتب میسر نہیں اور نہ وافر حوالہ جات ہیں کہ اس کے خیال کا رد کیا جائے اس علاقے میں اپنے خیالات کو وہ رواج دے رہا ہے برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں کثیر سے کثیر حوالہ جات سے اس کے خیالات کا رد فرماتے ہوئے جلد جواب مرحمت فرمائیں عین کرم ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی، نور محمد نوری کہارہ باکھپور جریلی سیتاپور۔ ۴-۳-۱۹۹۶ء

الجواب

آپ نے اپنے سوال میں جس حدیث کا ذکر کیا ہے محدثین میں ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سنن صفحہ ۲۹۲ باب شدۃ الزمان (مطبع کلاسیکل پرنٹرس دہلی) میں اس کو تخریج کیا، اور امام ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب مستدرک علی الصحیحین میں روایت کیا، علی متقی صاحب کنز العمال ہندوستان کے علمائے متاخرین میں ہیں انھوں نے اپنی کتاب میں اس کی تخریج کی ہے تو مذکورہ بالا دونوں کتابوں کے حوالہ سے ہی ہوگی یہ حدیث صحیح اور قابل اعتماد نہیں حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن ماجہ کے حاشیہ مصباح الزجاجۃ (حوالہ مذکورہ بالا میں اس حدیث کی تفصیل بیان کی ہے آسانی کے لحاظ سے ہم اس کا ترجمہ مع توضیح نقل کر رہے ہیں)

(۱) امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں نقل کر کے فرمایا کہ " یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ کے متفردات میں سے ہے" (یعنی امام شافعی کے علاوہ جن لوگوں نے یہ حدیث روایت کی اس میں لفظ لا مھدی الا عیسیٰ نہیں ہے۔ (۲) امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر جرح کی کہ " یہ حدیث منکر ہے" (یعنی اس کا راوی ضعیف ہے اور یہ حدیث لائق قبول نہیں) (۳) آپ فرماتے ہیں امام شافعی سے یہ حدیث صرف یونس ابن عبد الاعلی نے بیان کی کہ مجھ سے کسی نے امام شافعی کے واسطے سے بیان کیا تو خود یونس کی ملاقات امام شافعی سے نہیں ہوئی اور جس آدمی کا واسطہ ذکر کیا اس کا نام ہی نہیں بتایا تو یہ حدیث منقطع ہے (حدیث منقطع کا حکم یہ ہے کہ قابل سند نہیں)

مزید فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یونس کے لفظ " حدثنا " سے سمجھا کہ یونس کی ملاقات امام شافعی سے ہے مگر صحیح یہی ہے کہ انھوں نے امام شافعی سے نہیں سنا (تو وہی حکم بحال رہا کہ حدیث منقطع اور نا قابل استدلال ہے) (۴) اس حدیث میں امام شافعی کے استاذ محمد بن خالد جندی ہیں، امام ذہبی ان کو بھی منکر الحدیث کہتے ہیں، امام ابو عبد اللہ حاکم نے انھیں مجہول بتایا (یعنی ان کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں کہ کون ہیں) اسی طرح امام ابن صلاح نے بھی انھیں مجہول کہا ہے تنہا امام ابن معین ان کی توثیق کرتے ہیں کہ امام شافعی کے علاوہ تین اور لوگون نے ان سے حدیث پڑھی (لہٰذا وہ مجہول نہیں ہوئے) (۵) اس حدیث کے چوتھے راوی ابان ابن صالح ہیں خود تو ٹھیک ہیں مگر ان کی ملاقات اپنے استاذ حسن بصری سے نہیں (تو یہ دوسرا انقطاع ہوا)

(۶) ابن صلاح نے اس کا ضعف اور بیماری ذکر کی ہے فرماتے ہیں: امام بیہقی نے اس کو حاکم کی روایت سے اس طرح بیان کیا ہے 'حاکم' عبد الرحمن ابن عبد الاعلی بن یزداد مذکور سے، عبد الرحمن نے کتاب دیکھ کر بیان کیا ہم سے، عبد الرحمن ابن احمد ابن محمد ابن الحاج ابن رشیدین نے بیان کیا انھوں نے کہا کہ ہم سے مفضل بن محمد جندی نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھ سے ثابت ابن معاذ نے بیان کیا کہ میں لشکر میں گیا وہاں ایک محدث کو دیکھا جو محمد بن خالد سے روایت کرتے اور وہ ابان بن عیاش سے وہ حسن بصری سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے۔ امام ذہبی نے فرمایا کہ اب اس کی روایت کا عقدہ کھل گیا (یعنی حدیث کے اصل راوی ابان بن صالح نہیں ہیں ابان بن عیاش ہیں جن کی ملاقات حضرت حسن بصری سے ثابت ہے)

اقول: وباللہ التوفیق، امام ذہبی علیہ الرحمہ کا یہ جملہ انتہائی ذومعنی ہے کیونکہ ابان بن عیاش کے روایت میں آجانے کے بعد اس کی گتھی اور الجھ گئی سلجھی نہیں اس امر پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم تہذیب التھذیب جلد اول صفحہ ۸۵، ۸۶، ۸۷ سے ابان ابن عیاش کی ہسٹری مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں (۱)

فلاسی نے انھیں متروک الحدیث کہا (۲) یحیٰ اور عبدالرحمن ان سے روایت نہیں کرتے تھے (۳) بخاری کہتے ہیں شعبہ ان پر سخت تنقید کرتے تھے (۴) عباد المہلبی اور حماد ابن زید نے حضرت شعبہ کو منع کیا تو رک گئے انھوں نے پھر تنقیدیں شروع کیں اور انھوں نے کہا ایسے شخص کی کوتاہیوں کی پردہ پوشی روا نہیں (۵) امام احمد ابن حنبل نے انہیں متروک الحدیث بتایا (۶) ایک زمانہ سے لوگوں نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا (۷) ابن معین نے کہا ان کی روایت کسی شمار وقطار میں نہیں کبھی تو ضعیف کہا اور کبھی متروک الحدیث (۸) امام نسائی دار قطنی ابو حاتم نے فرمایا آدمی نیک تھے مگر حافظہ کمزور تھا (۹) ابو عوانہ نے کہا کہ ان سے روایت جائز نہیں (۱۰) ابو زرعہ محدث نے انھیں کذب پر اعتماد کرنے والا بتایا (۱۱) وہ حضرت انس، حضرت شہر اور حضرت حسن رضی اللہ عنھم کی حدیثیں ملا دیتے تھے (۱۲) حضرت ابن حبان فرماتے ہیں عبادت گذار تھے حضرت حسن کی باتیں سنتے اور حضرت انس کی حدیثیں تو کلام حسن کو حدیث مرفوع عن انس بتا کر روایت کر دیتے اور انھین پتہ نہیں چلتا (۱۳) علی ابن المدینی نے انھیں ضعیف کہا (۱۴) حضرت شعبہ اور امام احمد ابن حنبل نے انہیں کذاب کہا۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول (اس روایت کا عقدہ کھل گیا) کا مطلب یہ ہوا کہ امام بیہقی کی اس توضیح سے جہاں یہ روشن ہوا کہ حدیث کے اصل راوی حضرت ابان بن صالح نہیں جن کی ملاقات حضرت حسن بصری سے ثابت نہیں بلکہ ابان ابن عیاش ہیں جنکی ملاقات حضرت حسن بصری سے ہے اور امام ذہبی کے فرمان سے کہ حدیث وروایت کا عقدہ بھی حل ہو گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس روایت میں صحابی رسول ﷺ حضرت انس کا نام کس طرح آیا تو یہ بھی حضرت ابان ابن ابی عیاش ہی کی سادگی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کی ملاقات حضرت حسن بصری وحضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں ہی بزرگوں سے تھی اور حضرت حسن کی باتوں اور حضرت انس کی باتوں میں انہیں امتیاز نہیں رہتا آپس میں ایک دوسرے کو خلط کر دیا کرتے تھے اس روایت میں ہوسکتا ہے ایسا ہی ہوا اور انہوں نے دونوں بزرگوں کا نام دیا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس روایت میں خود ان کا نام آنے سے اس روایت کی سندی حیثیت بھی واضح ہوگئی کہ یہ بالکل لائق اعتبار نہیں۔ ابان ابن عیاش کی بزرگی اور عبادت، داد ودہش اور سخاوت کے اعتراف کے باوجود بھی ایک محدث ایسا نہیں جو ان کی حدیث کی توثیق کرے، جس نے بڑی رعایت کی تو یہ کہا کہ انکا حافظہ کمزور تھا۔ اور جس نے سختی برتی تو یہ تبصرہ کیا کہ یہ کذاب ہیں لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ ان کی حدیث نا قابل اعتبار ہے اور ان سے روایت جائز نہیں۔ اسلئے اس روایت پر حقیقی تبصرہ وہی ہے جسے حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ محمد ابن الحسین سے نقل کیا۔ فرماتے ہیں، محمد ابن خا

لد جندی کی بھی ابن حسین نے اگر چہ توثیق کی ہے مگر حق یہی ہے کہ علمائے حدیث کے نزدیک وہ غیر معرو
ف ہیں۔ امام بیہقی نے اس روایت کو محمد ابن خالد کے نوادرات میں شمار کیا ہے۔ اور امام حاکم نے انہیں مجہو
ل قرار دیا ہے اور روایت میں بھی ان پر اختلاف دائر ہے کہ صامت ابن معاذ نے ایک بار اس حدیث کو
یحیٰ ابن سکن کے واسطہ سے محمد ابن خالد جندی سے عن ابان ابن صالح عن الحسن عن انس عن النبی ﷺ
روایت کیا اور ایک بار کسی گمنام محدث سے عن محمد ابن خالد عن ابان عن ابی عیاش عن النبی ﷺ بیان کیا تو یہ
سلسلہ روایت بھی منقطع ہے۔

امام بیہقی مزید فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث دو اور طریقوں سے بھی مروی ہے مگر ان میں
حدیث کا یہ ٹکڑا "لا مھدی الا عیسی" مروی نہیں۔ امام بیہقی نے امام شافعی کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا
یہ حدیث ضرور منکر ہے اور اس کی ساری ذمہ داری محمد ابن خالد جندی پر آتی ہے اور ان کی حمایت میں ایسی
کوئی بات ثابت نہیں جس سے ان کی عدالت ثابت ہو اور روایت مقبول ہو۔ (مصباح الزجاجہ ص ۲۹۴)

الحاصل ایک طرف ایسی داغدار روایت ہے جس کی تقریبا ہر راوی پر کسی نہ کسی طرح جرح کی گئی
ہے جو فرد ہے۔ جو منکر ہے۔ جو منقطع ہے۔ اور دوسری طرف امام مھدی اور حضرت روح اللہ عیسیٰ ابن
مریم علیہ السلام کے علیحدہ علیحدہ وجود پر دلالت کرنے والی ایسی روایتیں ہیں جن میں تفصیل مذکور
ہے۔ حضرت مھدی حضور ﷺ کے خاندان سے ہوں گے ہفت اقلیم پر حکومت کریں گے اور دنیا کو عدل و
انصاف سے بھر دیں گے اور حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ساتھ ملکر دجال کو قتل کریں گے، حضرت مسیح مسلما
نوں کے ساتھ نماز پڑھیں گے، وہ آسمان سے اتریں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، جو عیسائیوں کا مذہبی
نشان ہے اسے توڑ دیں گے، عیسائیوں کے اس عقیدہ کو رد کریں گے کہ مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹا کر سولی
دی گئی۔

حضرت حافظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو رسالوں مسمّٰی بہ معروف الوری
و کتاب الاعلام میں اس موضوع پر تقریباً ڈھائی سو احادیث وآثار نقل فرما کر ارشاد فرمایا امام قرطبی اپنی
کتاب "تذکرۃ" میں فرماتے ہیں کہ " لامھدی الا عیسیٰ" کی سند ضعیف ہے اور جو حدیثیں امام
مھدی کے بارے میں ہیں ثابت اور صحیح ہیں تو حکم انہی حدیثوں پر ہوگا نہ کہ ابن ماجہ کی ضعیف روایت پر۔
امام ابو الحسن محمد ابن حسین ابن ابراہیم ابن عاصم السحری نے فرمایا کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے
بارے میں روایتیں حضور ﷺ سے حد تواتر واستفاضہ کو پہونچی ہیں۔

(حاوی للفتاوی جلد ثانی صفحہ ۸۵) ملخصاً

ترمذی شریف جلد ثانی صفحہ ۴۶ میں حاشیہ پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی لمعات سے نقل کیا حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے حضور کے اہل بیت اور اولاد فاطمہ سے ہونے پر اس کثرت سے حدیثیں مروی ہیں جو تواتر معنوی کی حد کو پہونچی ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اولاً زید کی پیش کردہ روایت قابل اعتبار نہیں کہ اس سے کسی مدعا پر سند لائی جائے ثانیاً صحیح مان لیجائے تو یہ خبر احاد ہے اور اس کے مقابلہ میں خبر متواتر تو یہ صحیح ہو کر بھی نا قابل استدلال واعتبار ہوگی جیسا کہ امام قرطبی کے تذکرہ سے نقل گذری۔ اور میں کہتا ہوں کہ حدیث بالفرض صحیح اور قابل استدلال ہوتی تب بھی اس سے وہ بات ہرگز ثابت نہیں جو آپ کے قادیانی مزاج زید صاحب کا مدعا ہے کیوں کہ اس کا صحیح ترجمہ وہ نہیں ہے جو آپ نے تحریر کیا ہے اس کا صحیح ترجمہ تو صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے علاوہ کوئی مہدی نہیں، تو اس میں حضرت عیسیٰ کی ذات کا ثبوت ہوا نفی اگر ہے تو حضرت مہدی کی، پھر یہ مطلب کیسے ہوا کہ ایک ہی ذات کے دو نام ہیں اور جو کچھ اس حدیث کا مفاد ہے وہ اس لئے صحیح نہیں کہ روایت ہی غلط اور بے اعتبار ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور بفرض صحت از قبیل " لا وجع الا وجع العين ۔ولا هم الا هم الدين ولا سيف الا ذو الفقار "۔ حضرت مہدی وعیسیٰ کے بارے میں احادیث حد تواتر کو پہنچی ہیں یہاں تک کہ ائمہ دین نے ان کا نزول اور ان کا ظہور عقائد میں داخل فرمایا (فتاویٰ رضویہ جلد نہم قدیم ص ۲۹)

بلکہ یہی حدیث جس کو زید نے پیش کیا ہے زید کے اس قول کی بھی دھجی اڑا رہی ہے، کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں کیوں کہ جب حسب تحریر سائل اس حدیث کا ترجمہ یہ ہوا کہ عیسیٰ ابن مریم کے سوا کوئی مہدی نہیں اور متواتر حدیثوں سے مہدی اور مسیح دونوں کے آنے کا وعدہ اور پیش گوئی ثابت ہے تو یا تو یہ مانو کہ یہ حدیث ہی غلط ہے دونوں آئیں گے یا اس حدیث کے موافق یہ کہ مہدی نہیں آئیں گے حضرت عیسیٰ کا آنا ہی حضرت مہدی کا بھی آنا ہے تو حضرت عیسیٰ کا آنا اور ضروری ہوا پس اگر وہ وفات پا گئے ہیں تو کیسے آئیں گے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ﴾ [یوسف: ۵۲] اور بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو راہ نہیں دیتا۔ قرآن عظیم میں ہے: یہودی کہتے تھے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور یہ کہ انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک شخص بنا دیا گیا، بے شک انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔

(سورہ نساء)

حضور ﷺ کی معراج جسمانی ایک بار ہوئی یہی جمہور اہل اسلام کا مذہب ہے۔ شفائے قاضی عیاض میں ہے: "اختلف الناس في الاسراء لرسول الله ﷺ فقيل انما كان جميع ذالك في

المنام والحق الذي عليه اكثر الناس ومعظم السلف وعامة الفقهاء والمتكلمين والمحدثين من المتاخرين انه اسرى بجسده الشريف " لوگوں نے اس بات میں اختلاف کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج کس حال میں ہوئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ پورا واقعہ خواب میں ہوا اور وہ حق کہ اس پر لوگوں کی بڑی تعداد ہے اور سلف صالحین کا بیشتر حصہ اور متاخرین میں فقہاء و محدثین و متکلمین، یہ ہے کہ آپ کا سفر معراج جسم مبارک کے ساتھ ہوا۔

ہم کو خطرہ ہے کہ زید مذکور قادیانی خیال ہے ایسے گمراہوں سے دور ہی رہنا چاہیے، حدیث میں ہے "فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم " ان سے دور رہو ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی

۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۱۶ھ

(۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مولانا صاحب نے کہا ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس روح نکالنے کے لئے گئے اور ان سے روح نکالنے کی اجازت مانگی۔ ملک الموت کی یہ بات سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طمانچہ مارا جس کی وجہ سے ملک الموت کی آنکھ نکل گئی اور طمانچہ مار کر فرشتہ کو بھگا دیا ایسا کہنے والے کے لئے شرعی حکم کیا ہے۔ جواب عنایت فرمائیں ممنون ہونگے۔

المستفتی: عبدالستار، ساکن دارا ہی ضلع مظفر پور بہار

الجواب

یہ حدیث شریف تو صحیح بخاری شریف جلد اول ص ۱۷۸ اور ۴۸۴ اور مشکوۃ شریف ص ۵۰۷ پر ہے۔ الفاظ حدیث کے یہ ہیں: "ارسل ملك الموت الى موسى عليهما السلام، فلما جاءه صكه فرجع الى ربه فقال: ارسلتني الى عبد لايريد الموت۔

حضرت ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دھکا دیا۔ اور ایک روایت میں ہے طمانچہ مارا تو ان کی آنکھ نکل پڑی۔ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ تو نے ایک ایسے بندے کے پاس بھیجا جو موت نہیں چاہتا ہے۔ حضرت ملک الموت نے رو کر دربار الٰہی میں عرض کیا۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی آنکھ درست کردی۔

دیکھئے حدیث شریف کے کسی لفظ کا یہ ترجمہ نہیں جو آپ کے مولانا صاحب کر رہے ہیں۔ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس روح نکالنے کے لئے گئے۔ اور ان سے روح نکالنے کی اجازت

مانگی۔ اس کے بر خلاف حضرت امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ائمہ دین نے اس حدیث کی وضاحت میں نقل کرتے ہیں۔

"ان موسیٰ علیه السلام لم يبعث الله اليه ملك الموت وهو يريد قبض روحه حينئذ، انما بعثه اختبارا وبلاء كما امرالله تعالیٰ خليله بذبح ولده ولم يرد معنى امضاء ذلك ولو اراد ان يقبض روح موسیٰ عليه السلام، حين لطم الملك لكان ماراد، وكانت اللطمة مباحة عند موسیٰ عليه السلام اذ رأى آدميا دخل عليه، ولا يعلم انه ملك الموت، وقد اباح الرسول عليه الصلوة و السلام فقأ عين الناظر فی دارالمسلم بغير اذن ـ ومحال ان يعلم موسیٰ عليه السلام انه ملك الموت ويفقأ عينه واخبرنا نبينا ﷺ ان الله لم يقبض نبيا قط حتى يريه مقعده فی الجنة"

(عمدة القاری ، كتاب الجنائز ،با ب الميت ، يسمع خفق النعال: ٦/ ٢٠٤)

ترجمہ: ملک الموت کو اللہ پاک نے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی جان نکالنے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ ابتلاء وامتحان وآزمائش کے لئے بھیجا تھا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے حکم ہوا کہ اسماعیل کو ذبح کریں تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ نہ فرمایا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل کو واقعۃً ذبح کریں حقیقت امر یہ ہے کہ الفاظ حدیث کے موافق نہ تو عزرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ میں فرشتہ ہوں۔ (آپ کی جان نکالنے آیا ہوں) نہ اللہ تعالیٰ نے ہی وحی بھیجی کہ میں فرشتۂ اجل کو بھیج رہا ہوں۔ لیکن آپ کے مولانا واعظ صاحب نے الفاظ حدیث کے خلاف جان نکالنے کی اجازت بھی منگوادی تو ان کے لئے جواب دینا تو مشکل ہوگا ہی۔

حضرت بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ پاک کی مرضی ہوتی کہ عزرائیل علیہ السلام فوراً فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جان نکال لیں تو نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام طمانچہ مارتے نہ حضرت عزرائیل علیہ السلام طمانچہ کھا کر واپس جاتے۔ آپ کے مطلع نہ ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے موت دی تو اس سے پہلے جنت میں اس کے ٹھکانے کا مشاہدہ کرادیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر مشاہدہ کر چکے ہوتے تو ہرگز ہرگز ملک الموت کو طمانچہ نہیں مارتے۔

وہ تو یہ دیکھ رہے تھے کہ ایک آدمی ہمارے گھر میں بے اجازت گھسا چلا آرہا ہے۔ تو انہوں نے اس وجہ سے اس کی آنکھ پر ہاتھ مارا کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ جو بے اجازت تمہارے گھر

میں جھانکے اس کی آنکھ پھوڑ دو۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت عزرائیل علیہ السلام ایک اجنبی آدمی کے روپ میں آئے تو آپ نے انہیں جانا نہیں اور ان کے گھر میں گھسنے پر بے اختیارانہ ہاتھ چلادیا۔

اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ حضرت عزرائیل دوبارہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ دنیا میں رہنا چاہتے ہیں تو گائے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیجئے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں اتنے سال آپ کی زندگی بڑھ جائے گی۔ آپ نے عرض کی اس کے بعد کیا ہوگا؟ حکم ہوا موت، آپ نے عرض کی: تو یا اللہ میں ابھی تیری بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ وعظ وتقریر کا کام بھی اہل علم کو کرنا چاہئے۔ بلکہ اہل علم کو بھی ایسی بات ہرگز نہیں بیان کرنی چاہئے جس کا مالہ وماعلیہ معلوم نہ ہو۔ مگر اس کو کیا کیجئے گا۔ عوام میں بھی ایسے ہی لوگوں کی مانگ ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "ان الله لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى اذ لم يبق عالماً اتخذ النا س رؤسا جهالا، فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا" (صحيح البخا ری كتاب العلم: ١/ ٤٦)

اللہ تعالیٰ بندوں کے دل سے علم سلب نہ کرے گا۔ بلکہ علم علماء کی وفات پاجانے کیوجہ سے ختم ہوجائے گا۔ اور لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے۔ ان سے مسئلہ پوچھیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہونگے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۷؍ رجمادی الاخری ۱۴۱۰ھ

دعوت وتبلیغ کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید نے فارسی گلستاں بوستاں نحو میر وغیرہ پڑھی مگر چند مجبوریوں کے باعث تکمیل عالم نہ کرسکا مگر اس نے بہار شریعت، جاء الحق، تفسیر نعیمی، شان حبیب الرحمان، سنی آستانہ؛ ماہ طیبہ، پاسبان کے مطالعہ کی کوشش کے اور مسائل ضروریہ سے واقف بھی ہوگیا اور متشرع بھی ہے تقریباً تین سال سے تدریسی خدمات بھی انجام دیتا ہے اور ایک مولانا صاحب سے اصلاح کراکے تقاریر بھی کرتا ہے اور مسجد کا امام بھی ہے جسکی وجہ سے اکثر گمراہ مسلمان راہ راست پر آکر صوم وصلوۃ کے پابند ہوگئے ہیں ایسی صورت میں زید کو

جب مولوی صاحب کہا جاتا ہے تو سند نہ ہونیکی وجہ سے شرمندہ ہو جاتا ہے تو کیا وہ حق رکھتا ہے کہ نہیں اور مولوی صاحب کے القاب سے نوازنے پر کوئی جرم ثابت ہوتا ہے

محمد شفیع گونڈہ

الجواب

القاب وآداب تو کچھ اصطلاحی ہوتے ہیں کچھ عرفی جن کیلئے ضروری نہیں کہ تمام اصطلاحی قیود پر پورے اتریں جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے ان کے صلاح اور تقویٰ کو دیکھ کر لوگوں نے مولانا صاحب کہنا شروع کر دیا اس لفظ سے نہ تو کہنے والے انھیں سند یافتہ مولانا سمجھتے ہیں نہ خود وہ جن کو مولوی کہا جاتا ہے اسلئے نہ انکو مولوی کہنے والے پر کوئی شرعی جرم عائد ہوتا ہے نہ انھیں شرمندہ ہونیکی ضرورت ہے، ہاں انھیں لوگوں کے اس اعزاز عطا کرنے کی وجہ سے غلط فہمی میں پڑ کر خود کو مستند علماء اور نائبین رسول ﷺ کا ہم پلہ نہ سمجھنا چاہئے اور اگر وہ تقریریں کسی سنی عالم سے اصلاح کرا کے بیان کرتے ہیں تو اسمیں بھی کوئی قباحت نہیں حکم قرآن کی بجا آوری ہے: ﴿كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی مبارکپور اعظم گڑھ، الجواب صحیح عبدالرؤف عفی عنہ الجواب صحیح عبدالعزیز غفرلہ

سجادگی کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک خانقاہ درگاہ کے صاحب سجادہ، متولی درگاہ اور شیخ ارشاد محمد خالد کے دو فرزند راشد اور ماجد تھے حضرت شیخ نے اپنے وصال کے قریب اپنے بڑے لڑکے راشد کو اپنا سجادہ نشین اور متولی درگاہ بنایا۔ اور چھوٹے لڑکے ماجد کو صرف اپنی خلافت عطا کی۔

درگاہ کا انتظام اسی نظام کے موافق چلتا رہا۔ اعراس کا انتظام اور درگاہ کا نظم ونسق راشد سرانجام دیتا رہا۔ اسی کے ہاتھ پر ہزاروں افراد داخل سلسلہ قادریہ ہوتے رہے۔ اور ۱۹۲۱ء میں صاحب سجادہ حضرت خالد صاحب وفات پا گئے۔ اس کے بعد راشد ہی اس خانقاہ کا سربراہ رہا۔ اخیر عمر میں اپنی علالت کی وجہ سے راشد خانقاہ میں ہی رہتے تھے۔ اور اپنے وصال سے ایک سال قبل انہوں نے اپنے چھوٹے لڑکے احمد کو اپنا سجادہ نشین مقرر کیا۔ احمد اپنے والد کی موجودگی ہی میں جملہ انتظام خانقاہ وسجادگی سرانجام دینے لگے۔ اور اہل ارادت کو داخلہ سلسلہ کر کے بڑی وسعت دی۔

۳ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو راشد کا انتقال ہو گیا۔ اپنے انتقال سے قبل اپنا عمامہ ''انگشتری'' اور سند سجادگی

کی تحریر بھی احمد کو بخش دی۔ راشد کے چہلم کے موقع پر علماء واعیان قریب وبعید کے وابستگان سلسلہ کی موجودگی میں رسم سجادگی کی گئی اور اس کا اعلان عام ہوا۔ اس وقت کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ نہ ماجد نے ہی اس پر کوئی اعتراض کیا۔ اس کے بعد سے مسلسل اٹھارہ سال تک احمد مذکور ہی خانقاہ کا منتظم، اور سجادگی کی جملہ ذمہ داری کا واحد سربراہ رہا اور آج بھی وہ اسی طرح جملہ امور انجام دے رہا ہے۔

مگر اب اٹھارہ سال کے بعد ماجد کے لڑکے حامد کا کہنا ہے کہ لڑکے کی موجودگی میں پوتا سجادہ نشین نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ماجد کی موجودگی میں احمد سجادہ نشین نہیں ہوسکتا۔ اس کو ہندوستان کے مختلف دارالافتاء سے آئے ہوئے احمد کے تائیدی فتاویٰ دکھائے گئے۔ حامد نے انہیں بھی تسلیم نہیں کیا۔ اور ایک جلسہ کیا جس میں مقامی اور بیرونی علماء آئے اور یہ نعرہ لگایا گیا کہ ''ماجد سجادہ نشین خانقاہ قادریہ زندہ باد'' اور اسی موضوع سے متعلق تقریریں بھی کی گئیں۔

مخلصین خانقاہ قادریہ نے اس نعرہ کی تکذیب کی۔ اور احمد کی تائید میں آئے ہوئے فتاویٰ اور کتابیں اور کتابچے جلسہ اور اسٹیج پر تقسیم کئے۔ جب مخلصین کی زیادہ تعداد جلسہ سے اٹھ گئی تو ایک عالم نے یہ تحریر لاؤڈ اسپیکر کے مائک پر پڑھکر سنائی۔ ماجد سجادہ نشین خانقاہ قادریہ نے حامد کو درگاہ کا سجادہ نشین بنایا۔ اور دستار سجادگی حامد کے سر پر بھی باندھی جارہی ہے۔

اندریں حالات مفتیان کرام سے مندرجہ ذیل باتیں حل طلب ہیں۔

(۱) جب ماجد خالد کا صرف خلیفہ اور مجاز بیعت ہے تو وہ کسی کو بھی اس درگاہ کا سجادہ نشین کیسے بنا سکتا ہے؟

(۲) یہ خانقاہ سلسلہ قادریہ کی ہے۔ اور حامد نہ اپنے والد ماجد کا مرید ہے نہ کسی دوسرے قادری بزرگ کا۔ بلکہ کسی دوسرے سلسلہ تصوف کے حلقہ ارادت میں داخل ہے۔ تو وہ خانقاہ قادریہ کا سجادہ نشین کیسے ہوسکتا ہے؟

(۳) حقیقت حال سے باخبر ہونے کے باوجود حامد کو سجادہ نشین بنانے والوں اور اس کا ساتھ دینے والوں کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) حامد کے اس قول کی حقیقت کیا ہے کہ لڑکے کی موجودگی مین پوتا سجادہ نشین نہیں ہوسکتا۔ فقط

المستفتی: مولانا سید کلیم احمد سیوان

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی صورت مسئولہ میں خانقاہ مذکور کا قانونی سجادہ نشین تو احمد ہی ہے اگر حامد

سجادہ نشین ہوسکتا ہے تو اپنے باپ ماجد کا وہ بھی اس شرط پر کہ اس کے والد ماجد اس کو اپنا جانشین اور صاحب سجادہ بنائیں یہ سوال کہ وہ دوسرے سلسلہ میں بیعت ہے یہاں نہیں اٹھایا جاسکتا کیونکہ جب اس کا والد اس کو اپنا جانشین بنائے گا تو اپنے سلسلہ کی اجازت وخلافت بھی تو اس کو دے گا اور کسی دوسرے سے بیعت ہونا اس کے لئے وجہ منع نہیں ہوسکتا تمام بزرگان دین ومشائخ تصوف کو اس طرح کئی کئی سلسلوں سے خلافت واجازت برابر حاصل ہوتی ہے۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریح کے موافق سجادگی میں دو پہلو ہیں ایک دینی اور دوسرا انتظامی اس معنی میں سجادہ نشین ایک متولی کے مانند ہے۔ (رسالہ بیعت وخلافت)

اور خلافت میں صرف ایک پہلو یعنی دینی رخ کی نیابت وقائم مقامی ہوتی ہے۔ رسالہ مذکور

سائل کو یہ اقرار ہے کہ خالد نے اپنے چھوٹے لڑکے ماجد کو اپنا خلیفہ بنایا یعنی اس کو اپنے سلسلہ قادریہ میں بیعت وارشاد تعلیم وتلقین کا اختیار دیا اور اس نے چند مرید بھی بنائے تو اگر وہ اپنے لڑکے کو اپنا جانشین اور خلیفہ بناوے تو جو دینی امور اس سے متعلق کئے گئے یا انتظامی امور جو ماجد کے ذریعہ وجود میں آئے ہیں اس میں لڑکا ماجد کا قائم مقام سجادہ نشین کیوں نہیں ہوگا پس ہمارے نزدیک جس طرح ایک غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سلسلہ در سلسلہ اور شاخ در شاخ لاتعداد سلسلے جاری ہوئے اور سب میں سجادہ نشین وخلفاء ہوئے اسی طرح اس سلسلہ قادریت کی اس شاخ میں بھی ایک شاخ ماجد وحامد کے ذریعہ جاری ہوئی جس کے سجادہ نشین یہ ہوئے، احمد یا ان کے بزرگ راشد کے لیے ماجد وغیرہ کو اس خانقاہ کے خلفاء کی صف سے خارج کرنے کا کوئی حق نہیں۔

پس اگر ماجد یا ان کا جانشین سلسلہ کے کسی بزرگ کا عرس کرنا چاہیں جن سے خانقاہ کے اصل متولی وسجادہ نشین احمد کے اختیارات میں مداخلت نہ ہو تو انہیں اس کی بھی اجازت ہونی چاہئے۔

المختصر صورت مسئولہ میں اگر ماجد نے اسی دائرہ میں رہکر اپنے لڑکے کو اپنا سجادہ نشین بنایا تو اس میں کوئی حرج نہیں نہ اس سے احمد کی سجادگی پر اثر پڑے گا وہ حسب سابق اپنے منصب پر قائم ودائم رہے گا۔ اور یہ اسی خاندان کی دوسری شاخ کا جیسا کہ اجمیر شریف میں ہر مجاور سجادہ نشین ہوتا ہے اور صاحب سلسلہ، اور اگر سائل نے واقع کی صحیح تصویر دی ہے کہ ماجد نے اپنے لڑکے کو اصلی خانقاہ کے سجادہ نشین احمد کی جگہ پر مقرر کیا تو غلط ہوا اور مددگار بھی غلطی کے مرتکب ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

(۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید وبکر دونوں حضرات ایک ہی مرشد برحق سے بیعت ہیں۔ لیکن زید نے اپنے پیر بھائی بکر کو تحریری طور پر اجازت، بیعت، وخلافت عطا کیا مگر اب بکر اپنے پیر بھائی اور اپنے مرشد دونوں کا خلیفہ خود کو کہتے ہیں۔ اور ایک بہت بڑے عالم دین کی مثال پیش کرتے ہیں کہ حضرت خالد بھی میرے مرشد سے مرید ہوئے تھے۔ جبکہ انہیں اجازت بیعت کسی دوسرے بزرگ سے حاصل تھی۔ مگر حضرت خالد بھی اپنے مرشد ہی کا خلیفہ لکھتے تھے اور ان سے میری گفتگو براہ راست ہوئی تھی۔ واضح طلب امر یہ ہے کہ اپنے کو اپنے مرشد کا خلیفہ لکھنا کیسا ہے جبکہ خلافت ان کے پیر بھائی زید نے دیا تھا۔ بینوا توجروا

عمر رضوی عفی عنہ

الجواب

سوال میں جس قسم کی خلافت کا ذکر ہے۔ اس کو خلافت اجازت کہتے ہیں۔ حضرت شاہ حمزہ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: واجازت آنکہ شیخ مریدے را خواہ وارث خواہ بیگانہ قابل کاردیدہ برضا ورغبت خود خلیفہ کرد۔ خلافت اجازت کی صورت ایں کہ کوئی شیخ کسی وارث یا بیگانہ کو رشد وہدایت کے لائق دیکھ کر اپنی رضا ورغبت سے اپنا خلیفہ کردے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فرماتے ہیں: یہ خلافت تبھی صحیح ہوگی کہ خلافت دینے والا اور جس کو خلافت دی دونوں ایک وقت میں زندہ موجود ہوں۔ پس صورت مسئولہ میں بکر مرید تو اپنے پیر کا ہے اور خلیفہ زید کا۔ بکر کا اپنے کو اپنے پیر کا خلیفہ بنانا از روئے طریقت جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

(۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

سید قاسم صاحب علیہ الرحمہ نے تین شادیاں کیں، پہلی بیوی سے ایک ہی سید محمود الحسن صاحب، دوسری بیوی سے چار اولاد، سید احمد حسن، سید حامد حسن، وسید مسعود اور سید اشرف صاحبان۔ اور تیسری بیوی سے دو اولاد سید غلام رسول وسید عبدالودود صاحبان، سید محمد قاسم علیہ الرحمہ نے اپنی حیات طیبہ میں ایک وصیت لکھی تھی وہ وصیت ساتھ ہے یہ کہ سید محمد قاسم علیہ الرحمہ نے عرس مجددی کا سجادہ سید حامد حسن اور سید اشرف کو بنایا۔

یہ کہ سید غلام رسول اور سید محمود الحسن کو عرس حضوری کا سجادہ بنایا۔ پہلی جمادی الاول سے چھ ماہ تک سید غلام رسول اور سید محمود الحسن کو اخراجات وآمدنی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اور پہلی ذی قعدہ سے چھ ماہ تک سید حامد حسن وسید اشرف حسن کو اخراجات وآمدنی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

اور وصیت نامہ کی دسویں نمبر کی تحریر یہ ہے: عرس کی جو تاریخیں جن کے لئے مندرجہ بالا طور پر

طے ہے اس کے علاوہ کسی بھی فریق یا مرید کو ان مہینوں یا تاریخوں میں کسی بھی عرس کی تقریبات کی اجازت نہ ہوگی اور اسے کرنے کا حقدار ہوگا اور نہ کرسکتا ہے۔

اب یہ سید قاسم علیہ الرحمہ کا وصال سات جمادی الاول کو ہوا اور سید احمد حسن و سید مسعود محمد قاسم صاحب کا عرس کرنا چاہتے ہیں۔ اب یہ کہ سید محمد قاسم علیہ الرحمہ کے عرس کا حقدار سید غلام رسول ہوں گے یا سید احمد حسن و سید مسعود ہوں گے جب کہ سید غلام رسول نے سید محمد قاسم علیہ الرحمہ کا سجادہ سید عبدالودود کو بنایا ہے۔

المستفتی: عبدالمصطفی ادروی ضلع مئو

الجواب

وصیت نامہ اور سوال کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوا کہ مولوی سید قاسم صاحب علیہ الرحمہ نے تین شادیاں کی تھیں پہلی سے سید محمد محمود اور دوسری سے چار صاحبزادے احمد حسن، حامد حسن، سید مسعود، و سید اشرف اور تیسری بیوی سے سید غلام رسول و سید عبدالودود۔

سید محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ نقشبندی مجددی سلسلہ کے صاحب الاسناد پیر تھے اور ان کی بھوم دھری کی ایک زمین نمبری ۲۳۶۹ موضع سریا بوڈھن پور ضلع اعظم گڑھ میں ہے، جس میں ان کی خانقاہ اور ان کے والد حضرت حافظ محمد تقی علیہ الرحمہ کا مزار بھی ہے، جس میں وہ اپنے مشائخ سلسلہ حضرت مجدد صاحب سرہندی اور والد گرامی کا عرس بھی کرتے تھے، عرس مجددی کی تاریخ ۲۶، ۲۷، صفر اور عرس حافظی ۱۶، ۱۷ جمادی الاول کو ہوتا ہے۔

مولوی سید محمد قاسم صاحب نے اپنے صاحبزادگان میں سے چار صاحبان کو اپنا خلیفہ مجاز بنایا جو یہ ہیں: مولوی سید محمود حسن، سید محمد حامد صاحب، سید غلام رسول اور سید محمد اشرف صاحب۔ مگر عرس کے سلسلہ میں صفر والے عرس کا سجادہ نشیں اور اس عرس کے آمد و خرچ کا ذمہ دار اور منتظم حامد حسن صاحب کو مقرر کیا اور جمادی الاولی کے عرس کا سجادہ نشیں اور آمد و خرچ کا ذمہ دار و منتظم سید غلام رسول صاحب کو بنایا جس میں ۱۷؍ جمادی الاولی رات میں بارہ بج کر ۴۵؍ منٹ پر ہونے والے قل کا سجادہ نشیں و صاحب امر محمود صاحب کو بنایا۔

اگر ۲۶، ۲۷؍ صفر کو ہونے والے عرس کے انتظام سے سید حامد حسن صاحب انکار کردیں تو اس عرس کے انتظام، سجادگی اور آمد و خرچ کی ساری ذمہ داری سید محمود کی ہوگی اور ان کی اجازت یا غیر موجودگی کی صورت میں اس عرس کے انتظام کی ذمہ داری بھی سید غلام رسول کی ہی ہوگی البتہ سید محمود کے نہ رہنے پر ان کی سجادگی اور سارے انتظام کی ذمہ داری سید عبدالودود کی ہوگی۔

سید محمد اشرف ۲۸؍ صفر کے حقدار ہوں گے، یہاں تک سید محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ نے عرسوں کی سجادگی اور موقعہ عرس کے آمد و خرچ اور انتظام و انصرام کا طریقہ طے فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ کے علاوہ بھی خانقاہ اور مزار شریف پر سال بھر آمدنی ہوتی رہتی ہے، اس کے لئے آپ نے چھ چھ مہینہ دیکھ ریکھ اور آمد و خرچ کے لئے یہ انتظام کیا کہ پہلی جمادی الاولی سے چھ ماہ تک کا انتظام و انصرام بھی عرس حضوری والے صاحب سجادہ کریں گے اور بقیہ چھ ماہ کی آمد و خرچ و انتظام کے ذمہ دار عرس مجددی والے صاحب سجادہ کریں گے۔ اور خانقاہ مزار کی تعمیر و توسیع بھی انہیں کی مرضی سے ہوگی۔

مذکورہ بالا تاریخوں میں جس فریق کو اجازت ہے ان تاریخوں میں بلکہ ان مہینوں میں دوسرے فریق یا مرید کو کوئی عرس کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

طریقت میں سجادہ نشینی کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ گدی نشین اپنی زندگی میں جس کو اپنی جگہ کے لئے مناسب سمجھیں مقرر کردیں۔ آج کل عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ صاحب سجادہ اپنی زندگی میں خود تو کسی کو مقرر نہیں کرتا انتقال کے بعد سلسلہ کے خلفاء و مریدین اور دوسرے لوگ بھی مل جل کر ان کی جگہ پہ ان کے کسی صاحب زادے یا کسی اور کو گدی نشیں مقرر کردیتے ہیں، یہ طریقہ غلط اور اختراعی ہے۔ حضرت شاہ حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب فص الحکمۃ میں فرماتے ہیں:

شیخ ازیں عالم نقل کردہ کسے را خلیفہ نہ گرفت، قوم وقبیلہ یا مرید کہ بخلافت او تجویز نمایند این خلافت نزدیک مشائخ روا نیست این خلافت را خلافت اختراعی گویند (بحوالہ فتاوی رضویہ جلد ششم)

اور چونکہ اکثر خانقاہوں اور درگاہوں سے جائداد بھی متعلق ہوتی ہے اسلئے سجادہ نشینی خلافت او رتولیت دونوں کی جامع ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان نے فتاوی رضویہ جلد ششم میں ص ۵۲؍ میں فرمایا: سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے۔ جس میں اجرائے سلسلہ سجادہ تولیت اوقاف درگاہ و جملہ نظم و نسق رتق و فتق جمع و فرق۔

جس سے معلوم ہوا کہ صاحب سجادہ بیعت و ارشاد اور مریدوں کی اصلاح حال کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے اور جائداد کے انتظام و انصرام اور آمد و خروج جملہ امور کا متولی بھی ہوتا ہے۔ کہ جملہ امور اسی میں طے پاتے اور عمل درآمد ہوتا ہے۔ کسی کو اس میں مخالفت کا حق نہیں۔ جس طرح خود متولی بھی وقف کے مصارف میں تصریحات وقف نامہ کے تابع ہوتا ہے اپنی طرف سے کوئی نیا وظیفہ وقف میں جاری نہیں کرسکتا۔ اسی طرح نیا سجادہ نشین اپنے پیشتر کی وصیت اور شرائط کے خلاف وقف میں کوئی نیا کام نہیں کراسکتا۔

حضرت شیخ مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ صاحب طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ عالم

شریعت بھی تھے اپنے سب بچوں میں جن کو اہل سمجھا چار کو بیعت وارشاد کی خلافت بخشی اور جن کو انتظام و انصرام کا اہل پایا انہیں درگاہ کی تولیت اور گدی نشینی بھی بخشی اور اپنی وصیت میں ان سب کے منصب او راختیارات کی تفصیل بھی بتادی۔

اور یہ بھی بیان کردیا کہ ان مہینوں میں ان اعراس کے علاوہ کوئی نیا عرس قائم نہیں کیا جاسکتا نہ کسی گدی نشیں یا مرید کو حق ہے کہ کسی ایسے شخص کو مولانا قاسم علیہ الرحمہ کا سجادہ نشین اپنی طرف سے مقرر کرے جس کو حضرت مولانا نے اپنی حیات میں اپنا جانشین نہیں بنایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۰رجمادی الاولی ۱۴۲۵ھ

(۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کو چودہ سال کی عمر میں ان کے محلہ کے ایک تعلقاتی شخص بکر نے ایک شیخ سے مرید کرادیا وہ شخص پہلے ریلوے میں سروس کرتا تھا اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد پیری مریدی کرنے لگے۔ شیخ مذکور اپنے ہاتھ کی انگلیوں میں دو دو تین تین انگوٹھیاں پہنے رہتے ہیں اور شانوں سے نیچے تک بال رکھتے ہیں۔ گھڑی لوہے کی چین والی لگاتے ہیں، اور اپنی خانقاہ میں اپنے پیر کی اور دیگر لوگوں کی تصویریں آویزاں کر رکھی ہیں۔ اور جو سب سے معیوب بات دیکھی یہ کہ شیخ غیر محرم عورتوں سے پردہ نہیں کرتے، اور اپنی غیر محرم مریدہ خواتین سے بے تکلف ملتے ہیں، سلام ودعا مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر زید نے ان سے قطع بیعت کرلیا اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کے شیخ کامل سے بیعت ہوگئے۔

(۱) کیا زید کا یہ عمل عند الشرع محمود ہے؟ اور اس کا پہلا بے عمل غیر عالم پیر اس قابل ہے کہ اس سے مرید ہوا جائے؟

(۲) زید حافظ وقاری قرآن ہے، نماز جمعہ اور تراویح پڑھاتا ہے، لوگ قطع ارادت کے بعد اس کو ملامت کرتے ہیں۔

(۳) زید کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک دوسرا شخص جو خود متقی اور پرہیزگار، پابند شرع، اور خوش طبیعت آدمی ہے۔ اپنے محلہ کی مسجد میں امام بھی ہے۔ ایک پیر کامل عالم باعمل شیخ سے بیعت تھا۔ بعد میں از خود یا بکر کے اصرار پر اپنے شیخ کی بیعت توڑ کر دوسرے شیخ کامل سے بیعت ہوگیا۔ شیخ اول ابھی زندہ ہے۔ زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس کی امامت جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: اشتیاق احمد انصاری اشفاق نگر، کچھاوارانسی انیس ریوڑی تالاب

الجواب

حضرت صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا الشاہ محمد امجد علی صاحب قدس سرہ العزیز بہار شریعت حصہ اول ص۲۷۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

''پیری کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں قبل بیعت ان کا لحاظ ضروری ہے۔ اول: سنی صحیح العقیدہ ہو، دوم: اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔ سوم: فاسق معلن نہ ہو۔ چہارم: اس کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو۔

ان چار شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو پیری مریدی ناجائز ہے، سید میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''سبع سنابل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اے برادر پیری مریدی اسمے ورسمے پیش نہادہ است، آں اسم ورسم نیز بچند شرائط مبنی دان، کہ بے آں شرائط پیری ومریدی درست نیست''۔

اے بھائی پیری مریدی ایک مقرر شدہ نام اور رسم ہے، اور وہ چند شرائط پر موقوف ہے اور بے ان شرائط کے پیری ومریدی جائز نہیں'' (بحوالہ فتاوی رضویہ ص۱۰۳)

آپ نے ریلوے سے ریٹائر ہونے والے جس پیر کا ذکر کیا ہے، بقول سائل وہ فسق وفجور میں مبتلا ہے، اور اس کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ عالم بھی نہیں ہے۔ تو بلاشبہ اس سے مرید ہونا ناجائز ہوا۔ آپ کے بھائی نے غلطی کی، ان کو مرید ہونے سے پہلے ہی ان امور پر غور کرنا چاہئے تھا، خیر جب سے ہوش آگیا اچھا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے، اور نادانستہ ہو تو اس سے رجوع واجب۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

اب جب ان سے قطع تعلق کر کے دوسرے عالم باعمل پابند شرائط سے مرید ہوگئے، ان پر اس بات میں کوئی ملامت نہیں اور ان کے پیچھے ضرور نماز جائز ودرست ہے اگر کوئی اور خرابی منافی امامت نہ ہو۔

البتہ تیسرے پرچہ میں جس زید کا ذکر ہے کہ اپنے پیر جامع شرائط سے بیعت توڑ کر دوسرے شیخ سے مرید ہوا اس نے غلط کیا اگرچہ یہ دوسرا شیخ بھی جامع شرائط ہی ہو۔ اس کو چاہئے کہ اپنے پہلے پیر سے معافی مانگے۔ اور پھر انہیں سے ارادت کی تجدید کرے اور جملہ مراسم مریدی انہیں سے استوار رکھے۔ ہاں ضرورت سمجھے تو کسی اور شیخ کامل سے طالب ہوسکتا ہے یعنی ان سے ذکر وفکر اور اوراد ووظائف سیکھ کر ان کی نگرانی میں اس پر عمل کرے۔ اور اس کے لئے اپنے پیر سے اجازت لے لے۔ (فتاوی رضویہ جلد ہشتم ص۲۷ وغیرہ) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۱۷رشوال ۱۴۲۵ھ

(۵) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

پیرو مرشد کے لئے اکثر کتابوں میں ایک اہم شرط عالم ہونا ملتا ہے۔ زید کہتا ہے کہ اتنا علم ہو کہ فرائض کی درستگی کا اہتمام کر سکے۔ بکر کہتا ہے کہ اتنا علم ہو کہ مولانا احمد رضا بریلوی کی تصنیف حسام الحرمین کی شرح صدر کے ساتھ تصدیق کا اظہار کر سکے ورنہ مسائل فرائض سے آگاہی کے باوجود وہ رشد وہدایت کی بجائے کج روی وضلالت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید وبکر میں سے کس کا خیال شریعت کے نزدیک درست ہے؟ اور اس مسئلہ میں حق کیا ہے؟ دلائل سے واضح فرمائیں، کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں۔

سوال کنندہ: حبیب اللہ قادری حبیب نگر بیجاپور کرناٹک

الجواب

پیر ہونے کے لئے بہار شریعت میں چار ضروری شرطوں کا ذکر ہے۔

(۱) سنی صحیح العقیدہ ہو

(۲) اتنا علم رکھتا ہو کہ ضرورت کے مسائل دینی کتابوں سے نکال سکتا ہو۔

(۳) فاسق معلن نہ ہو۔

(۴) رسول اللہ ﷺ تک اس کا سلسلہ مسلسل ومتصل ہو۔

زید وبکر نے درمیان سے جو باتیں شروع کردی ہیں۔ اس میں دونوں کی باتیں قابل اصلاح ہیں۔ مثلاً زید کا یہ کہنا کہ اتنا علم ہو کہ فرائض کی درستگی کا انتظام کر سکے۔ اس تعبیر میں یہ غلطی ہے کہ اس میں علم کو اعمال کے علم تک محدود کردیا ہے۔ جبکہ اصل عبارت یہ ہے کہ ضرورت کے مسائل دینی کتابوں سے نکال سکتا ہو۔ تو کیا ایک مسلمان کو صرف فرائض اعمال کی ضرورت ہے، صحیح عقائد کی ضرورت نہیں؟

حق یہ ہے کہ مسلمانوں کو اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ دونوں کے علم کی ضرورت ہے۔ تو علم کو صرف فرائض کے علم میں محدود کرنا ضرور غلط ہوا۔ اور بکر کی غلطی یہ ہے کہ انہیں شاید پیری کے شرائط کا علم ہی نہیں۔ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ پیر ہونے کی پہلی ضروری شرط پیر کا سنی صحیح العقیدہ ہونا ہے۔ تو جو شخص حسام الحرمین کے مسائل کی انشراح صدر کے ساتھ تصدیق نہ کر سکے کیا وہ سنی صحیح العقیدہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، اور جب وہ سنی صحیح العقیدہ نہیں تو پہلی شرط کی بنیاد پر پیر ہونے کی صلاحیت سے خارج ہوا۔ تو اس کو عالم ہونے والی شرط میں داخل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور دونوں صاحبان کی مشترکہ کوتاہی یہ ہے کہ پیر ہونے کی شرط میں جو علم داخل ہے وہ علم بالفعل نہیں علم بالقوۃ ہے۔ یعنی اس کو عقائد وفرائض کا سارا علم اسی

وقت حاصل ہونا ضروری نہیں۔

جبکہ کسی بھی دینی زبان کو جانتا ہو اور احکام ومسائل کا ایسا دینی شعور رکھتا ہو کہ ضرورت کے مسائل دینی کتابوں کی مدد سے حل کر سکے۔ جبکہ زید اور بکر دونوں پیر کے لئے جس علم کو ضروری قرار دیتے ہیں، اسے بالفعل مانتے ہیں۔ جیسا کہ زید کے الفاظ ”اتنا علم ہو کہ فرائض کی درستگی کا انتظام کر سکے“ اور بکر کے قول ”اتنا علم ہو کہ حسام الحرمین کے مسائل کی شرح صدر کے ساتھ تصدیق کر سکے“ سے ظاہر ہے حالانکہ جن ائمہ نے پیر کی یہ شرائط بیان کی ہیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ بدعقیدہ وگمراہ آدمی پیر نہیں ہو سکتا۔ پیری مریدی وراثت نہیں ہے کہ جو کسی پیر کے گھر پیدا ہوا جاہل ہو تب بھی پیر اور سجادہ نشیں وہی ہوگا۔ بلکہ اس کو عالم ہونا چاہئے۔ اور اس کے لئے اتنی صلاحیت کافی ہے کہ دینی کتابوں سے ضرورت کے مسائل نکال سکے۔ بالفعل سب مسائل پر اس کا حاوی ہونا ضروری نہیں۔

اب عملی صورت یہ ہوئی کہ آپ کسی پیر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا چاہتے ہیں، آپ نے ان کا شجرہ بیعت دیکھا جو رسول اللہ ﷺ تک مسلسل ومتصل ہے۔ درمیان میں کہیں بھی کوئی کڑی ٹوٹی ہوئی نہیں، تو آپ کو اطمینان ہوگیا کہ یہ سلسلہ تو صحیح ومتصل ہے اور بیعت ہونے کے لائق ہے۔ تو پھر اس مجوزہ پیر کے اعمال کا بغور مطالعہ کریں۔ اگر اس کے اعمال شریعت کے معیار پر پورے اتریں اور گناہ کبیرہ سے پاک ہو تو آپ یہ فیصلہ کریں گے کہ عملی حیثیت سے بھی یہ شخص پیر بنانے کے لائق ہے۔

اب آپ اس کے عقائد ونظریات کا بغور جائزہ لیں اگر اس کے جملہ عقائد اہل سنت وجماعت کے موافق ہوں تو آپ اس سے بیعت کر سکتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ اس کے عقیدہ میں کوئی خلل ہو، مثلاً: حسام الحرمین کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو تو آپ اس سے ہرگز بیعت نہیں ہو سکتے کہ وہ سنی صحیح العقیدہ نہیں ہے تو اس کا سارا تقوی اور پارسائی اور اتصال سلسلہ بے کار ہے۔ آپ اس سے ہرگز مرید نہ ہوں۔

اب فرض کیجئے کہ عقیدہ کی آپ نے پوری تحقیق کی اس کے بعد بھی آپ کو اس کے عقیدہ میں کوئی خرابی نہیں محسوس ہوئی تو آپ مرید ہوگئے۔ اور آپ برابر ان کے پاس آتے جاتے رہے۔ کسی دن کسی آدمی نے وہابی علما کے بارے میں کوئی مسئلہ پوچھا۔ پیر صاحب بولے میاں یہ مسئلہ تو آج تک میرے سامنے آیا ہی نہیں۔ اب میں اس کی تحقیق وتفتیش کرونگا۔ تحقیق کے بعد انہوں نے فرمایا: میاں! واقعہ یہ علمائے دیوبند اسلام سے خارج ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی ہے تو آپ کے سر سے سارا بوجھ اتر جائے گا۔ الحمد للہ میرے پیر صحیح العقیدہ سنی ہیں۔ میں نے ایک اللہ والے کا دامن پکڑا۔

اور اگر خدانخواستہ تحقیق کے بعد ان کا رجحان یہ ہوا کہ علمائے دیوبند تو سچے مسلمان ہیں۔ ان کے

خلاف غلط کفر کا الزام لگایا گیا ہے۔ تو اب آپ کا فیصلہ یہ ہونا چاہئے کہ جب تک پیر صاحب اس مسئلہ سے آگاہ نہ تھے، تو کیا ذمہ داری؟ لیکن آگاہ ہونے کے بعد تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں بھی جب یہ انہیں دشمنان رسول کے حمایتی ہیں تو سنی صحیح العقیدہ نہیں ہیں۔ اس لئے میں انکی بیعت سے الگ کرتا ہوں۔ اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا ہوگا کہ پیری مریدی کے سلسلہ میں آپ لوگوں نے جو بحث اٹھائی وہ شرائط کو بغور ملاحظہ کئے بغیر اٹھائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو یکم جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

(۶) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک مرید بچپن میں اپنے پیرومرشد سے مرید ہوا تھا لیکن بڑے ہونے کے بعد اسنے اپنے پیر میں ایسی باتیں اور ایسی خرابیاں دیکھیں کہ اس کی عقیدت اپنے پیرومرشد سے بالکل ختم ہو گئی اور بیعت ختم کرنا ضروری ہو گیا تو یہ کس طرح ختم ہوگی اور اس کو ختم کرنے کے لئے کیا کرنا پڑیگا؟ امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہ کریں گے اور جواب دیکر میری پریشانی کا سدباب کریں گے۔

المستفتی، اقبال احمد فاروقی میڈیکل اسٹور محلہ سکراول پچھم ٹانڈہ فیض آباد یوپی

الجواب

فسخ بیعت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اپنے پیر کو اطلاع دیدی جائے کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہو گیا (فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم صفحہ ۲۷) لیکن فسخ بیعت بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے کہ بلا سبب محض بدگمانی کی بنا پر فسخ بیعت کا وبال برا ہوتا ہے مندرجہ ذیل باتیں ایسی ہیں جن کی بنا پر فسخ بیعت جائز ہے۔

(۱) پیر کا شجرہ رسول اللہ ﷺ تک متصل نہ ہو درمیان میں کہیں سے منقطع ہو۔

(۲) پیر گمراہ اور بددین ہو مولینا روم فرماتے ہیں! اے بسا ابلیس آدم روئے ہست۔ پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست۔

(۳) ایسا جاہل ہو کہ ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال نہ سکے۔

(۴) فاسق معلن ہو (فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۳۲) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

(۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

خالد بہت کم پڑھا ہوا لڑکا ہے لیکن وہ نماز بڑی پابندی سے ادا کرتا ہے اور وہ مرید بھی ہو چکا فرصت کے مطابق پیر کا دیا ہوا وظیفہ بھی پڑھتا ہے جتنا پڑھ سکتا ہے پڑھتا ہے قرآن مقدس کی تلاوت بھی کرلیا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ذہنی اور قلبی پریشانی یہ ہوتی ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے بے چارہ نماز

تو پڑھ لیتا ہے لیکن اس کے ذہن ودل میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ پہلے درود شریف پڑھوں کہ پہلے قرآن شریف پڑھوں کہ پہلے پیر طریقت کا دیا ہوا وظیفہ پڑھوں پڑھنا شروع کرتا ہے تو فوراً اس کے ذہن میں یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ ارے فرمان حضور مقدس ﷺ ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو حالانکہ یہ وظیفہ شجرہ میں نہیں ہے آخر ان سب کو بھی کسی طرح پڑھ لیا تو پھر طرح طرح کی باتیں ذہن میں آتی رہتی ہیں کہ کم پڑھا یا زیادہ پڑھا پہلے یہ پڑھنا پہلے وہی پڑھنا اور کبھی جیسا نماز قضاء ہو جاتی ہے تو اتنی فکر نہیں رہتی ہے لیکن یہ سب خیال نماز کے بعد ہوتا ہے جس سے دل بہت بے چین وپریشان ہو جاتا ہے میں کیا کروں دیوار میں مار کر سر پھوڑ لوں دعا وغیرہ میں بھی یہی خیال ہوتا ہے جس سے دل بے قرار ہوتا ہے لہٰذا حضور والا سے التجا ہے کہ مجھ جیسے کم علم کے لئے شریعت کی روشنی میں پیارا جواب عنایت فرمائیں کہ مجھ جیسے جاہل آدمی کو اطمینان حاصل ہو اور جو پڑھنا ہے سکون قلب وحضور قلب سے پڑھ کر کسب فیض کروں۔

المستفتی، محمد ناظم علی رضوی صدر مدرس مدرسہ گلشن حبیب کرشپورہ پوسٹ فیض اللہ پور گوپال گنج (بہار)

الجواب

اوراد وظائف بہت ہیں اور ان کے فضائل بے شمار آپ سب کو کرنا چاہیں گے تو کچھ نہ کر پائیں گے اس لئے آپ صرف وہی وظائف پڑھئے جو آپ کے شجرہ میں ہیں یا آپ کے پیر نے جس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی میں آپ کی کامیابی اور نجات ہے۔ حضور مولینا امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتاویٰ رضویہ نہم صفحہ ۱۶۱ پر ہے "جو ورد وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو خواہ کسی دوسرے نے بتایا ہو نماز میں خیالات زیادہ پریشان نہ کیجئے اور بے قصد وارادہ جو خیال آجائے اس پر گھبرائیے نہیں اور برا خیال آئے تو نماز کے بعد لاحول پڑھیے اور یہ کہیے کہ شیطان ملعون! اللہ تعالیٰ میری نماز اپنے کرم سے ایسے ہی قبول فرمائے گا۔ حضور شیخ محقق مولینا عبدالحق دہلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ نے اس عمل کو دفع وسواس کے لئے اکسیر بتایا ہے اور اپنے پیر کی طرف رجوع کیجئے ممکن ہے وہ کوئی دعا یا تعویذ اس کے لئے عطا کریں ہمارے خیال میں آپ کے سوالات کا زیادہ تعلق وسواس سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۲۱ محرم الحرام ۱۷ھ

(۸) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ہمارے مرشد الحاج صوفی عبدالحفیظ صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی حیات ظاہری میں مجھ

سے فرمایا تھا کہ میں نے تین افراد کو خلافت کی دستار دیدی ہے جسمیں ایک حاجی محمد ایوب صاحب اور دوسرے محمد سجاد حسین صاحب اور تیسرے محمد مستقیم صاحب ہیں خلافت دیتے وقت آپ کو بلا نہ سکا آپ ان حضرات کو پوری پوری تعلیم دیتے رہیں۔ صوفی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد بابو مستقیم آیا جاکرتے تھے اور صوفی صاحب علیہ الرحمۃ کی ہدایت کے مطابق تعلیم دیتا رہا اور حضرت کا عطا کردہ رومال، کرتا، ٹوپی وغیرہ میں نے انہیں یعنی مستقیم بھائی کو سونپ دیا اجازت دینی باقی رہ گئی تھی جو صوفی صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کے خلیفہ حاجی صاحب جان صاحب کے ذریعہ دلوایا جس کے سبب اس رات خواب میں حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمہ تشریف لائے اور مجھ سے باز پرس کیا، میں نے اجازت دینا آپ کے سپرد کیا تھا آپ کو خود ہی اجازت دینی چاہئے تھی آپ نے حاجی صاحب جان صاحب سے کیوں اجازت دلوائی، اس سلسلہ میں میں نے بریلی شریف سے فتویٰ طلب کیا۔ جواب آیا کہ آپ اپنے طور پر اجازت کی سند لکھ کردیں چونکہ آپ کے مرشد نے آپ کے حوالے کیا تھا اور آپ ہی کی سند سے یہ سلسلہ چلے گا میں نے فتوی کی روشنی میں اپنے طور پر اجازت کی سند دیدی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیعت وخلافت و اجازت کا سلسلہ حاجی صاحب جان صاحب سے چلے گا یا میری سند سے؟ شریعت مطہر کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ فقط المستفتی محمد عابد علی قادری تیغی ۹۴ رکڑاڈیہہ روڈ کلکتہ ۱۹

الجواب

صوفیائے کرم کی اصطلاح میں خلافت دینے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اب وہ بیعت وارشاد کے مجاز ہو گئے کیوں کہ مرید وہی شخص کرسکتا ہے جو خلیفہ کا مجاز ہو۔ صورت مسئولہ میں مستقیم صاحب کو ایک اجازت وخلافت تو آپ کے مرشد عبد الحفیظ صاحب کی طرف سے ہوئی اور دوسری خلافت واجازت صوفی حاجی جان صاحب کی جانب سے ہوئی اا ور تیسری اجازت وخلافت خود آپ کی طرف سے حسب بشارت مرشد۔ اس طرح مستقیم صاحب کے سلسلہ میں آپ تینوں حضرات آئیں گے اور وہ اپنے مریدوں کو شجرہ دیتے وقت آپ تینوں میں سے کسی ایک کا نام بھی شجرہ میں لکھ سکتے ہیں اا ور تینوں کا بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۲۸ رصفر المظفر ۱۱ھ

(۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اس وقت سلسلہ نیازیہ کے لوگ تعزیہ داری گانا بجانا ڈھول تماشہ کو جائز اور باعث ثواب سمجھتے ہیں اور دھوم دھام سے اس کو بجالاتے ہیں ایسے لوگوں سے مرید ہونا اور اس کے مرید کا مسجد کا چندہ دینا کیسا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ المستفتی نور محمد اشرفی گوالیو گھر دیناجپور بنگال

الجواب

کسی خاص سلسلہ اور خاندان کی تخصیص نہیں مروجہ تعزیہ داری حرام وناجائز ہے (بحوالہ رسالہ تعزیہ داری) فحش گانے اور باجے بھی شرعاً ممنوع ہیں ان افعال کے ارتکاب کرنے والے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو ۸ رجمادی الاولی ۱۴۱۷ھ

(۱۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے بریلی شریف سے ایک فتوی اور جائزہ کے لئے چند اوراق کتاب کا زیروکس کرواکر جوابی لفافہ بھی بھیجا تھا مگر جواب تو آیا مگر تصدیق کے لئے مبارکپور سے فتوی اور تصدیق نامہ مگوانے کے بارے میں تحریر تھی۔

لہذا اس طرف سے حکم آنے پر آپ کے پاس تمام کاغذات زیروکس والا بھیج رہا ہوں اعظم گڈھ کے پیر صاحب کا آپ لوگ بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں مجھے جواب بھیج کر تشفی بھی کرواسکتے ہیں اعظم گڈھ کے پیر صاحب اسرار الحق خاں صاحب (مینگراواں ضلع اعظم گڈھ) جن کا انتقال کئے ہوئے مہینہ بھر ہوا ہے اور ان لوگوں کے گروہ میں عرس منانے کا کوئی سلسلہ بھی نہیں ہے باقی حالات سے آپ لوگ ضرور واقف ہونگے کیونکہ آپ لوگ قریب میں رہتے ہیں اگر اہلسنت وجماعت بریلوی عقائد کے خلاف ثابت ہوئے تو ان کے مؤذن یا نائب کو امامت سے علحدہ کردیا جائے گا امید ہے کہ میری تحریر پر توجہ دیتے ہوئے صحیح حالات سے آگاہی فرمادیں گے۔

المستفتی محمد انوار الاسلام مسجد سکریٹری بیچولال روڈ کلکتہ نمبر ۱۴ مکان نمبر ۱۳۔ ایف بیچولال روڈ کلکتہ ۱۴

الجواب

محمد سعید خاں صاحب نام کے ایک ماسٹر تھے جو شبلی کالج اعظم گڈھ میں بچوں کو پڑھاتے تھے طبقہ اہلسنت وجماعت میں ان کا کوئی تعارف نہ تھا نہ انہیں کسی عالم اور صوفی کی حیثیت سے لوگ عام طور سے جانتے تھے مریدین بھی ان کے آسام وبنگال کے لوگ ہی تھے الغرض طبقہ اہلسنت وجماعت سے ان کو کوئی رابطہ نہ تھا۔

اسرار الحق خاں صاحب غالباً انہیں کے نواسے اور انہیں کے مرید وخلیفہ تھے سلسلہ میں زور انہیں کے دم سے پیدا ہوا ان کے مریدین سیکڑوں کی تعداد میں اعظم گڈھ کی جامع مسجد میں رمضان میں ان کے ساتھ اعتکاف کرنے کے لئے آتے جس کا پروپیگنڈہ اخبارات کے ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ یہ بھی عقیدہ

وخیال میں اپنے نانا کے ہی ہم رکاب تھے اور معمولات میں دیوبندیوں کے موافق اور ان کا بھی کوئی رابطہ علماء یا مشائخ اہلسنت سے نہیں تھا آپ نے جو فوٹو اسٹیٹ روانہ کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا صرف ایک ہی سلسلہ ہے جو مسلسل معلوم ہوتا اس سلسلے میں ہندوستان میں وہابیت وغیر مقلدیت کی بیج بونے والے، انبیاء اور اولیاء اللہ کی بارگاہ کے گستاخ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے پیر سید احمد رائے بریلوی اور فرفرہ بنگال کے غلام سلمانی آئے ہیں جن کے متبعین آجکل کھلے وہابی اور دیوبندی ہیں بقیہ جتنے سلسلوں کا ذکر ہے وہ کوئی مسلسل نہیں سب کو اویسی لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کسی بزرگ کی روح نے ان کی مدد و تربیت کی ہے اس لئے یہ اپنے کو اسی سلسلے میں کہتے ہیں صوفیائے کرام میں ان سے سلسلے میں بیعت صرف تبرک کے لئے ہوئی ہے اس کا مقصد رشد و ہدایت نہیں ہوتا چنانچہ مولوی عبد الباری بنڈیلی کہتے ہیں کہ چشتی سلسلے کی تعلیم باطنی طور پر براہ راست خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے ہوئی اس لئے میں چشتی ہوں طریقہ مجددیہ کی باطنی تعلیم براہ راست امام ربانی سے ہوئی اس لئے میں مجددی ہوں سلسلہ قادریہ کی باطنی تعلیم براہ راست شیخ عبد القادر جیلانی سے ہوئی اس لئے میں قادری ہوں اسی طرح نقشبندی شاذلی قرنی سلسلے کی تعلیم براہ راست شیخ بہاء الدین نقشبندی اور ابو الحسن شاذلی اور حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہوئی

الختصر یہ لوگ نہ روحانی طور پر تصوف کا مربوط سلسلہ رکھتے ہیں نہ علمی طور پر ان کا علمائے اہلسنت سے کوئی رابطہ ہے نہ عملی طور پر یہ لوگ طریقہ اہلسنت وجماعت پر ہیں۔

آپ کے مؤذن صاحب اگر لاعلمی میں ان کے دائرے میں پھنس گئے ہوں تو انہیں توبہ کرا کر کسی سنی شیخ سے مرید کرا دیجئے اور یہ اس سلسلہ سے اپنا تعلق نہ رکھیں اور اگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہیں تو مسجد کو ان کے چنگل سے آزاد کیجئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مؤ ۱۷/محرم ۱۴۱۸ھ

(۱۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

کسی آستانہ خانقاہ کے سجادہ نشیں نے اپنی حیات میں اپنے خلف اکبر کو اپنا جانشین ولی عہد کے قائم مقام اور نائب نامزد کر دیا۔ اور اپنے مقرر کردہ ولی عہد اور جانشین کی ولی عہدی اور جانشینی کو رجسٹرڈ بھی کرا دیا۔ ولی عہدی اور جانشینی میں کسی طرح کا کوئی نزاع نہ ہو۔ سجادہ نشین کے انتقال کے بعد ان کے رجسٹرڈ وصیت نامہ کے موافق ان کے ولی عہد جانشین کو ان کی جگہ پر سجادہ نشیں آستانہ خانقاہ مقرر کیا گیا جس پر جملہ علماء ومشائخ حاضرین نے دستخط ومہر ثبت فرمائے۔

اب کچھ لوگ متوفی سجادہ نشیں کا جانشین پھر سے چن کر رجسٹرڈ جانشین کو چھوڑ کر دوسرے کو منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ رجسٹرڈ ولی عہد وجانشین جو اب سجادہ نشیں ہیں وہ متوفی سجادہ نشیں کے عہدہ و

منصب کے سجادہ نشیں ہیں۔ اور ہم لوگ متوفی سجادہ نشیں کی ذات ومصداق کا سجادہ نشیں مقرر کرنا چاہتے ہیں۔

لہذا متولی سجادہ نشیں کے تحریر کردہ وصیت نامہ اور رجسٹرڈ دفعات کے موافق کیا کسی کو یہ استحقاق حاصل ہے کہ سجادہ نشیں کی وصیت کے خلاف کسی دوسرے کو جانشین مقرر کرے۔ متوفی سجادہ نشین کے بعد ان کی جگہ پر موجودہ سجادہ نشیں کا جانشین نامزد کیا جائے گا یا متولی سجادہ نشیں کا؟

جانشین وولی عہد قائم مقام اور نائب میں لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے کیا کچھ فرق ہے۔ یا بسبب ترادف سب کا مصداق ایک ہے۔ اردو لغات سے تقدیر ثانی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

متوفی سجادہ نشین کی وصیت کے خلاف چند رائے دہندگان کی رائے سے بننے والے جانشین کی شرعی وعرفی حیثیت کیا ہوگی۔ متوفی سجادہ کی وصیت کے خلاف اقدام کرنے والے کا شرعا کیا حکم ہے؟ کیا شخص واحد کے بیک وقت دو جانشین منتخب کئے جاتے ہیں؟

ایک منصب اور سجادگی دوسرا ذات ومصداق کا جبکہ ذات ومصداق کو وصف سجادگی سے خالی مان لیا جائے تو محض ذات باقی رہ جاتی ہے جس کے تئیں جانشین کا انتخاب ضروری نہیں ورنہ لازم ہے کہ ہر ہر ذات کا جانشین ضروری قرار پائے۔ محمد معین الدین اشرفی مدرس جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف

الجواب

امام اہل سنت مجدد مأۃ رابع عشر اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتاوی رضویہ جلد ششم کتاب الوقف میں فرماتے ہیں:

”سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے۔ جس میں اجرائے سلسلہ سجادہ وتولیت اوقاف ودرگاہ وجملہ نظم ونسق ورتق فتق وجمع وفرق وعزل ونصب عملہ میں نیابت مطلقہ سب داخل ہیں اور کوئی خاص بے عام متحقق نہیں ہوتا“

ان الفاظ پر غور کیجئے تو خانقاہ واوقاف اور ان کے متعلقات اور طریقت وتصوف اور اس کے مقتضیات میں کون سے امور باقی ہیں جنہیں صاحب سجادہ نے اپنے مقرر کردہ سجادہ نشین کو نہیں دیا۔ اور جنہیں یہ مدعی حضرات (جن کو صاحب سجادہ کی ذات پر کوئی اختیار نہیں) ذات کی سجادگی کے نام پر کسی دوسرے کو دینا چاہتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حسب تصریح امام اہل سنت سجادہ نشینی میں جملہ قواعد ورسوم متعلقہ طریقت وتصوف اور جملہ حقوق فرائض متعلقہ خانقاہ واوقاف جانشین کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ تو اب ذات مجرد کے کون سے متعلقات باقی رہ جاتے ہیں جنہیں ذات کی جانشینی کے نام پر کچھ لوگ کسی کو دینا چاہتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مناصب سے قطع نظر مجرد ذات کی جانشینی ایک ایسا لفظ ہے جس کے کوئی معنی ومصداق نہیں۔

منصب اور ذات کی جانشینی کی یہ تفریق ایک ایسی جدت ہے جس کا ذکر نہ کتب تصوف میں نظر سے گذرا نہ تاریخ جانشینی میں اس تفریق کی کوئی مثال ملتی ہے۔ تذکروں میں یہی ملتا ہے کہ فلاں بزرگ نے کسی غائب یا حاضر کے لئے یہ وصیت کی کہ یہ میرا جانشین ہوگا۔ تو ان کے انتقال کے بعد وہی اس گدی کا سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ذات کے جانشین کے نام سے کسی دوسرے کا تصور بھی نہیں ہوتا۔

پس اولاً تو ذات کی جانشینی کا تصور ہی غلط ہے۔ اور بالفرض یہ اگر کوئی واقعی چیز ہوتی تو جس طرح منصب کی جانشینی کا اختیار صاحب سجادہ کو ہوتا ہے ذات کی جانشینی کا حق بھی اسی کو ہوگا۔ دوسروں کو کسی کی ذات کا سجادہ نشین بنانے کا کیا حق؟ اور جب انہوں نے اپنی ذات کا کسی کو سجادہ نشین نہیں بنایا تو ان کی ذات کا کوئی سجادہ نشین نہیں ہو سکتا۔

یہ بے انصافی ہے کہ جن کو صاحب سجادہ نے فرمایا میں ان کو اپنا جانشین بناتا ہوں ان سے تو کہا جائے آپ ان کی ذات کے سجادہ نشیں نہیں۔ اور جن کو کچھ نہ بنایا نہ ان کے لئے کسی جانشینی کی تصریح کی ان سے کہا جائے کہ آپ صاحب سجادہ کی ذات کے جانشین ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ایسی سجادہ نشینی جس میں صاحب سجادہ جس شخص کو مقرر نہیں کرتا رشتہ داروں اور سلسلہ والوں کا مل جل کر ایسے کو سجادہ نشیں بنانا صوفیائے کرام کے نزدیک اختراعی جانشینی ہے۔ حضرت شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''شیخ ازیں عالم نقل کردہ کسے راخلیفہ نہ گرفت قوم وقبیلہ یا مریدے بخلافت او تجویز نمایند ایں خلافت نزد مشائخ روانیست وایں خلافت راخلافت اختراعی می گویند'' (حوالہ مذکورہ بالا)

شیخ دنیا سے کسی کو خلیفہ مقرر کئے بغیر چلا گیا تو قوم وقبیلہ کے لوگ جو کسی وارث یا مرید کو اس کا گدی نشیں بنا دیتے ہیں مشائخ تصوف کے نزدیک یہ خلافت جائز نہیں۔ اور اس خلافت کو خلافت اختراعی کہتے ہیں۔

صاحب سجادہ نے کسی کو مقرر نہ کیا تو متعلقین نے مل جل کر جس کو مقرر کیا اس کی خلافت شاہ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے بموجب صاحب سجادہ کے خلاف ہے اور یہاں ایک مقررہ صاحب سجادہ کے بجائے دوسرے کو بھی خلیفہ بناتے ہیں تو یہ کیا ہوگا؟۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۱۲) **مسئلہ**: رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے کہ لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے، اس لئے کہ دوسرے پر بھی اگر بتاویل اس لفظ کو بول دیا جائے تو جائز ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ خیال صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو اسے قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔ والسلام نیاز مند محمد مختار

الجواب

بلاشبہ رحمۃ للعالمین ہونا حضور ﷺ کی صفت خاصہ ہے، خصائص کبری سیوطی میں ہے: "باختصاصه ﷺ بانه رحمة للعلمين حتى للكافر بتاخير العذاب". (بحوالہ جواہر البحار، ص ۳۸۵) شرح شفاء قاضی عیاض ص ۱۴۴ میں ہے: ای هذا فصل فی تعدد خصاله الحميدة التی اختص بها ذاته الشريفة، كمكانية عند ذی العرش و رحمة للعالمين" واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

(۱۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید خود سنی صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پیر بھی ہے اور بیعت بھی کرتا ہے اس سلسلے میں مریدین متعلقین کے یہاں جاتا ہے۔ البتہ مریدین کے تعلقات اور رشتہ داری وہابیوں دیوبندیوں سے ہیں۔ مریدین ان کے وہاں جاتے ہیں اور وہ لوگ ان کے یہاں آتے جاتے ہیں، سلام کلام کرتے ہیں خود کھاتے ہیں اور ان لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ اور زید ان کے تمام حالات جاننے کے باوجود اپنے ان مریدوں کے یہاں جاتا ہے اور سلسلہ میں داخل کرتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ پیر طریقت از روئے شریعت مطہرہ سنی رہا یا نہیں؟ اگر ہے تو کیسے اور اگر نہیں تو سلسلہ بیعت باقی ہے یا نہیں؟ اگر باقی نہیں تو ان کے یہاں دوبارہ خود پیر طریقت کے جانے پر کیا ہوگا۔

(۲) موجودہ زمانے میں جو عرس ہوتے ہیں جن کے اندر مردوں کے سوا عورتیں بھی بے پردہ شریک ہوتی ہیں، وہ زیارت قبور کے طریقہ سے بھی ناواقف ہوتی ہیں جن کی روک تھام کے لئے بانی عرس کوئی انتظام نہیں رکھتے۔ اس خطہ میں اور تمام خرافات کا ضامن کون ہوگا؟ یہاں تک کہ مزارات پر اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہلاء عورتیں اور مردان قبروں کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں مگر اہل علم توجہ نہیں فرماتے بلکہ اشارۃً اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضرت یہ کہاں تک روا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ؟ ایسا کرتے ہیں۔ ایسا کہنے والے اہل علم کے بارے میں احکام شرعیہ اور پورے اجزاء کے جوابات مفصل تحریر فرمائیں۔ اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ عرس منانے کا صحیح طریقہ عندالشرع کیا ہے؟ المستفتی: محمد طیب خاں

الجواب

اگر پیر صاحب اپنے مریدین کے اس فعل سے راضی نہیں ہیں، اور ان کو منع کرتے ہیں تو پیر صاحب پر شرعا کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کہ ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾[آل عمران:۲۰] حکم شرع ہے۔ اور ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾[الانعام:۱۶۵] ارشاد ہے۔ ہاں اگر پیر صاحب کو یہ معلوم ہو کہ میرے نہ جانے سے اور خفا ہونے سے وہ مریدین حرکتیں چھوڑ دیں گے، تو زجرا کچھ دنوں کے لئے ان سے قطع تعلق کریں۔

(۲) عورتوں کے لئے مزارات کی حاضری، صحیح یہی ہے کہ منع ہے۔ ہر سر جھکانے کو سجدہ نہیں کہنا چاہئے پھر بھی سر جھکانا یا سجدہ تعظیمی یا بوسہ قبر سے علماء منع فرماتے ہیں۔ شیخ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں "مسح نکند قبر را بوسہ ندہد برائے آن تحنی نہ شود و روئے خاک نمالد کہ ایں عادت نصاری است" بلاشبہ منتظمین عرس یا علماء یا صلحاء ہر ایک کو اپنی اپنی طاقت بھر ان خلاف شرع حرکات سے لوگوں کو روکنا چاہئے۔

حدیث شریف میں ہے:

"من رایٔ منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلك اضعف الایمان"

(صحیح مسلم کتاب الایمان :۱/۶۹، مشکوۃ المصابیح:۲/۳۰۰)

لیکن ان امور کی وجہ سے نفس زیارت قبور اور اعراس بزرگان دین کو منع نہیں کیا جاسکتا۔

شامی باب الجنائز میں ہے:

"ولا یترك لمایحصل عند ھا من المنکرات والمفاسد کا ختلاط الرجال بالنساء وغیر ذلك لان القربات لا تترك لمثل ھذا بل علی الانسان فعلھا و انکار البدع بل وازالتھا ان أمکن" [رد المحتار. زیارۃ القبور:۳/۱۴۱]

اعراس کا شرعی طریقہ مزارات کی حاضری ان کے لئے ایصال ثواب کی مجلس اس موقعہ پر ایصال ثواب کے لئے لوگوں کو کھانا کھلانا ان کی یاد و وعظ تذکرہ کی مجلس قائم کرنا جس میں اور باتوں کے ساتھ خود صاحب مزار کی سیرت کا بیان وغیرہ شامل ہو شرعا مستحسن اور باعث ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ دو ربیع الثانی ۹۱ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید ایک پیر صاحب سے بچپن میں مرید ہو گیا تھا اور اس کے گھر والے دوسرے بزرگ کے مرید تھے۔ زید کے گھر والوں نے ڈانٹا ڈپٹا کہ تم بغیر ہم لوگوں کے پوچھے کیوں دوسرے سے مرید ہو گئے۔ اب اس حالت میں زید دوسرے پیر صاحب سے مرید ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر بالفرض دوسرے پیر صاحب سے مرید ہو سکتا ہے تو کیا اول پیر سے دوبارہ مرید ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

عبد القادر، بہرائچی

الجواب

اگر پیر میں کوئی شرعی عیب نہ ہو کہ جس سے وہ پیر بنانے کے لائق ہی نہ ہو تو دوسرے کو پیر بنانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہدایت و تعلیم وہ اس پیر سے بھی حاصل کرسکتا ہے وہ اجازت دیں تو دوسرے سے طالب بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۳؍ذوالحجہ ۸۹

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۵-۱۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

ہمارے خاندان کے ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں جن کا نام نامی اسم گرامی اشرف سمنانی قدس سرہ النورانی ہے۔ دستور قدیم اور خاندانی رواج قلمی آپ کا ہمیشہ ایک جانشین۔ زہد و تقوی و علم دین روحانی اہلیت و قابلیت دانی و صلاحیت سجادہ نشیں بلا لحاظ بزرگی عمر قریب خاندان کے عالم ہی منتخب ہوتے آرہے ہیں جسے سجادہ نشین کے لئے ۲۷، ۲۸ محرم الحرام کو اہل خاندان و فقراء و علما و مشائخ کی مجلس کی صدارت نیز نماز جمعہ مطابق کی اہلیت اور رویت ہلال کی تصدیق سجادہ نشیں ہی فرماتے ہیں۔

سجادہ نشین سابق علیہ الرحمہ نے مذکورہ بالا دستور خانقاہ و قیود و بند جانشین و میعاد سجادگی کو نظر انداز کرتے ہوئے سجادہ نشینی کو وراثت میں تبدیل کر کے اس منصب جلیلہ پر بڑے صاحبزادے کے حق میں رجسٹری کردی، جو عربی زبان سے ناواقف بلکہ دینی و اسلامی مسائل نماز و طہارت سے کورے ہیں۔ حد یہ ہے کہ معمولی اردو و ناظرہ خواں نیز داڑھی بھی ترشواتے رہتے ہیں جب کہ خاندان میں دوسرے متعدد باعمل سنی صحیح العقیدہ عالم دین ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سجادہ نشین سابق علیہ الرحمہ کے صاحبزادے مذکور کی خلافت و امامت کا صورت مذکورہ میں از روئے شرع مطہرہ کیا حکم ہے؟

(۲) صاحبزادے مذکور کے پیچھے سب کی نماز ہوگی یا نہیں؟ جب کہ مسائل نماز و طہارت جاننے

والے لوگ جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔

(۳) مذکورہ عالم دین (مصلی) جو کہ اسی خاندان اور اسی گھر سے ہیں۔ اور بموجب قیود و بند سجادگی اہل و حقدار ہیں اور از روئے انصاف و عدالت حاضرہ اس منصب کو حاصل کر سکتے ہیں ان پر اس منصب کے حصول کے لئے از روئے شرع جد وجہد لازم ہے یا نہیں؟

(۴) مذکورہ عالم دین اگر خاموشی اختیار کریں بلکہ صاجزادے مذکورہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھیں تو شرعا کیا حکم ہے؟ فقط

المستفتیان: سید محمود اشرف و دیگر مصلیان جامع مسجد بسکھاری درگاہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

الجواب

(۱) بر تقدیر صدق مستفتی سوال میں جن صاحبزادے کا ذکر کیا گیا ہے وہ امامت و خلافت تو علیحدہ رہی اس لائق نہیں کہ ان سے کوئی مرید ہو۔

(۲) کیونکہ شرائط بیعت میں سے یہ ہے کہ پیر فاسق نہ ہو اور داڑھی حد شرع سے کم رکھنا فسق بالاعلان ہے۔ درمختار میں ہے: "والسنة فيه القبضة و يحرم قطعه" (کتاب الحظر والا باحت: فصل فی البیع: ۹/۴۹۸) اور ایسے شخص کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔
کبیری میں ہے: "ان كراهة تقديمه كراهة تحريم"

(۳) صرف مذکورہ عالم دین پر ہی نہیں اس عیدگاہ اور مسجد سے متعلق مصلیوں پر بھی لازم ہے کہ اپنی نمازیں اکارت ہونے سے بچائیں اور اس کو ان مسجد سے علیحدہ کر کے اہل کا انتخاب کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۳/ ذوالحجہ ۸۹ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

شاہ تجمل حسین صاحب نقشبندی نے اپنی وفات کے وقت اپنے نواسے کو خلافت دی۔ جس کی عمر سات سال کی ہے۔ اور وہ اپنا اکثر وقت بے جا لہو ولعب میں ضائع کرتا ہے۔ ایسے بچے سے بیعت ہونا درست ہے کہ نہیں؟ نیز جو لوگ اس سے بیعت ہو چکے ہیں وہ دوسرے سے بیعت ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا
المستفتی: زین الدین شمسی مقام سنگھائی پوسٹ حسین گنج چھپرا سادن

الجواب

پیر کے لئے علمائے شرع نے چار شرطیں ضروری قرار دی ہیں۔ سنی صحیح العقیدہ، اتنا علم ہو کہ اپنی

ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔ فاسق معلن نہ ہو۔ اس کا سلسلہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچتا ہو۔ جو بچہ دائرہ تکلیف میں ہی نہ ہو اس کے خلیفہ اور پیر ہونے کا کیا معنی۔ اس لئے نہ تو اسے خلافت صحیح ہے نہ وہ مرید کر سکتا ہے۔ اس سے بیعت ہونے والے جہاں چاہیں بیعت ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۱۳/ ذوالحجہ ۸۹ھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید سلسلہ چشتیہ سے متعلق ہے اور بکر و عمر قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں تو کیا چشتی بکر و عمر قادری کی سرداری و امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بکر و عمر میں سے کوئی زید کی سرداری و امامت کر سکتا ہے؟ کیا سلسلے ایک دوسرے کی اتباع و پیروی کرنے و سماج میں ایک دوسرے کے ماتحت رہنے میں شرعا کوئی مانع ہو سکتے ہیں؟ بالتفصیل جواب سے نوازیں۔ السائل: محمد خلیل اللہ شیخ مقام کراری

الجواب

شریعت یا طریقت میں اس چیز کی کوئی ممانعت نہیں کہ ایک سلسلہ کا مرید دوسرے سلسلہ کے بزرگ کی قیادت و امامت کرے یہ ہر طرح جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ قرآن عظیم میں ہے: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ (النساء: ۵۹) یہ اولوالامر علماء ہیں یہ کسی سلسلہ کے ہوں عام مسلمانوں کو ان کی اطاعت کا حکم ہے وہ کسی بھی سلسلہ کے ہوں آیت میں ان کی کوئی تخصیص نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ایک شیخ طریقت نے اپنے مریدین میں سے چند آدمیوں کو خلافت سے نوازا اور اجازت بیعت عطا فرمائی ان خلفاء میں ایک صاحب سجادگی کے منصب پر بھی فائز ہیں جن کو حضرت شیخ نے اپنی حیات طیبہ میں سجادہ بنایا تھا۔ شیخ طریقت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ان کے خلفا نے مریدین میں سے مستحقین کو اجازت بیعت و خلافت سے نوازا۔ سجادہ نشین نے اس خلافت کو منسوخ کر دیا،

سجادہ نشین کو دوسرے خلفاء کی دی ہوئی خلافت کو منسوخ کر دینا اور یہ کہنا ہے کہ اس سے گدی کا وقار ختم ہو جائے گا۔ نیز دوسرے خلفاء کی خلافت کو فسخ کر کے اپنی طرف سے خلافت و اجازت دیدینا۔ از

روئے طریقت وشریعت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا المستفتی: محمد عبداللہ مظفر پور

الجواب

بیعت وارادت، تلقین، ارشاد، اجازت وخلافت کے جو مروجہ طریقے متداول سلاسل اولیاء میں جاری ومعمول بہا ہیں شرعا سب مستحب اور محسنات میں ہیں اس کا کوئی پہلو نہ تو فرض قرار دیا جاسکتا ہے نہ حرام۔ اس لئے اگر سجادہ نشین کے علاوہ خلفاء شیخ کے مریدین کو اگر تلقین، ارشاد کریں یا اجازت وخلافت دیں تو یہ شرعا ممنوع نہ ہوگا اور تحقیق تلاش کے بعد صوفیاء کرام کے تذکروں میں ایسے شواہد بھی مل جائیں گے کہ شیخ کے ایک مرید نے دوسرے کو تلقین وارشاد کی اجازت وخلافت دی جہاں تک گدی کے وقار کا سوال ہے اگر گدی زوردار ہے تو وقار میں بالکل فرق نہ آئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ۲۷ر جمادی الثانی ۸۴ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید حضرت سرکار بھولے شاہ دیوان علیہ الرحمۃ والرضوان کے صاحب سجادہ تھے عرصہ آٹھ سال ہوا کہ جب بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے اس وقت اپنے صاحب زادے خالد کو اپنا جانشین بنا گئے اور واپسی پر صاجزادے کی جانشینی سے متعلق ایک تحریر بھی لکھدی جس پر زید اور دو تین گواہان کے دستخط بھی موجود ہیں واضح ہو کہ زید نے جس وقت اپنے صاجزادے کو اپنا جانشین بنایا تھا اس وقت ان کا ایک پوتا بکر درجہ مولوی میں پڑھ رہا تھا زید نے کہا تھا کہ جب میرا پوتا عالم ہوجائے گا تو یہ منصب اسی کو سپرد کردوں گا چنانچہ اپنے پوتے ہی کو حسب وعدہ علی الاعلان اپنا سجادہ نشین بنایا بھی۔ زید نے جس صاجزادے کو اپنا جانشین بنایا وہ زید کا مرید نہیں تھا بلکہ زید کے ایک مرید سے بیعت تھا ہاں زید کا پوتا بکر زید کا مرید اور خلیفہ ہے دو ماہ ہوا کہ زید کا انتقال ہوگیا انتقال سے دو تین ماہ قبل کچھ لوگوں کی موجودگی میں اپنے پوتے بکر کو جو بحمدہ تعالیٰ عالم ہے اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا اور اپنے ہاتھوں سے عمامہ وغیرہ باندھا اور ان کی جانشینی کا اعلان کرایا کئی جگہوں پر محفل سماع میں اپنا جانشین بنا کر بٹھایا اور اعلان کرایا حضور سلطان الہند خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کے موقع پر آستانہ پر محفل سماع کا انعقاد تھا اور زید شدید بیمار تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ محفل میں کس کو بٹھایا جائے کہا میرے جانشین مولانا صاحب کو چنانچہ مولانا کو بٹھایا گیا تین چار گھنٹے محفل چلتی رہی حضرت بھولے شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کے موقع پر سجادہ نشین زید نے کافی لوگوں کی موجودگی میں منصب جانشینی پر اپنے پوتے بکر کو جانشین بنا کر بٹھایا اور اعلان کرایا کہ میرے جانشین یہی

میرے پوتے ہی ہیں اس واقعہ کے بھی اور واقعہ مذکورہ کے بھی جن کا تعلق مرحوم کے پوتے کی سجادہ نشینی اور تقرری اور اعلان سے ہے علمائے کرام کے علاوہ بہت سے معتبر گواہان ہیں زید نے اپنے پوتے کو جانشین بنانے ہی کے لئے عالم بنایا تھا اور ان کی خواہش وغرض یہی تھی کہ اس منصب پر عالم ہی فائز ہو چنانچہ ان کے پوتے عالم ہوئے بھی اور اپنی آرزو کے مطابق اپنا جانشین بنایا بھی انتقال سے قبل زید سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا جواب دیا کہ مولانا پڑھائیں گے چنانچہ وصیت کے مطابق مولانا نے نماز جنازہ پڑھائی۔ زید کے خاندان والوں کا کہنا ہے کہ جانشین چننے کا حق زید کو نہیں تھا بلکہ حق خاندان والوں کا ہے چنانچہ خاندان کے کچھ ایسے افراد نے جو ذی علم نہیں ہیں سجادہ نشین کے انتقال کے زائد از دو ماہ بعد ان کے لڑکے خالد کو سجادگی کا عمامہ باندھ دیا اور خالد نے منظور کیا خالد نے کچھ اپنے والد کی تحریر کو تسلیم نہیں کیا بلکہ خاندان کے کچھ افراد کی تقرری کو منظور کیا۔ کیا یہ بات صحیح ہے کہ صاحب سجادہ کو اپنا جانشین چننے کا حق نہیں ہوتا؟۔ صورت مسئولہ میں زید کا جانشین کون ہے ان کے صاجزادے یا پوتے؟۔

المستفتی، محمد محسن قادری، یکم جون ۱۹۸۸ء

الجواب

صورت مسئولہ میں سائل نے یہ نہیں تصریح کی کہ زید نے اپنے لڑکے کو جانشینی کی تحریر دی اور اس کے بعد جب اپنے پوتے کو جانشین بنایا تو لڑکے کی جانشینی ختم کرنے کا اعلان کیا یا کوئی تحریر لکھی یا یہ سب کچھ نہیں لڑکے کو بھی جانشینی کی تحریر لکھدی اور پوتے کو بھی بڑی دھوم دھام سے گدی نشین کردیا، اگر یہ بات ہے تو دونوں ہی سجادہ ہوگئے اور باہمی رائے مشورے سے دونوں ہی کار سجادگی انجام دیں۔

حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ "الاعالی الافادہ ص ۳۰" میں فرماتے ہیں:

جب مرشد ومربی کہ اعرف بالمصالح ہے واعلم بالشان ہے دو کو جانشین فرما چکا تو اس کے رد کی کوئی سبیل نہیں ہاں خود زید ہی اگر پہلی والی جانشینی کو منسوخ کر گئے ہوں تو اور بات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۲ر ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ

(۲۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

زید ایک مسجد کا جانشین ومتولی خانقاہ اور درگاہ کا سجادہ نشین ومتولی تھا۔ زید اس مسجد ودرگاہ کا واحد باختیار حسب دستور سابق بذریعہ تولیت نامہ باضابطہ منتخب کردہ تھا۔ زید جو کہ بذریعہ تولیت نامہ باضابطہ منتخب کردہ تھا اس کو اپنی جانب سے مناسب شخص کو اپنی جگہ اپنی حیات میں متولی وجانشین مسجد وسجادہ نشین

متولی درگاہ کے لئے اپنی حیات میں مقرر کرنے کے اختیارات حاصل تھے کہ بموجب اپنے اختیارات کسی دیگر شخص کو بذریعہ تولیت نامہ منتقل کرے اور یہی دستور وطریقہ عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے۔لہذا زید متولی وجانشین مسجد اور سجادہ نشین ومتولی درگاہ نے بعمر ۷۶ رسال کی ضعیف العمر پیرانہ سالی لاغری، کولہے کی ہڈی کریک ہوجانے کی وجہ معذوری چلنے پھرنے کی وجہ سے اپنی حیات میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق اپنے حقوق و اختیارات استعمال کرتے ہوئے۔ جو بذریعہ تولیت نامہ اس کو حاصل تھے۔ مورخہ ۲۱/۱۲/۱۹۷۰ء کو اس مسجد درگاہ کا اپنی جانب سے باضابطہ سجادہ نشین ومتولی درگاہ اور جانشین اور متولی مسجد کو مقرر کردیا جیسا کہ صورت مذکورہ سے واضح ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد ودرگاہ مذکور کے جانشین ومتولیان وسجادگان ومتولیان بموجب تولیت نامہ ایک شخص دوسرے کو اسی طرح حقوق اختیارات منتقل کرتے چلے آئے ہیں یعنی ایک شخص جو بذریعہ تولیت نامہ منصب پر فائز تھا۔اپنے اختیارات وحقوق کے بموجب تولیت کا کام دوسرے شخص کو منتقل کرتا چلا آرہا ہے زید کا منتخب کردہ ومقرر کردہ موجودہ متولی وجانشین مسجد اور سجادہ نشین ومتولی درگاہ مذکور بموجب تولیت نامہ مورخہ ۲۱/۱۲/۷۰ باضابطہ دستور قائم ہے۔ قدیمی وقف مسجد درگاہ سے متعلق قدیمی وقف نامہ فساد میں برباد ہوگیا۔اس قدیمی واقف کا نام لامعلوم ہے۔اس لئے قدیمی واقف کی نیت کا معلوم ہونا ناممکن ہے۔اسی لئے عرصہ دراز سے منصب پر فائز متولیان وجانشین مسجد درگاہ ومتولیان درگاہ مذکور نے اول ہی سے کسی تولیت نامہ میں قدیمی واقف کا نام قدیمی وقف نامہ کا ذکر اور قدیمی وقف کے شرائط اور تولیت کا ذکر نہیں کیا۔صرف بذریعہ تولیت نامہ سے سابق دستور منصب درگاہ مذکور صاف طور سے واضح ہوتا یہی دستور ایک اب تک چلا آرہا ہے۔تولیت نامے سب محفوظ ہیں لیکن قدیمی وقف نامہ عرصہ قدیم ہی سے فساد میں برباد ہوچکا ہے۔قدیمی واقف کا نام اور قدیمی واقف نے قدیمی وقف نامہ کس تاریخ اور سن کو تحریر کیا تھا۔اور قدیمی وقف نامہ کا حوالہ نہیں کیا تھا۔چونکہ ان سب باتوں کا علم نہیں اس لئے حکومت کے دفتر سے قدیمی وقف نامہ برآمد نہیں کیا جاسکتا۔

کیا زید کا منتخب کردہ مسجد ودرگاہ مذکور کا جانشین ومتولی وسجادہ نشین ومتولی ازروئے شرع محمدیہ ﷺ مقرر کیا جاسکتا ہے۔

المستفتی، عزیز الرحمٰن دہلی

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی صورت مسئولہ میں زید کا مقرر کردہ جانشین ومتولی وسجادہ نشین ازروئے شرع صحیح ودرست ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

"ارادالمتولی اقامة غيره مقامه فی حياته ان كان التفويض له عاما"۔صحيح والا لا

(کتاب الوقف۔مطلب للواقف عزل الناظر:۶/۵۵۰)

اسی کے حاشیہ میں ہے:

"سئل شيخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر بما يصرفه الى مستحقة قال بشرط المعهود من حاله من سابق الزمان فيبنى على ذلك"شامی جلد۳ص۴۵۴

فتاویٰ خیریہ میں ہے:"اذا وجد شرط الواقف فلاسبيل الى مخالفته واذا فقد عمل بالاستفاضة۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ،۱۴ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

(۲۳) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

کیا ایسے پیر سے بیعت کرنا جائز ہے جو اپنے سر پر عورتوں کی طرح بال بڑھا کر چوٹی گونڈھتا ہو نیز نماز کا بھی پابند نہیں۔اور اپنے پیر کی تصویر رکھتا ہو اور یہ کہتا ہے کہ جب تک پیر کا نقشہ دل میں نہیں اترے گا۔اس وقت تک آدمی کامل مومن نہیں ہوگا۔اس لئے ہم اپنے مرشد کی تصویر سامنے رکھ کر اس کا نقشہ اپنے دل میں اتارتے ہیں۔نیز کہتا ہے کہ بقیہ لوگ تو سن کر مسلمان ہوئے ہیں لیکن جو میرا مرید ہوتا ہے اس کو ہم کلمہ پڑھاتے نہیں بلکہ کلمہ پلاتے ہیں۔وہی حقیقت میں مومن ہے۔اپنے پاس جو شجرہ رکھتا ہے اس میں حضرت حسین علیہ السلام حضرت زین العابدین علیہ السلام حضرت باقر علیہ السلام قریب قریب بارہ نام کے ساتھ علیہ السلام لکھا ہے یہی خود پڑھتا ہے اور مریدین سے پڑھواتا ہے۔اس کے پاس مرید بھی کفریہ کلمات بکنے میں ذرا سا احتیاط نہیں کرتے۔ایک مرید کہتا تھا کہ پل صراط وغیرہ کچھ ہے ہی نہیں یہ محض ڈرانے کے لئے ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کے لئے بولتا ہے کہ انہوں نے بڑھیا عورت مسلمان کے لئے دعائیں نہیں کیں بلکہ اپنے لڑکے کے لئے دعائیں کیں۔جو کافر تھا یہ ان کی نفسانیت تھی ۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے کہتا ہے کہ جب انہیں اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ہی تھا تو اپنی آنکھوں پر پٹی کیوں باندھ لی تھی۔کھلی آنکھیں ذبح کرنا چاہئے لیکن وہ ڈر کر پٹی باندھی تھی۔یہ بھی کہتا ہے کہ بہت سے سنی مولویوں سے میں نے بحث میں پانی پلادیا ہے کوئی مجھ سے کیا بحث کرے گا۔ہمارے مریدین وہابی بھی ہیں اور دوسرے فرقے کے لوگ بھی ہیں ایک تہجد گزار آدمی میرے پاس مرید ہونے کے لئے آیا لیکن پہلے وہ کرامت دیکھنا چاہتا تھا میں نے کہا کہ درود شریف پڑھ کر سوناوہ سوگیا۔تو اسے خواب میں سرکار دوعالم کا دیدار نصیب ہوا۔بیدار ہوکر اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابھی سرکار کو خواب میں دیکھا ہے۔تو اس نے کہا کہ تم صحیح صحیح بتاؤ اس نے پھر کہا کہ میں نے سرکار کو خواب میں دیکھا ہے۔تو میں نے ڈانٹ کر کہا صحیح صحیح

کہو۔ تو اس نے کہا کہ سرکار کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ ہی اشارہ سے فرماتے تھے دیکھ یہ سرکار ہیں۔

فجر کی نماز کے بعد جب ایک مخلص سنی نے کہا کہ صلوۃ وسلام پڑھ لیا جائے تو اس نے کہا کہ صلوۃ وسلام ہو گیا پس جب نماز میں ایہا النبی پڑھ لیا گیا تو صلوۃ وسلام ہو گیا۔ یہ سب دکھاوے ہیں دکھاوے کی ضرورت نہیں۔ کیا ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز ہے؟ کیا وہ سنی حنفی مسلمان ہے؟ ایسے آدمی کو اپنے گھر بلا کر دعوت کرنا نذرانہ دینا درست ہے؟ اور جو لوگ مرید ہو گئے ہیں یا طالب ہوئے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور علمائے کرام مفتیان عظام کے فتوی آنے پر جو مرید اس فتوٰی سے روگردانی کرے اس کے لئے کیا حکم۔ بینوا توجروا

المستفتی، محمد اسماعیل خاں نعیمی، سنی جامع مسجد بولسر تعلقہ بالگھ ضلع تھانہ۔ بہار

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی جس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ قطعا پیر بنانے کے لائق نہیں اسکے پیر نہ ہونے کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ فسق میں مبتلا ہے۔ چہ جائیکہ اس کے عقائد بھی گمراہ کن ہیں

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو۔ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہونچے گا۔

مزید فرمایا: فاسق معلن نہ ہو۔

مسئولہ شخص میں یہ دونوں خرابیاں ہیں اس لئے اس کی بیعت جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

(۳۶۔۲۴) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ

کلکتہ ضلع چوبیس پرگنہ میں ہتھیاڑہ نام کی ایک جگہ ہے جہاں "حسناتی انجمن" نام کی کوئی خانقاہ یا درگاہ ہے جس کے ماننے والے اس جگہ کو ہتھیاڑہ شریف کہتے ہیں۔

یہاں کہ ایک پیر صاحب ہیں جو اس "حسناتی انجمن" کے غالبا بانی ہیں جن کا نام فرعہا گھمری تھا جو اس دنیا سے چلے گئے۔ اور دوسرے پیر ہیں جو ان کے مرید اور خلیفہ ہیں اور غالبا ابھی زندہ ہیں جن کا نام حمید ہے لیکن وہ بھی اپنے پیر کی نسبت سے اپنے نام کے ساتھ فرعہا گھمری لگاتے ہیں۔ اس حسناتی انجمن کی طرف سے کئی کتابیں اور اشتہارات شائع ہو چکے ہیں۔ بعض پر مصنف کی حیثیت سے ان دونوں میں سے کسی ایک کا نام درج ہے اور بعض پر کسی کا نام نہیں لکھا ہے لیکن چونکہ ان کتابوں کو بھی اسی حسناتی انجمن نے شائع کیا ہے، اس لئے یہ واضح ہے کہ یہ کتابیں بھی انہیں دونوں میں سے کسی کی لکھی ہوئی ہیں۔

ان دونوں پیر و مرید کے عقائد، خیالات اور نظریات کیا ہیں؟ ان کی کتابوں کے حوالے کے ساتھ نمبر وار درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) پس آخری زمانے میں جناب احمد مجتبی محمد مصطفیٰ ﷺ آئے اور آپ کے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں، اس لئے شجرۂ مبارک میں حضور ﷺ کے نام مبارک کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام لکھا گیا ہے۔ (صوفی فرعہا گھمری کا عمامہ صوفی فرعہا گھمری کی خلافت ص ۴)

(۲) آیت قرآنی ﴿عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ﴾ [النجم: ۵] کا ترجمہ اور تفسیر کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے محمد خاتم النبیین بعد زمانہ نبوت ختم کے مرشدوں کا زمانہ ظاہر کئے اور علم لدنی دیئے۔ قوت والے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو۔ (خلیفۂ حق کی پہچان ص ۵)

(۳) محمد رحمۃ اللعالمین کی خوشبو یعنی خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پھول میں آگئی۔

(خلیفۂ حق پہچان ص ۷)

(۴) آدم اس وقت عبودیت کی منزل میں نہیں بلکہ معبودیت کی منزل میں تھے اس لئے فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا روا تھا پس نہ کفر تھا نہ شرک بلکہ یہ سجدہ اللہ ہی کا حکم تھا۔ (خلیفۂ حق کی پہچان ص ۴)

(۵) آیت قرآنی ﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ﴾ کا ترجمہ یہ کیا اور نافرمانی کی آدم نے رب اپنے کے پس گمرہ ہو گیا۔ (مرشد حق کی پہچان ص ۳)

(۶) اور حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ لکھا۔ اور اس شجر کا پھل کھا کر ظالموں سے ہو گئے۔ (مرشد حق کی پہچان ص ۵)

(۷) جو ظاہر میں محمد کی صورت ہے وہی صورت اللہ ذات باطن کی ہے۔

(مرشد سالک صوفی گھمری کا مذہب ص ۲)

(۸) محمد ظاہر مرشد حمید اور پوشیدہ ہے وہ صورت اللہ کے باطن مرشد حمید۔

(خلیفۂ حق کی پہچان ص ۳)

(۹) اور ہر انسان پر دوزخ کی آگ بھی حرام ہے اور سب انسان جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (مرشد سالک صوفی گھمری کا نام مذہب ص ۱)

(۱۰) ہر انسان قرآنی قانون ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ (مرشد حق کی پہچان ص ۴)

(۱۱) فرمایا جناب احمد مجتبی محمد مصطفیٰ ﷺ نے کہ ایک بکرا ایک آدمی کی طرف سے اور اونٹ بیل

ایک سے لیکر سات تک کی شرکت روا ہے تا کہ آسان ہو۔ مگر اس موجودہ وقت میں بیل کی شکل بکرے کی قیمت ہے۔ ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرا آسان نہیں ہوتا بلکہ دشوار ہے تو اس وقت اگر اس میں بھی ایک سے لیکر سات تک کی شرکت ہو تو آسانی کے لئے کوئی حرج نہیں۔ (اسرار قربانی ص ۷)

(۱۲) جب لیلۃ القدر آجائے تو روزہ افطار کریں یعنی مغرب کی نماز کے بعد جب لیلۃ القدر آجائے تو روزہ کھولیں کیونکہ اگر لیلۃ القدر آنے کے پہلے ہی روزہ کھولا جائے تو روزہ پورا کامل نہ ہوگا۔

قولہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرۃ:۱۸۷]

پھر پورا کرو روزے کو رات تک۔ (کتاب رمضان المبارک ص ۴)

(۱۳) جب ہم مغرب کی نماز صلوۃ المغرب یعنی مغرب کی نیت سے پڑھتے ہیں تو مغرب کی نماز کے پہلے ہم کیوں روزہ افطار کریں جب کہ روزے کو پورا کرنا ہے رات تک۔ اسی لئے بعد نماز مغرب روزہ افطار کرنا ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ﴾ [البقرۃ:۱۸۷] سے (آگے لکھا) اسی لئے شیخ المشائخ حضرت مولانا سید شاہ فرعہا گھمری صوفی، مفتی، سید، پیر، شریفی، حقیقی و معرفتی صاحب نے مندرجہ بالا آیت کریمہ اور مفسروں کی تفسیروں اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں مغرب کی نماز کے بعد روزہ افطار کرنے کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کا حکم مسلمانوں اور مریدوں تک پہونچا دیا۔

(اشتہار بہ عنوان افطار رمضان المبارک)

مندرجہ بالا ہر عبارت پر نمبر وار روشنی ڈالیں کہ وہ شرعی نقطۂ نظر سے کیسی ہے؟ ایسے پیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟ ایسے پیر سے مرید ہونا کیسا ہے؟ اور جو لوگ مرید ہو چکے ہیں انہیں کیا کرنا چاہئے؟۔

سائل: سعید احمد خاں نزد اتواری ریلوے اسٹیشن ناگپور

الجواب

(۱،۲،۳) خلیفہ کا لفظ اہل شریعت بھی بولتے ہیں اور اہل طریقت بھی، شریعت میں خلیفہ سے مراد وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت میں اسلامی قوانین کا نفاذ اور نظام اسلامی کو قائم کرے اور جس کی اطاعت تمام اہل اسلام پر واجب ہو، اس معنی میں خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو اس معنی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ اول کہے گمراہ رافضی ہے۔

شرح عقائد میں ہے:

وخلافتهم اى نيابتهم عن الرسول فى اقامة الدين بحيث يجب على كافة الامم الاتباع على هذا الترتيب ايضا يعنى ان الخلافة بعد رسول الله عليه السلام لابى بكر ثم

لعمر ثم لعثمان ثم لعلى۔ (بيان الخلفاء الراشدين:۱۴۷)

اور ان کی خلافت یعنی رسول اللہ ﷺ کی نیابت دین کے قائم کرنے کیلئے اس طرح کہ اس کی اطاعت سب پر واجب ہو اسی ترتیب پر ہے یعنی پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر دوسرے حضرت عمر تیسرے حضرت عثمان اور چوتھے حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اور خلیفہ کا معنی اہل تصوف کے نزدیک یہ ہے کہ شیخ اپنے مریدوں میں سے کسی کو لوگوں کی ہدایت اور ارشاد کا اہل سمجھ کر اسے دوسروں کو مرید کرنے اور توبہ کرانے کی اجازت دے۔ اس معنی میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ نقشبندیوں کے نزدیک ابوبکر ہیں۔ اور قادریوں کے نزدیک حضرت مولیٰ علی ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

دونوں گروہ اپنے اپنے شجروں میں رسول اللہ ﷺ کے بعد ان بزرگوں کا نام لکھتے ہیں۔ اگر گھمری کا مطلب اس عبارت سے یہ ہو کہ خلیفہ ارشاد صرف مولا علی ہیں تو غلط اور خلاف واقع ہے۔ حضرت ابوبکر بھی ہیں۔

(۴) کوئی مخلوق کبھی بھی معبودیت کی منزل میں نہیں ہو سکتا، جو کسی مخلوق کے لئے ایسا کہے دائرہ اسلام سے خارج ہے، غیر خدا کو سجدۂ عبادت تو یقیناً شرک اور کفر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۵،۶) بہار شریعت حصہ اول ص ۳۲ میں ہے:

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن اور روایت حدیث کے سوا سخت حرام ہے۔

شیخ محقق نے بھی یہی لکھا ہے:

وآنچہ در قرآن مجید با آدم علیہ السلام نسبت عصیان کردہ وعتاب نمودہ علوشان وقرب ست مالک را رسد کہ بر ترک اولیٰ وافضل اگر چہ بحد معصیت نہ رسیدہ شد مملوک خود را ہر چہ خواہد بگوید وعتاب نماید دیگرے را مجال نہ کہ تواند گفت اینجا ادب ست لازم۔ (اشعۃ جلد اول ص ۴۰)

تو اگر اپنے کلام کے طور پر کہا تو مرتکب حرام ہوئے۔ اور ترجمہ وتشریح میں بھی ایسے لفظ سے پرہیز چاہئے۔

(۷،۸) یہ خیالات مشرکین کے اتحاد وحلول کے گمراہانہ خیالات کے مشابہ ہیں۔

(۹،۱۰) کافر اور مسلمان سب کے جنت میں داخل ہونے کا عقیدہ آیات قرآنی کے خلاف اور کفر ہے۔

(۱۱) ایک بکری میں سات آدمی کی قربانی جائز ہونے کا مسئلہ تصریحات حدیث کے خلاف اور نئی شریعت گڑھنا ہے۔

(۱۳،۱۲) نماز مغرب کے بعد افطار کرنا مکروہ اور حکم حدیث کے خلاف ہے اور شیعوں کا مسلک ہے۔

بر تقدیر صدق مستفتی سوال میں ذکر کئے ہوئے لوگ گمراہ ہیں۔ان سے بیعت نا جائز ہے۔اور جو لوگ ان سے مرید ہو چکے ہیں۔انہیں بیعت توڑ کر توبہ کرنا ضروری ہے۔

بہار شریعت میں ہے:

پیری کے لئے چار شرطیں ضرور ہیں، قبل از بیعت ان کا لحاظ ضروری ہے۔

اول پیر سنی صحیح العقیدہ ہو۔

دوم اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتابوں سے نکال سکے۔

سوم فاسق معلن نہ ہو۔

چہارم نبی ﷺ تک اس کا سلسلہ متصل ہو۔

اور سوال میں جن پیر صاحبان کا ذکر ہے وہ گمراہ بھی ہیں اور جاہل بھی ہیں اور جمہور اہل اسلام کے خلاف مسائل ایجاد کر کے فاسق بھی ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

(۳۷) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

زید پہلے ایک ایسے پیر سے مرید تھا جو کہ جامع شرائط پیر نہیں تھا بعد میں معلوم ہونے پر زید ایک جامع شرائط پیر حضور علامہ سبطین رضا خاں صاحب قبلہ سے مرید ہو گیا۔زید نے اپنے سابق پیر کے متعلق بالتفصیل لکھکر اکابر علماء کرام سے استفسار کیا اور ان کے جواب کے مطابق حضور علامہ سبطین رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی سے مرید ہوا۔جب کہ زید کے جملہ افراد خانہ بھی سابق پیر ہی سے مرید ہیں۔جس کی بناء پر زید کے گھر والے بالخصوص والدین اور جملہ برادران نالاں ہیں۔پہلا پیر فاسق معلن ہے۔والد پابند صوم وصلوٰۃ ہیں میرے والد کا کہنا ہے کہ شہر کے دیگر علماء ان کی برائی نہیں کرتے یہ صرف تمہارا کام ہے۔تم اپنی تجارت پر دھیان رکھو کہ معاشی تنگی سے بچو۔اور ان جھگڑوں سے باز آجاؤ۔مگر میں اپنی روش سے باز نہیں آیا۔

چنانچہ میں اپنے چھوٹے بھائی کے سابق پیر کے بارے میں بات کر رہا تھا تو اس نے جواب دیا، خواہ کچھ بھی ہو جائے میں سابق پیر کا مرید ہوں اگر میرے پیر کہیں کہ تم کافر ہو جاؤ تو میں کافر ہو جاؤں۔چھوٹے بھائی کے اس قول کی خبر جب والد صاحب کو زید نے دیا اور کہا کہ جا کر اپنے پیر صاحب سے کہئے کہ قول مذکور کی وجہ سے اپنے مرید کو توبہ کرائیں۔اس کے بعد والد گرامی پیر صاحب کے پاس گئے اور

جب چھوٹے بھائی کے قول مذکور کی خبر پیر صاحب کو دی تو پیر صاحب نے جواب دیا کہ اس شہر کے لوگوں کا یہی کام ہے۔اور اب تک خبر کے مطابق زید کے چھوٹے بھائی کو توبہ وغیرہ کی تلقین نہیں کیا۔زید نے بار بار اپنے والد گرامی سے کہا کہ قول مذکور کی وجہ سے میرا چھوٹا بھائی شرعی گرفت میں ہے توبہ کی تلقین کریں۔لیکن زید کے والد صاحب بھی اب تک کام کو نہیں انجام دیئے بلکہ زید کے علاوہ جملہ افراد خانہ بھی والد کی طرح زید کے چھوٹے بھائی سے بہتر مراسم رکھتے ہیں اور اس کی قباحت سے صرف نظر کرتے ہیں۔نتیجۃً زید اپنے جملہ افراد خانہ اور والد حضور سے ایسا حسن سلوک نہیں کرتا جیسا کہ عام حالات میں ہوتا ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ ان کی توہین کرتا ہو یا کہ کسی قسم کی گستاخی کرتا ہو۔

(۱) واضح طلب امر یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں زید کا جملہ افراد خانہ اور والدین سے مذکورہ برتاؤ کرنا کیسا ہے۔

(۲) کیا واقعی زید کا چھوٹا بھائی خط کشیدہ قول کی وجہ سے شرعی گرفت میں ہے اگر ہے تو اس کی صورت کیا ہے جس سے پاک ہو۔

(۳) صورت مسئولہ میں زید کے سابق پیر پر حکم شرع کیا ہے۔

(۴) صورت مسئولہ میں زید کو اپنے افراد خانہ اور بالخصوص والدین کریمین کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے جبکہ والدین کا رجحان اس مسئلے میں زید کے چھوٹے بھائی کی طرف ہو۔

عامۃ المسلمین کو زید کے چھوٹے بھائی سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔بینوا توجروا

المستفتی: غلام غوث حبیبی عفی عنہ

الجواب

زید نے ایک فاسق معلن پیر سے رشتۂ ارادت منقطع کر کے ایک جامع شرائط پیر سے رشتۂ ارادت استوار کیا خوب کیا۔

"لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق"(مشکوۃ المصابیح۔ کتاب الامارۃ والقضاء:۲/٦٤

آپ کے بھائی نے جو یہ کہا کہ اگر میرے پیر کہیں کہ کافر ہو جاؤ تو میں کافر ہو جاؤں گا معاذ اللہ یہ کلمۂ کفر ہے۔آپ کے بھائی کو توبہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا چاہئے۔فقہ کا یہ عام حکم ہے۔"الرضا بالکفر کفر" جو کفر سے راضی ہو وہ کافر ہو گیا۔

اور مشکوۃ المصابیح میں ہے:"من حلف على ملة غير الاسلام كاذبا فهو كما قال"

(کتاب الأیمان والنذور:۲/۱۱)

جس نے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں ہونے کی جھوٹی قسم بھی کھائی تو اسی میں ہو گیا یہ تو مسئلہ کا حکم ہوا۔ آپ کو یہ ہدایت ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کچھ آداب بھی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اور حدیث شریف میں ہے: "سالت عنها رسول الله ﷺ فقال ایتمروا بالمعروف وتناهوا عن المنکر حتی اذا رائیت شحا مطاعا وهوی متبعا ودنیا موثرة واعجاب کل ذی رأی برأیه واذا رأیت امرا لابد لك منه فعلیك نفسك ودع امر العوام۔ (مشکوۃ ۲/۳۰۱ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ)

بہار شریعت میں عالمگیری کے حوالہ سے ہے:

اگر گمان غالب ہے کہ اس (امر بالمعروف) کی وجہ سے فتنہ وفساد پیدا ہوگا۔ آپس میں لڑائی ٹھن جائے گی۔ تو چھوڑ دینا (امر بالمعروف کا) اچھا ہے۔ ان آیات واحادیث وجزیات فقہ کی روشنی میں چاہئے تو یہ تھا کہ آپ اپنے چھوٹے بھائی کا بگڑا ہوا رخ دیکھکر خاموش ہو جاتے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑتے۔ مگر آپ نے اس سے بات بڑھائی کہ اس نے جھنجھلا کر کلمہ کفر بک دیا اب تک تو اس کو اپنے فسق پر اصرار تھا اب وہ توبہ تجدید ایمان وتجدید نکاح کی منزل میں پہونچ گیا۔ غور فرمائے کہیں پاس یا دور سے اس کے اس منزل تک پہونچنے کا سبب آپ تو نہیں بنے۔ اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ آئندہ بڑی ہی احتیاط سے قدم اٹھائیں۔ چھوٹا بھائی تو جب تک توبہ نہ کرے آپ اس سے تعلقات قائم نہ کریں۔ توبہ کی صورت یہ ہے کہ اگر صرف آپ کے سامنے اس نے وہ کفری جملہ ادا کیا ہے تو ایسی جگہ جہاں آپ موجود ہوں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے اور کلمہ شریف پڑھے اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرنے کا عہد کرے، نکاح کے لئے کسی شور شرابے کی ضرورت نہیں گھر کے دو مردوں کے سامنے میاں بیوی ڈھائی سو روپے مہر کے عوض ایجاب وقبول کرلیں یا کوئی تیسرا آدمی ایجاب وقبول کرادے اور آپ اپنے والد سے تعلقات قائم رکھیں کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے آپ پر عاق ہونے کا یا قطع رحمی کا الزام قائم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ

(۴۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کہتا ہے مروجہ پیری مریدی سنت ہے۔ دلیل میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب "القول الجمیل مع شرح شفاء العلیل" کی عبارت " ان البیعة سنة ولیست بواجبة" کو پیش کرتا ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب۔ لہذا دلائل سے فیصلہ فرمائیں۔

المستفتی: عبد الجلیل سکر باموڑ ورکس سلی گوڑی، گوہاٹی

الجواب

تعجب ہے کہ زید جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قول کو اپنی سند میں پیش کرتا ہے اور بکر جو بغیر کسی دلیل کے بزور زبان کہتا ہے کہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب۔ حالانکہ جس نے کسی کا حوالہ نہ دیا تھا اسکی ذمہ داری اپنے قول کی دلیل پیش کرنے کی ہے۔ آپ کو پہلے اس سے پوچھنا چاہئے تھا تمہارے پاس اس کے انکار کی کیا دلیل ہے؟ وہ اپنی دلیل پیش کرتا اس کے بعد فیصلہ کا مرتبہ آتا۔ موجودہ صورت میں تو بکر کا دعویٰ ہی کنڈم ہے جس کی اس نے کوئی دلیل نہ دی۔

بخاری ومسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

"قال رسول الله ﷺ: وحوله عصابة من اصحابه بایعونی علی ان لاتشرکوا بالله ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا اولادکم ولاتاتوا ابهتان تفترونه بین اید یکم وارجلکم الیٰ آخر ماقال۔ (مشکوۃ المصابیح: ۱/۲۰۔ کتاب الایمان)

حضور ﷺ کے ارد گرد صحابہ کی ایک جماعت تھی آپ نے ان سے فرمایا: تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ شرک، چوری، زنا اور بہتان سے بچو گے، حضرت عبادہ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے آپ سے بیعت کی۔ یہ بیعت نہ بیعت اسلام ہے کہ بیعت کرنے والے پہلے ہی سے مسلمان اور صحابی رسول تھے تو ان سے بیعت اسلام کے کیا معنی۔ نہ یہ بیعت خلافت وحکومت تھی کہ حضور خود بنفس نفیس موجود تھے۔ نہ بیعت جہاد تھی کہ اس حدیث میں جہاد کا ذکر نہیں تو لامحالہ یہ بیعت وہی بیعت توبہ وانابت وارادت تھی۔ کہ پیر حضرات اپنے مریدوں سے توبہ کراتے ہیں اور نیکیوں کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ تو یہ بیعت سنت ہوئی اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو سنت قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۳ر شعبان ۱۴۲۰ھ

حسب ونسب کا بیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ چند اشخاص مثلاً زید عمرو بکر وغیرہ مساوات اسلامی کے موضوع کو لیکر سید پر تبصرہ کر رہے تھے کہ قرآن میں متقی اور پرہیز گار ہی کو افضل فرمایا گیا ہے۔ تو پھر یہ اسلام میں حسب ونسب کی برتری کہاں سے داخل ہو گئی جب کہ رنگ ونسل حسب ونسب اور ہر قسم کی چھوا چھوت نیچ اونچ کو رسول اللہ ﷺ نے ختم کر دیا تھا لیکن بعد

کے علماء نے سیدوں کو بڑھا دیا۔ اس پر زید جو درمیان گفتگو پہنچا کہنے لگا کہ حضور ﷺ نے بھی فاطمۃ الزہراء کو سیدۃ النساء اور حسنین کریمین کو سید فرمایا ہے۔ اس پر عمرو نے کہا قرآن پاک سید کے بارے میں کچھ نہیں کہتا ہے اس لئے سید ماننا اور کہنا کفر ہے اور گمراہی ہے۔ اب عمرو کی اس بات پر موجودہ اشخاص میں سے اکثر نے اس کی تائید کی۔ جو حقیقت ہے اس کو قرآن وحدیث سے مدلل تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور مذکورہ بالا اشخاص پر جو حکم شرعی عائد ہوتا ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

المستفتی: معراج الاسلام اشرفی، متعلم دار العلوم ہذا ساکن کریم الدین پور گھوسی

الجواب

بیشک قرآن شریف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ پوری آیت یوں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور مختلف قوم اور قبیلے بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بزرگ تو وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ جلالین۔ صاوی۔ جمل۔ مدارک۔ کشاف۔ روح المعانی۔ تفسیروں میں لکھا ہے کہ اہل عرب اپنے نسب وخاندان پر فخر کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ نسب فخر کرنے کی چیز نہیں ہے قابل فخر تو تقویٰ اور پرہیزگاری ہے (اگرچہ اس پر بھی اترانا منع ہے) قوم اور قبیلہ میں ہم نے تم کو بانٹا ہے فخر کے لئے نہیں امتیاز وتفرق کے لئے۔

یہ آیت جب اتری تو عرب میں سیکڑوں قبیلے خاندان اور قومیں تھیں کسی کا نام مضر تھا کسی کا ربیعہ، کسی کا اوس کسی کا خزرج، کوئی عبد القیس اور کوئی بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام اسما ان قوموں کے لئے آسمان سے نہیں اترے تھے نہ اللہ پاک نے وحی بھیج کر ان کا یہ نام رکھا تھا۔ سارے نام ان لوگوں کی اپنی مرضی سے رکھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ سب میں نے ہی کیا تمہارے یہ سارے نام میری مرضی اور میرے حکم سے ہیں۔ اور قرآن عظیم تو قیامت تک کے لئے ہے تو آئندہ بھی جو قومیں اپنا کوئی نام رکھیں گی یا رکھ چکی ہیں جیسے مغل، پٹھان، شیخ صدیقی، انصاری، راعین، منصوری سب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اسی کے حکم سے ہے بشرطیکہ کوئی ایسا نام نہ ہو جس کی صریح ممانعت آئی ہو۔ مگر عمرو

صاحب کا یہ خیال ہے کہ نہ ہم سید کو مانیں گے نہ سید کہیں گے۔ اب ذرا غور سے دیکھئے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے دنیا کی تمام قوموں نے اپنی مرضی سے جو چاہا اپنا نام رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے برقرار رکھا اور خود عمرو صاحب نے بھی، کیونکہ وہ بھی تو کسی نہ کسی قوم سے ہونگے ہی لیکن یہی عمرو صاحب امام حسن اور امام حسین کی اولاد کو یہ حق نہیں دیتے کہ اپنے آپ کو سید کہیں یا کہلاویں بہ الفاظ دیگر مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں سید مانے تو مانے عمرو نہیں مانیں گے اسی کو اللہ پاک نے قرآن عظیم میں فرمایا۔

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾ (البقرة:۸۵)

اے یہودیو کتاب اللہ کے بعض حصے پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

یہی صورت یہاں بھی ہے کہ ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ﴾ (الحجرات:۱۳)

کا انکار ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

کا اقرار ہے۔ اسی بات پر ایک دوسرے پہلو سے غور کیجئے عمرو صاحب کہتے ہیں قرآن میں سید نہیں اس لئے نہ سید ماننا چاہئے نہ کہنا چاہئے۔ معلوم نہیں خط کشیدہ عبارت سے انہوں نے کیا مراد لیا۔ کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پورے قرآن میں سید کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے تو یہ غلط ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا: ﴿سیدا وحصورا﴾ اور اگر یہ مطلب ہے کہ امام حسن اور امام حسین کی اولاد کو قرآن میں سید نہیں کہا گیا تو صحیح ہے لیکن اس بنیاد پر سید ماننے اور کہنے سے انکار نری جہالت اور لاعلمی ہے۔ حضور ﷺ کو ہاشمی اور مطلبی کہا جاتا ہے حالانکہ قرآن میں آپ کو ہاشمی مطلبی نہیں کہا گیا تو کیا عمرو رسول اللہ ﷺ کے ہاشمی ہونے کا بھی انکار کریں گے اور آپ کو مطلبی کہنے کو کفر کہیں گے۔ اس لئے کہ ان کی دلیل یہی ہے کہ جو قرآن میں نہیں وہ کہنا کفر ہے۔ آخر عمرو صاحب بھی تو کسی نہ کسی برادری سے ہونگے ذرا اپنی برادری کا نام قرآن میں دکھا دیں کہ ہماری برادری کا یہ نام ہے جو قرآن میں ہے کیا پھر جس جس برادری کا نام قرآن میں نہیں سب کو وہ سمجھتا اور کہنا کفر ہے یا صرف سادات کرام کو ہی؟ اللہ تعالیٰ عقل سلیم اور ہدایت عطا کرے۔ عمرو صاحب نے کیسی بے بنیاد بات کہی ہے۔

ایک بات اور قابل غور ہے حضور سید عالم ﷺ نے امامین کریمین کے لئے فرمایا:

"سیدا شباب اهل الجنة" (البدایة والنهایة لابن کثیر:۸/۱۷۹)

امام حسن کے لئے فرمایا: "ان ابنی هذا سید" (مشکاة: کتاب الفضائل. فصل اول)

عربی سادات کرام کی جڑ بنیاد انہیں دونوں بزرگوں سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ سادات میں داخل ہیں یا خارج۔ اگر داخل ہیں تو بتائے رسول اللہ ﷺ ان کو سید کہکر کیا ہوئے اور اگر

خارج ہیں تو سادات کی ابتداء کہاں سے ہے کیا آپ کو ان لوگوں کے سید کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کافی نہیں؟ ہم نے شروع میں کہا اور اب بھی کہتے ہیں کہ آیت مبارکہ۔

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات:۱۳)

برحق ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

"لافضل لعربی علی اعجمی الخ۔" (مسند امام احمد بن حنبل: ۵/۴۱۱)

صحیح ہے بیشک آیت وحدیث میں فرمایا گیا کہ نسب وخاندان پر فخر نا جائز وممنوع ہے فضیلت کا مدار تقویٰ اور عمل پر ہے تو جو آدمی بھی قومیت اور نسب پر جھوٹا فخر کرے گا مجرم اور گنہگار ہوگا سید ہو یا غیر سید لیکن دوسری طرف یہ آیت مبارکہ بھی ہے۔

﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (الشوریٰ:۲۳)

تفسیر کی جن کتابوں کا ذکر آیا ہے ان سب میں آیت کا یہ مطلب بیان کیا گیا اے پیغمبر آپ مسلمانوں سے یہ کہہ دیں کہ ہم کو تبلیغ کا معاوضہ نہیں چاہئے تم ہماری آل اور ہماری عترت سے محبت کرو۔ اور محبت کی تین قسمیں ہیں۔ شہوت کی وجہ سے محبت جیسے میاں بیوی کی۔ تعظیم کی وجہ سے محبت جیسے باپ کی۔ شفقت کی وجہ سے محبت جیسے لڑکے کی محبت۔ ظاہر ہے کہ اہل بیت اطہار کی محبت تعظیم کی ہی وجہ سے ہے تو قرآن عظیم سادات کرام کی تعظیم کا حکم دیتا ہے۔

کثیر التعداد حدیثیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت سے محبت وتعظیم کا حکم ہے۔ تفصیل کے لئے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "اراءۃ الادب لفاضل النسب" دیکھی جائے۔ پس یک طرفہ آیت واحادیث دیکھنا اور قرآن وحدیث میں ان کی تعظیم وتکریم کا جو ذکر آیا ہے ان سے آنکھیں بند کر لینا کہاں کا انصاف ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ اول الذکر آیات واحادیث میں فخر بالآباء کی ممانعت کا حکم ہے۔ تو اس کے مکلف وہی لوگ ہونگے جن کو عرف عام میں نسبی برتری حاصل ہو، وہی فخر بالآباء کے مرتکب ہو سکیں گے بھلا وہ لوگ نسب پر فخر کیسے کریں جن کے نسب ایسے ہوں ہی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت کے مکلف صاحبان انساب ہیں اور دوسری آیات واحادیث میں سب لوگوں کو سادات کی تعظیم کرنا چاہئے تو ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں سادات اور صاحبان نسب کی ڈیوٹی فخر ومباہات سے پرہیز۔ اور سادات کرام کے ساتھ۔ حسن سلوک اور احترام کا بقیہ لوگوں کو حکم۔ جب تک دونوں اپنے وظیفہ پر عمل کریں صحیح اسلامی صورت حال ہے۔

لیکن فرض کیجئے کسی سید نے علی الاعلان فخر بالآباء کی حرکت کی، تو وہ فاسق معلن ہو گیا امامت میں اب اس کا ترجیحی حق ختم ہو گیا۔ بلکہ غیر سید غیر فاسق اس کے مقابلہ میں امامت کا اہل زیادہ ہوگا۔ اور آخرت میں اس کا درجہ اول الذکر سے بلند ہوگا۔ اب آپ چاہیں کہ اس سید کی سزا سب سیدوں کو دیجائے جو فخر بالآباء کے مرتکب بھی نہ ہوں اور سب سے امامت کے حقوق چھین لئے جائیں یہ شریعت کو پسند نہیں ۔ امامت کی ایک مثال میں نے پیش کی قاضی بنانا یا معاشرتی برتاؤ جیسے قیام تعظیمی یا ابتداء بالسلام سارے مسائل کا یہی حکم ہوگا۔ اسی طرح آخرت میں فضائل درجات کا حال ہوگا۔ اور فرض کیجئے سید اور غیر سید تمام ترمذہبی ترجیحات میں برابر ہیں تو یہاں سید کو ضرور ترجیح حقوق حاصل ہونا چاہئے کہ۔

﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ ارشاد الٰہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ آیت

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات:۱۳) کا یہ مطلب ہے کہ سید کو کوئی فضیلت حاصل ہی نہیں نہ آیت ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ کا یہ مفہوم ہے کہ سید کیسا ہی بدکردار ہو محض سید ہونے کے ناطے غیر سید علماء صلحاء کے تمام حقوق پر بالا ہوگا۔ سوال میں ایک بات اور بھی نہایت تکلیف دہ کہی گئی ہے۔ بعد کے علماء نے سیدوں کو بڑھا دیا۔ حدیث شریف میں ہے:

"اذکر کم اللہ فی اهل بیتی " (سنن ابن ماجه ÷ باب فضائل الصحابه :۳۶)

ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا طبرانی اور حاکم نے بھی روایت کیا، اللہ عزوجل جس نے قرآن اتارا اور رسول اکرم ﷺ جن سے فضائل اہل بیت میں کثیر حدیثیں مروی ہیں کیا بعد کے علماء میں شمار ہونگے؟۔ بخاری شریف میں ہے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"لقرابة رسول الله ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی "

(کتاب الفضائل الصحابه :۲/۴۲۷

میرے نزدیک میرے قرابت داروں سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار صلہ رحمی کے مستحق ہیں حدیث کی کتابوں میں ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلبیت کا وظیفہ دوسروں سے زیادہ مقرر کیا کیا یہ دونوں حضرات بعد کے علماء میں سے ہیں؟ حق یہ ہے کہ سیدوں کو جو کچھ عزت ملی ہے اللہ ورسول کے گھر سے ملی ہے۔ علماء کو کیا اختیار ہے کہ اپنے پاس سے کچھ دیں۔ الغرض عمر کی طرف جو باتیں منسوب کی گئی ہیں نہایت غلط اور گمراہ کن ہیں اگر واقعی کوئی ایسی باتوں کا قائل ہے تو اس کو توبہ کرنا چاہئے اونچ نیچ کا مطلب اگر یہ ہے کہ جس طرح ہندو دھرم میں تھا کہ برہمن کوئی گناہ کرے تو ہلکی سزا اور شودر وہی گناہ کرے تو سخت سزا۔ اسلام میں اس قسم کی کوئی تفریق نہیں، حدیث شریف تو سب جانتے ہیں:

"ان فاطمة بنت محمد لو سرقت لقطعت يدها" (صحيح البخاری - ۲/ ۱۰۰۳)

دوسرے مذاہب میں جس طرح اونچ نیچ ذاتوں کے عبادت خانے بنے ہیں کہ تم لوگ اونچے لوگوں کے عبادت خانوں میں جانہیں سکتے اور تم لوگ مذہب کی مقدس کتاب پڑھ نہیں سکتے اسلام میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ ذات کی بنیاد پر کسی مسجد میں جانے یا قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم اور درجۂ علماء پر فائز ہونے سے روکا جائے۔

اس طرح معاشرتی معاملات میں جو چیزیں چھوت چھات کے نام سے مروج ہیں کہ کوئی کسی کا جوٹھا نہیں کھاسکتا۔ کوئی کسی کے کھانے کا برتن نہیں چھوسکتا۔ اس نابرابری کا بھی اسلام میں کوئی مقام نہیں بلکہ یہ سارے معاملات اسلامی عام طور سے اسی طرح رائج ہیں جیسا شریعت نے حکم دیا ہے۔ استثناء کا ذکر نہیں کیا جاسکتا مگر ہمارے خیال میں اسکے عوامل بھی نسبی نیچ اونچ کے بجائے ثروت اور غربت کے غلط اثرات ہیں آج ایک بنیا اور ساہوکار چاہے کسی برادری کا ہو جب اپنی کار پر آتا ہے تو بڑے بڑے نام ونسب والے کھڑے ہوکر آداب بجالاتے ہیں اور کرسی خالی کردیتے ہیں اس لئے اصل علاج یہ ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے میں کیڑے نہ ڈالے جائیں جو لوگ کسی احساس کمتری میں مبتلا ہیں وہ علمی اخلاقی اور تہذیبی حیثیت سے اپنے اندر کمال پیدا کریں پھر انہیں کسی ترجیحی سلوک کی شکایت نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

موالی

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متبعین اعلیٰ حضرت (بریلی شریف)

(۱) کیا خریدی ہوئی باندیاں مولا کے لئے حلال ہیں۔ (بغیر نکاح کے)

(۲) بوقت نماز شال کو کندھوں پر ڈال کر نماز ادا کرے یا سر سے ڈال کر۔

(۳) مرحوم کی ارواح کو بغیر پڑھا قرآن بخشا گیا ہو مرحوم کو بخشنے پر ثواب ملے گا یا پڑھنے کے بعد

(۴) بینک میں رقم ڈالنے کے ۶ رسال بعد رقم دوگنی ہوجاتی ہے کیا بڑھنے والی رقم سود میں شمار ہوگی

(۵) ایک حافظ بوقت جماعت موجود ہو اور ایک لنگڑا شخص جو نا حافظ ہے نا قاری نہ عالم وہ جماعت پڑھا سکتا ہے۔

احقر عظیم الدین کیمر پوری

الجواب

سوالات اتنے لمبے چوڑے بھیجے اور جواب کے لئے پندرہ پیسے کا کارڈ بھیج دیا، آپ لوگوں کو

شریعت کا ادب کرنا بھی نہ آیا، اب کارڈ پر آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کیسے لکھی جائیں، صرف ہاں اور نہیں میں جواب دیا جارہا ہے۔

(۱) باندیاں بغیر نکاح کے حلال ہیں ان کا خریدنا ہی ان سے نکاح کرنا ہے۔

(۲) سر سے اوڑھ کر نماز پڑھنا سنت ہے کندھے سے اوڑھنا خلاف سنت ہے۔

(۳) ہاں اس طرح ثواب پہونچایا جاسکتا ہے کہ اتنے پارے جو میں پڑھوں گا اس کا ثواب فلاں کو ملے۔

(۴) بہت سے علما غالبا یہی جواب دیں گے کہ وہ زائد رقم سود نہیں، لہذا سود سمجھ کر لینا جائز نہیں بلکہ مال مباح سمجھ کر لینا چاہئے، میں یہ فتوی دیتا ہوں کہ اسے وصول کرکے مسلمان محتاجوں کو دے دے اپنے عزیز واقارب بلکہ باپ اور لڑکے محتاج ہوں تو ان کو بھی دے سکتا ہے۔

(۵) اگر وہ لنگڑہ آدمی مقررہ امام ہو اور اس کی امامت میں اور کوئی شرعی خلل نہ ہو تو صرف لنگڑے ہونے کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ

زبان وبیان

(۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین وفضلائے محققین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں یہ بحث بہت دنوں سے چلی آرہی ہے کہ رضا 'راء' کے زبر کے ساتھ صحیح ہے یا رضا 'راء' کے زیر کے ساتھ۔ یہ بحث امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے نام سے نکلی ہے۔ کچھ نو فارغ علماء کہتے ہیں کہ آپ کا نام احمد رَضا (فتح الراء) ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ احمد رِضا (بکسر الراء) ہے۔ اور یہ لوگ عربی ہو یا اردو ہر جگہ بالالتزام رِضا ہی پڑھتے ہیں اور تاکیداً پڑھواتے بھی ہیں، اور رِضا پڑھنا فرض سمجھتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ المنجد وغیرہ لغات میں رِضا کا ذکر ہے۔ رَضا کا ذکر نہیں ہے۔ اور جو لوگ رَضا کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ سلسلہ رضویہ کے شجرہ میں کئی جگہ رَضا زبر کے ساتھ آیا ہے۔ نیز یہ کہ حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے سامنے ہمیشہ رَضا کے زبر کے ساتھ پڑھا گیا لیکن کبھی بھی حضرت نے منع نہیں فرمایا:

لہذا طلب امر یہ ہے کہ رَضا ر کے زبر کیساتھ درست ہے یا رِضا ر کے زیر کے ساتھ۔ مفصل ومدلل جواب عطا فرمائیں اور دستخط ومہر سے مزین فرماکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی محمد تصور علی رضوی رامپور، ۲ رصفر ۱۴۰۶ھ

الجواب

عربی لغت کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ رِضا بالکسر مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔ اور رُضا، راء کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے۔ قاموس میں ہے: رَضی یرضی رِضوانا ورِضوانا ورِضی ورضوانا۔ والرِضی الضامن والمحب ولقب علی ابن موسی. (ص۸۷۹) اور بالفتح نہیں، ایسا ہی خیال منجد کے دیکھنے سے بھی ہوتا ہے

لیکن صاحب غیاث اللغات نے بکسر و بفتح دونوں لکھا ہے۔ عبارت ان کی یہ ہے رضا بکسر خوشنودی و بفتح خوشنود شدن و در منتخب بمعنی اول بفتح نوشتہ و صاحب کشف و صراح و مذیل الاغلاط و ابن حاج بمعنی اول بکسر نوشتہ۔ اس کے علاوہ اردو کی مستند لغات مثلاً فرہنگ آصفیہ میں رِضا اور رَضا دونوں کے معنی خوشنودی اور رضا لکھا ہے۔ (ص ۲۶۰) فیروز اللغات میں رِضا اور رَضا دونوں ہی لکھا ہے، اول الذکر کے معنی خوشی اور دوسرے کے معنی خوش ہونا۔ یعنی یہ صاحب غیاث اللغات کے ساتھ ہیں (ص ۵۴۹) فرہنگ عامرہ میں بھی ایسا ہی ہے (ص ۲۴۷)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اردو زبان والے باتفاق رَضا بالفتح کو بھی صحیح مانتے ہیں اور صاحب غیاث و منتخب بھی اس کی تصریح کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں رَضا بالفتح نہ شرعاً غلط ہے نہ لسانی حیثیت سے۔ پس بالکسر والوں کا اصرار ہم کو بے جا نظر آتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ، ۱۳ر جمادی الاخری ۱۴۰۶ھ

(۲-۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تم ہی سے پناہ ☆ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

(۱) مندرجہ بالا شعر میں تمہارے گناہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جب کہ قرآن حکیم کی

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ [النساء: ٦٤]

آیت میں انفسہم کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو دربار رسول ﷺ میں آئیں تو ظلم معصیت نافرمانی اور گناہ اپنے یا ہمارے نہ کہ تمہارے۔ اس لئے مندرجہ بالا شعر کا مفہوم سمجھ سے بالا ہے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی بھی شعر یا تو آیت قرآن یا حدیث کی ترجمانی کرتا ہے، اس لئے آپ ہی میری اس الجھن کو اطمینان بخش جواب دیکر مطمئن کر سکتے

ہیں عین نوازش ہوگی جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے عدد ۷۸۶ ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں عدد نہ لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت بھی تحریر کئے ہیں اور دوسرے مقام پر اعلیٰحضرت بسم اللہ کے عدد دائیں طرف سے تحریر فرماتے تھے، ۶ کے بعد ۸ اور پھر ۷۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کتب فقہ میں عدد نہ لکھنے کا حکم اور تعویذات میں لکھتے ہیں آخر کیا حکم ہے؟ تحریر کریں۔

(۳) اذان ثانی میں اشھد ان محمدرسول اللہ میں بوسہ دینا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ اذان ثانی کے وقت خطیب منبر پر ہوتا ہے اور منبر پر خطیب صاحب کے چڑھتے ہی تمام امور کو ختم کر کے خاموشی سے سننے کا حکم ہے حتی کہ درود شریف دل میں پڑھنے کا حکم ہے، آیا تو بوسہ دینا چاہئے یا نہیں؟ کیا صرف خطبہ کے دوران میں لفظ محمد پر دل میں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے یا اذان ثانی بھی اس حکم میں داخل ہے

(۴) زید ایک ایسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے جن کے والد گرامی جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ہیں اور وہ زید کے بارے میں بخوبی جانتے ہیں کہ زید سنی صحیح العقیدہ ہے باوجود اس کے مصر ہیں کہ زید ہی کو اپنی دختر دینا چاہے اور لڑکی صرف ماحول میں رہتی ہے بعد نکاح سب کچھ ممکن ہے تو کیا زید کا یہ اقدام صحیح ہوگا بالتفصیل تحریر فرمائیں۔

نوٹ: استخارہ کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ اقدام کر سکتے ہیں، اس لئے تشویش میں ہوں پس مشکل کو حل کریں استخارہ کا کیا حکم ہے۔ المستفتی سید عتیق الرحمٰن گاؤں بیتھ مسجد بی بی روڈ

الجواب

گناہ فارسی زبان کا لفظ ہے جو اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے، عربی زبان میں اس لفظ کا ترجمہ معصیت، عصیان ہے۔ چنانچہ فیروز اللغات میں ہے: گناہ مذہبی احکام کے خلاف عمل، عصیان، جرم، قصور، اور مصباح اللغات میں ہے۔ عصی یعصی معصیۃ: نافرمانی کرنا اور معصیت گناہ۔ تو گناہ کے مفہوم میں اللہ و رسول کی نافرمانی داخل ہے، اس لحاظ سے اس کی نسبت اللہ و رسول دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ۔ (مسند امام احمد: ۱/۱۳۱)

اللہ تعالیٰ کے گناہ "نافرمانی" میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ دیکھئے یہاں گناہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قول نقل ہوا۔ ﴿فمن عصنی﴾ جس نے میرا گناہ کیا (نافرمانی کی)

پس اعلیٰ حضرت کے مذکورہ شعر میں لفظ گناہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کے اصل معنی نافرمانی کے لحاظ سے ہے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں یارسول اللہ ہم آپ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔ آپ کا قصور، اور جرم کرتے ہیں۔ اردو زبان کا عام محاورہ ہے میں آپ کا صرف اتنا گناہ گار ہوں کہ میں نے آپ کو سلام نہیں کیا۔ اور لفظ گناہ کی نسبت ہماری طرف اس لئے کی جاتی کہ ہم اس گناہ کے کرنے والے ہیں ۔اس طرح لفظ گناہ کی نسبت موقع سے نافرمان اور جس کی نافرمانی کی گئی دونوں کی طرف ہوتی ہے۔

(۲) آپ نے فقہ کی کس کتاب میں دیکھا ہے کہ عدد نہ لکھا جائے امید ہے کہ حوالہ سے مطلع کریں گے۔ تعویذات میں اعداد کا استعمال شائع وذائع ہے۔ اسی طرح خطوط ورسائل میں لفظ اللہ کو بے ادبی سے بچانے کے لئے ۷۸۶ وغیرہ اعداد لکھنے کا رواج ہے اور یہ بہتر ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوی جلد نہم میں فرماتے ہیں: کفار کو اگر تعویذ دیئے جائیں تو مضمر (اعداد) میں انہیں مظہر کی اجازت نہیں ص ۱۱۲۔

(۳) اذان ثانی جمعہ کا نہ جواب دے نہ انگوٹھا چومے نہ اس کے بعد دعا مانگے۔

(فتاوی رضویہ جلد سوم باب الجمعہ)

(۴) جماعت اسلامی بدترین گمراہوں کا فرقہ ہے ان سے رشتہ کرنے میں متعدد دینی ومذہبی قباحتیں ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا: ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔

(مشکوۃ المصابیح۔ کتاب الایمان۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۱/ ۴۸)

تو جن سے پرہیز کا حکم ہے ان سے رشتہ داری کب جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو، ۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۷ھ

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

یوسف پور کے جلسہ کے بعد یہ خط لکھنے کا موقع درپیش یوں ہوا کہ ماہنامہ اشرفیہ ماہ جنوری ۹۹ء میں ایک عنوان (چند اصلاح طلب گوشے) شائع ہوا تھا جس کے مضمون نگار حامد القادری المصباحی صاحب ہیں غالبًا آپ کی نظر مطالعہ سے گذرا ہوگا۔ موصوف کے متعلق آپ کو کچھ علم ہے؟ محض مضمون نگاری تک محدود ہیں یا عمل پیرا ہیں۔ موصوف کی مضمون نگاری کی تردید حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب نے ماہنامہ اشرفیہ ماہ اپریل ۹۹ء میں جم کر کی ہے۔ جس کا عنوان (مسلک اعلیٰ حضرت) لہذا ان کا بھی مضمون آپ کی نظروں سے گذرا ہوگا۔ کہاں تک ان دونوں موصوف کی مضمون نگاری میں دین کا جذبہ اور صداقت لوگوں میں مقبول ہے۔ علم الگ بات ہے عمل الگ۔ ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے

نیک مشورہ سے تفصیل سے مطلع کریں تاکہ ہم لاعلم لوگوں کو بھی اصلیت سمجھ میں آوے اور مسلک اعلیٰ حضرت کا معنی ومطلب واضح ہوجائے، عین نوازش ہوگی شکریہ۔

آپ کا خیر اندیش، محمد ظہیر گولہ بازار، مقام وپوسٹ چٹ پڑا گاؤں ضلع ملیا یوپی مورخہ ۱۵ راپریل ۹۹ء

الجواب

دین وملت، مسلک ومذہب، مشرب وشریعت۔ اسلام اور اس قسم کے ان الفاظ کے معانی میں لغت کے اعتبار سے کچھ فرق ہوسکتا ہے لیکن شرع کی اصطلاح اور عام بول چال میں تمام الفاظ ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور وہ ہے مذہب اور طریقہ۔

ہمارے اس قول کی تائید مندرجہ ذیل آیتوں۔ اقوال علمائے اسلام اور اہل زبان شاعروں اور ادیبوں کی تحریروں سے ہوتی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ (البينة: ٥)

انہیں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ کہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں یہ سیدھا دین ہے۔ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو بس اسلام ہے۔

ان آیات میں مذہب اسلام کو دین کہا گیا ہے۔

اردو کے مشہور شاعر میر تقی میر کے مندرجہ ذیل شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دین اور مذہب دونوں لفظ کے معنی ایک ہیں شعر یہ ہے۔

میر کے دین ومذہب کو کیا پوچھو ہو ان نے تو   قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

اسی طرح غالب کے اس شعر سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب اور ملت دونوں لفظ ہم معنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم   ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

توحید پرستی میں تمام باطل مذاہب کا انکار ہے۔ یعنی شرک پرستوں نے اپنے مذاہب میں جو باطل قیود ورسوم بڑھائی ہیں انہیں ختم کردیا جائے۔ تو صرف ایمان اور توحید پرستی باقی رہے گی۔

تو اس شعر میں غالب تمام شرک پرستوں کو مختلف ملت کہتا ہے۔ اور توحید پرستی اور ترک رسوم کو مذہب بتاتا ہے۔ غالب نے ایک شعر میں مسلک کو مذہب کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے امام، اور اعلیٰ

درجہ کے اہل زبان شاعر تھے۔ فتاوی رضویہ جلد نہم ص ۱۱۸ میں لکھتے ہیں:

سید کوئی مشرب رکھتا ہو، یہ لفظ بہت وسیع ہے۔ آج کے بہت سے مشرب صریح کفر وارتداد ہیں: جیسے قادیانی، نیچری، رافضی، وہابی، چکڑالوی وغیرہم جو مشرب کفر رکھتا ہو ہرگز سید نہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے دو باتیں صاف طور پر واضح ہوئیں۔

(۱) مذکورہ بالا الفاظ ہم معنی ہیں۔ جس کا مفہوم ہے مذہب اور طریقہ۔

(۲) یہ الفاظ صرف سچے مذہب کے لئے ہی نہیں بولے جاتے۔ جھوٹ اور غلط مذہب والوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں۔

پس یہ الفاظ اپنے مفہوم اور استعمال کے لحاظ سے کسی خاص فرد یا افراد، یا صحیح اور غلط مراد کے ساتھ خاص نہیں کہ اس کی نسبت صرف فلاں کی طرف ہو سکتی ہے۔ اور فلاں کی طرف نہیں بلکہ عام وخاص ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ جس طریقہ پر وہ کاربند ہو اس کو اپنا دین ومذہب کہے اور اس کے زندہ باد کا نعرہ لگائے۔

البتہ یہ شروع سے ہوتا آیا ہے کہ باطل نے جب جب حق میں آمیزش کی کوشش کی ہے تو حق کو باطل سے ممتاز کرنے کے لئے کسی شخص یا اشخاص یا اعمال کو حق کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ اور مسلک ومذہب کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ ابتداء سے آج تک جاری ہے۔ اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔

چنانچہ ظہور اسلام کے وقت یہودی بھی تھے، اور نصرانی اور مشرکین مکہ اور دہریے بھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی اور برگزیدگی کے سبھی قائل تھے۔ اور سبھی اس بات کے مدعی تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین ومذہب پر تھے۔

اللہ پاک نے قرآن عظیم میں ان کی تردید اتاری۔

﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (ال عمران: ٦٧)

اور اسلام اور دیگر مذاہب میں امتیاز کرنے کے لئے حکم ہوا۔

﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾ ۔(الحج: ٧٨)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ وہ مشرک تھے۔ وہ تمام مذاہب باطلہ کے خلاف مسلمان تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سب سے زیادہ قریب یہ پیغمبر نبی امی ﷺ ہیں اور ان

کے پیروکار ہیں۔

یہ مذہب اسلام تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اور انہوں نے ہی تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اور یہ اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی پسندیدہ مذہب اسلام ہے۔

تو غلط دین وملت، اور مسلک ومذہب سے امتیاز کے لئے۔ اس دین ومذہب کو اللہ تعالیٰ نے ایک نیا لقب اسلام بخشا۔ اور مشرب وشریعت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کر کے اس کو ملت ابراہیمی قرار دیا۔ اور ساری دنیا میں حضور ﷺ کی طرف نسبت کر کے دین محمدی کہلایا۔

جب تک حضور ﷺ کا مبارک ومسعود زمانہ رہا۔ بلکہ حضرات شیخین کریمین ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک اسلام کا شیرازہ مجتمع رہا۔ اور کسی در انداز کو فتنہ وفساد کا یارا نہ رہا۔ اس کے بعد کے زمانہ میں بہت دنوں تک انتظام وسیاست میں اختلاف وافتراق کی بنیاد پر سیاسی آویزشیں رہیں جن کا تعلق بھی دین ومذہب سے تھا۔ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں کافی خونریزی بھی رہی۔ لیکن مذہب وعقائد میں حق وصداقت کا غلبہ رہا۔ لیکن خلافت عباسیہ کا عہد آتے آتے، باطل فکر وعقائد کی ایسی یلغار ہوئی کہ گمراہوں اور گمراہ گروں کے گروہ در گروہ پیدا ہو گئے۔ اور غضب یہ ہے کہ سب اپنے کو سچا اور اصل مسلمان کہتے تھے۔ اور دوسروں کی تغلیط اور تردید پر ہردم کمر بستہ رہتے تھے۔ جیسے رافضی، خارجی، معتزلہ۔ جبریہ قدریہ وغیرہ۔ تو ان کے مقابلہ میں علمائے حق نے اعمال وعقائد کے اصول وفروع ترتیب دیے۔ مباحثوں اور مناظروں میں اصل اسلام کی سچائی واضح کی اور ان کی جدوجہد سے حق کو غلبہ حاصل ہوا۔ اور ان سے امتیاز اور الگ پہچان کے لئے عقائد کے میدان میں اپنے اماموں حضرت ابو الحسن اشعری ۔ اور حضرت ابو منصور ماتریدی کے نام اپنا کر اپنا نام اشعری اور ماتریدی رکھا۔ اور احکام شرع اور اعمال فرعیہ کے دائرے میں اس لائن پر کام کرنے والے ائمہ مجتہدین کے نام کی طرف منسوب کر کے خود کو حنفی ۔ مالکی، شافعی اور حنبلی کہنے لگے۔ اور خدارسی اور اصلاح نفس کی راہ میں راسخ بزرگوں کی طرف منسوب کر کے ان کے متبعین کو چشتی قادری سہروردی اور نقشبندی کہنے لگے اور ان سب کو مجموعی طور پر اہل سنت وجماعت کہنے لگے تا کہ سچے اسلام کو باطل سے الگ اور ممتاز پہچانا جائے۔

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں: "المعتزلة لأنهم اول فرقة اسسوا قواعد الخلاف لما ورد به ظاهر السنة، وجرى عليه جماعة الصحابة رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين فى باب العقائد ۔ وترك الاشعرى مذهبه فاشتغل هو ومن تبعه بابطال رأى المعتزلة و اثبات ماورد به السنة ومضى عليه الجماعة فسموا اهل السنة والجماعة" ۔ (شرح عقائد۔ باب وجوہ تسمیۃ العلم بالکلام: ۲۵)

معتزلہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے سنت رسول اور عمل صحابہ کے خلاف قواعد کی بنیاد رکھی۔

حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معتزلہ سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی رائے سے اختلاف کیا۔ اور احادیث کریمہ میں آئے ہوئے اعمال وعقائد کے لئے دلائل فراہم کیے۔ مسلمانوں کی عام جماعت نے ان کی اتباع کی تو یہ اہل سنت وجماعت کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس کے بعد مجموعی طور سے وقتی فتنوں کے عروج وخمود کے ساتھ ساتھ عالم اسلام میں سواد اعظم اہل سنت وجماعت کا سکہ رواں رہا۔ تیرھویں صدی ہجری میں رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے موافق عرب کے علاقہ نجد سے محمد ابن عبد الوہاب کی صورت میں ایک عظیم فتنہ رونما ہوا جو صرف اپنے معتقدین کو موحد کہتا اور تمام مسلمانوں کو ابوجہل کے برابر مشرک قرار دیتا تھا۔ اور جملہ اہل اسلام کے ساتھ قتل وغارت گری، اور ان کی جان اور مال کو اپنے لئے حلال سمجھتا تھا۔

انگریزوں کی حمایت حاصل کر کے اہل حجاز سے اپنی لوٹ اور غارتگری کا سلسلہ شروع کیا حرمین شریفین کے دیندار مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ان کی حرمت اور مال کو مباح وحلال قرار دیا۔ انجام کار پورے جزیرۃ العرب پر قابض ومسلط ہو گیا۔ ان لوگوں نے چونکہ خود ہی اپنے کو اہل اسلام سے علیحدہ کر لیا تھا اس لئے تمام دنیا کے مسلمانوں نے ان کو اسلام سے خارج سمجھا اور ہندوستان میں تو مسلمانوں کو ان سے اس درجہ نفرت ہوگئی کہ وہابی کا لفظ گالی ہو گیا۔ اس لئے یہاں اس کے متبعین اپنے کو اہل سنت وجماعت مشہور کرتے۔ خود کو حنفی شافعی مالکی حنبلی بتاتے۔ بلکہ ان کا وہ گروہ جو اپنے کو حنفی کہتا تھا۔ قادری چشتی نقشبندی اور سہروردی اپنے کو مشہور کرتا۔ اور پیری ومریدی کا کاروبار جاری کر رکھا تھا۔ اور بزرگان دین واولیاء کاملین۔ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے خلاف اپنی تقریروں اور تحریروں میں زہر افشانی بھی کرتا رہتا جس سے عام سنیوں کو بہت نقصان پہونچ رہا تھا۔ اس وقت حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قدیم مذہب اہل سنت وجماعت کی حمایت کا بیڑا اٹھایا۔ اور اپنے علم وقلم کے زور سے ہر مورچہ پر ان گمراہوں کا منہ موڑ دیا۔ خواجہ حسن نظامی دہلوی جو ایک متصوف لیڈر اور معروف صاحب قلم تھے حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں ان کا ایک غیر جانبدارانہ اعتراف ملاحظہ کریں۔

بریلی کے مولانا احمد رضا خانصاحب جن کو ان کے معتقد مجدد مائۃ کہتے ہیں۔ درحقیقت طبقہ صوفیہ کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکے کی کتابیں لکھی ہیں۔ جو سالہا سال سے فرقہ وہابیہ کے زیر تحریر وتقریر تھے۔ اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی

وشافی نہیں دیئے گئے تھے۔ ان کی تصنیفات اور تالیفات کی ایک خاص شان اور خاص وضع ہے۔

یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھکر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے۔

مولانا احمد رضا خانصاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہئے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے۔ وہ بہت جلد کفر کا فتویٰ دوسروں پر لگا دیتے ہیں۔ مگر شاید ان لوگوں نے مولانا اسماعیل شہید کی کتابیں نہیں دیکھیں، ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی ہے اس کے مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ مولانا احمد رضا خانصاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے۔ جماعت صوفیہ علمی حیثیت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن اور سیف اللہ سمجھتی ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔

(ہفت روزہ خطیب دہلی مورخہ ۲۶؍مارچ ۱۹۱۵)

پورے ہندوستان کے سنی مراکز نے بھی امام احمد رضا خانصاحب کی اس دینی خدمت کو محسوس کیا اور موجودہ گمراہوں سے اہلسنت وجماعت سے ممتاز کرنے کے لئے امام احمد رضا کی ذات کو سنیت کی علامت قرار دیا۔ اور مسلک اہلسنت وجماعت کو ان سے منسوب کیا۔ چنانچہ دستور اساسی آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت ص ۱۲ پر ہے سنی سے مراد وہ افراد ہیں جو مسلک سیدنا اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے عقائد واعمال میں بالکل متفق ہوں اور عملا اس کی موافقت کرتے ہوں۔

دستور اساسی دار العلوم اشرفیہ مبارکپور ص ۵ پر ہے:

ادارہ کا مسلک موجودہ زمانہ میں جس کی واضح نشانی یہ ہے جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب بریلوی سے اعمال وعقائد میں بالکل متفق ہوں۔

ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے دستور العمل ص ۸ پر ہے:

اس دستور میں جہاں سنی یا اہل سنت کا لفظ آئے اس سے وہ صحیح العقیدہ مسلمان مراد ہے جو باب عقائد میں علمائے بریلی کے مسلک سے متفق ہو۔

پورے غیر منقسم ہندوستان کی عظیم ترین تنظیم آل انڈیا سنی کانفرنس جس میں پشاور سے بنگلہ دیش تک تمام مراکز اہل سنت کے سارے علماء شریک ہوئے۔ اس میں اہلسنت کی پہچان مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو قرار دیا گیا ہے۔

وجہ اس کی وہی تھی کہ آپ نے دین اسلام کی تجدید فرمائی۔ باطل کی آمیزش سے اس کو پاک کیا۔

اپنی انتھک کوششوں سے اسلام کا چہرہ تابناک نکھارا۔ ہمارے اسلاف کو اپنے اس عمل میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی کہ مسلک اہل سنت وجماعت کو امام احمد رضا کا مسلک کہیں۔

کیونکہ اسلام کی یہی تاریخ رہی ہے کہ ہر زمانہ میں جب باطل پرستوں نے مسلمان بنکر گمراہی پھیلانی چاہی تو علمائے اسلام نے اس عہد کے کسی ایسے عالم دین کو جو سچے مذہب اسلام کا مکمل نمائندہ تھا اسے دین کی علامت قرار دیا اور مسلک یا مذہب یا اس کے ہم معنی الفاظ اس کی طرف نسبت کر کے امتیاز حق وباطل کی ایک زندہ اور پائندہ مثال ان کے سامنے کردی۔

ہمارے اسلاف تو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب کو ملت کا ایک نشان قرار دیکر چلے گئے۔ لیکن ان کے بعد جو اخلاف آئے انہوں نے شاید اپنا چراغ جلانے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ راستہ کا یہ منارہ نور ڈھادیا جائے تا کہ ہمارا مطلوبہ نشانہ پورا ہو۔

اسی لئے کسی صاحب نے کہنا شروع کیا مولانا احمد رضا خاں صاحب کی طرف مسلک کی نسبت کیوں کی جائے آخر انہوں نے امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی وغیرہ ائمہ مذاہب کے خلاف کوئی نئی شریعت نکالی ہے۔ اس لئے اس نئی شریعت کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ تو ہمیں کسی ایسی شریعت کی ضرورت نہیں جو مذاہب ائمہ اربعہ کے خلاف ایجاد ہوئی ہو۔

اور اگر یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ انہوں نے ائمہ کے خلاف کوئی مسئلہ نہیں نکالا بلکہ اپنی زبان اپنے قلم اور علم سے اپنے زمانہ میں اپنی زبان میں روشن استدلال اور واضح بیان سے ظاہر فرمایا تو مسلک ومسائل تو انہیں ائمہ کے ہیں۔ امام احمد رضا خانصاحب کی ایجاد نہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ پھر اس مسلک کی نسبت امام احمد رضا کی طرف کیوں کی جائے۔ انہیں اماموں کی طرف کیوں نہ کی جائے جنہوں نے یہ کارنامہ انجام دیا۔ ہم کہتے ہیں ان صاحب کی یہ بات اگر صحیح ہو تو بات یہیں تک نہیں رہے گی معاملہ دور تک بڑھ جائے گا کیوں کہ کوئی شخص انہیں کے لب ولہجہ میں کہہ سکتا ہے۔ کہ پھر ان چاروں اماموں کی طرف بھی مذہب یا مسلک کی نسبت کیوں کی جائے یہ ان کی بھی تو ایجاد نہیں۔ یہ حضرات بھی تو وہی کچھ کہتے ہیں جو صحابہ سے سنا پھر ان مذاہب کی نسبت ان ائمہ کی طرف کیوں کی جائے۔ صحابہ کی طرف ہونا چاہئے۔ اس پر بھی کوئی ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہہ سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی خود اپنی بات کب بیان کرتے ہیں کہ مذہب کی نسبت ان کی طرف کی جائے وہ تو جو کچھ بیان کرتے ہیں سب رسول اللہ ﷺ کا بیان کردہ ہے۔ تو لازم ہے کہ مذہب کی نسبت خود صحابہ کرام کی طرف بھی نہ ہو۔ صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف ہو۔ اور یہ قول بھی اسی دلیل سے رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے

خود فرمایا جو کچھ کہتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ پس دین ومذہب مسلک ومشرب کی نسبت معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھی غلط ہوئی۔ اس لئے اسلام کو نہ دین محمدی کہنا صحیح ہے نہ ملت ابراہیمی۔ دین کا حقیقی موجد تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اس کی نسبت نہ امتیوں میں سے کسی کی طرف کیجا سکتی ہے۔ نہ انبیاء ورسل میں کسی کی طرف۔ اس کو تو بس دین اللہ اور دین الٰہی کہنا ہی صحیح ہوگا۔

دیکھا آپ نے اس قسم کی نفس پرستیوں کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی چھری سے خود اپنا ہی گلا کاٹ لیتا ہے۔ اس دلیل میں یہ ٹکڑا ہی صحیح نہیں کہ مذہب یا مسلک کی نسبت صرف موجد کی طرف ہی کیجا سکتی ہے۔ حالانکہ پیغمبر صحابی، امام، مجتہد یا عالم دین ہی نہیں ہر کلمہ گو اور امتی کو بھی یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اسلام کو میرا دین میرا مذہب اور مسلک کہے۔ تو امام احمد رضا یا ان کے چاہنے والے کو کیوں یہ حق نہیں کہ مسلک امام احمد رضا خان زندہ باد کا نعرہ لگائے۔ اس میں کیا قباحت ہے اور کڑھنے کی کیا بات ہے مگر وقعہ یہ ہے کہ

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

عداوت کی نگاہ سے ہنر بھی عیب نظر آتا ہے، سعدی پھول ہے مگر دشمنوں کی نگاہ کا کانٹا ہے۔

ایک اور صاحب نے تو غضب ہی کردیا۔ پوری اسلامی تاریخ ہی جھٹلادی۔ وہ کہتے ہیں:

اسلام میں مسلک چار ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چار کے سوا کوئی مسلک نہیں کسی کے نام کے ساتھ مسلک کا لفظ لگانا صحیح ہوتا تو پیروں کا مسلک ہوتا۔ خواجہ اجمیری کا مسلک ہوتا۔

اس عبارت کے دو حصے ہیں۔ اول: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی صرف چار مسلک ہیں۔ دوم چار کے سوا کوئی مسلک نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں ہی غلط ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کو عام طور سے مسلک کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ مذہب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حوالہ نمبر۱۔ المذهب جمع مذاهب المعتقد الطريقة الاصل ومذاهب الاسلام اربعة الحنفي والشافعي والمالكي والحنبلي۔ (المنجد ص۲۴)

مذہب کے معنیٰ اعتقاد، طریقہ، اور اصل ہیں۔ اسلام میں چار مذہب ہیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی

حوالہ نمبر۲۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں۔

"اهل السنة قد افترقت على اربعة مذاهب ولم يبق في الفروع سوا هذه المذاهب الاربعة"

اہل سنت وجماعت چند قرنوں کے بعد انہیں چار فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ اور فروع میں ان چاروں مذہبوں کے بعد اور کوئی مذہب باقی نہ رہا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۳۲۲/)

ب سرتی دارالسلطنت

حوالہ:۳۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
میرے لئے یہی بھلائی (جسے میں نے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بنا رکھا ہے)
کافی ہے۔ ایک تو پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفی ﷺ کا دین ہے۔ دوسرا ابو حنیفہ رضی اللہ کا مذہب ہے۔
(درمختار جلد اول ص ۲۶)

کوشش کی جائے تو علماء۔ اور ائمہ اعلام کے ایسے سیکڑوں اقوال مل جائینگے جن سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ عام طور سے ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مکاتب فکر کو صرف مذہب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے مذکورہ بالا دعوی غلط ہو جاتا ہے۔ کہ صرف ائمہ اربعہ کے لئے مسلک کا لفظ بولا جاتا ہے۔

اس طرح اس دعویٰ کا دوسر حصہ کہ ائمہ اربعہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے مسلک کا لفظ لگانا صحیح نہیں۔ یہ بھی سراسر غلط ہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوی جلد ششم ص ۱۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں:
آیات متشابہات میں اہل سنت حفظہم اللہ کے دو مسلک ہیں۔ اول تفویض کہ ہم ان آیات کے معنی کچھ نہیں جانتے۔ اللہ و رسول جانتے ہیں۔ جو معنی مراد الہی ہو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مسلک سلف ہے اور صحیح وراجح ہے۔ دوم تاویل کہ ایسی آیات کو حسب محاورہ معنی جائز پر محمول کرتے ہیں۔

اس عبارت میں مسلک کی نسبت ائمہ مجتہدین اور تمام ائمہ عقائد وکلام کی طرف کی گئی ہے المعتقد کے حاشیہ ۱۰۵ میں ہے:
ہمارے ائمہ ماتریدیہ رحمہم اللہ نے مسلک وسط اختیار کیا ہے کہ حکم تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہے البتہ افعال کا حسن و قبح عقلی ہے۔ اس عبارت میں صرف ماتریدی ائمہ کلام کی طرف مسلک کی نسبت کی گئی ہے۔ اسی طرح ائمہ سلوک و تصوف کی طرف بھی مسلک کی نسبت کی گئی ہے۔

کشف المحجوب ص ۱۷ پر حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے لئے لکھا ہے:
جو حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مقدم بزرگ ہیں جن کے مزار پر حضرت خواجہ بزرگ اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چلہ کیا اور فیض اٹھایا۔
حضرت داتا گنج بخش تصوف اور طریقت میں جنیدی مسلک کے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین و مذہب، اور اسکے مرادف الفاظ از قسم مسلک و مشرب۔ طریقت شریعت وعرف وشرع کے اعتبار سے کسی خاص شخص کے لئے ایسے خاص نہیں کہ دوسرے کے

لئے ان کا استعمال منع ہو موقع محل سے سب کے لئے ان کا استعمال جائز ہے۔ دیکھئے قبر میں منکر نکیر کے سوال کے جواب میں ہر صحیح العقیدہ مسلمان دین اسلام کو اپنی طرف منسوب کرے گا دینی الاسلام۔ تو اس سے پہلے دنیا میں میرا یا تیرا مسلک و مذہب کہنا کیوں ناجائز ہوگا۔ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف مسلک کی نسبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دین اسلام اور مذہب حق اہلسنت و جماعت کے لئے غیر معمولی جد وجہد فرمائی جیسا کہ اوپر تفصیل سے ہم بتا چکے۔ اس کے خلاف جو لوگ آواز اٹھاتے ہیں یہ یا تو لاعلمی کی بناء پر یا جان بوجھکر از راہ نفسانیت و فساد ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ آمین واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ: دیو بندیوں نے بھی مسلک کی نسبت اپنے علماء کی طرف کی ہے۔ تقی عثمانی جہاں دیدہ ص ۱۷/۲۷۔ پر لکھتے ہیں: حضرت رشید احمد آپ کی پوری زندگی اتباع سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ آپ نے فروغ بدعات کے خلاف احیائے سنت کا علم بلند کر کے دیو بند کے مسلک کو ممتاز فرمایا۔ مولوی محمد طیب مہتمم دار العلوم دیو بند نے۔ "مسلک علمائے دیو بند" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اکہتر بار "علمائے دیو بند کا مسلک" کا لفظ استعمال کیا۔ اور مسلک دیو بند کی ابتداء مولوی قاسم نانوتوی سے بتائی اور اسی کو مسلک قاسمیہ بھی کہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عبد المنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، یکم ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

بعض تواریخ کا بیان

(۱۔۵) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ
(۱) صحیح روایتوں کے مطابق قاتل حسین کون ہے اور امام حسین اور دیگر شہداء کربلاء کہاں مدفون ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شہدائے کربلا کی لاشوں کو ۱۱ محرم الحرام ۶۱ھ کو غاضریہ سے آکر قبیلہ بنو اسد کے لوگوں نے وہیں دفن کیا تھا اور شہداء کے سروں کو دمشق لے جایا گیا تھا تو پھر ان سروں کا کیا گیا اور کہاں خصوصا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کو کہاں دفن کیا گیا۔ جب کہ مختلف روایتیں کہی جاتی ہیں کسی راوی کا قول ہے کہ امام زین العابدین کے حوالے تمام شہداء کے سروں کو کر دیا گیا تھا اور دمشق سے واپسی میں تمام سروں کو شہیدوں کے دھڑ سے ملا کر کربلا ہی میں دفن کر دیا گیا۔ دوسری روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام زین العابدین کے مدینہ واپسی پر ان کے پیچھے سے یزید نے سر حسین کو مدینہ بھیجا اور فاطمۃ الزہراء کے مزار مبارک کے پہلو میں دفن کیا گیا اور تیسری روایت یہ بھی ہے کہ امام عالی مقام کا سر مبارک مصر کی دار السلطنت

القاہرہ میں دفن کیا گیا اور ایک روایت ہے کہ دمشق کی مسجد امویہ میں دفن کیا گیا۔ مذکورہ بالا روایتوں میں کون سی روایت درست ہے؟ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

(۲) ایک کتاب ہے، جس کا نام "معرکہ کربلا" ہے اس کے مصنف و مولف کا نام صادق سردھنوی ہے اس نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ شہداء کے سروں کے پیچھے عورتیں جو اونٹوں پر ننگے سوار تھیں اور آگے لکھتا ہے کہ چونکہ اہل بیت کی تشہیر نہایت ہی شرمناک طریقہ پر ہوئی ہمارا قلم اس المناک واقعہ کو بیان کرتے ہوئے پھٹ گیا ہے لہذا ہم اس رنجیدہ واقعہ کو بالتفصیل نہیں لکھ سکتے بس یہ سمجھ لیں کہ سارے شہر میں پھرا کر انھیں دارالامارہ میں لایا گیا۔ مذکور بالا تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بدبخت یزید وابن زیاد سے بھی زیادہ سفاک اور دریدہ دہن آدمی کی تحریر کی ہوئی ہے، اس کی تحریر کا مزاج خاتون اہل بیت کی صریح بدتمیزی کر رہی ہے۔ یہ واقعات کس حد تک صحیح ہیں تحریر فرمائیں اور صحیح العقیدہ عالم کی تحریر کردہ ایک مستند کتاب جس میں شہداء کربلا کی داستان بحوالجات ہو نام تحریر فرمائیں تاکہ میں استفادہ حاصل کرسکوں۔

(۳) برسات کے موسم میں ہمارے یہاں بہار میں ایک چیز زمین سے خود بخود نکلتی ہے اس کو یہاں کھوکھڑی کہتے ہیں پھوال کی مانند سفید، کہیں گول، تو کہیں چھتری کی طرح نکلتی ہے۔ غیر مسلم حضرات اس کی ترکاری بنا کر کھاتے ہیں اور مسلم حضرات نہیں کھاتے دراصل اسے کھانا کیسا ہے اور نہیں کھانا تو کیوں نہیں کھانا ہے۔

(۴) حلال جانور یا پالتو جانور جسے پالنا شریعت مطہرہ نے جائز قرار دیا ہے مثلاً گائے بھینس بکری گھوڑا وغیرہ وغیرہ اگر کوئی انھیں مار کر موت کے گھاٹ اتار دے تو ان جانوروں کے مالک کو اس کا جرمانہ لینا کیسا ہے، اگر لے لیا تو کیا کرے؟ یا کوئی ان جانوروں میں سے خود مر گیا تو اس کا چڑا وغیرہ خود چھڑا سکتا ہے یا نہیں اور اس کو کام میں لا سکتا ہے یا نہیں اور مساجد اور مدارس میں چندہ دے سکتا ہے یا نہیں فقط۔ نوٹ:

(۵) ہمارے یہاں محرم کا چاند نظر آتے ہی لوگ گائے یا خصی کے چرم سے بنا ہوا ڈنکا بجانے لگتے ہیں جو ڈھول نما ہوتا ہے اور اسپیٹر بناتے ہیں اور اسے نچاتے ہیں جو چاند نما ہوتا ہے اور تمام کناروں پر چھری لگی ہوتی ہے اور تعزیہ بناتے ہیں اور اس کو تشہیر کرتے ہوئے گلی کوچوں میں گھومتے ہیں یہ تینوں شریعت کے نزدیک کیا ہے کسی مستند کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے وضاحت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی، محمد شفیق عالم مدرسہ حمیدیہ محمدیہ لوٹنگا پلاموں

الجواب

(۱، ۲) فن تاریخ میں راویوں کی اتنی چھان بین نہیں ہوتی جتنی فن حدیث میں تحقیق و تدقیق کی جاتی ہے اسی لئے تاریخی روایتوں کا درجہ احادیث سے کمتر ہے اور تحقیق سے یہ بتانا مشکل ہے کہ فلاں روایت ہی صحیح ہے بالخصوص ایسی تاریخی روایتیں جن میں شروع ہی سے اختلاف ہو کہ یوں ہے یا یوں ہے۔

تاریخ طبری ایک معتبر تاریخی کتاب ہے اس میں ہے کہ سنان ابن انس نخعی نے امام عالی مقام کا سراقدس جسم مبارک سے جدا کیا۔

ایسے ہی ایک موقع پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" فان قیل ہل یجوز لعن یزید لانہ قاتل الحسین او امر بہ قلنا لم یثبت اصلا فلایجوز ان یقول انہ قتلہ او امر بہ مالم یثبت" کوئی کہے کہ یزید نے امام حسین سے قتال کیا یا قتال کا امر دیا تو اس پر لعنت کی جائے تو میں کہوں گا کہ یہ بات ہرگز ثابت نہیں اور جو ثابت نہ ہو اس کا قول نہ کیا جائے۔

سر مبارک کے دفن کے بارے میں بھی تاریخوں میں وہی سب لکھا ہے جو آپ نے نقل کیا اور تحقیق روایتوں میں کم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ باتیں تحقیق معلوم بھی ہوتیں تو آج ہمارے عقیدہ و عمل یا حشر و نشر میں کیا فرق پڑتا اس لئے اس کی تحقیق بے نتیجہ بات ہے۔ سوانح کربلا مولفہ حضرت مولینا نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ معتبر کتاب ہے اس میں اہل بیت اطہار کی بے پردگی والی بات کی تردید کی ہے۔

(۳) کھا سکتے ہیں سبزی کے حکم میں ہے۔

(۴) مالک اپنے جانور کا تاوان لیگا شرعاً ایسا کرنے کا حکم ہے۔

(۵) مروجہ تعزیہ داری کے نام سے لوگوں نے بہت ساری خرافات کو رائج کر رکھا ہے ان میں جن باتوں کا ذکر کیا سب ناجائز و حرام ہیں (بہار شریعت) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

(۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ

جب حضور اکرم ﷺ معراج کو تشریف لے گئے پانچ وقت کی نماز لائے کون کون سے صحابہ نے کس کس وقت کی نماز پہلے ادا کی۔ بینوا توجروا المستفتی، امتیاز احمد محلہ ممتاز گنج ٹانڈہ ضلع فیض آباد

الجواب

یہ بات تاریخ سے تعلق رکھتی ہے کہ کن صحابی نے کون کون سی نماز سب سے پہلے پڑھی ہر صحابی

کے بارے میں یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ تاریخ میں عموماً ان باتوں کی تصریح نہیں ملتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مئو۔ ۲۱ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

(۷۔۱۰) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل سوالات میں کہ

(۱) اعلیٰ حضرت کے ترجمہ والے قرآن' طبوعہ انجمن حمایت اسلام رجسٹرڈ چوڑی والان دہلی کی تفسیر میں جسکا ایک صفحہ استفتاء کے ساتھ منسلک ہے۔ جس کے صفحہ ۵۹ کی تفسیر میں یوں درج ہے ''ف ۱۴، شان نزول حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب بدر میں کفار کو رسول اکرم ﷺ شکست دیکر مدینہ طیبہ واپس ہوئے تو حضور نے یہود کو جمع کر کے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو اس سے پہلے اسلام لاؤ کہ تم پر ایسی مصیبت نازل ہو جیسی بدر میں قریش پر ہوئی تم جان چکے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں تم اپنی کتاب میں یہ لکھا پاتے ہو اس پر انہوں نے کہا کہ قریش تو فنون حرب سے نا آشنا ہیں اگر ہم سے مقابلہ ہوا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں یہ خبر دی گئی کہ وہ مغلوب ہوں گے اور قتل کئے جائیں گے ان پر جزیہ مقرر ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز میں چھ سو (۶۰۰) کی تعداد کو قتل فرمایا اور بہتوں کو گرفتار کیا اور اہل خیبر پر جزیہ مقرر فرمایا۔

درج بالا عبارت کے بارے میں صرف یہ سوال ہے کہ کیا واقعی نبی کریم ﷺ نے ایک ہی روز میں چھ سو کی تعداد کو قتل فرمایا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو ایسی تفسیر لکھنے والے کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ اس صفحہ کی زیروکس کاپی بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ مستفتی نے تحریف کی ہے۔

(۲) بہار شریعت حصہ نہم مطبوعہ قادری بکڈپو محلہ بریلی شریف ''مرتد کا بیان'' کے صفحہ ۷۰ پر ایک مسئلہ یوں لکھا ہے۔ مسئلہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اس کا لڑکا باپ کو تلاش کر رہا تھا اور رو رہا تھا کسی نے کہا کہ چپ رہ ترا باپ اللہ اللہ کرتا ہے یہ کہنا کفر نہیں ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی یاد کرتا ہے (عالمگیری) اور بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ لا الہ پڑھتا ہے تو یہ فعل قبیح ہے کہ یہ نفی محض ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی خدا نہیں اور یہ معنی کفر ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جاہل آدمی اگر کسی کے روتے بچے کو یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ترا باپ لا الہ پڑھتا ہے تو یہ بہت قبیح ہے اور بمعنی کفر ہے جب کہ جاہل آدمی نہ تو نفی محض سے واقف ہے اور نہ اثبات محض سے باخبر ہے اور نہ اس کے معنی مطلب پر قادر ہے صرف سیاق وسباق سے اس جاہل کا مقصد بچے کو یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوشش ہے کہ ترا باپ 'لا الہ' کر رہا ہے نماز پڑھ رہا ہے چپ رہ تو یہ بہت قبیح ہے اور بمعنی کفر ہے پھر یہ کہنا کہ ''حقا کہ بنائے لا الہ است حسین'' کیا جائز ہے؟ کیا اس مصرع کے

قائل پر بھی بہت قبیح کی تلوار چل سکتی ہے؟ اور نفی محض کے معنی سے واقف ہے تو کیا اسکا قائل کفر کی زد میں نہیں آسکتا شرعاً کیا حکم ہے۔

(۳) ایک گاؤں کی مسجد میں نماز جمعہ میں تقریباً سو آدمی نماز جمعہ ادا کرتے ہیں جمعہ کی نماز کے بعد امام صاحب دائیں بائیں سلام پھیرتے ہیں تو ہر صف سے ایک نمازی کھڑا ہو جاتا ہے اور لوگوں سے چار آنے آٹھ آنے روپیہ دو روپیہ جسکی جو مرضی ہوتی ہے لوگوں سے وصول کرتے ہیں کوئی پانچ کا نوٹ دے رہا ہے چار روپیئے واپس مانگتا ہے کوئی کمر سے پیسے نکال رہا ہے کوئی نفی میں گردن ہلا رہا ہے اس طرح ہر صف سے پیسے وصول کرنے کے بعد جب امام کے پاس ہر صف کے پیسے جمع ہو جاتے ہیں تو دعاء مانگی جاتی ہے۔ میں نے امام سے کہا کہ نماز میں خشوع وخضوع کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور سلام کے بعد چہ جائکہ کچھ پڑھیں لیکن لوگوں کی توجہ پیسے وصول کرنے میں بٹ جاتی ہے سوال یہ ہے کہ کیا اس سے نماز میں کسی قسم کی خرابی تو نہیں آتی اور یہ آداب نماز کے خلاف ہے یا نہیں۔

(۴) اگر جمعہ کے ایک ہی خطبہ کو محض اس لئے کہ وہ چھوٹا ہے کوئی امام تسلسل اور تواتر ۶۔۷ جمعہ تک پڑھتا ہے تو اس میں شرعی قباحت تو نہیں ہے بینوا توجروا۔

خاکپائے غلام جیلانی گھوسی نور اللہ مرقدہ ایم اے غفار انصاری۔ آزاد نگر پوسٹ بھولی ضلع دھنباد بہار

الجواب

(۱) خیبر کے یہودیوں اور بہت قبائل عرب کی متفقہ جدوجہد سے دشمنان اسلام کا متفقہ حملہ شہر مدینہ پر ہوا دشمنوں کی تعداد دس ہزار تھی حالت اس درجہ مخدوش ہو گئی تھی کہ حضور ﷺ نے مدینہ کے گرداگرد خندق کھدوائی اور مہینوں محصور رہے حالت امید وبیم کی تھی اسی حالت میں بنو قریظہ کے یہود جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہوئے اور دشمنوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر مدینہ کی آبادی کے اندر ہی جنگ چھیڑنا چاہ رہے تھے تاکہ اندر اور باہر ہر طرف سے مسلمانوں کو جڑ بنیاد سے ختم کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ برے دن آنے سے پہلے ہی باد وباراں اور سرد ہواؤں کا طوفان بھیجا جس سے کافروں کے پیر اکھڑ گئے اور سب کے سب مدینہ کے گرد سے محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئے۔

بخاری شریف ہے کہ آپ جنگ خندق سے لوٹ کر غسل فرما چکے تھے کہ جبرئیل امین آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ہتھیار جنگ اتار دئے لیکن ہم لوگوں نے ابھی نہیں اتارے آپ نے پوچھا اب کدھر چلیں تو انہوں نے ہاتھ سے یہود کے محلہ بنو قریظہ کے طرف اشارہ کیا چنانچہ مسلمانوں نے انکا محاصرہ کیا جب وہ عاجز ہو گئے تو سلنڈر کر دیا۔ خود بنو قریظہ کو اپنے سابقہ کرتوت اور فطری کمینگی کی وجہ سے

کسی اچھے سلوک کی توقع نہ تھی، انصاریوں میں سے قبیلہ اوس کے لوگ قدیم ایام سے بنو قریظہ کے حلیف اور معاہد تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بنو قریظہ کی سفارش کی آپ نے فرمایا میں بنو قریظہ کا معاملہ اس کے سردار حضرت سعد ابن معاذ کے سپرد کرتا ہوں وہ ان کے بارے میں جو فیصلہ کریں مجھے تسلیم ہے۔ آپ کی اس رائے سے قبیلہ اوس کے سبھی حضرات خوش ہو گئے کہ اب ہمارا آدمی ہی ان کا فیصلہ کریگا تو پرانے تعلقات کا ضرور لحاظ کریگا اور ان کے ساتھ رعایت کریگا مگر حضرت سعد نے حسب ذیل فیصلہ سنایا۔

”بنو قریظہ کے جتنے افراد لڑنے کے لائق ہیں سب قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قید کر دیئے جائیں“

چونکہ یہ فیصلہ خود بنو قریظہ اور بنو اوس کی رضامندی سے ان پر مسلط ہوا تھا اسی لئے انہیں اسمیں کسی چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہوئی اور حضرت سعد کے فیصلہ کے موافق جنگ کے لائق لوگ قتل کئے گئے جن کی تعداد ایک روایت میں چھ سو، دوسری میں سات سو، تیسری میں آٹھ سو سے زائد اور نو سو سے کم لکھی ہے (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۱۹۸) اور یہ سب کے سب ایک روز ہی قتل کئے گئے تھے۔

حضرت مولٰنا نعیم الدین صاحب صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے یہی واقعہ اپنی تفسیر خزائن العرفان میں نقل فرمایا ہے اس لئے اس پر کوئی الزام نہیں کیونکہ حدیث شریف اور تفسیر سیرت اور تاریخ کی مختلف کتابوں میں یہ واقعہ کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً تحریر ہے۔

(۲) بہار شریعت میں جس ”لا الـہ“ کو قبیح لکھا ہے اور شعر میں جو ”لا الـہ“ ہے ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہر زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی بات کہنی ہو اور پوری بات کہنے کا موقع نہ ہو تو اس بات کا ایک ٹکڑا ذکر کر کے پوری بات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں اور سننے والا سمجھ جاتا ہے کہ بولنے والے نے بولا تو صرف ایک دو لفظ ہے لیکن اس کی مراد وہ پوری بات ہے جیسے آپ کسی کو فاتحہ دینے کا طریقہ بتائیں اور اس میں کہیں کہ ”قل ھو اللہ“ تین بار ”الحمد“ شریف ایک بار ”الف لام میم سے مفلحون تک“ یا آپ اپنے بچے سے جو قرآن شریف پڑھ رہا ہے پوچھیں کہ کیا پڑھ رہے ہو تو وہ کہے ”لن تنالوا“ یہ سنتے ہی ہر شخص سمجھتا ہے کہ بولنے والے کی مراد پوری سورۂ اخلاص ہے پوری سورۂ فاتحہ ہے اور قرآن شریف کا چوتھا پارہ ہے بولنے والے نے پوری سورت اور پورا پارہ پڑھ کر بتانے کے بجائے ابتداء کے دو ایک حروف کہہ کر پوری سورتیں اور پورا پارہ مراد لیا ہے۔

ٹھیک اسی طرح شاعر پورا کلمہ شریف کہنے کے بجائے کلمہ کا ابتدائی جملہ کہہ کر پورے کلمہ کی طرف

اشارہ کر رہا ہے اور ہر سننے والا اس کا یہ مطلب سمجھ رہا ہے۔ شاعر کی مجبوری یہ ہے کہ وہ پورا کلمہ ایک مصرعہ میں فٹ نہیں کر سکتا تو اس کی اس مجبوری کو تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے اس فعل کو جرم نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ سب جانتے ہیں لفظ ”لا الہ“ سے اس کی مراد صرف یہی الفاظ نہیں ہیں پورا کلمہ ہے جو نفی اور اثبات دونوں جز کو شامل ہے۔ اور اس جاہل نے لا الہ کہہ کر پورا کلمہ مراد ہی نہیں لیا ہے بل کہ حسب بیان سائل نماز مراد لی ہے جب کہ اردو بولنے والوں میں کسی کا یہ محاورہ نہیں ہے کہ لا الہ بول کر نماز مراد لی جائے تو لا محالہ اس جاہل کے قول کا مطلب لا الہ سے یہی ہوا کہ ”خدا نہیں“ یہ نفی ہے اور ضرور قبیح ہے۔ اور بالفرض کلمہ مراد ہوتا تب بھی اختصار بلا ضرورت ہوتا اور جو چیز بہ ضرورت جائز ہو اس کو بلا ضرورت جائز نہیں کیا جاسکتا۔ کہ اس کو بھی شاعر کی طرح مصرع درست کرنے کی ضرورت نہ تھی اگر پورا یوں کہتا کہ تیرا باپ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے تو کیا حرج ہوتا۔ بل کہ اگر وہ یوں کہتا کہ تیرا باپ اللہ اللہ کہہ رہا ہے تو یہ کلمہ مختصر ہوتا اور بالکل درست بھی۔ الغرض نماز پڑھنے والے کے لئے یہ کہنا کہ لا الہ کہہ رہا ہے ضرور غلط اور قبیح ہے اور اس کے لئے جہالت عذر نہیں بن سکتی اس کو مسئلہ ضرور بتا جائیگا کہ اس طرح نہ کہو اس طرح کہو۔ کیا جاہلوں کو اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) بلاشبہ نماز میں خشوع اور خضوع کی بڑی فضیلت آئی ہے لیکن عبادت مالی (چندہ دینا) اور عبادت بدنی (نماز) دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا آپ انگلی میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے آپ نے نماز میں وہ ہاتھ سائل کی طرف بڑھا دیا کہ انگوٹھی نکال اور خود نماز میں مشغول رہے تو چندہ دینے کو نماز کے خشوع وخضوع کے خلاف سمجھنا غلطی ہے۔

اور سوال میں جو صورت مذکور ہے اس میں تو نماز کا سوال ہی نہیں نماز تو سلام پھیرنے کے بعد ختم ہو گئی تو جس بات کو سائل خشوع وخضوع کے لئے مخل سمجھ رہا ہے اولاً وہ خشوع وخضوع کا مخل نہیں اور بالفرض ہو تو یہ خلل نماز میں نہیں نماز کے بعد ہے۔ اور ضرورت شرع یعنی اعانت مسجد کے لئے ہے تو اس میں حرج نہیں۔ ہاں ائمہ احناف کے نزدیک جن نمازوں میں فرض کے بعد سنتیں ہیں ان میں دعا میں جلدی مسنون ہے اور اس صورت میں کچھ تاخیر ہو جاتی ہے تو جو لوگ اعانت مسجد کی مصلحت کے پیش نظر یہ تاخیر گوارا کریں وہ امام کے ساتھ دعا مانگیں اور جو جلدی کرنا چاہیں وہ اپنی دعا مانگ کر سنت پڑھنا شروع کر دیں کہ سلام کے بعد امام کی اتباع کی پابندی ختم ہو جاتی ہے۔

(۴) کوئی شرعی قباحت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

(۱۱) **مسئله** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

ناچیز بخریت رہ کر خیریت کا طالب ہے ضروری گذارش یہ ہے کہ میرے ایک دوست امڑی نے مجھ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بارے میں پوچھا کہ جس وقت حضور ﷺ سے شادی ہوئی ان کی کیا عمر تھی؟ ہم نے بتایا کہ اس وقت ان کی عمر سولہ سال تھی انیس سال کی عمر میں ان کی رخصتی ہوئی اس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ نہیں چھ سال کی عمر میں شادی نو سال کی عمر میں رخصتی۔ اس پر انہوں نے کالی چرن کی کتاب کا حوالہ دیا پھر جو کالی چرن نے اعتراض کیا اس کو بتایا۔ سلمان رشدی نے بھی اسکو لے کر کتاب لکھی ہے۔ جس پر پابندی ہے انہوں نے کہا کہ آپ کے بڑے بڑے عالم بھی یہی بتاتے ہیں انہوں نے کہا کہ یہی ایک بات ایسی ہے جس کو لیکر کچھ مورخوں نے حضرت محمد ﷺ کی ذات پر انگشت نمائی کی ہے باقی کوئی کام ایسا نہیں رہا جو انگشت نمائی کر سکے میں چاہوں گا کہ حضرت اس پر تفصیلی روشنی ڈالیں بقیہ خیریت ہے۔

ناچیز عبد الحکیم مورخہ ۱۶/۹/۹۳

الجواب

بلاشبہ حدیث شریف کی صحیح ترین کتاب بخاری شریف میں خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت منقول ہے کہ میری شادی چھ سال کی عمر میں ہوئی اور رخصتی نو سال کی عمر میں اور مسلم شریف میں ہے کہ شادی سات سال کی عمر میں ہوئی اور رخصتی نو سال کی عمر میں۔

امام نووی شارح مسلم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شادی کے وقت ساتویں سال میں تو داخل ہوگئی تھیں البتہ سال پورا ہونے میں کچھ مہینے باقی تھے۔ اس لئے جس روایت میں چھ سال کا ذکر ہے اس میں مکمل سالوں کا ہی شمار ہے زائد مہینوں کو چھوڑ دیا ہے اور جس میں سات سال کا ذکر ہے اس میں زائد مہینوں کو بھی پورا سال شمار کر لیا ہے۔ جس کا حاصل یہی ہوا کہ نکاح آپ کا ساتویں سال میں ہوا۔ اور اس کو پورا سال شمار کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ساتویں سال کا زائد حصہ گذر چکا تھا۔ کہ "للاکثر حکم الکل"۔ غالب حصہ کو پورا بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی کی تائید عیون اور اصابہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے "لانہا ولدت بسنۃ اربع من النبوۃ" (زرقانی علی المواہب جلد ثالث صفحہ ۲۲۱) آپ اعلان نبوت کی چوتھے سال پیدا ہوئیں اور دسویں سال کے اختتام پر آپ کی شادی ہوئی۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں چونکہ صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اس لئے عام طور پر مورخین اور سوانح

نگاروں نے انہیں روایتوں کا ذکر کیا ہے لیکن تاریخ و سیر میں اس کے علاوہ روایتیں بھی ہیں۔ مصری مورخ عباس محمود عقاد نے ابن سعد کی روایتوں کے حوالہ سے آپ کی رخصتی کا وقت ۱۲ سال کی عمر سے پندرہ سال کی عمر تک تعین کیا ہے اور اسکی ترجیح وتائیدات آپ نے فراہم کی ہیں وہ کافی ہیں

(۱) ان کا کہنا یہ ہے کہ ۲۰ رمضان ۱۰ نبوی کو آپ کی پہلی بیوی ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا حضور ﷺ پر اسکا ایسا اثر ہوا کہ آپ کے ہم دردوں کو اس صورت حال سے سخت تکلیف ہوئی۔ چنانچہ ایک صحابیہ حضرت خولہ بنت حکیم نے رسول ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھ رہی ہوں کہ حضرت خدیجہ کی وفات سے آپ کی زندگی میں بڑا خلاء ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک وہ تھیں گھر اور عیال کی ساری ذمہ داری سنبھال رکھی تھی اب وہ سارا بوجھ مجھ پر ہی ہے حضرت خولہ بولیں یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے رشتہ کا انتظام کروں؟ آپ نے فرمایا کہ کون سی عورت ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شادی شدہ بھی ہیں اور غیر شادی شدہ بھی۔ استفسار پر انہوں نے حضرت سودہ بنت ذمعہ اور حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ تعالی عنہما کا نام لیا۔ اور آپ کی مرضی پا کر دونوں ہی رشتوں کی بات چلائی عقاد کا کہنا ہے کہ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد گھر اور بچوں کی نگہداشت کے لئے شادی رسول اللہ ﷺ کی فوری ضرورت تھی ظاہر ہے کہ وہ ضرورت ایک مکمل عورت سے ہی پوری ہو سکتی ہے نہ کہ چھ سال کی بچی سے جس کی شادی کے بعد بھی رخصتی کے لئے مزید چار پانچ سال تک انتظار کی ضرورت تھی جیسا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے۔ تو حضرت خولہ کا اس ضرورت کے پیش نظر عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام لینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی عمر شادی کے وقت اس سے کافی زائد تھی جو روایت میں مذکور ہے

(۲) عام سیرت کی کتابوں میں تحریر ہے کہ حضور ﷺ سے عقد ہونے کے پہلے ہی آپ جبیر ابن مطعم سے منسوب ہو چکی تھیں (زرقانی علی المواہب صفحہ مذکور) حضرت خولہ کے ذریعہ جب حضور ﷺ کا پیغام جناب صدیق اکبر کو ملا تو آپ نے جبیر کے والدین سے مل کر بات صاف کرنی چاہی مطعم کی بیوی نے کہا اگر ہم اپنے لڑکے کی شادی تمہاری لڑکی سے کر دیں تو تم ہمارے لڑکے کو صابی (مسلمان) تو نہ بنا دو گے۔

عقاد کہتے ہیں کہ ۱۰ نبوی میں تو یہ حالت تھی کہ کافر والدین حضرت عائشہ سے اسلام کی وجہ سے اپنے لڑکے کی شادی نہیں کرنی چاہتے تھے۔ لامحالہ اس رشتہ کا قیام اعلان اسلام سے قبل بچپنے میں ہی ہونا چاہئے یعنی کم سے کم ۱۰، ۱۱ سال پہلے۔ اس طرح سے رسول اللہ ﷺ سے شادی کے وقت ان کی عمر

دس سال سے زائد ہونا چاہئے۔

(۳) اسی سلسلہ میں ہم سیرت ابن ہشام کی ورق گردانی کر رہے تھے یہ روایت سامنے آئی کہ اسلام کے ابتدائی تین سالوں میں جب کہ اسلام کی دعوت خفیہ تھی حضرت اسماء بنت ابی بکر اور حضرت عائشہ بنت ابی بکر اسلام لائیں" وھی یومئذ صغیر (ابن ھشام جلد اول صفحہ ۱۶۶) اس وقت عائشہ صدیقہ کا بچپنا تھا اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ ۳ھ نبوی میں بھی ام المومنین کم از کم اتنی بڑی تو ہوں گی کہ کلمہ پڑھ لیں جبکہ الاصابہ کی روایت کے موافق ۳ھ نبوی میں آپ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔

انھیں وجوہ کی بنیاد پر عباس محمود عقاد کا کہنا ہے کہ اس زمانہ میں نہ پڑھنے لکھنے کا رواج تھا نہ پیدائش وغیرہ کا کوئی ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوسروں کی زبانی جو سنا بیان کر دیا صحیح تاریخ کی تعین وہ خود بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

میری گذارش یہ ہے کہ مذکورہ بالا خارجی قرائن سے قطع نظر ۹ سال کی عمر میں رخصتی والی روایت خود بھی ماہ وسال کے حساب کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:

اوپر امام نووی کے حوالہ سے ہم یہ تحریر کر آئے ہیں کہ حقیقت میں شادی کے وقت ام المومنین کی عمر چھ سال سے زائد اور سات سال سے کچھ کم تھی۔ حساب کی آسانی کے لئے ہم ساڑھے چھ سال مان لیتے ہیں۔ پہلی وحی آپ پر ۱۷ رمضان کو اتری اور دس سال بعد ۳ رمضان کو ہی حضرت خدیجہ الکبریٰ کا انتقال ہوا۔ اور اس سے اگلا مہینہ شوال المکرم ام المومنین کے نکاح کا وقت ہے۔ اور اس وقت آپ کی عمر ساڑھے چھ سال تھی۔ تمام اہل سیر کا تقریباً اتفاقی بیان ہے کہ وصال خدیجہ کے بعد آپ مزید تین سال مکہ میں رہے ظاہر ہے کہ سن نبوت جب کہ رمضان سے شروع ہوتا ہے تو ۱۳ھ نبوی کی تکمیل بھی رمضان پر ہی ہوگی۔ حضور ﷺ کی ہجرت چھ سات مہینہ بعد ربیع الاول میں ہوئی۔ اور ان سات مہینوں کو شمار کرنے کے بعد ام المومنین کی عمر مبارک ہجرت نبوی کے وقت حسب روایت بخاری دس سال ایک ماہ ہوئی آپ کی رخصتی بالاتفاق مدینہ منورہ میں ہوئی بعض روایتوں میں ہے کہ ہجرت کے بعد ساتویں مہینہ میں اور کوئی کہتا ہے کہ ہجرت کے بعد اٹھارہویں مہینہ میں اس حساب سے رخصتی کے وقت آپ کی عمر مبارک دس سال آٹھ ماہ اور دوسری روایت پر گیارہ سال چھ ماہ بنتی ہے (زرقانی علی المواہب جلد سوم صفحہ ۲۲۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شادی ہجرت رخصتی ہر واقعہ کو بیان کرتے وقت عرب کے دستور کے موافق مکمل سالوں کا ہی بیان کیا گیا ہے اور زائد مہینوں کی کسر چھوڑ دی گئی ہے۔۔۔۔ الغرض خارجی قرائن کا لحاظ کیا جائے تو وہ بھی نو سال والی روایت کے خلاف ہیں اور داخلی شہادتیں بھی اس روایت سے مکمل ہم آہنگ نہیں۔ اور ایک مورخ کو ام المومنین کی رخصتی کی قطعی تاریخ متعین کرنا مشکل ہوتا ہے۔

مگر قابل افسوس تو یہ امر ہے کہ کچھ غلط طبیعتیں بخاری اور مسلم کی انھیں روایتوں کو بنیاد بنا کر آپ کے دامن اخلاق پر کیچڑ اچھالتی ہیں حالانکہ دیانۃ وانصافاً دیکھا جائے تو اس میں بھی اخلاقی اعتبار سے کوئی قباحت نہیں یہ ایک بدیہی امر ہے کہ مختلف قوموں اور گروہوں کے طبعی اور مزاجی حالات میں گونا گوں تفاوت ہوتا ہے تو سب کے لئے یکساں ضابطہ مقرر کرنا ناممکن ہے سرد علاقوں کے لوگ نسبۃ دیر میں بالغ ہوتے ہیں اور گرم علاقوں کے رہنے والے جلد اس منزل کو طے کر لیتے ہیں ہندستان کا مشہور شاعر فیضی اپنی مثنوی نل دمن میں کہتا ہے!

ایں فتنہ بہند گرم خیز است　　　آنجاست کہ آفتاب تیز است

یعنی جنس مخالف کی طرف تیزی اور سرعت سے رجحان کا سبب علاقہ ہند کی گرمی اور تیزی ہے۔

پس جب سرد و گرم علاقوں میں جذبات کی برانگیختگی کے اوقات میں تفاوت ایک فطری امر ہے بلکہ ایک ہی علاقہ کے مختلف خاندانوں میں آسائش حیات کی تنگی اور آسانی کے فرق سے بچوں کے نشوونما میں غیر معمولی فرق پڑتا ہے تو ہر جگہ اور ہر خاندان کے لئے ایک ہی طرح کا شادی بیاہ کا معیار مقرر کرنا انتہائی نادانی اور انسانی فطرت سے بے خبری کی دلیل ہے۔

بالخصوص یورپ کے لوگ جنھوں نے اپنے وہاں بلوغ کی عمر اٹھارہ سال قرار دی ہے۔ اور یہ مدت خود اس خطہ کے حالات کے لحاظ سے بھی ان نیچرل ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ ہر سال ان کے یہاں جرائم کا جو گوشوارہ شائع ہوتا ہے اس میں کنواری ماؤں کی خاصی تعداد کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ اور ایسے نوجوانوں بچوں اور بچیوں کا تناسب بھی غیر معمولی ہوتا ہے جو دس بارہ سال کی عمر میں ہی جنسی اختلاط سے لذت یاب ہو چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اخبار آواز ملک ۲۲ نومبر ۱۹۹۳ء کی ایک خبر ہے۔

جنسی بے راہ روی کے بڑھتے ہوئے واقعات اچھی غذا اچھی تعلیم شادی میں تاخیر اس کے اصل محرکات۔

واشنگٹن ۲۱ نومبر (اے۔پی) اچھی تعلیم اور شادی میں تاخیر سے زیادہ تر ملکوں میں عنفوان شباب کے دوران جنسی بے راہ روی کے واقعات بڑھ گئے ہیں منصوبہ والدین کی بین الاقوامی فیڈریشن کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ غذائیت کے بہتر ہو جانے اور صحت کی اچھی دیکھ بھال کی وجہ سے اب عنفوان شباب جلد از جلد شروع ہو جاتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق ترقی پذیر ملکوں میں نوجوانوں کی زیادہ تعداد اسکولوں میں داخل ہونے لگی ہے اور کافی عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی شادیاں تاخیر سے ہوتی ہیں رپورٹ میں کہا ہے کہ یہ صورحال تو مثبت ہے مگر سن بلوغ اور شادی کے درمیان طویل

مدت کی وجہ سے ان چاہے حمل کی شرح بڑھتی جا رہی ہے لاطینی امریکہ میں ہر پانچ کم سن لڑکیوں میں ایک حاملہ ہو جاتی ہے جب کہ افریقہ کے کچھ حصوں میں ہر چار لڑکیوں میں سے ایک کو حمل ٹھہر جاتا ہے یوگنڈا کے دیہی علاقوں کے جائزہ سے ظاہر ہوا کہ وہاں کے لڑکے اور لڑکیاں اوسطاً پندرہ سال کی عمر میں جنسی اختلاط سے لذت آشنا ہوتے ہیں رپورٹ کے مطابق جب یوگنڈا کے نوجوانوں سے پوچھا گیا کہ انہوں نے اپنا پہلا جنسی تجربہ کب کیا تھا۔ تو پندرہ سال سے کم اور اس سے زیادہ کی عمر والے دونوں لڑکوں نے کہا کہ وہ یہ ذائقہ چکھ چکے ہیں۔ جائزہ میں کہا گیا ہے کہ الجزائر اور مراقش میں ان بیاہی جوان عورتیں ہر سال اپنے دو ہزار ناجائز بچے سڑکوں پر اور گلی کوچوں میں چھوڑ جاتی ہیں۔ تیونس واحد عرب ملک ہے جہاں اسقاط حمل کو قانونا جائز قرار دے دیا گیا ہے اس لئے وہاں پھینکے گئے نوزائیدہ بچوں یا ان بیاہی حاملہ عورتوں کی خودکشی کا کوئی سانحہ پیش نہیں آتا۔ (اخبار آواز ملک بنارس)

بھارت میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ذہنی حیثیت سے یورپ کے غلام اور یہاں کی ہر چیز کو یورپ کے معیار سے ناپنے کے عادی ہوتے ہیں اور وہی لوگ وقتا فوقتا اس قسم کا شوشہ اٹھاتے ہیں ورنہ مشرق کے علماء اور دانشور محققین اور ماہرین اخلاقیات نے اس خطہ کے انسانوں کیلئے بلوغ اور ازدواجی تعلقات کے قیام کا مندرجہ ذیل پیمانہ مقرر کیا ہے۔

"وادنی مدة ذلك فی حق لبلوغ اثنا عشر سنة وفی حق الحارية تسع سنين واقصاها اذا تم الغلام والحارية خمسة عشره سنة فقد بلغا وبه يفتی" "لڑکے کے بلوغ کی ابتدائی عمر ۱۲ سال اور لڑکی کے لئے نو سال اور انتہائی مدت دونوں کے لیے پندرہ سال" "واجمع العلماء علی انه يحوز للآباء تزويج الصغار الانه لايحوز لازواجهن البناء بهن الا اذا صلحن ويحتملن الرجال وحالهن فی ذلك مختلف فی قدر خلقهن وطاقتهن لا ينضبط بسن وهذا هوالصحيح (عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۷۸ و مسلم جلد اول صفحہ ۴۵۶)

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ باپ چھوٹے بچوں کی شادی بچپن میں کر سکتا ہے لیکن لڑکیوں کی رخصتی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ تعلقات زناشوئی کے لائق نہ ہو جائیں اور اسکا کوئی وقت عمر کے لحاظ سے مقرر کرنا مشکل ہے کبھی نو سال کی لڑکی اپنی جسمانی صحت کے لحاظ سے اس کی اہل ہوگی اور کبھی پندرہ بیس سال کی عورت بھی جسمانی لحاظ سے اس کی متحمل نہیں ہوگی۔

حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نشوونما اور صحت پر مندرجہ ذیل روایتوں سے روشنی پڑتی ہے قرآن عظیم میں حضرت مریم سلام اللہ علیٰ ابنہا وعلیہا کی نشوونما کا بیان ان الفاظ میں ہوا ﴿

وَاَنْبَتَهَا نَبَاتاً حَسَناً﴾ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی اچھی نشوونما فرمائی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں جتنا لوگ ایک ہفتہ میں بڑھتے آپ ایک دن میں بڑھتیں۔

امام نووی نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نشوونما کے سلسلے میں اسی قسم کے الفاظ نقل فرمائے "قد شبت عائشة شبابا حسنا "حضرت ام المؤمنین کی نشوونما نہایت عمدہ ہوئی۔ حضرت ام المؤمنین ہجرت کر کے جب مدینہ آئیں تو بنو حارثہ میں اپنے والدین کے یہاں قیام فرمایا۔ مدینہ کی آب وہوا انھیں راس نہ آئی جیسا کہ اکثر مہاجرین کے ناموافق پڑی تھی اور آپ سخت بیمار پڑ گئیں یہاں تک کہ آپ کے سر کے بال جھڑ گئے جب آپ کی صحت پوری طرح بحال ہوگئی تو خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ آپ عائشہ کو رخصت کیوں نہیں کرا لیتے آپ نے ارشاد فرمایا۔ فی الحال میرے پاس عرب کے دستور کے موافق پیشگی مہر ادا کرنے کے لئے روپے نہیں ہیں۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو پانچ سو روپے بطور قرض حسنہ دیئے آپ نے وہ دراہم حضرت ام المؤمنین کے پاس بھجوا دیئے اور انھیں رخصت کرالیا۔

پس ایک ایسی رخصتی پر جس کی درخواست خود سسرال والوں نے کی تھی اس پیغمبر معصوم پر کسی قسم کا کوئی گندہ تصور قائم کرنا انسانیت سے گری ہوئی حرکت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

(۱۲) **مسئلہ** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد رائے بریلی کون ہیں؟۔

علمائے اہل سنت والجماعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، سید احمد شہید اور سید احمد رائے بریلوی کیا دو شخص ہیں یا ایک ہی؟ اور اسماعیل دہلوی سے ان کا کیا تعلق تھا؟ فقط ابرار احمد دیوگھر (بہار)

الجواب

رائے بریلی میں ایک جگہ تکیہ علم الہدی ہے، وہیں کے یہ رہنے والے تھے، پڑھے لکھے نہیں شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں پولس میں سپاہی تھے، پھر اسی خاندان میں مرید ہوئے، شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے بھتیجے مولوی اسماعیل دہلوی جو اپنی گمراہی میں بہت مشہور ہیں اور غیر مقلد حضرات ان کا بڑا احترام کرتے ہیں وہ سید احمد صاحب سے مرید ہوئے اور اپنے پیر صاحب کو لیکر پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور سکھوں سے لڑنے کے نام پر ہندوستان بھر کے مسلمانوں سے چندہ اکٹھا کیا اور سپاہی تیار کئے اور ان سب کو لیکر افغانستان چلے گئے، وہاں سکھوں کے بجائے مسلمانوں سے لڑائی کر کے

اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی، سکھوں سے بھی جنگیں ہوئیں روایت یہ ہے کہ افغانوں نے ہی انھیں مار ڈالا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بالاکوٹ میں سکھوں سے لڑائی میں مارے گئے اس لئے ان کو ماننے والے ان کو شہید کہتے ہیں۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک یہ اور مولوی اسماعیل دہلوی ساتھی ہی ہیں، یہ چونکہ جاہل تھے اس لئے لکھنے پڑھنے سے عاری تھے ان کے نام سے صراط مستقیم نام کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خیال نماز کے اندر اپنے دل میں لانا کتے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔ ہمارے علم میں دونوں نام ایک ہی آدمی کے ہیں، اتنی بڑی اسلامی تاریخ میں سید احمد شہید کے نام کے کوئی دوسرے صاحب بھی ہوں تو ممکن ہے، مگر سید احمد رائے بریلوی تو وہی ہیں جن کا حال اوپر بیان ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ۱۷ شوال المکرم ۱۴۱۰ھ

(۱۳-۱۹) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

(۱) حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے جنات اس زمین پر کتنے دنوں تک آباد تھے؟

(۲) ابلیس کو فرشتوں کی سرداری کب اور کس وجہ سے ملی؟

(۳) ابلیس کے توالد و تناسل کا سلسلہ کیسے شروع ہوا، ابلیس کی بیوی تھی یا نہیں، اگر تھی تو اس کا کیا نام ہے؟ نیز اس کی تخلیق کب اور کیسے ہوئی۔

(۴) جنوں کی اصلی شکل و صورت کیسی ہے، آیا انسانوں ہی کی طرح یا کچھ فرق ہے؟

(۵) جن اپنی مسافت کو کسی طرح طے کرتا ہے ہوا میں اڑ کر یا زمین پر چل کر؟

(۶) کیا جنوں میں ولی بھی ہوتے ہیں؟

(۷) فرشتوں کو بھی موت آتی ہے یا نہیں؟

(۸) جنوں کی قوت بصارت و سماعت انسانوں جیسی ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا سوالات کے جوابات مع صفحات کتب معتبرہ مدلل و مفصل مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: اصبہان الحق قادری فیضی مدرسہ دار العلوم اہلسنت انوار ملت چھترپارہ بلرام پور یوپی

الجواب

(۱) تاریخ طبری جلد اول ص ۵۹ پر ایک روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل تین ہزار سال تک زمین پر جن آباد رہے جس میں ایک سال تک ابلیس ان کا حاکم اور قاضی رہا۔ اس وقت تک اس کے حالات بھی ٹھیک رہے پھر اس میں تکبر و غرور پیدا ہوا تو اسی کے اغوا اور فتنہ

پردازی سے ان میں غیر معمولی فتنہ و فساد اور خونریزی ہوتی رہی جس کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور پہاڑوں اور جزیروں میں کھدیڑ وادیا۔

(۲) امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر جلد گیارہ ص ۱۲۷ میں فرماتے ہیں:

ابلیس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ "وہ فرشتوں میں تھا" جنت کا خازن تھا، جنوں پر حاکم اور قاضی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی کی قیادت میں فرشتوں کا لشکر بھیج کر زمین میں فساد مچانے والے جنوں سے دنیا خالی کرائی اور انہیں مقہور و مردود کرایا اس کی رسائی زمین اور آسمان دونوں جگہ تھی جنوں کی تباہی کے بعد یہ آسمان میں رہنے لگا اور اسی وقت سے اس کے دل پر عجب و غرور کا تخم پڑا جس کا ظہور تخلیق آدم کے بعد ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ "وہ جنوں میں سے تھا بلکہ یہ ابو الجن ہے جس طرح آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں۔ کثرت عبادت و ریاضت اور زیادتی علم و فضل کی وجہ سے اس کو فرشتوں کی سرداری ملی۔

(۳) یہ اگر جنوں میں سے ہو تو ضرور اس کی اولاد اور بیوی بچے ہوں گے۔ بہار شریعت حصہ اول ص ۲۴ میں ہے: (جن) آگ سے بنائے گئے ہیں۔ ان میں بعض کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں ان کے شریروں کو شیطان کہتے ہیں۔ یہ سب انسانوں کی طرح ذی عقل اور ارواح و اجسام والے ہیں ان میں توالد و تناسل ہوتا ہے کھاتے پیتے ہیں، جیتے اور مرتے ہیں۔ ان میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی۔ ان کے کفار انسان کے بہ نسبت بہت زیادہ ہیں اور ان میں مسلمان نیک بھی ہیں اور فاسق بھی سنی بھی ہیں اور بدمذہب بھی۔ فاسقوں کی تعداد بہ نسبت انسانوں کے بہت زائد ہے۔" کچھ مزید تفصیلات دیگر کتابوں میں بھی نظر آئیں۔

ای اجسامهم كالهواء نعلمه ونحققه ولا نراهم للطافة اجسادهم و عدم تلونهم حيث كانوا بصورتهم الاصلية و اما اذا صوروا بغيرها نراهم (صاوی ۲/۶۵)

جنوں کے جسم ہوا کی طرح ہوتے ہیں جس کا ہم کو پتہ چلتا ہے۔ اور ہم محسوس بھی کرتے ہیں۔ لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کا جسم لطیف اور بے رنگ ہوتا ہے اور جب اپنی صورت بدل کے کچھ اور بن جاتے ہیں تو ہم بھی دیکھتے ہیں۔ تفسیر ابن جریر جلد اول ص ۱۷۹ میں ہے:

كان من الجن وهم يتوالدون كما يتوالد بنو آدم

ابلیس جنوں میں سے تھا اور جنوں کے آدمیوں کی طرح بال بچے ہوتے ہیں۔

مذکر و مونث ہوتے ہیں انہیں شہوانی قوتیں بھی ہوتی ہیں۔ طبری سورہ کہف ص ۱۶۱ میں ذریات ابلیس کا نام بھی تحریر ہے۔ بستر، واسم، زنبور، اعور، نمیرہ، شیطان کی بیوی کی کوئی تفصیل نظر سے نہیں

گذری۔ اور اگر ابلیس فرشتوں میں سے ہے تو ذریات سے مراد شیطان کے تابع اور اس کے مددگار ہیں بہر حال جن ایک علیحدہ مخلوق ہے جن کی تفصیل بہار شریعت سے گذرنی۔

(۴) بخاری شریف کی حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے جرائیل امین علیہ السلام کو آسمان وزمین کے بیچ میں ایک کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: منها اظهار قدرة الله اذ جعل للملائكة مستقرا فيه كيف شاء كما جعل لبنی آدم فيصرفون فيه كيف شاؤا. (عینی جلد اول ص ۶۷)

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ فرشتوں کے لئے فضا کو ٹھکانا بنایا کہ وہاں جیسے چاہیں رہیں بسیں تو جنوں کے لئے آپ نے سنا کہ ان کا جسم ہوا کی طرح لطیف ہیں تو ان کو ہوا میں رہنے چلنے پھرنے یا سفر میں کیا عقلی استبعاد ہے۔ خود قرآن شریف میں جنوں کے لئے آسمان تک جانے کی تصریح ہے۔ وانا لمسنا السماء فوجدنا ها ملئت حرسا شديدا و شهبا۔ (سورہ جن شریف: آیہ: ۸)

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو ایسے پایا کہ وہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے۔ تو کیا یہ جن آسمان تک بغیر اڑے پہونچے ہوں گے؟

(۵) جنوں میں جب نیک مسلمان ہوتے ہیں تو ضرور ولی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ ان اولیاءه الا المتقون ﴾ اللہ تعالیٰ کے متقی بندے ہی اس کے ولی ہوتے ہیں۔

(۶) فرشتے قیامت میں فنا کئے جائیں گے۔

(۷) جنوں کی سماعت وبصارت انسانوں سے بہت تیز ہے۔ تبھی تو وہ اپنی جنس کے دوسرے جنوں کو دیکھتے ہیں جبکہ ہم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو ۱۳ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

(۲۰-۲۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کے لڑکوں کے نام کیا ہیں اور ہابیل نے قابیل کو کیوں مارا؟

(۲) طوفان نوح علیہ السلام کے بعد کل کتنے آدمی بچ گئے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کا نام؟

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لڑکوں اور اہلیہ کا نام؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کتنے دنوں پہلے پیدا ہوئے تھے۔

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کتنے دنوں بعد ہوئے تھے؟

(۵) مسجد بیت المقدس میں اہل اسلام نماز پڑھتے تھے یا نہیں؟

(۶) توریت، زبور، انجیل کس زبان میں نازل ہوئیں اور اس کو پہلے دوسری زبان میں تبدیل کرنے والے کون تھے؟

(۷) چمگادڑ کو مرغ عیسیٰ کیوں کہتے ہیں؟

(۸) عربی زبان میں حرمت کی کتنی اقسام ہیں "ب"، میم، شفوی ہیں کیوں کہ یہ ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں اسی طرح جو حروف گلے سے ادا ہوتا ہے انہیں کیا کہتے ہیں؟

(۹) حروف علت تین کون کون ہیں اور علت توصیف کیوں ہوئی؟

الجواب

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کے حسب ذیل لڑکوں کے نام تاریخ طبری جلد اول میں ابن اسحاق کی روایت سے مذکور ہیں۔ قین، ہابیل، قابیل، شیث، آباد، بالغ، اثانی، توبہ، تبان، شبوبہ، بیسان، صحراء، ہذر، یحور، سندل، بارق۔ قابیل نے ہابیل کو ایک عورت کی خاطر مار ڈالا۔ قرآن میں صرف قتل کا ذکر ہے وجہ پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔

(۲) عام طور سے اسی آدمیوں کا ذکر آیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکوں میں ایک لڑکا کنعان تھا جو غرق ہو گیا باقی تین، سام، حام، یافث، جو کشتی میں ساتھ تھے۔ (طبرانی جلد اول ۹۶)

(۳) توراۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک لڑکے کا ذکر آیا ہے جس کا نام جیرنون تھا۔ (خراج باب دوم) تاریخ طبری میں دو بچوں کا "وولد لموسى اجر شونه وايل عاذ" آپ کی بیوی کا نام صفورہ بتایا گیا ہے مغربی مورخین کے ایک اندازے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت مسیح سے چودہ سو سال پہلے گذرے ہیں۔ دوسرے اندازے میں ساڑھے تیرہ سو برس۔ (قرآنی شخصیتیں ص ۱۷۷)

(۴) آپ حضرت مسیح سے ۹۶۲، سال قبل گذرے ہیں۔ (کتاب مذکور ص ۱۰۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام سے ساڑھے تین یا ساڑھے چار سال بعد پیدا ہوئے۔

(۵) مسجد بیت المقدس میں شرعا نماز پڑھنا جائز ہے اس وقت شاید وہ حکومت اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ معلوم نہیں وہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے دیتے ہیں یا نہیں؟

(۶) سابقہ کتابوں کے بارے میں محققین شرق وغرب کا اتنا اختلاف ہے کہ اس کے بارے میں کوئی بات غلبہ ظن سے بھی نہیں کہی جاسکتی۔

(۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی سے بنا کر جو پرندہ زندہ کیا وہ چمگادڑ جیسا ہی تھا۔ ممکن ہے

کہ اس کو اسی وجہ سے مرغ عیسیٰ کہتے ہوں۔ ویسے ان چمگادڑوں کو اس سے کوئی نسلی علاقہ نہیں۔

(۸) باعتبار مخارج کے حروف ہجا کی دس قسمیں ہیں ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں: جو حلق سے ادا ہوں حلقیہ، جو زبان کی جڑ سے ادا ہوں مہموسہ، جو درمیان زبان سے ادا ہوں شجریہ، جو زبان کے کنارے سے ادا ہوں جافیہ، جو دانت کی جڑوں کی مدد سے ادا ہوں لہدیہ، جو نیچے کے دانتوں سے ادا ہوں نعتیہ۔ اسی طرح سے ذیقیہ شفویہ وغیرہ (پچ گنج) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی خادم دار الافتاء دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

الجواب صحیح: عبد الرؤف۔ غفرلہ مدرس دار العلوم اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

(۲۹-۴۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) مروان ابن الحکم کی جلاوطنی کب اور کن وجوہات کی بنا پر ہوئی۔

(۲) جبکہ مروان ابن الحکم کو حضرت صدیق اکبر، وفاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں وطن آنے کی اجازت نہیں دی۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو مدینہ آنے کی اجازت کیوں دی؟

(۳) حضرت عثمان غنی کی شہادت کے وقت مروان ومعاویہ کہاں تھے اور کس نے حضرت عثمان کو شہید کیا؟

(۴) معرکہ صفین حق وباطل تھی یا دونوں فریق حق پر تھے۔ اگر دونوں فریق حق پر تھے تو اگر ایک فریق غالب آجائے یا مورخین کے لکھنے کے مطابق حضرت علی لڑتے ہوئے جہاں معاویہ تھے وہاں پہونچ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے معاویہ کیوں مسلمانوں کو قتل کرواتے ہو۔ آؤ ہم تم دونوں لڑ کر فیصلہ کریں تو معاویہ سے اس پر عمرو بن العاص نے کہا کہ جب علی مقابلہ کے لئے بلاتے ہیں کیوں نہیں جاتے ہو تو معاویہ نے کہا کہ علی کے مقابلہ میں جانا موت کو دعوت دینا ہے۔ تو کیا بشرط مقابلہ قاتل ومقتول پر شریعت کا کیا حکم قائم ہوتا۔ حضرت علی نے ان کو بلایا دوستی سے یا دشمنی سے اور غالب آنے پر کیا کرتے۔

(۵) معاویہ کب اور کتنی عمر میں اسلام لائے اس وقت یعنی اسلام لانے سے پہلے شادی شدہ تھے یا غیر شادی شدہ اگر شادی شدہ تھے تو کوئی اولاد تھی یا نہیں؟

(۶) مورخین کے لکھنے کے مطابق ابوسفیان ومعاویہ فتح مکہ ۸ھ کے بعد اسلام لائے اور اس سے قبل جتنے معرکے کفر واسلام میں ہوئے سب میں ابوسفیان ومعاویہ شریک رہے۔ سپہ سالار تھے مطلب

یہ ہے کہ باپ بیٹے دونوں نااہل ہی تھے۔ ۱۰ھ میں حضور نے پردہ فرمایا کیا کل دو ہی سال میں کب یہ قابل اعتماد ہوگئے اور کاتب وحی بن گئے کیا ایسا تو نہیں کہ سرکار نے ہی کوئی خط لکھوا دیا ہو۔

(۷) جعدہ بنت اشعث کس قبیلہ وخاندان سے تعلق رکھتی تھی اور یہ کب اور کس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام کے نکاح میں آئیں۔

(۸) حضرت امام حسین علیہ السلام بیعت یزید لینے سے بچنے کے لئے چھپتے چھپاتے کوفہ پہونچے یا یزید کے خلاف محاذ قائم کرنے۔

(۹) حضرت امام حسین کیا مدینہ شریف سے سیدھے کوفہ نہیں جاسکتے تھے کیا ضرورت تھی کہ مکہ جاویں اور پھر عین حج کے موقع پر ۳ یا ۸/ذوالحجہ کو کوفہ تشریف لے گئے۔

(۱۰) جبکہ معاویہ کو صحابی رسول کہتے ہیں تو پانچویں خلیفہ کیوں نہیں کیے گئے۔

(۱۱) غورستان کو حضرت علی نے بحکم سرکار دوعالم ﷺ مہرام گور کو عطا فرمایا دیا تھا۔ کیا یہ سچ ہے تو کب اور کس طرح؟

(۱۲) معاویہ نے جو بغاوت کی اور جنگ کی قسم قسم کی عیاریاں کیں یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ عداوت تھی یا دوستی؟

(۱۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل میں جو احادیث ضعیف بیان کی گئی ہیں کیا وجہ ہے؟ یہ وجہ تو نہیں ہے کہ قلم غیروں کے ہاتھوں میں تھا؟

(۱۴) جو لوگ جس رسول کے کلمہ گو ہونے کے دعویدار ہوں اور وہی اس رسول کے اہلبیت کو ایک سرے سے مٹانے کا ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیں باوجود کہ رسول اکرم نے بارہا احترام اہل بیت کی تاکید کی لیکن الٹا ہی کیا تو کیا یہ اطیعوا الرسول کے خلاف نہیں کیا وہ کلمہ گو کہلانے کے حقدار ہیں؟

(۱۵) معاویہ کو یہ حق تھا کہ ریحان رسول کے اوپر چڑھائی کریں اور جبرا خلافت چھوڑنے پر مجبور کردیں اور خود خلیفہ بن بیٹھیں اور پھر اپنے نااہل اور شرابی اور زناکار بیٹے کی ریحان رسول کی موجودگی میں بیعت خلافت عام مسلمانوں سے بلکہ نواسہ رسول سے بھی لینا چاہیں اور عام مسلمانوں سے کسی صورت سے بیعت خلافت لے ہی لیا۔ کیا اس پر بھی معاویہ صحابی کہلانے کے حقدار ہیں صحابی تو میرے خیال میں حضرت عمر ایسی ہستی کو کہا جائے جو شریعت کے حکم پر بیٹے کو کوڑوں کی نذر کردیتے ہیں۔

(۱۶) کیا صحابی رسول کی شان یہ ہوسکتی ہے جو رسول کے دنیا وآخرت کے بردار پر اپنے عہد ملکیت میں ہر جمعہ مسجد میں لعن طعن کہلائے بلکہ خطبات جمعہ میں جو واجب ہے حضرت علی پر لعن وطعن کو

ایک جز قرار دے۔

(۱۷) کیا شاہان بنی امیہ و بنی عباس نے خاندان رسالت کو مٹانے میں کوئی کمی کی ہے؟

(۱۸) کیا ائمہ یازدہ جیسا عام طور پر لکھا پڑھا جاتا ہے وہی حضرات ہیں یا اور کوئی؟

عرض حال

میرے محترم بزرگو! میں آج تک اہل سنت تھا بلکہ ہوں، میں نے تھوڑی بہت تعلیم تلشی پور انوار العلوم میں حاصل کیا تھا۔ میرے ساتھیوں میں مولوی کمال احمد صاحب ابن مولانا عتیق الرحمان صاحب، مولوی غلام علی صاحب متھرا، مولوی وکیل احمد صاحب، وغیرہ ہیں۔ سیدزادہ ہوں تاریخیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے خاندان کو جان بوجھ کر رکھ نہیں چھوڑا۔ یہ تو رسول اکرم کی دعا اس بے نیاز کا کرم ہے جو مٹانے کے باوجود ہر مقام پر سادات زندہ و سلامت قوم و ملت کی خدمت کر رہے ہیں۔

سب سے بڑی چیز ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ محب اہل بیت کا نعرہ بڑے زوروں سے لگاتے ہیں لیکن جہاں معاویہ اور ابوسفیان کا ذکر آیا فوراً ان کو اسی پیرائے پر چلاتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ خود حضرت علی ہی کو مکمل خلیفہ ماننے سے انکاری ہو جاتے ہیں۔ ہاں کچھ ایسے حضرات بھی ملتے ہیں جو حق و ناحق کو سمجھاتے ہیں حضرت سے دست بستہ گذارش ہیکہ سائل پر نظر کرم کر کے بالتفصیل جواب باصواب سے نوازیں۔

سعیدالرحمان رضوی ہمارا پتہ: سعیدالرحمان رضوی موضع بھاتھ ضلع گونڈہ

الجواب

جواب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے کو اس ماحول سے باہر نکالیں کہ میں سیدزادہ ہوں اور ان لوگوں نے ہمارے خاندان کو جان بوجھ کر نہیں چھوڑا ہے جب تک آپ اس منظر میں دیکھتے رہیں گے حقائق کی اصلی تصویر آپ کو نظر نہیں آئے گی۔ قصور کسی خاندان کا نہیں ہوتا ہر برادری میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیرت صحابہ میں آپ کا مطالعہ نہایت ہی محدود ہے ایک ہی قسم کی روایتیں دیکھ کر اس سے اخذ کئے ہوئے نتائج سے متاثر ہو کر آپ نے کوئی خیال قائم کر لیا ہے۔ ورنہ تاریخ کی کتابوں کا کیا اعتبار آخر محمود احمد عباسی نے بھی تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنقیص اور یزید کی حمایت میں تاریخی روایتوں کا ہی سہارا لیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ تاریخ کی کتابوں میں رطب و یابس سب کچھ ہے اس لئے نہ تو ان سے عقیدہ بن سکتا ہے نہ عداوت کی بنیاد بن سکتی ہیں۔ اس کے لئے تو قرآن و حدیث سے ثبوت چاہئے صحابہ کی صحابیت کہ یہ ایک امر مسلم فی الدین ہے پس اس کے خلاف فیصلہ تاریخ کی چند روایتوں کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلامی مقام ملاحظہ فرمائیں۔

"عن عبد الرحمٰن بن عوف ان النبی ﷺ قال ابو بکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة الحدیث رواہ الترمذی ۔ (کتاب المناقب : ۶۰۵/۵)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا ابوبکر، عمر، عثمان، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جنت میں ہیں۔

"عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، قال :صعد النبی ﷺ الی احد ومعہ ابوبکر و عمر و عثمان فرجف بھم فضربہ برجلہ و قال: اثبت احد فما علیک الا نبی و صدیق وشھیدان" رواہ البخاری)(کتاب فضائل الصحابہ :۹۰۱/۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اور آپ کے ساتھ ابوبکر عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پر چڑھے کوہ احد کانپنے لگا۔ آپ نے پائے اقدس پہاڑ پر مارا اور فرمایا ٹھہر کہ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

"عن عائشة قالت قلت ثم دخل عثمان فجلست وسویت بثیابك فقال الا استحی من رجل تستحی منہ الملائکة" (رواہ مسلم)(کتاب فضائل الصحابہ:۱۸۶۶/۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کی حضور کبھی لوگ بیٹھے تھے۔ جب حضرت عثمان آئے تو آپ اٹھ بیٹھے اور اپنے کپڑے درست فرمائے آپ نے فرمایا میں اس سے کیوں نہ شرم کروں جس سے فرشتے شرم کرتے ہیں۔

"عن عبد الرحمن بن خباب قال قام عثمان فقال علیّ ثلث مائة بعیر باحلاسھا و اقتابھا فی سبیل اللہ، فانا رأیت رسول اللہ ﷺ ینزل عن المنبر و ھو یقول ما علی عثمان ما عمل بعدہ ما علی عثمان ما عمل بعدہ"۔(سنن الترمذی ۔ کتاب المناقب ۵۷۴/۵ ،مشکوۃ المصابیح :۵۰۰/۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں ایک غزوہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا میں نے تین سو اونٹ سارے سامان کے ساتھ دیا۔ تو میں نے دیکھا کہ سرور دو عالم ﷺ منبر سے اتر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں اس کے بعد عثمان جو بھی کریں اس کے بعد عثمان جو بھی کریں اس کے بعد جو بھی کریں۔

"وعن انس ، قال:لما امر رسول اللہ ﷺ ببیعة الرضوان کان عثمان رضی اللہ

تعالیٰ عنه رسول رسول الله ﷺ الی مکة فبایع الناس فقال رسول الله ﷺ ان عثمان فی حاجة الله و حاجة رسوله فضرب باحدی یدیه علی الاخری فکانت ید رسو ل الله ﷺ لعثمان خیر من ایدیهم لا نفسهم"(سنن التر مذی ۔ کتاب المنا قب : ۵/۵۸۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بیعت رضوان کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے قاصد بنکر مکہ والوں کے پاس گئے تھے۔ادھر حضور نے سب سے بیعت لی اخیر میں فرمایا عثمان خدا اور رسول کے کام سے مکہ گئے ہیں پس ان کی طرف سے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا تو لوگوں کے لئے خود ان کا ہاتھ تھا۔اور عثمان کے لئے حضور کا ہاتھ جو بلا شبہ لوگوں کے لئے اپنے ہاتھ سے افضل تھا۔

(۱) ان احادیث سے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحکم حدیث یقیناً جنتی ہیں۔(۲) شہید مظلوم ہیں۔(۳) ان کی حیا کا پاس ادب ملائکہ بلکہ سید المرسلین ﷺ بھی کرتے ہیں۔(۴) ان کی دیانت حفظ شریعت اور دینی کردار پر حضور کو اتنا بھروسہ تھا کہ ان کو چھوڑ دیتے ہیں جو چاہو کرو گویا ان کا عمل خلاف شرع ہو ہی نہیں سکتا۔(۵) اپنے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ نے انکا ہاتھ قرار دیا۔مزید برآں آپ کی خلافت پر اجماع صحابہ ہے۔پس ایسی ذات پر جو اسلام میں اتنا بنیادی مقام رکھتی ہو کسی تاریخی روایت کی بنیاد پر کوئی غلط رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے۔خود روایت ہی قابل جرح ہوگی۔اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت اور علو شان کے لئے حسب ذیل حقائق اور حدیثیں قابل ملاحظہ ہیں۔

"اخرج الترمذی عن ابی عمیرة الصحابی عن للنبی ﷺ قال لمعاویة اللهم اجعله هادیا مهدیا واهد به "۔(سنن التر مذی ۔ کتاب المنا قب : ۵/۴۵۵)

حضور ﷺ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعا کی اے اللہ معاویہ کو ہادی مہدی بنا۔

"اخرج احمد فی مسنده عن عرباض بن ساریة سمعت رسول الله ﷺ یقول اللهم علم المعاویة الکتاب والحساب و قه العذاب"۔

عرباض ابن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کو دعا فرماتے ہوئے سنا تھا اے اللہ معاویہ کو کتاب اور حساب سکھا اور اسے عذاب سے بچا۔

(۱) آپ حضور کے رشتہ میں سالے ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔

(۲) آپ فتح مکہ سے قبل ہی ایمان لانے والوں میں سے ہیں جبکہ فتح مکہ سے قبل اور بعد دونوں ہی فریق سے قرآن پاک نے اچھائی کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ﴾(الحدید: ۱۰)

جس نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور خدا کی راہ میں قتال کیا وہ بلند رتبہ ہیں وہ اور بعد فتح کے جاں نثار برابر نہیں ویسے خدا نے دونوں سے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔

پھر آپ صحابی رسول ہیں جن کی فضیلت میں قرآن و حدیث کے بیشمار ارشادات ہیں مثلاً "اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم"(مشکوۃ المصابیح : ۲/۴۸۹) یا آیت کریمہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ﴾[الفتح: ۲۹] ان کی کوئی کوتاہی اگر اپنی نگاہ میں معلوم ہو تو اس کی بنیاد پر ان کی تنقیص سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔اور ان کو لعن وطعن کا ہدف نہ بناؤ۔جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔(سنن الترمذی۔کتاب المناقب: ۵/۶۵۱)

اسی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔حضور نے فرمایا جب تم انہیں دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو کہو تمہارے سر پر اللہ کی پھٹکار ہو۔(کتاب المناقب: ۲/۶۵۴)

اس سلسلہ میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ۔شرح عقائد میں ہے:"یکف عن ذکر الصحابة الا بخیر الخ" (با ب المسلمو ن لا بد لهم: ۱۵۵)

صحابہ کا ذکر بھلائی سے کرنا چاہئے۔ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا:"اعلم ان الصحابة مع نظافة قلوبهم و طهارة بواطنهم کانوا بشرا و کانت لهم نفوس الی ان قال فان قبلت نصحی فامسك عن التصرف فی امرهم واجعل محبتك لکل السواء" صحابہ کرام دل کی صفائی اور باطن کی طہارت کے باوجود بشر تھے اور ان کی خواہشات بھی تھیں اگر ان کے بارے میں میری مانو تو رائے زنی سے باز آؤ اور سب سے یکساں محبت رکھو۔

اور مخالفین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

انما هو فعل ما فعل عن اجتها د و کان من اهل الاجتهاد،ثم کان معاویة مخطیا الا انه فعل ما فعل بتاویل فلم یکن به فاسقا واختلف اهل السنة والجماعة فی تسمیته باغیا فمنهم من امتنع من ذلك" مخالفین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کیا اپنے اجتہاد سے کیا اور وہ اس کے اہل سے تھے پھر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی رائے میں تو خطا پر تھے۔پھر بھی انہوں نے جو کیا اجتہاد سے

کیا۔اس لئے ان کے فسق کا کوئی سوال نہیں۔اہل سنت میں سے ایک گروہ تو ان کو باغی کہنے کا روادار نہیں اگرچہ صحیح یہ ہے کہ صلح حسن سے قبل وہ خلیفہ برحق نہ تھے۔

فقہ اکبر میں ہے:"لا تذکر الصحابة ای مجتمعین و منفردین کما ثبت فی نسخة لا نذکر احدا من اصحاب رسول الله ﷺ الا بخیر یعنی و ان صدر من بعضهم فی صورة شرفانه اما کان اجتهادا و لم یکن علی وجه الفساد من اصرار و عناد بل کان رجوعهم عنه الی خیر معاد بناء علی حسن الظن بهم و لقوله علیه السلام :خیر القرون قرنی. و لقوله علیه السلام: اذا ذکر اصحابی فامسکوا. ولذا ذهب جمهور العلماء الی ان الصحابة کلهم عدول. قبل قصة عثمان و کذا بعدها لقوله علیه السلام: اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم. قال ابن دقیق العید فی عقیدته: و ما نقل فیما شجر بینهم و اختلفوا فیه فمنه ما هو باطل و کذب فلا یلتفت الیه .و ما کان صحیحا أولنا ه تاویلا صحیحا لان الثناء علیهم من اللّٰہِ سابق و مانقل من الکلام السابق فمحتمل للتاویل و المشکوك والموهوم لا یبطل المحق والمعلوم ولذا قال الشافعی:تلك دماء طهر الله ایدینا عنها فلا نلوث السنتنا بها"(شرح الفقه الاکبر:۱۱۷)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر خیر کے ساتھ میں ہونا چاہئے۔منفرداً ہو کہ مجتمعاً یعنی بعض حضرات سے گو برائی کی صورت ظاہر ہو لیکن چونکہ مجتہد تھے اور ان کی سرگرمیاں بغض وعناد اور فساد کے لئے نہیں تھیں ان کا منشا اصلاح حال اور معاد کی طرف رجوع تھا اس لئے ان کے ساتھ حسن ظن سے کام لینا چاہئے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: سب سے اچھا میرا زمانہ ہے۔نیز حضور نے فرمایا جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔اس لئے جمہور علماء کا مسلک ہے کہ پورے صحابہ عادل ہیں۔خواہ عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قصہ کے پہلے کے ہوں یا بعد کے اور حضور نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ جن کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

ابن دقیق العید نے فرمایا مشاجرات صحابہ کی روایتیں جھوٹ اور باطل ہیں۔ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرنا چاہئے۔اور جو صحیح رواۃ سے ثابت ہوں ان کی تاویل اور تصحیح کرنی چاہئے۔کیونکہ باری تعالیٰ نے ان کی ثنا وصفت فرمائی یہ امر محقق ہے اور بعد میں اختلافات کے بارے میں جو مروی ہے اس میں شک اور تاویل کی گنجائش ہے۔پس موہوم ومشکوک حق اور ثابت کو رد نہیں کر سکتا۔امام شافعی فرماتے ہیں ان کے خون سے اللہ نے ہمارے ہاتھ محفوظ رکھے تو ہم اپنی زبانیں آلودہ نہ کریں۔

اس قسم کی شہادتوں سے دفتر بھرے جا سکتے ہیں اس لئے واقعہ پر غور کرنے سے پہلے اسلام اور

اہل اسلام کا یہ موقف نظر میں رہے۔ہاں جو شخص اہل اسلام سے الگ ہو کر شیعوں کی روش میں چلنا چاہے یا خارجیوں کی راہ اختیار کرے اس کی بات دوسری ہے۔وہ کسی کو بھی الزام دے سکتا ہے۔لیکن ہمارے لئے تو صحابہ کرام اور اہل بیت دونوں ہی قابل احترام اور مقتدا ہیں۔ہم نہ ان کی تنقیص برداشت کر سکتے ہیں نہ ان کی طرف کسی قبیحہ کی نسبت گوارا کرتے ہیں۔اب اپنے سوالوں پر نمبروار غور فرمائیے۔

(۱) جلاوطنی کا حکم مروان کو نہیں تھا اس کے باپ حکم کو تھا۔مروان اس وقت یا تو پیدا ہی نہیں ہوا تھا یا آٹھ دس برس کا بچہ تھا۔اور باپ کے ساتھ ساتھ وہ بھی طائف گیا اور وہیں رہا۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں یہ دونوں مدینہ لوٹ آئے اور حکم تو مدینہ میں مرگیا اور مروان باقی رہا۔

اصابہ فی احوال الصحابہ میں ہے:

"حکم بن العاص بن امیة عم عثمان ابن عفان رضی الله تعالیٰ عنه ابو مروان ابن الحکم کان من مسلمة الفتح و اخرجه رسول الله ﷺ من المدینة وطرده عنها فنزل الطائف وخرج ابنه معه مروان وقیل بانه ولد بالطائف الی ان وُلّیَ عثمانِ فرده عثمان الی المدینة و بقی فیها و توفی فی آخر خلافة عثمان قتل عثمان باشهر فیما احسب"

حکم بن العاص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چچا تھا مروان کا باپ فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لایا۔اس کی حرکتوں کی وجہ سے حضور نے اس کو مدینہ سے نکال دیا وہ طائف میں قیام پذیر ہوا۔مروان بھی اس کے ساتھ طائف چلا گیا۔اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مروان طائف میں ہی پیدا ہوا۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کو واپس مدینہ بلا لیا اور آخر تک وہیں رہا۔شہادت عثمان سے چند ماہ قبل اس کا انتقال ہوا۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے:

"فلما ولی عثمان رده وقال رسول الله ﷺ و عدنی ان یرد الی المدینة"

حضرت عثمان فرماتے ہیں مجھ سے حضور نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں مروان کو واپس مدینہ بلا لوں گا۔ان تاریخی شہادتوں کی روشنی میں آپ کے سوال کا جواب واضح ہو گیا کہ مروان کو جلاوطنی کا حکم ہی نہیں حکم تو اس کے باپ کے لئے تھا۔اس لئے اس کے مدینہ رکھنے میں کوئی بات ہی نہیں تھی۔باپ حکم کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضرور مدینہ واپس بلا لیا۔مگر حضور ﷺ کے وعدہ اور اجازت کی وجہ سے اس لئے ان پر کیا الزام شہادت عثمان غنی کے وقت مروان مدینہ میں خاص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھا۔اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت شام میں تھے۔آپ کے شہید کرنے والوں کے

حسب ذیل نام تاریخوں میں مذکور ہیں۔

کنانہ ابن بشر عمر بن الحمق الجہنی اسود ان ابن حمران ابن سلمہ وغیرہ (طبری)

(۴) اگر حق وباطل سے آپ کی مراد اسلام وکفر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ لڑائی کفر واسلام کی نہیں تھی۔ طرفین مسلمان ہی تھے اور وہ مسئلہ جس پر جنگ ہوئی اسلام کا کوئی بنیادی مسئلہ نہیں تھا۔ اصل مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد یہ ضروری ہے کہ یہ معلوم کرلیا جائے کہ غلطی اور غلط فہمی دونوں کا حکم ایک ہی نہیں ہے۔ اسی طرح مجتہد اور غیر مجتہد دونوں کی پوزیشن یکساں نہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام میں ایسے لوگوں کے لئے جو اپنی صلاحیت علمی میں ممتاز ہوں اور شرعی امور میں ایک خاص درجہ کا مقام رکھتے ہیں انہیں مجتہد کہا جاتا ہے۔ اور ان کو فیصلہ دینے اور حق ظاہر کرنے کا حق شریعت نے تسلیم کیا۔

اور امتی خواہ کتنا ہی بڑا ہے اس کی رائے میں غلطی کا امکان ہے۔ لیکن جس طرح سے ایک کامل نشانہ باز کو اس وجہ سے کہ وہ نشانہ میں غلطی کرسکتا ہے تیر چلانے سے روکا نہیں جاسکتا۔ ٹھیک اسی طرح ایک مجتہد کو کہ اس کی رائے میں غلطی کا امکان ہے رائے دینے اور فیصلہ کرنے سے روکا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح اس نے اگر اپنے طور پر اخلاص کے ساتھ صحیح ہی فیصلہ کیا لیکن فی الحقیقت وہ خلاف واقع تھا تو اس پر کوئی جرم وتاوان عائد نہیں کیا جاسکتا۔ برخلاف اس کے غیر مجتہد امکان صحت کے باوجود بھی روکا جائے گا۔ او راجتہاد کرے تو قطع نظر اس سے کہ غلط کرتا ہے یا صحیح مجرم بھی ہوگا۔

نورالانوار میں ہے: "المجتهد يخطى ويصيب و الحق فی موضع الخلاف واحد"۔

(مجت الاجتھاد:۲۵۱)

مجتہد صحیح فیصلہ بھی کرتا ہے اور غلط بھی۔ اگرچہ نفس الامر میں مطابق واقعہ ایک ہی ہوگا۔ اسی میں ہے: "انه اتى بما كلف به فی ترتيب المقدمات و بذل جهده فيها فكان مصيبا فيه و ان اخطا فی آخر الامر و عاقبة الحال فكان معنور ابل ما جورالان المخطى له اجرو المصيب له اجران"۔(محبت الا جتها د : ۲۵۱)

خطا کرنے والے مجتہد نے بھی ترتیب مقدمات وغیرہ امور میں اپنی ساری کوشش صرف کی اس میں حق بجانب رہا اب اگر نتیجہ غلط ظاہر ہوا تو نہ صرف یہ کہ اس کو معذور سمجھنا چاہئے بلکہ اس کی جدوجہد کا ثواب بھی ملنا چاہئے اس لئے کہا گیا ہے کہ مجتہد کی غلطی کو ایک ثواب اور مصیب کو دوہرا۔

پس اسی اصول پر مسئلہ قصاص عثمان ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہولناک جنگ (صفین) ہوئی ہاں مولا علی مجتہد مصیب ہیں اور امیر معاویہ مجتہد مخطی اور حق یقیناً حضرت علی کے ساتھ تھا لیکن امیر معاویہ باطل

پر نہ تھے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ کہ وہ مجتہد تھے اور ان کا حق کے خلاف ہونا غلط فہمی پر مبنی تھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے۔ "ثم كان معاوية مخطيا الا انه فعل ما فعل عن التاويل فلم يصربه فاسقا"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ غلطی پر تھے لیکن ان لوگوں نے جو کیا تاویل سے کیا اس لئے وہ فاسق نہ ہوئے۔

شرح عنایہ میں ہے: "و ما وقع بهم من المنازعات و المحاربات فله محامل و تاويلات بالجملة لم ينقل عن السلف و المجتهدين و العلماء والصالحين اللعن على معاوية ونا خذ به لان غاية امرهم البغى والخروج على الامام وهو لا يوجب اللعن"

ان میں جو لڑائیاں اور جھگڑے ہوئے سب کی تاویل ہوسکتی ہے اور صحیح محمل نکل سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین اور علمائے مجتہدین سے معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر لعن مروی نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ انہوں نے امام برحق کے خلاف نزاع کیا۔ اور یہ بھی لعن کو مقتضی نہیں۔

اور ان سے بڑھ کر حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قول ہے جسے طبرانی نے سند صحیح سے نقل کیا ہے۔

"قتلانا وقتلى معاوية فى الجنة اخواننا بغوا علينا"

میرے اور معاویہ کے مقتول ساتھی جنت میں ہیں وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر سرکشی کی پس جب خود شیر خدا حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے جنتی اور اپنے بھائی ہونے کا فیصلہ فرمادیا تو ہم اور آپ کون ہوتے ہیں ان کے خلاف صف آرا ہونے والے یہ تو وہی بات ہوئی

،مدعی سست گواہ چست،

(۵) صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرۃ القضا کے موقع پر فتح مکہ سے پہلے حضور نے اپنے بال ترشوائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیدیئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی آپ مسلمان تھے بلکہ سرکار کے اتنے قریبی تھے کہ سرکار نے یہ تبرک انہیں عطا فرمایا اسلام لانے کے وقت ان کی چوبیس پچیس سال کے لگ بھگ عمر تھی۔ بقیہ امور کی تفصیل نہ مل سکی۔

(۶) یہاں آپ نے نہایت غلط قسم کے رجحان سے کام لیا ہے۔ حضور ﷺ تو فرماتے ہیں "الاسلام يهدم ما كان قبله" اسلام پہلے کی تمام برائیوں کو ڈھا دیتا ہے۔ اور آپ اپنے جوش اور عصبیت میں اس کو بھول کر ماقبل اسلام کے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ صرف اس بنیاد پر کہ آپ حضرت ابوسفیان کے لڑکے ہیں۔ حضور ﷺ کے مقدس چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام بھی فتح مکہ کے

ہی الگ بھگ ہے۔

بدر میں یہ بھی مخالفین کی طرف سے لڑنے آئے تھے۔ کیا معاذ اللہ یہاں بھی آپ کہدیں گے کہ چچا بھتیجا ایک ہی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے ان کو صرف تین سال کے لگ بھگ شرف صحبت ملا لیکن حضور کے صاحب اسرار اور ان سے اتنی حدیثیں مروی ہیں جتنی کسی اور صحابی سے مروی نہیں۔ اس قسم کے شکوک وشبہات سے کسی کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ وحدیث نے بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فضل کو ذکر کیا ہے۔ مسلم شریف، ابو نعیم، امام ترمذی، امام طبرانی اور امام قسطلانی سبھی نے امیر معاویہ کو رسول اللہ ﷺ کا کاتب قرار دیا ہے۔ کاتب خطوط بھی کاتب وحی بھی۔

(۷) اس کی تصریح تلاش وتفتیش کے بعد بھی کتب تاریخ میں نہیں ملی۔ یوں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کثرت سے نکاح کئے ہیں اور طلاقیں دی ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے نوے شادیاں کیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) ہمارے نزدیک دونوں ہی باتیں ممکن ہیں ہاں ان میں سے کوئی بات نہ امام کی شان کے خلاف نہ اسلام کے مخالف۔

(۹) ان مصالح کے بارے میں یا وقت کے بارے میں قیاس آرائی تو کی جاسکتی ہے درحقیقت کیا سبب امام کے پیش نظر تھا کون بتا سکتا ہے ہمارا ایمان یہ ہے کہ وقت کے مناسب جو تدبیر تھی وہی امام نے اختیار فرمائی ویسے تاریخ میں یہ نہیں ہے کہ امام نے مدینہ منورہ میں ہی ٹھہر کر کوفہ جانے کا ارادہ کیا ہو بلکہ یہ ہے کہ آپ نے مکہ کا ارادہ کیا اور وہیں قیام پذیر ہوئے آپ کے پاس کوفہ سے خطوط آنے شروع ہوئے اور آپ نے وہاں جانے کی تیاری فرمائی حج آپ کا نفلی ہوتا اور کوفہ کے حالات کا تقاضہ فوری تھا۔

(۱۰) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ شمار کئے جاتے ہیں لیکن پانچویں نہیں چھٹے پانچویں خلیفہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ان کی مدت خلافت چھ مہینہ پر ختم ہوجانے کے بعد جب آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں دست برداری اختیار فرمائی تو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت جائز ہوگئی کہ اگر وہ خلافت جائز نہ ہو تو خود امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوگی۔ شرح فقہ اکبر میں ہے: "اول ملوک المسلمین رضی الله تعالیٰ عنه انما صار اماما حقا لما فوض اليه حسن بن علی الخلافة فان الحسن اليه بيعة اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر معاوية"

اسلام کے پہلے بادشاہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اور امام برحق اس وقت ہوئے جس وقت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت انہیں سپرد کی۔ امام حسن کی بیعت ان کے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اہل عراق کی تھی۔ اور چھ مہینہ کے بعد امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت امیر معاویہ کے سپرد کردی۔

(۱۱) یہ ہی اصل بات ہے۔

(۱۲) اس کا جواب پہلے ہی دیا جاچکا ہے کہ صحابہ کے باہمی اختلافات کی تاویل ممکن ہے۔ اور اگر بظاہر کسی کی طرف سے کوئی کوتاہی معلوم بھی ہو تو وہ خطائے اجتہادی تھی جس پر مواخذہ نہیں۔ اور یہ کہ تاریخ کی بہت سی روایتوں کا اعتبار نہیں۔ آپ نے یہاں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نہایت ہی سخت قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ ان سے توبہ کیجئے۔

(۱۳) آپ کو کسی نے غلط بتا دیا تھا۔ کہ حضرت علی کی فضیلت صرف ضعیف حدیثوں سے مروی ہے آپ کے فضائل میں کثرت سے حدیثیں روایت کی گئیں۔ ان میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں حضرت علی کے فضائل میں اس کثرت سے حدیثیں مروی ہیں کہ دوسرے صحابہ کے فضائل میں نہیں۔

(۱۴) اگر کوئی خارجی آپ سے ہی آپ کی زبان میں یہ سوال کرے کہ جو لوگ جس رسول کے کلمہ گو ہونے کے دعویدار ہوں وہی لوگ اس رسول کے اہل بیت وزوجہ مطہرہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک سرے سے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کریں جنگ جمل میں۔ باوجودیکہ احترام اہل بیت وازواج مطہرات کی سخت تاکیدیں ہیں۔ بلکہ خدا نے ان کو مومنوں کی ماں قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی شان میں واہی تباہی بکنا کیا یہ اطیعوا الرسول کے خلاف نہیں کیا وہ کلمہ گو کہے جانے کے مستحق ہوں گے۔ تو آپ کے پاس اس کا کوئی جواب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب بے جا تعصب میں مبتلا ہوجاتا ہے تو وہ سر وپا کی بھی تمیز نہیں رکھتا۔ ہم یزید کی بالکل حمایت نہیں کرتے لیکن آپ کا رخ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ شہید مظلوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی ہے۔ اور یہ یقیناً غلط بات ہے۔ کیونکہ یہ الزام مولائے کائنات پر ہے۔ کہ انہوں نے دونوں طرف کے مقتولوں کو جنتی بتایا اور اپنا بھائی قرار دیا۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی الزام کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مانا ان کا دیا ہوا روپیہ قبول کرتے رہے اور انہیں خلافت سپرد کی۔ حالانکہ آپ کے بقول یہ تو کلمہ گو کہلانے کے بھی حقدار نہیں تھے۔

(۱۵) صحابی ہونے کا مدار ہمارے یا آپ کے خیال پر نہیں ہے اس بات پر ہے کس نے ایمان

کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور ایمان پر اس کا خاتمہ ہوا اس لئے آپ کا خیال کچھ ہو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمان ہوئے مسلمان انتقال فرمایا اور سالوں حضور کے صحابی بلکہ قریبی رشتہ دار بنکر رہے تو ضروری ہوا کہ رسول کے صحابی ہوں گو آپ کی صحابیت حضرت عمر کے درجہ کی نہ ہو مولائے کائنات کے رتبہ پر نہ ہو بلکہ امام حسن کے بھی ہمسر نہیں ہو کبھی خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں حسنین سے افضل ہوں یا ان کے برابر ہوں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ الزام اگر کوئی حقیقت رکھتا ہے تو معاذ اللہ خود امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی زد میں ہیں کہ انہوں نے معاذ اللہ ایک نااہل بلکہ بقول آپ کے جو کلمہ گو کہلانے کے مستحق بھی نہ ہوں ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی حالانکہ امام حسین نے اس کی مخالفت میں سر دیدیا کیا صرف گناہ کرنے والا ہی مجرم ہوتا ہے گناہ تسلیم کرنے والا بلکہ اس کی تائید کرنے والا مجرم نہ ہوگا۔ آپ مجبوری کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہ بتائیے کہ امام حسن کو حکومت معاویہ قبول کرنے میں کیا مجبوری تھی۔ معاذ اللہ ہم اہل بیت اطہار بالخصوص حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے بارے میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتے کہ مجبور ہوکر خلاف اسلام بات تسلیم کی، حق یہ ہے کہ امیر معاویہ کی حکومت اسلام میں قابل قبول تھی اس لئے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصالحت فرمائی۔ اور یزید کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے امام حسین نے سر دینا گوارہ فرمایا لیکن مصالحت کا نام نہیں لیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پس ہم کو بھی لازم ہے کہ ان کو تسلیم کریں جن کو اہل بیت نے تسلیم کیا اور اس کو رد کریں جس کو انہوں نے رد فرمایا۔ یزید کو زانی شرابی جانتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنا جانشین منتخب کیا۔ یہ کسی صحیح تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس وقت کی بعض تاریخی روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ خود امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی قیادت میں جنگ کی۔ اور اقتدا میں نماز پڑھی۔ یہ بات ضرور نامناسب ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کو ولی عہد کیوں بنایا لیکن یہ ناجائز نہ حرام۔ اگر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہا اور کہلوایا تو حضرت علی اور ان کے ہم نواؤں نے بھی سب وشتم سے گریز نہ کیا۔ تو یہ بات دو طرفہ ہے۔ یہ ایسی بات ہے جیسا کہ روایتوں میں آیا ہے۔ کہ حضرت ابن عباس نے مولائے کائنات کو برا کہا اور انہوں نے ان کو۔ لیکن اتنی سی بات سے نہ یہ دین سے نکلے نہ وہ۔

اصل یہ ہے کہ جب ایک زمانہ میں کچھ لوگ رہتے ہیں اور ان میں باہم آویزش بلکہ جنگ بھی ہو تو ایک دوسرے کو لعن وطعن یہ فطرت انسان کا انسانی تقاضا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گھر والوں کی تعریفیں کتنی کی ہیں۔ اور ان کے ساتھ کیا کیا سلوک کیا ہے۔ یہاں ہم امام اسحاق اسفرائنی کی کتاب نور العین فی مشہد الحسین کی ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"ثم انه امر بالشرع فی تجهیز الذخائر سریعا فجهزت ثم ارتحل بعساکره و جنوده واخذ معه الحسین و اخوته و قرابته وارتحل بهم جمیعا و اتی الی ناحیه: دمشق بارض الشام و نزل بها و صاربها خلیفة وحکمه سار فی جمیع الاسلام والحسن واخوته و اولاد اخیه و جمیع قرابته رجالا و نساء کبائرا و صغائرا عنده فی دمشق المحروسة یکرمهم بغایة الکرام و یوصی بهم غایة الوصیة مدمن اللیالی و الایام و لا ید عنده فوق ید الحسنین ولا امر فوق امره وکان یصرف علیهم قبل جمیع العسکر ویرکبون معه وجلوس الحسنین الی جانبه علی الکراسی"

امیر معاویہ نے اسباب کی تیاری کا حکم دیا اور وہ جلد ہی تیار ہو گئے اور حضرت امیر خدم وحشم کے ساتھ دمشق تشریف لے گئے۔

اپنے ساتھ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے قرابت داروں کو بھی لیا شام میں آپ کی حکومت قائم ہوئی سارے اہل اسلام کے وہ مسلم الثبوت حکمران ہو گئے اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تمام اعزاء واقارب حضرت امیر معاویہ کے پاس تھے جن کی وہ انتہائی تعظیم کرتے تھے اور ان کے حکم سے بڑھ کر کسی کی بات نہ تھی اور ان کے ہاتھ سے اونچا کسی کا ہاتھ نہ تھا۔

حضرت امیر معاویہ کے دائیں جانب کرسی پر رونق افروز ہوتے اور وہ ان پر ان کے متعلقین پر اپنے لشکر سے پہلے صرف کرتے۔

(۱۷) شروع میں بھی یہ بتا دیا گیا ہے اور اب یہ بات خوب دل نشیں کر لی جائے کہ نہ تو بنو امیہ میں سب ہی برے تھے نہ بنو عباس میں اور جو برے تھے ہم ان کی حمایت نہیں کرتے۔ یہ ضرور ہے کہ بہت سے اموی خلفاء اور بنو عباس کے دور میں سادات وعلوین پر مصیبتیں توڑی گئیں لیکن یہ خیال رہے کہ یہ سب خاندانی عصبیت کی بنیاد پر تھا۔ بنو امیہ کے مقابلہ میں عباسی اور علوی ایک ہی تھے۔ لیکن خود عباسیوں نے بھی علویوں پر دست تطاول دراز کیا حقیقت یہ ہے کہ اقتدار دنیا بھی بری چیز ہے۔ اس کے نشہ میں اس کی بقا کے لئے جو بھی سامنے آتا صاحبان اقتدار اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے۔ تو اختلاف وجنگ صرف خاندانی عصبیت کی بنا پر تھی اس کو بدمذہبی قرار نہیں دے سکتے نہ انکو اسلامی دائرہ سے خارج کرنا شرعاً جائز ہوگا۔

(۱۸) اہل سنت کے نزدیک دوازدہ اماموں سے مراد دینی رہنما اور مذہبی قائدین مراد ہیں صرف خلفا ہی نہیں کہ ان اماموں میں بہت سے خلیفہ نہ تھے۔ نام ان کے وہی ہیں جو مشہور ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک اور حضرات کو بھی امام کہا جاتا ہے جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام بخاری، وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ ۶ رربیع الثانی ۲۵ھ

الجواب صحیح: عبدالرؤف غفرلہ مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور

(۴۷-۵۱) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) کیا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے شہزادے دیونی کے شکم سے پیدا ہوئے تھے اور قاتلین امام حسین سے انتقام لیکر گھوڑا سمیت ایک پہاڑ میں مخفی ہیں۔ نیز قیامت کے قریب امام مہدی بنکر خارج ہونگے۔

(۲) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ کی قبر کہاں ہے؟۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے۔

(۴) حضور کی نانی جان کا نام کیا ہے؟۔

المستفتی، معلّٰی اختر دیوریاوی، متعلم دارالعلوم غوثیہ سلیم پور ضلع دیوریا

الجواب

(۱) حضرت مولیٰ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد قبیلہ بنوحنفیہ کی ایک عورت سے شادی کی تھی جن کے بطن سے حضرت محمد ابن الحنفیہ پیدا ہوئے تھے۔ یہ نہ تو کربلا میں حضرت امام کے ساتھ تھے، نہ اس کا ذکر قاتلین امام حسین سے انتقام کے سلسلہ میں ملتا ہے۔ ۶۶ رسال کی عمر میں مدینہ شریف میں ان کا انتقال ہوا اس وقت ہجری سال ۸۱ رتھا اور جنت البقیع شریف میں دفن کئے گئے باقی جنگ نامہ حضرت علی اور جنگ بیرالم کے نام سے جو قصے عوام میں مشہور ہیں یہ سب رافضیوں کا افتراء ہے اور افسانہ طرازی ہے آپ نے جو لکھا وہ بھی اسی قسم کی افواہ میں سے ہے۔

(۲) تاریخ طبری میں ہے:

"قال قتل علی علیه السلام وهو ابن ثلاث وستين سنة صبيحة ليلة الجمعة لسبع عشرة ليلة خلت من شهر رمضان ۴۰، ودفن عند المسجد الجماعة فی فقه دار الامارة"

(۱۶۰/۳)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۶۳ رسال کی عمر میں جمعہ کی صبح کو رمضان ۱۷ رتاریخ کو ۴۰ھ

میں شہید کئے گئے اور دارالامارۃ مسجد کے پاس دفن کئے گئے آج کل اس شہر کا نام نجف اشرف ہے۔

منجد میں ہے: "مدينة فی العراق بالقرب من الكوفة فيها مدفن علی بن ابی طالب"

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جبل ابوقبیس پر ہے اور بعض نے اور جگہوں کے لئے لکھا ہے۔

چنانچہ تاریخ طبری میں ہے: "وشيث واخوته فی مشارق الفردوس عند قرية هی اول قرية كانت فی الارض۔ قال ابن اسحاق ما قد مضى ذكره، واما غيره قال دفن بمكة فی غار أبی قبيس، وهو غار يقال له غار الكنز۔ وعن ابن عباس دفن آدم عليه السلام ببيت المقدس"

(تاریخ طبری: ۱/۱۰۱)

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو آبادی سب سے پہلی ہوئی اس میں دوسری روایت یہ ہے کہ غار ابوقبیس میں یا جبل الرحمۃ پر۔ تیسری روایت یہ ہے کہ بیت المقدس میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) حضور ﷺ کی نانی کا نام برہ بنت عبدالعزی ہے۔ تاریخ طبری جلد ۲ رص ۵۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۲۶ رذی الحجہ ۱۴۰۷ھ

(۵۲-۵۶) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) ابوالفضل فیضی اور ابوالفضل کس کے لڑکے تھے؟۔

(۲) مہاجروں کے سب سے پہلے امام کون ہیں؟۔

(۳) پیغمبر اسلام پر درود شریف پڑھنے کا حکم کب نازل ہوا؟۔

(۴) کس مہینے کی کون سی تاریخ تھی جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے انہیں سجدہ کررہے ہیں اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟۔

(۵) کون کون سی تاریخ کو روزہ رکھنا حرام ہے؟۔

حضور والا سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ جلد سے جلد جواب عنایت فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی محمد ابوالقاسم، مقام وپوسٹ گولدج ضلع اودے پور راجستھان

الجواب

(۱) ابوالفضل اور فیضی ملا مبارک ناگوری کے لڑکے تھے، یہ دونوں شہنشاہ اکبر کے دور کے بلکہ اس کے نورتن تھے، ملا بدایونی نے دونوں کو گمراہ گمراہ کر لکھا ہے۔ (منجد الاعلام ص ۵۳۶)

(۲) حضرت سالم جو ابوحذیفہ کے غلام تھے۔ (بخاری شریف اول ص ۹۶)

(۳) آپ پر درود پڑھنے کا حکم یہ یقینی ہے کہ مدینہ میں اترا اور اغلب یہ ہے کہ ذوالقعدہ ۵ ہجری میں اترا کیونکہ یہ آیات، آیات حجاب سے متصل ہیں اور آیات حجاب کے نزول کا وقت وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ (فتح الباری)

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب لیلۃ القدر لیلۃ الجمعۃ میں دیکھا آپ کی عمر شریف اس وقت ایک قول کے مطابق ۱۲ رسال اور ایک قول کے مطابق سات سال تھی۔ صاوی شریف جلد دوم ص ۲۱۸

(۵) عید اور بقرعید کے بعد تین دن کل پانچ یوم۔ فقط وھو تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی اعظم گڑھ، ۱۱ ر شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

(۵۷-۵۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

(۱) لیلیٰ منسوبہ بہ مجنوں کون تھیں؟ ویسے تو حضرت مجنوں علیہ الرحمہ کے بارے میں حضور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا کہ وہ محبوبان خدا سے تھے۔

(۲) شق القمر باشارہ انگشت محمدی ﷺ کا کس روایت سے ثبوت ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں تو یقین کامل ہے کہ کوئی نہ کوئی روایت ضرور ہے کیونکہ فاضل مذکور نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا) صراحۃ شعر میں فرمایا۔

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

لیکن اشارہ کی روایت نہیں مل رہی ہے۔ بیان فرمائیں امید قوی ہے کہ حضور والا جلد از جلد جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: ذاکر حسین مدرسہ عزیز العلوم قصبہ نانپارہ ضلع بہرائچ، ۲ ر جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ

الجواب

(۱) فی الحال ہمارے پاس جزیرۃ العرب کا کوئی ایسا جغرافیہ یا تاریخ نہیں کہ ہم لیلی اور مجنوں کے بارے میں کوئی تفصیلی معلومات دے سکیں۔

منجد العلوم میں ان کے بارے میں اتنا تحریر ہے: لیلی العامریۃ -(ولادت حوالی ۶۸۸ء)
صاحبۃ قیس بن الملوح الذی عرف بمجنون لیلی اشتھرت بحبھا العذری بقیس بن الملوح وبما انشدفیھا من الاشعار۔ (ص ۶۲۱)

قبیلہ بنو عامر سے لیلیٰ تھی، ۶۸۸ء کے ارد گرد اس کی ولادت ہوئی (اسی قبیلہ سے مجنوں بھی تھے) قیس بن ملوح جو مجنوں کے لقب سے مشہور ہیں۔ لیلی انہیں کی صاحبہ تھی۔ مجنون کے ساتھ اپنی پاک محبت کی وجہ سے اور مجنوں نے لیلیٰ کے نام سے جو اشعار کہے اسی سے لیلیٰ کی شہرت ہوئی۔

حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ ۵۷۰ء میں ہوئی اس اعتبار سے یہ اسلامی عہد کی شخصیتیں ہوئیں اور دونوں ایک ہی قبیلہ کے افراد تھے۔ اعلیٰحضرت نے زرقانی کے واسطہ سے جو روایت کی ہے اس میں اور اس روایت میں کوئی منافات نہیں۔

صوفیائے کرام اپنی واردات قلب کو در حدیث دیگراں بیان کرتے تھے۔ مجنوں نے بھی اپنے اشعار میں پردے کے لئے لیلیٰ کا نام لے لیا ہو اور مجازی طور پر بھی دونوں کی محبت کے پاک ہونے کی گواہی تو صاحب منجد العلوم بھی دے رہے ہیں۔

(۲) محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی معروف ومشہور کتاب مدارج النبوۃ جلد اول ص ۱۸۱۔ باب المعجزات وفصل معجزہ شق قمر میں فرمایا:

روایت کردہ اند جمع کثیر از صحابہ وگفتند طلب کردند کفار قریش از آں حضرت ﷺ آیتے را وگفتند کہ اگر صادقی دو پارہ کن قمر را پس اشارت کرد آں حضرت بقمر ودو شق شد ودیدند جبل حرا در میان وفرمود آں حضرت علیہ السلام اشھدوا۔

صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے معجزہ شق قمر کو روایت کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ کفار قریش نے آں حضرت ﷺ سے کوئی نشانی چاہی اور کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دیجئے پس آں حضرت ﷺ نے چاند کو اشارہ کیا اور وہ دو حصہ ہو گیا اور کفار نے دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑوں کے بیچ میں جبل حراء ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لوگو! گواہ رہنا۔

حضرت شیخ محقق کا روایت کو اس لفظ (اشارہ) کے ساتھ بیان کرنا اور اسے اپنی کتاب میں ثابت رکھنا بھروسے کے لئے کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مؤ، ۲۲ ر ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ

(۵۹-۶۲) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسائل میں کہ

(۱) نماز سب سے پہلے کون پڑھے امام کون اور مقتدی کون تھے۔ شب معراج کی نماز سرکار نے کتنے رکعت پڑھائی۔ اور قبر شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے تو وہ کون سی نماز تھی۔

(۲) عید، رمضان اور عید الاضحیٰ یہ عیدین کب سے شروع ہوئے۔ اور محرم سب سے پہلے کس نے

منانا شروع کیا؟۔

(۳) جو بارہ مہینوں کے نام ہیں یہ کب سے ہیں۔ اسلام کے آنے سے پہلے بھی یہی نام تھے۔

محمد رباشاہ قادری

الجواب

(۱) حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار جلد اول باب صلوۃ الوسطی میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عائش نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ فجر کے وقت اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تو آپ نے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی یہ نماز صبح ہوئی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منی میں جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش فرمائی اور اللہ پاک نے ان کے فدیہ میں جنت سے دنبہ اتارا اور وہ قربان ہوا تو یہ ظہر کا وقت تھا آپ نے شکرانہ میں ۴ر رکعت پڑھی تو یہ نماز ظہر ہوئی۔

بقول اکثر مفسرین حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ قرآن عظیم میں بیان ہوا، آپ کا گزر ایک بستی پر ہوا جو ڈھی پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اس کو کیونکر جلائے گا اس کی موت کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے اسے مردہ رکھا سو برس تک (یہ واقعہ صبح کے وقت ہوا) پھر زندہ کردیا (زندہ کرنے کا واقعہ عصر کے وقت ہوا) اور فرمایا تو یہاں کتنے دن ٹھہرا فرمایا دن بھر ٹھہرا ہونگا یا کچھ کم۔ ارشاد ہوا نہیں تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ اب تک نہ سڑا اور گدھے کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں۔ قرآن عظیم پارہ ۳ سورہ بقرہ۔

حضرت ابن عائش فرماتے ہیں کہ اس دوبارہ جینے کے شکریہ میں حضرت عزیر علیہ السلام نے چار رکعت پڑھی تو یہ عصر ہوئی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی مغفرت کے شکرانہ میں چار رکعت پڑھنی چاہی تو تیسری رکعت میں ہی تھک کر بیٹھ گئے۔ تو مغرب کی نماز تین رکعت ہوگئی۔ اور عشاء کی نماز سب سے پہلے ہمارے نبی ﷺ نے پڑھی۔ (طحاوی جلد اول ص ۱۰۴)

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ نماز پنج وقتہ میں کس نماز کی ابتدا کس وقت ہوئی اور کس نے سب سے پہلے پڑھی۔

مزید تفصیل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتاوی رضویہ دوم ص ۱۴۶ر میں مذکور ہے۔ فتاوی رضویہ سے ہی آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ ابتدا میں حضور کی اقتدا کس کس نے کی اور خود حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اقتدا میں ابتدائی دنوں کی نماز ادا فرمائی۔

اسی طرح بیت المقدس میں جو نماز حضور ﷺ نے انبیاء کو پڑھائی وہ فرض تھی یا نفل تھی وغیرہا۔ قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز حصول لذت کے لئے تھی کیونکہ عالم برزخ دار العمل نہیں۔ دار الجزاء ہے۔ ایک حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

"الانبیاء لایترکون فی قبورھم لایصلون الا اربعین یوما او کماقال"

(۲) حاشیہ مراقی الفلاح للطحاوی میں ہے ص ۳۱۶ر روزہ تحویل قبلہ کے بعد ۱۰ر شعبان ہجرۃ کے ڈیڑھ سال بعد فرض ہوا۔ اور اسی کتاب کے ص ۲۸۸ر پر ہے کہ عید ہجرت کے پہلے سال میں حضور ﷺ نے مقرر فرمائی اور ثبوت میں ابوداؤد شریف کی یہ حدیث نقل کی کہ۔

حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ تو اہل مدینہ کے دو تہوار تھے جس دن وہ لہو ولعب میں مصروف رہتے تو حضور ﷺ نے ان کے لئے ان دونوں کے بدلہ میں عید اور بقرعید کے دو دن مقرر فرمائے۔ ان کے منانے کا ڈھنگ اور طریقہ بتایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بقرعید بھی پہلے ہی سال عید کے ساتھ ہی مقرر کی گئی۔ محرم کے عشرہ اولی میں جو رسم تعزیہ داری شیعوں میں اور ان کے دیکھا دیکھی سنیوں میں رائج ہوگئی ہے مجلس شہادت اور ایصال ثواب کے سوا سب ناجائز اور حرام ہیں۔ مولانا احمد رضا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی کی تردید میں ایک رسالہ تعزیہ داری تحریر فرمایا ہے۔ اس کو مطالعہ کریں۔

(۳) عربی مہینوں کے نام کے بارے میں دونوں ہی قسم کی روایتیں ہیں یہ کہ یہ اظہار اسلام سے پہلے سے ہی مقرر شدہ ہیں۔ اور کچھ بعد اسلام کے قائل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مئو، ۱۲ر شوال المکرم ۱۴۱۹ھ

(۶۳-۶۷) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ

(۱) وہابی کی پیدائش کہاں سے ہے؟۔

(۲) وہابی امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟۔

(۳) زید جو سنی ہے مصلحتاً کبھی وہابی امام کے پیچھے نماز پڑھ کر اعادہ کر لیتا ہے اور کبھی ایسا نہیں کرتا از روئے شرع کیسا ہے؟۔

(۴) اذان ثانی کہاں سے ہو؟۔

(۵) تکبیر کے پہلے سے زید اخیر تک کھڑا رہتا ہے از روئے شرع کب سے کھڑا ہونا چاہئے؟ قرآن شریف اور مستند کتابوں سے بالتفصیل جوابات عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی، محمد حسن لہر سر پور گوپال گنج بہار

الجواب

(۱) محمد ابن عبدالوہاب مسلیمہ کذاب کے قبیلہ بنو تمیم میں علاقہ نجد کی وادی عیینہ میں ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر مزید حصول علم کے لئے مدینہ شریف گیا اس کے دو استاد ابن تیمیہ حرانی کے سخت معتقد تھے اور تقلید کے منکر تھے اور یہ بھی انہیں سے متاثر ہوا بلکہ ان سے دو قدم آگے ہوگیا۔ زیارت قبور اولیاء اور توسل بالانبیاء والاولیاء کی وجہ سے یہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہتا تھا اور ان کے قتل وغارت گری کو حلال جانتا تھا وادی عیینہ کے ہی مقام درعیہ کے امیر سعود نے شیخ نجد محمد بن عبدالوہاب کی دعوت قبول کی اور شیخ ہی کے فرمان کے موافق انگریزوں کی پشت پناہی سے حجاز وعرب کے سچے مسلمانوں کے خلاف جہاد کے نام پر جنگ شروع کی اور مختلف معرکہ آرائیوں اور شکست وفتح کے بعد حجاز مقدس پر اس کا غلبہ ہوگیا اور اس دوران محرم ۱۲۲۱ھ میں پوری دنیا کے نمائندہ اجتماع میں جو مسجد الحرام میں منعقد ہوا تھا اس کے اور اس کے متبعین کے کفر کا اجتماعی فتویٰ دیا گیا تھا اسی شیخ ابن عبدالوہاب کو اور اس کے متبعین کو وہابی کہا جاتا ہے۔

ہندوستان میں دہلی کے علمی خانوادہ ولی اللہی کے ایک بگڑے ہوئے فرد نے عقیدہ واعمال دونوں ہی میں شیخ نجدی کی اتباع کی۔ ہندوستان کے غیر مقلد اس شجر نامبارک کے برگ وبار ہیں۔

دیوبندی صاحبان عمل میں تو حنفی مسائل کے پابند ہیں۔ مگر عقائد میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کے پیروکار بلکہ ان لوگوں نے توہین رسالت میں خود اپنی مستقل حیثیت بنالی ہے۔

اس لئے ہندوستان میں وہابیوں کی دو شاخیں ہوگئیں۔ دیوبندی وہابی اور غیر مقلد وہابی۔

(۲) وہابیوں میں جس کی گمراہی حد کفر کو پہونچی اس کے پیچھے نماز باطل ہے کہ نماز ہوگی ہی نہیں اور جس کی گمرہی حد کفر کو نہیں پہونچی ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قابل اعادہ ہے کہ پڑھ لیا تو دوبارہ دہراؤ۔ اور ایسے گمراہ کو امام بنانا گناہ۔ اور کسی ترکیب سے ایسا شخص امام ہوگیا تو بشرط استطاعت اس کو امامت سے علحدہ کرنا واجب ہے۔

عالمگیری میں ہے: "وان کان هویً لایکفر به صاحبه تجوز الصلوة خلفه مع الکراهة والا فلا۔ (کتاب الصلوۃ۔ الباب الخامس فی الامامۃ: ۱/۱۰۷)

اور شامی میں ہے: "ومشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم"

(باب الامامة: ۲/۲۵۵)

(۳) امام کی وہابیت اگر حد کفر کو پہونچی ہو اور زید نے اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی اقتداء کی تو زید

خود اسلام سے خارج ہوگیا۔ اس پر توبہ تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے۔

درمختار میں ہے: "ومایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتحدید النکاح"

اور اگر اس کو کافر مانکر اور اس کے پیچھے نماز ناجائز جانتے ہوئے پڑھی یا امام کی گمرہی حد کفر نہ پہونچی ایسے شخص کی امامت میں نماز پڑھ لی تو گنہگار ہوا۔ توبہ واستغفار اور نماز کا اعادہ لازم ہے۔

اوپر عالمگیری اور شامی کی عبارتوں سے یہ احکام ظاہر ہیں۔

(۴) خطبہ کی اذان مسجد کا جتنا حصہ نماز کے لئے بنایا گیا ہے اس کے باہر اور خطیب کے سامنے ہونی چاہئے فقہ کی تمام کتابوں میں ہے: "انما یوذن علی مئذنة او خارج المسجد ولایوذن فی المسجد"

(۵) امام اور مقتدی دونوں مصلے پر ہوں تو کھڑے ہوکر اقامت سننا منع ہے۔ موذن جب حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوجائے۔

عالمگیری میں ہے: "ان کان الموذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانه یقوم الامام والقوم اذا قال الموذن حی علی الفلاح"۔

(کتاب الصلوۃ۔ الباب الثانی فی الاذان: ۱/۷۴) واللہ تعالیٰ اعلم

عبدالمنان اعظمی، شمس العلوم گھوسی مؤ، ۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ

(۶۸) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام آزر ہے یا تارح؟ اور بیان فرمائیں کہ کسی نبی کے والد والدہ۔ کافر کافرہ ہوسکتے یا نہیں؟ نیز اس عبارت کی تحقیقانہ تشریح کریں۔ عین کرم ہوگا۔

قوله لابیه قیل حقیقة وهو مامشی علیه السیوطی فی سورة الانعام تبعا للمفسر هنا ولا یضر کفر اصول الانبیاء فان الله یخرج الحی من المیت ولاینافیه قوله ﷺ مازلت انتقل من الاصلاب الطاهرة الی الارحام الفاخرة لان المعنی الطاهرة من سفاح الجاهلیة وان کانوا کفارا او یقال ان آزر لم یتحقق کفره الا بعد بعثه ابراهیم وحینئذ فقد انتقل منه النور المحمدی الی ولده هو فی حالة الفطرة وقیل هو عمه واسم ابیه تارح وسمی ابا علی عادة الاکابر من تسمیة العم ابا او علیه فلایرد الحدیث المقدم وهما قولان للمفسرین ۱۲ صاوی۔ (جلالین شریف۔ تفسیر سورہ مریم: ۴۲۔ ص ۲۵۶)

المستفتی: محمد علی حسین عفی عنہ، بریلی شریف یوپی

الجواب

حضرت علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس حاشیہ کا خلاصہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر تھے اور وہ بت پرست رہے تھے۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ انبیاء کے والدین اہل توحید وایمان ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ جب مردہ قطرہ منی سے متحرک انعال انسان بنادیتا ہے تو کافر باپ سے مومن بندے کو پیدا کرنا کیا بعید ہے۔

اس قول پر اس حدیث سے اعتراض پڑتا تھا کہ سرکار نے فرمایا: میں برابر طاہر پشتوں سے محترم رحموں میں منتقل ہوتا رہا۔ اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ طاہر صلبوں اور پاک رحموں کا مطلب زنا کی آلودگیوں سے پاک ہونا ہے کفر سے پاک ہونا مراد نہیں۔

لیکن یہ جواب اس طرح کمزور ہو جاتا ہے کہ قرآن عظیم میں مشرکوں کو ناپاک فرمایا ہے تو سرکار کے امہات وآباء مشرک ہوں۔ تو ان کو پاک کہنا کیسے صحیح ہوگا۔

اس طرح بخاری شریف کی حدیث ہے:

"بعثت من خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا" (صحیح البخاری۔ کتاب المناقب: ۸۷۱/۲)

مجھے ہر عہد کے بہترین لوگوں میں پیدا فرمایا۔

یا قرآن شریف کی آیت۔ ﴿تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ﴾ (الشعراء: ۲۱۹)

کہ ہم آپ کو سجدہ کرنے والوں میں بدلتے رہیں گے۔ جب حضور کے آباء اجداد اپنے عہد کے بہترین اور اللہ کو سجدہ کرنے والوں میں سے ہونگے۔ تو وہ مشرک کیسے ہو سکتے ہیں۔

تو انہوں نے اس تاویل کا سہارا لیا کہ حضرت ابراہیم کے والد آزر ہی تھے۔ مگر وہ حضرت ابراہیم کی ولادۃ سے پہلے اہل فترۃ (یعنی دو نبوتوں کے درمیانی زمانہ کے لوگ جب پہلی نبوۃ کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور نئی نبوت کا ابھی ظہور نہیں ہوتا) میں سے ہیں جو کسی شریعت کے مکلف نہیں ہوتے اور وہ اہل مغفرۃ اور اہل جنت ہوتے ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی صلب میں تھے اس وقت ان پر مشرک وکافر ہونے کا حکم نہیں تھا۔ اور جب وہ نور ولادت پاک عالم ظہور میں آیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی تعلیم شروع کی تو اس کا انکار کر کے مشرک ہوئے۔ حاصل یہ ہوا ان کی ولادۃ کا دور تھا تو ان پر حکم شرک جاری نہیں تھا۔ اور جب مشرک ہوئے تو پاک ہونے کی فضیلت سے خالی ہو گئے یہ پہلا قول تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارح تھے وہ اہل ایمان وتوحید تھے۔ آزر ان کے چچا کا نام تھا وہ البتہ بت پرست صنم گر تھے۔ اس پر یہ اعتراض واقع ہوا کہ اگر وہ چچا تھے تو قرآن نے ان کو حضرت ابراہیم کا باپ کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی محاورہ میں ہر چھوٹے کو بھتیجا اور ہر بڑے کو چچا کہتے ہیں۔ اسی طرح چچا کو باپ کہا گیا حالانکہ وہ رشتہ میں حضرت اسحاق کے بھائی اور حضرت یعقوب کے چچا تھے۔ (علیہم السلام)

﴿قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰـهَكَ وَإِلٰـهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ﴾ (البقرۃ: ۱۳۳)

حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بات کی طرف اور اشارہ کرتے ہیں۔ پہلا قول خود حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پسندیدہ نہیں ہے بلکہ جلال الدین محلی کی اتباع میں انہوں نے یہ قول اختیار کیا ہے اس مسئلہ کو پوری تفصیل دیکھنی ہو تو (حاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۰۲ سے ۲۳۳ تک) ملاحظہ کیا جائے، ہم کو تو امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بات بہت پسند آئی۔

ہمارے نزدیک صحیح وراجح یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے آباء وامہات حضرت عبد اللہ وآمنہ سے لیکر حضرت آدم وحوا علیہم السلام تک سب اہل توحید واسلام ونجات ہیں تو انہیں ایصال ثواب میں حرج نہیں البتہ اختلاف علماء سے بچنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ ثواب نذر بارگاہ بیکس پناہ حضور اقدس ﷺ کرے اور حضور کے طفیل میں حضور کے علاقہ والوں کو۔ (احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۵۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی مؤ ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

(۶۹-۷۰) **مسئلہ**: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) دعائے یونس کی فضیلت قرآن پاک اور تفسیر سے ظاہر ہے۔ مگر کسی مصیبت کے نجات کے لیے ہمارے علاقے میں سوالاکھ بار دعائے یونس پڑھنے کا رواج ہے۔ اور پھر کھلے سر پڑھی جاتی ہے۔ جو اب طلب ایں کہ

(الف) کتنے بار پڑھنے میں خصوصی فضیلت حاصل ہے؟۔

(ب) سر کھول کر پڑھنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔

(ج) کیا مذکورہ طریقہ کسی حدیث پاک سے ثابت ہے یا کسی بزرگ کے قول سے؟۔

برائے کرم وضاحت فرمائیں۔

(۲) اسی طرح کلمہ شریف وکلمہ طیبہ کسی کے ایصال ثواب ومغفرت کے لیے کتنے بار پڑھنے کا حکم ہے؟ ۔

المستفتی: فضل رسول

الجواب

(۱) بے شک دعائے یونس کا ذکر قرآن مجید میں ہے، اور اس کے فضائل وفوائد کا تذکرہ احادیث کریمہ میں موجود ہے۔ سورۃ انبیا شریف میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾[الانبیاء:۸۷]

تو اندھیریوں میں پکارا کوئی معبود نہیں سوائے تیرے پاکی ہے تجھ کو، بے شک مجھ سے بے جا ہوا تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور غم سے نجات بخشی اور ایسے ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو

حاکم اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا اور اس کی تخریج کی اور امام احمد ابن حنبل اور امام نسائی نے بھی روایت کیا کہ: مامن مکروب یدعوا بھذا الدعاء الا استجیب له۔

(عنایۃ القاضی شرح بیضاوی ص ۲۶۹)

جو بھی بے چینی میں اس دعا کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کریگا۔

اور حاکم نے روایت کیا: عن سعد بن وقاص و دعوة ذی النون اذدعاه و هو فی بطن الحوت لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظلمين۔ لا يدعوا بها رجل مسلم الا استجاب الله له۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۵۰۵)

حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ دعا جسے حضرت ذوالنون (یونس علیہ السلام) نے مچھلی کے پیٹ میں پڑھا تھا (لا الہ الا انت الخ) ہے۔ جو مسلمان اس دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریگا تو اللہ تعالیٰ قبول کریگا۔

رہ گیا اس کے پڑھنے کی خصوصی تعداد کے بارے میں آپ کا سوال مذکورہ بالا حدیثوں سے کم از کم ایک بار ثابت ہوا ہے۔ اور زائد کی کوئی ممانعت نہیں۔

امام حاکم نے ایک حدیث حضرت سعد ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے روایت کی جس میں چالیس بار کا ذکر ہے: "عن سعد بن مالك ايما مسلم دعابه فی مرضه اربعين مرة فمات من ذلك المرض اعطى اجر شهيد و ان برآ برأ و قد غفرله ذنوبه"

(مستدرک جلد اول ص ۵۰۶، کنز العمال جلد اول ص ۵۵۲)

جو مسلمان کسی بیماری میں دعائے یونس کو چالیس مرتبہ پڑھے گا اگر اسی بیماری میں اس کا انتقال ہوگیا تو اسے شہید کا اجر ملے گا۔ اور اچھا ہوا تو اس حال میں اچھا ہوگا کہ اس کے گناہ بھی معاف ہوں گے۔

ایک کتاب دہلی سے "معمولات جہانیاں جہاں گشت" کے نام سے شائع ہوئی، اس میں نماز حاجت کے نام سے چار رکعت نماز پڑھنے کے لیے لکھا ہے، جس میں پہلی رکعت میں الحمد شریف کے بعد سو بار ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾[الانبیاء:۸۷] پڑھنے کے لیے لکھا ہے۔

کتاب الدعوات، مرتبہ مفتی ماجد صاحب بہاری ص ۶۱ پر تحریر ہے:

﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾[الانبیاء:۸۷]

ان کلمات کو کامل طہارت اور یک سوئی کے ساتھ روزانہ دو ہزار تین سو پچھتر مرتبہ پڑھا کریں،

اور اپنے اساتذہ میں حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ اکثر حل مشکلات اور کشائش مہمات کے لیے دعائے یونس علیہ السلام کا ختم سوا لاکھ بار پڑھواتے اور ختم ورد پر حصول مقصد کے لیے دعا کرتے۔ مذکورہ بالا توضیحات سے ظاہر ہوا کہ دعائے یونس علیہ السلام کا ورد مطلقاً بلا تعداد مقررہ اور بہ تعداد مقررہ دونوں ہی طریقوں سے احادیث کریمہ سے ثابت ہے۔ علماء وصلحاء و بزرگان دین نے مختلف مقاصد میں اس سے زیادہ تعداد میں بھی اس دعا کو پڑھنے کا معمول رکھا۔ تو آپ کی مطلوبہ تعداد بھی ممکن ہے کسی خبر واثر میں وارد ہو۔ ممکن ہے کہ صلحا نے اپنے بار بار کے تجربہ سے حل مشکلات کے لیے یہ تعداد معتمد پائی ہو۔ یا کشف والہام کے ذریعہ ان پر یہ ظاہر ہوا ہو۔ اور شرعا اس کی کوئی ممانعت نہیں تو اس کے موافق عمل درآمد میں شرعا کوئی قباحت نہیں۔

اور یہ سر کھولنے کی پابندی بھی الحاح وزاری کے اظہار اور خشوع وخضوع کی غرض سے ہو تو مستحسن ہے۔ یہ امور آداب دعا میں شمار ہوتے ہیں۔ بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۷۱ میں ہے:

سستی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور خشوع وخضوع کے لیے برہنہ سر نماز پڑھی تو مستحب ہے۔

(۲) مردے کو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ شریف پڑھ کر ایصال ثواب کی حکایت کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے الملفوظ حصہ اول ص ۸۲/۸۳ پر شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب بیان کیا اور اس میں اس مضمون کی حدیث کا ذکر بھی ہوا کہ شیخ اکبر نے فرمایا کہ مجھے اس حدیث کی تصحیح ایک لڑکے کے کشف سے ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی، ضلع مئو ۲۹ رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

فہارس

فہرست آیات

فہرست احادیث

فہرست مسائل

ماخذ و مراجع

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

کی تقریباً تین سو کتابوں سے ماخوذ احادیث و آثار، تفسیری مباحث اور افادات رضویہ پر مشتمل علوم و معارف کا گنج گراں مایہ

جامع الاحادیث مکمل

دس جلدیں مع افادات

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

تقدیم، ترتیب، تخریج، ترجمہ

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

خصوصیات کتاب

☆ احادیث و آثار کی ترتیب فقہی ابواب پر
☆ آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح
☆ تقریباً چھ سو آیات کی محققانہ تفسیر
☆ مآخذ و مراجع کی صفحہ جلد کے ساتھ وضاحت
☆ تدوین و اصول حدیث پر مقدمہ کتاب
☆ محدثین و مفسرین اور فقہا کے حالات
☆ ہند و پاک کے علماء و مشائخ کی تقاریظ
☆ خوبصورت جلد کے ساتھ عمدہ کاغذ و طباعت

قیمت مکمل دس جلدیں Rs.4000

جہانگیری

صحیح بخاری شریف

ترجمہ

قدوۃ العلماء المحققین

زبدۃ الفضلاء المدققین

ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر

اداماللہ تعالیٰ معالیہ وبارک ایامہ ولیالیہ

8 جلدیں مکمل

20 کتب سے تخریج

فتاویٰ اجملیہ
مفتی شاہ محمد اجمل قادری رضوی
مکمل 4 جلدیں

فتاویٰ فقیہ ملت
علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ
2 جلدیں

فتاویٰ حامدیہ
مفتی محمد حامد رضا خان

فتاویٰ بریلی شریف
محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی احمد یونس رضا اویسی

فتاویٰ مصطفویہ
مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ فیض الرسول
حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ رضویہ
امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
33 جلدیں

فتاویٰ صدر الافاضل
مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ افریقہ
امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ

فتاویٰ یورپ
مفتی عبد الواحد قادری

حبیب الفتاویٰ
مفتی محمد حبیب اللہ اشرفی نعیمی

فتاویٰ ملک العلماء
مولانا شاہ محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006